مراثی انیسؔ

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور

مراثی انیس

مکمل

جلد دوم

تیس (۳۰) مرثیے

نیز ۱۹ رباعیات اور دو سلام

جن میں

خصوصاً سات مراثی اُردو ادب میں اہم ترین خصوصیت کے حامل ہیں
اور ادبی دُنیا میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتے ہیں

مرتبہ

نائب حسین نقوی امروہوی

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پرنٹرز و پبلشرز، کشمیری بازار لاہور، بندر روڈ کراچی (پوسٹ بکس ۵۲۸ لاہور)

سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۲۵

تصنیف	میر ببر علی انیس
مقدمہ	سید احتشام حسین
ترتیب	نائب حسین نقوی
طابع	شیخ نیاز احمد
مطبع	علمی پرنٹنگ پریس لاہور
تعداد اشاعت	۱۰۰۰ سیٹ
مقام اشاعت	کتاب منزل کشمیری بازار لاہور
سال اشاعت	۱۹۵۹ء
قیمت مکمل بلا جلد چاروں حصے ...	بتیس روپے -/۳۲ روپے
قیمت مکمل مجلد چاروں جلدیں ...	چھتیس روپے -/۳۶ روپے

لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

مراثیِ انیسؔ

جلد دوم

تیس (۳۰) مرثیے

۲۵ رباعیات اور تین (۳) سلام

جن میں

خصوصاً سات مراثی اُردو ادب میں اہم ترین خصوصیت کے حامل ہیں
اور ادبی دُنیا میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتے ہیں

مرتبہ

نائب حسین نقوی امروہوی

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز (کتاب منزل)، کشمیری بازار، لاہور

شیخ نیاز احمد پرنٹر و پبلشر نے اپنے علمی پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپوا کر
(کتاب منزل) کشمیری بازار لاہور سے
شائع کیا۔

خاص خاص مرثیے

موجودہ جلد میں تیس ۳۰ مراثی شامل ہیں۔ جن میں ۳۳۶۱ بند ہیں۔

مراثی، تقریباً سب ہی علی الترتیب ہیں۔ تاکہ مرثیہ خوانی کے نظریات کے تحت پڑھے جا سکیں۔

حسب ذیل مراثی میں ہر قسم کے بلند اور اعلیٰ مضامین مل سکتے ہیں۔

مرثیہ نمبر ۲۔ فرزند پیمبر کا مدینے سے سفر ہے۔

مرثیہ نمبر ۵۔ بخدا فارس میدان تہوّر تھا حُر ۔ (یہ مرثیہ انیس کے معرکۃ الآرا مراثی میں شامل ہے)

مرثیہ نمبر ۱۰۔ اے تیغ زباں جوہر تقریر دکھا دے (حضرت عباس کی شان میں)

مرثیہ نمبر ۱۱۔ آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی

مرثیہ نمبر ۲۲۔ جب آمد سرور دو عالم ہوئی رن میں

مرثیہ نمبر ۲۶۔ آمد آمد حرم شاہ کی دربار میں ہے (اس مرثیے میں جناب زینب کے خطبے کا ترجمہ ہے)

مرثیہ نمبر ۳۰۔ رطب اللساں ہوں مدح شہ خاص و عام میں

فقط خدا احب

مرتبہ

نائب نقوی

فہرست مراثی

جلدِ دوم

فہرست رباعیات

جلد دوم

مندرجہ ذیل رباعیات بعد میں شامل کی گئیں

فہرست سلام

جلد دوم

۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرثیہ
بند ۱۵۰

عرش خدا مقام جنابِ امیرؑ ہے
کرسی بھی تحتِ بام جنابِ امیرؑ ہے
مسطورِ لوح نام جنابِ امیرؑ ہے
آیاتِ حق کلام جنابِ امیرؑ ہے
ایسا کسی کو خلق میں رتبہ ملا نہیں
ساری خدا کی شان ہے لیکن خدا نہیں

ظاہر علیؑ کی ذات سے ہے قدرتِ خدا
بازوئے مصطفیٰؐ ہے درِ رحمتِ خدا
یعسوبِ دیں امیرِ عرب حجتِ خدا
شیرِ خدا پہ ختم ہوئی طاعتِ خدا
قیمت نہ دے سکا کوئی جس کی حجاز میں
سائل کو بخش دی وہ انگوٹھی نماز میں

ہے وہ کلیم عرش بریں جس کا طور ہے
خورشیدِ دیں ہے ایمنِ ایماں کا نور ہے
ہر سمت ذاتِ پاک کا اُس کی ظہور ہے
جو بے علیؑ ہے دور وہ رحمت سے دور ہے
ہے راست پر وہی جسے حیدرؑ سے راہ ہے
حبِ علیؑ نہ ہو تو عبادت گناہ ہے

اکثر بیان کرتے تھے محبوبِ کردگار
اشجار گر جہاں کے قلم ہو ویں ایک بار
اور ہوں مداد بن کے رواں ایک جا بحار
لکھیں ازل سے تا بہ ابد اہلِ روزگار
دریا ہوں صرف اور قلم اختتام ہوں
لیکن نہ شیرِ حق کے فضائل تمام ہوں

تھا فضلِ حق سے مظہرِ اعجاز وہ امام
خورشید سات بار ہوا اُن سے ہم کلام
جو صبح سے زمیں پہ گزرتا تھا تا بہ شام
کہتی تھی بوترابؑ سے شب کو خبر تمام
اعجازِ عیسوی کئی باری دکھا دیے
تھا یہ اثر زباں میں کہ مردے جلا دیے

تھے حافظِ کلامِ خدا شاہِ ذوالفقار
لکھا ہے ہونے لگتے تھے دُلدل پہ جب سوار
دے کر رکاب میں قدمِ پاک کو قرار
قرآں شروع کرتا تھا وہ شیرِ کردگار
کس کا بغیر مصحفِ ناطق یہ کام تھا
پہونچا اُدھر جو پانوں تو قرآں تمام تھا

عالم میں مرتضیٰ کی ولادت کی دھوم ہے
کعبے کے گرد قدسیوں کا اک ہجوم ہے
غل تہنیت کا شام سے لے تا بہ روم ہے
کس دبدبے سے آمد باب علوم ہے
ارکان کعبہ راست ہیں تعظیم کے لیے
محراب خم ہے شاہ کی تسلیم کے لیے

ہر چند تھے مقرب حق اور بھی نبیؐ
پیدا ہوا نہ تھا کوئی اس جا بجز علیؑ
عیسیٰؑ کی والدہ کو نہ مطلق رضا ملی
بنت اسد کو پر ہوا فرمان ایزدی
کب رتبہ تھا یہ اور پیمبرؐ کے واسطے
دیوار کعبہ شق ہوئی حیدرؑ کے واسطے

اللہ رے وقار زہے عز و احتشام
دنیا میں خلق ہونے کا پایہ عجب مقام
رونق فزائے کعبہ ہوا جب کہ وہ امام
طاقوں سے کانپ کانپ کے بت گر پڑے تمام
برپا نشانِ کفر جو تھا دور ہو گیا
کعبہ خدا کے نور سے معمور ہو گیا

آیا خدا کے گھر میں جو وہ غیرت قمر
تھا شور تہنیت کا ملائک میں عرش پر
تھے پرتو جمال سے تابندہ بام و در
ہر سنگ بن گیا تھا وہیں آئینے کا گھر
ضو اس قدر تھی حسنِ علیؑ کے ظہور کی
روشن تھا طور کعبہ تجلی سے نور کی

پیدا ہو جس مقام پہ شاہنشہ نجف
کس طرح اس زمیں کو فلک پر نہ ہو شرف
سجدے کو سرنگوں تھی ملائک کی صف بہ صف
کیا دُر تھا جس کا خانۂ کعبہ ہوا صدف
حق ہے کہ قبلۂ دو جہاں وہ ولی ہوا
اعلیٰ جو تھا تو اسم مبارک علیؑ ہوا

گردوں پہ یک بیک جو ہوئی روشنی عیاں
اور ہو گئی دو چند ضیائے ستارگاں
گھبرا کے تب یہ کہنے لگے ساکن جہاں
کچھ تازہ حادثہ ہوا بالائے آسماں
آئی ندا یہ حسنِ علیؑ کا ظہور ہے
آدمؑ سے پہلے خلق ہوا جو وہ نور ہے

پیدا ہوا ہے آج دو عالم کا پیشوا
زیبا ہے جس کے جسم پہ تشریف انما
دستِ خدا امیر عرب شاہ لافتا
باب فتوح قوت بازوئے مصطفیٰ
جان یقیں ہے زہد و ورع میں وحید ہے
گنجینۂ علوم خدا کی کلید ہے

بوئے علیؑ جو لے کے گئی خلد میں نسیم
پھولے سماتے تھے نہ گل جنت النعیم
کوثر کے لب سے آئی صدا شکر اے کریم
پیدا کیا جہاں میں تو نے مرا قسیم
پوری ترے کرم سے ہوئی آرزو مری
پہلے سے اب دو چند ہوئی آبرو مری

اُس روز کے جلوس کا ہو کس طرح بیاں
جس روز کی خوشی کرے خلاق دو جہاں
افلاک سے ملک چلے آتے تھے شادماں
غرفوں سے حوریں تکتی تھیں کعبے کو ہر زماں
حبِ علیؑ کا چشمۂ کوثر کو جوش تھا
فرمانِ حق سے شعلۂ دوزخ خموش تھا
مصروفِ اہتمام تھیں ارواحِ انبیاؑ
پلکوں سے کر رہے تھے ملک کعبے کو صفا
گلدستۂ جناں لیے حاضر خلیلؑ تھا
عیسیٰؑ طبق میں لائے تھے واں بھر کے مائدا
موسیٰؑ عصا لیے صفتِ دور باش تھا
زمزم سے صحنِ کعبہ میں خضرؑ آب پاش تھا

روح القدس کو پہونچا یہ فرمانِ ایزدی
مژدہ مرے حبیبؐ کو دے جا کے اس گھڑی
گھر میں ہمارے آج تولد ہوا علیؑ
ہم ہیں خوشی تجھے بھی مبارک ہو یہ خوشی
سِرِّ خفی جو تھا اُسے ہم نے جلی کیا
بھائی تجھے دیا ترا بازو قوی کیا
بھیجا ہے اس کو تیری حفاظت کے واسطے
پیدا کیا ہے اس کو ہدایت کے واسطے
کافی ہے اس کا زور حمایت کے واسطے
ہے یہ دلیل تیری رسالت کے واسطے
برپا نشانِ دیں ہو علم ذوالفقار ہو
نزدیک ہے کہ دینِ خدا آشکار ہو

موقوف تھا اسی پہ رسالت کا بندوبست
دے گا یہ شیر لشکرِ کفار کو شکست
اب ہوں گے بت پرست ہزاروں خدا پرست
ہو جائیں گے جہاں کے زبردست زیر دست
تیرا کوئی نظیر نہ اس کا نظیر ہے
تو بادشاہِ خلق ہے اور یہ وزیر ہے
پیارا اسے ہے یہ ہمیں اے فخرِ مرسلیں
برپا کیا ہے ہم نے جہاں میں یہ رکنِ دیں
یہ تاجِ آسماں ہے یہ زینتِ زمیں
یہ کعبۂ مراد ہے یہ قبلۂ یقیں
جو دوست اس کا ہے وہ ہمارے حضور ہے
دشمن جو اس کا ہے مری رحمت سے دور ہے

روح الامینؑ یہ سن کے چلے واں سے شادکام
آئے خوشی سے پیشِ رسولِؐ ذوالاحترام
دی تہنیت یہ حق کی طرف سے پس از سلام
پیدا ہوا علیؑ ولی شاہ خاص و عام
سن کر خوشی ہوئی یہ شہِ سرفراز کو
پس رکھ دیا زمیں پہ جبینِ نیاز کو
سجدے سے سر اُٹھا کے کہا شکر اے کریم
کی مجھ شکستہ دل کی کمر تو نے مستقیم
بے یار و بے رفیق تھا میں بیکس و یتیم
بھائی مجھے نہیں دیا دی دولتِ عظیم
ہیں کارسازیاں تری باہر بیاں سے
ان نعمتوں کا شکر کروں کس زباں سے

فرما کے یہ کلام شہنشاہ انبیاؐ
پہونچے جو شاد شاد تو واں دیکھتے ہیں کیا
نور خدا سے کعبے میں رونق دوچند ہے
آغوش میں نبیؐ نے اُٹھایا بصد خوشی
پھر وحدت خدا بہ فصاحت بیان کی
حسن بیان ہر ایک نبیؐ سے زیادہ تھا
جب کر چکا رسول خدا سے یہ سب کلام
لے آئے اپنے گھر میں وصی کو شہ انام
اُلفت یہ تھی کہ دور نہ رکھا نگاہ سے
جھولے کے پاس ہر گھڑی شفقت سے جاتے تھے
منھ چوم کر زبان مبارک چُساتے تھے
فرماتے تھے یہ لشکر دیں کا نشان ہے
تھا بچپنے سے عاشق معبود وہ امامؑ
تکبیر ہی زبان پہ جاری تھی صبح و شام
گر خوش ہوئے تو ذکر رسالت پناہ سے
اعجاز صغر سن میں ہوئے بارہا عیاں
ہمنام حق تھے نام خدا جب ہوئے جواں
کس سے بیاں ہو علم امام جلیل کے
سجدہ کریں ملک وہ علیؑ کی جناب ہے
دست علیؑ خدا کے کرم کا سحاب ہے
باہر ہے اس سے جو وہ ہے ساکن کنشت میں
کچھ ذکر ایک روز امیر عرب کا تھا
دشمن نہ ہوتا گر کوئی زوج بتولؑ کا
دشمن جو اُن کے ہیں اُنھیں دوزخ سے کام ہے

آغوش کھولے دوڑے سوئے خانۂ خدا
شیر خدا بہ سجدۂ معبود دیں جھکا
بانگ اذان و صوت اقامت بلند ہے
آنکھیں علیؑ نے کھول کے دیکھا رخ نبیؐ
اور دی رسول حق کی رسالت پہ شاہدی
کی اس طرح تلاوت قرآں کہ یاد تھا
پس پھر گیا بحالت طفلی وہ نیک نام
مشغول پرورش ہوئے شفقت سے روز و شام
گہوارہ تھا قریب بہت خواب گاہ سے
حیدرؑ کے گاہوارے کی ڈوری ہلاتے تھے
چھاتی پہ اپنی راتوں کو اکثر سُلاتے تھے
یہ جسم ہے مرا یہ محمدؐ کی جان ہے
جھولے میں تھا نہ غیر عبادت کچھ اور کام
سوتے میں بھی نکلتا تھا منھ سے خدا کا نام
رونا کبھی جو آیا تو خوف الٰہ سے
اژدر کو چیرا مہد میں واقف ہے اک جہاں
عیسیٰ نفس تھے مُردوں کو اک دم میں بخشی جاں
اُستاد فضل حق سے ہوئے جبرئیل کے
خویش رسولؐ شافع یوم الحساب ہے
سردار اہلبیتؑ ہے جنت کا باب ہے
اس در سے جو گیا وہی پہونچا بہشت میں
سلمان فارسی سے محمدؐ نے یہ کہا
کرتا کبھی نہ خلق جہنم کو پھر خدا
فردوس شیعیان علیؑ کا مقام ہے

فرماتے ہیں رسولِ خدا شاہِ کائنات
اس کشتی میں جو ہے اُسے طوفاں سے ہے نجات
ہے منکروں کو خوف ہمیں کچھ الم نہیں
بندہ ہزار سال عبادت اگر کرے
حج بھی پیادہ پا جو ہزار اُس نے ہوں کئے
حُبِ علیؑ کی مے جو نہیں دل کے جام میں
بیشک ہے برگزیدۂ حق وہ امام دیں
چالیس سال روتی ہے اُس کے لیے زمیں
اس طرح اُس کو ملتی ہے لذت مزار میں
ہوتی ہے جاں کسی کی جو ایذا زیادہ تر
اس کے سرہانے بیٹھتے ہیں شاہ بحر و بر
فرماتے ہیں کہ غم سے تجھے اب فراغ ہے
رہتی ہے سینے میں جو کشاکشِ نفس کی دیر
چاروں طرف وہ دیکھتا ہے آنکھیں پھیر پھیر
گھبرا نہ جلتے وقت کہ میں حق شناس ہوں
یہ کہہ کے کرتے ہیں ملک الموت سے کلام
لیکن یہ متقدی ہے اور اس کا ہوں میں امام
یہ بے قرار ہے تو علیؑ بے قرار ہے
رکھ آتے ہیں جو قبر میں خویش و رفیق و یار
وہ بیکسی وہ تنگی و تاریکیٔ مزار
پھر سوال جب کہ نکیرین آتے ہیں
کیا کیا نواز شیں ہیں نہیں اس کرم کی حد
فاقوں میں بھی سوال کسی کا کیا نہ رد
شیعوں کے پا صراط پہ جب لڑکھڑائیں گے

ہے نوح کا سفینہ جہاں میں علیؑ کی ذات
باہر ہے جو تباہی میں ہے وہ زبوں صفات
حیدر ہیں ناخدا تو تباہی کا غم نہیں
اور زر بقدرِ کوہِ اُحد راہِ حق میں دے
اور ہے گو شہید بھی ہو ظلم و جور سے
جنت کی بو نہ آئے گی اُس کے مشام میں
مرتا ہے اس کا شیعہ جہاں میں اگر کہیں
ایذا فشار کی بھی اُسے مطلقاً نہیں
بچے کو جوں سُلاتی ہے مادر کنار میں
اور شکل آتی ہے ملک الموت کی نظر
رکھتے ہیں اپنے زانو پہ شفقت سے اس کا سر
خوش ہو کہ تیرے سامنے جنت کا باغ ہے
حسرت بھی اور یاس بھی لیتی ہے آکے گھیر
فرماتا ہے یہ تب بہ محبت خدا کا شیر
گر دور ہیں عزیز ترے میں تو پاس ہوں
تو قبضِ روح پر ہے معین کر اپنا کام
اس وقت بھی زباں پہ ہے اُس کے مرا ہی نام
ایذا نہ ہو اسے یہ مرا دوست دار ہے
رہتا ہے کوئی پاس نہ ہمدم نہ غمگسار
واں کس کا آسرا ہے بجز شیرِ کردگار
مولا جواب سب اُسے بتلاتے جاتے ہیں
مشکل وہ کون سی ہے جو کرتے نہیں مدد
اور حشر کی حدیثوں میں پہونچی ہے یہ سند
حضرت تب اُن کے ہاتھ پکڑنے کو آئیں گے

کیا غم ہے اس کو جس کا علیؑ دستگیر ہے حامیٔ حشر ذاتِ جنابِ امیرؑ ہے
معشوقِ خلق عاشقِ ربِ قدیر ہے جو بادشاہ ہے اسی در کا فقیر ہے
زوجِ بتولؑ پاک کو جو مانتا نہیں حق تو یہ ہے کہ حق کو بھی پہچانتا نہیں

وہ درِ شاہوار ہے خلقِ خدا صدف عالم میں یوں بزرگ ہے شاہنشہِ نجف
قرآں میں جوں ہے سورۂ اخلاص کو شرف ناحق شناس کچھ نہیں حق ہے اسی طرف
اس بات کو سمجھتا ہے جو خود عقیل ہے حیدرؑ کی ذات قدرتِ حق کی دلیل ہے

یوں اُمتِ رسولؐ پہ ہے حق مرتضےٰ حق جس طرح سے ہوتا ہے بیٹوں پہ باپ کا
سمجھے نہ مصطفےٰ سے علیؑ کو کوئی جدا روشن ہے یہ دلیل نہیں فرق مطلقا
اس طرح مصطفےٰؐ و علیؑ کا ظہور ہے دو آنکھیں جس طرح سے ہیں اور ایک نور ہے

شمس الضحیٰ نبیؐ ہیں تو بدر الدجیٰ ہیں یہ بحرِ کرم جو وہ ہیں تو کانِ سخا ہیں یہ
وہ فخرِ انبیا تو شہِ اولیا ہیں یہ وہ شاہِ انبیا تو شرفِ اوصیا ہیں یہ
دیکھے حدیث کو جسے کچھ اشتباہ ہے اس پر حدیثِ نفسک نفسی گواہ ہے

ہے آستانِ شاہِ نجف سجدہ گاہِ خلق حصنِ حصین امن ہے پشت و پناہِ خلق
واں کا غبار سرمۂ نورِ نگاہِ خلق ہے اُس کی بارگاہ جو ہے بادشاہِ خلق
واں کی زمیں سے مرتبہ پست آسماں کا ہے کہتے ہیں جس کو عرش وہ فرش اس مکاں کا ہے

ہیں سنگ واں کے لعل تو ذرے ہیں آفتاب کوثر ہے واں کے پانی کے قطرے سے آب آب
جس در کو دیکھیے وہ ہے خلدِ بریں کا باب روضہ علیؑ کا روضۂ رضواں کا ہے جواب
رحمت بھری ہے واں کے ہر اک سنگ و خشت میں پہونچے جو صحن میں ہوے داخل بہشت میں

شکلِ کفِ دعا ہے کشادہ درِ رواق ہے رشکِ طاقِ بیتِ مقدس ہر ایک طاق
گر دیکھنے کا صحن کے ہو جائے اتفاق دل میں رہے نہ روضۂ رضواں کا اشتیاق
حق ہے کہ کیا جناب ہے اور کیا مقام ہے اونچا گیا تو اس کا بھی اعلیٰ مقام ہے

اک دن رسولِ حق سے کسی نے یہ عرض کی ارشاد آپ کیجئے کچھ رتبۂ علیؑ
فرمایا مصطفےٰ نے کہ میں اور مرا وصی تھے ایک نور خلقتِ آدم بھی جب نہ تھی
مانندِ روح و جسم کے باہم رہا ہوں میں مجھ سے جدا نہ وہ ہے نہ اُس سے جدا ہوں میں

میرے لیے ہے گرچہ رسالت کا مرتبہ
اک یہ کہ حق نے جیسا برادر اُسے دیا
بی بی مجھے نہ مالک روزِ جزا ملی
بیٹے ملے حسینؑ و حسنؑ سیّدِ جلیل
اُن کا تمام خلق میں کوئی نہیں عدیل
اب تو ہی دیکھ رتبے کو شیرِ الٰہ کے

میرا وصی ہے بعد مرے مالک جہاں
خوں اُس کا میرا خون ہے لاریب بے گماں
اُس کے سوا یہ رتبہ ہے کس کا جہان میں
معجز نمائیوں کا کروں اُس کی وصف کیا
تھا وہ ازل سے شیفتۂ ذاتِ کبریا
ہیبت سے اہلِ کفر کے ہتھیار گر پڑے

اور حال یہ عبادتِ حیدرؑ کا ہے رقم
پڑھتا تھا جب نماز وہ شاہنشۂ امم
احوال تھا یہ سجدے میں اُس خوشخصال کا
ہر روز روزہ رکھتا تھا وہ سرورِ عرب
دنیا میں تھے پر اُن کو نہ دنیا کی تھی طلب
میں کیا ہوں بندگی ہے مری کس شمار میں

فرمانروائے خلق تھا ہر چند وہ امام
بھوکوں کو کھانا دیتے تھے جاری تھا فیضِ عام
غم بیکسوں کے حال پہ کھانے سے کام تھا
پوشاک تھی نہ اور بجز کہنہ پیرہن
ڈھانپا کبھی نہ قاقم و سنجاب سے بدن
جب خانۂ خدا میں عبادت کو جاتے تھے

تین اس میں پر فضیلتیں مجھ سے بھی ہیں سوا
میرے لیے نہیں ہے کوئی مجھ سا دوسرا
زوجہ علیؑ کو فاطمہؑ سی پارسا ملی
قدموں پہ جن کے آنکھوں کو ملتا ہے جبرئیل
وہ قاسمِ بہشت ہیں مختارِ سلسبیل
ایسے پسر کہاں ہیں رسالتؐ پناہ کے

جسم اُس کا میرا جسم ہے جاں اس کی میری جاں
ہے مرتضیٰ علی کا خدا آپ مدح خواں
ہے آیۂ مباہلہ حیدرؑ کی شان میں
کرتا تھا ماں کے بطن میں تعظیم مصطفےٰ
ہوتے ہی خلق سجدۂ معبود میں جھکا
کعبے میں جتنے بت تھے سب اک بار گر پڑے

حمدِ خدا سوا نہ گزرتا تھا کوئی دم
خوفِ خدا سے کانپتے تھے سر سے تا قدم
ہوتا تھا فاطمہؑ کو گماں انتقال کا
ذکرِ خدا میں کٹتی تھی رو کر تمام شب
فرماتے تھے یہ آتا تھا وقتِ نماز جب
عاجز ہوں میں عبادتِ پروردگار میں

لیکن نمک سے کھاتے تھے نانِ جویں مدام
کس لطف سے غریبوں سے ہوتے تھے ہم کلام
بھوکوں کو آپ جا کے کھلانے سے کام تھا
سو وہ بھی اس لیے تھا کہ ہوگا وہی کفن
یا انتظارِ مرگ تھا یا خوفِ ذوالمنن
مانندِ بید عضوِ بدن تھرتھراتے تھے

تھی سنت مرد آپ کی سی جو بوقت شام
رانڈوں کو جا کے اُس کا کھلاتے تھے طعام

اندھوں پہ اور غریبوں پہ الطاف تھا مدام
فرماتے تھے جو پوچھتا مولا کا کیا ہے نام

کیا پوچھتے ہو عبد خدائے قدیر ہوں
جس طرح تم فقیر ہو میں بھی فقیر ہوں

گر پوچھتا کوئی کہ ہے گھر آپ کا کہاں
فرماتے بے نشانوں کا پوچھو نہ کچھ نشاں

کنج لحد سوا نہیں اپنا کوئی مکاں
کیا خاک گھر بنائے کوئی زیر آسماں

پابند کچھ نہیں ہوں کہ تکیے پہ سر رہے
دم بھر جہاں زمیں پہ جگہ پائی مر رہے

جب اہلبیتؑ سامنے کھانے کو لاتے تھے
لذت کے کھانے شیر خدا کو نہ بھاتے تھے

اک قرص نانِ جَو سے زیادہ نہ کھاتے تھے
ہوتا کوئی مُصر تو یہ رو کر سُناتے تھے

اس خوف سے ہے دل مرا بیتاب سینے میں
میں کھاؤں اور ہو کوئی بھوکا مدینے میں

افتادگی یہ تھی کہ نہیں جس کی انتہا
اب سُنیے مرتضیٰؑ کی سخاوت کا ماجرا

انگشتری رکوع میں سائل کو کی عطا
سارا خراج ملک مین جس کی تھی بہا

کون اُس ولی حق سا سخی ہے جہان میں
جس نے قطار اونٹوں کی بخشی اک آن میں

سائل نے عرض کی یہ سفر میں بہ انکسار
اک روٹی دیجئے مجھے یا شیر کردگار

قنبر سے تب یہ کہنے لگے شاہ ذوالفقار
بھوکے کو جلد سیر کر اے عبد باوقار

عرض اس نے کی جناب امام کبار میں
ہیں روٹیاں شتر پہ شتر ہے قطار میں

قنبر سے تب یہ شیر خدا نے کیے کلام
وہ اونٹ کر تو اُس کے حوالے مع طعام

عرض اُس نے کی وہ اونٹ مقدم ہے یا امام
جب وہ چلے تو چلتے ہیں پیچھے شتر تمام

فرمایا گرچہ کم ہے یہ میری نگاہ میں
دے سب قطار اونٹوں کی خالق کی راہ میں

قنبر نے جلد اونٹوں کی سائل کو دی قطار
اور دور جا کھڑا ہوا اونٹوں سے ایک بار

پوچھا سبب علیؑ نے تو بولا وہ ذی وقار
حضرت کا بحر جود و سخاوت ہے بے کنار

ہے خوف اس کا گرچہ میں ہوں کس شمار میں
مجھ کو نہ بخشدیجئے کہیں اس قطار میں

بہر وفائے نذر جو صائم ہوئے امام
اور دن ہوا تلاوت قرآن میں تمام

مولا کو جَو کی روٹی بہم پہنچی وقت شام
سائل پکارا در پہ یہ حیدرؑ کا لے کے نام

میں فاقہ کش یتیم ہوں تم حق کے شیر ہو
حاضر ہو کچھ تو دو کہ یہ محتاج سیر ہو

اُس صاحبِ کرم نے سُنی جب کہ یہ صدا
بنتِ نبیؐ و فضہؓ و سبطینِ مصطفےٰ
پانی سے روزہ کھولا شہِ ذوالفقار نے

پھر صوم سے تھے دوسرے دن شیرِ ذوالجلال
سائل نے وقتِ شام پھر آ کر کیا سوال
تھا روزہ تیسرا کہ وہ آیا اُسی طرح

جس دن وہ تینوں نذر کے آخر ہوئے صیام
تھا فاطمہؑ کا ضعف سے لرزاں بدن تمام
شکل تھا بولنا حسنؑ تلخ کام کو

منہ خشک رنگ زرد تھا اشکوں سے چشم نم
اُن سے علیؑ یہ کہتے تھے بیٹا نہ کھاؤ غم
راحت ہے راہِ حق میں جو ہم رنج سہتے ہیں

گو تم پہ درد و رنج و الم کا وفور ہے
سائل کو گر نہ دیجئے ہمت سے دور ہے
فاقوں میں زخمِ تیغ و سناں تن پہ کھانے ہیں

کیا غش پڑے ہو کیسے ہے بیٹا اُٹھاؤ سر
زہراؑ نے تب علیؑ سے کہا یہ بچشمِ تر
اُس کی گرسنگی سے مرے دل میں درد ہے

بچوں کو بھوک پیاس میں آتا نہیں قرار
اس صبر پر حسینؑ کے ہو فاطمہؑ نثار
کیونکر خدا نہ ہوئے گا خوش اس کی باتوں سے

زہراؑ سے تب یہ کہنے لگے رو کے مرتضےٰؑ
سائل کو روٹی دینے کا اس کے عجب کیا
صبر اس کا تا بہ حشر ہر اک کو رولائے گا

وہ روٹی اپنے حصے کی سائل کو کی عطا
دے آئے اپنا حصہ بھی اور شکرِ حق کیا
فاقے میں کاٹی رات ہر اک روزہ دار نے

افطار کرنے پائے نہ تھے پانچوں خوش خصال
پھر بخشی نان جو اُسے بارغبتِ کمال
پھر پانچوں صاحبوں نے کھلایا اُسی طرح

اور چوتھے دن بھی کچھ نہ میسر ہوا طعام
فاقوں سے شیرِ حق میں نہ تھی طاقتِ کلام
غش آتے تھے حسین علیہ السلام کو

اور بھوک سے لگا ہوا تھا پشت سے شکم
کھانا جو تین روز سے پہونچا نہیں بہم
ہوتے ہیں جو سخی وہی بھوکے بھی رہتے ہیں

بہتر ہے وہ جو مرضیِ ربِ غفور ہے
بچپن سے بھوک پیاس کی عادت ضرور ہے
بیٹا ابھی بہت تمہیں صدمے اُٹھانے ہیں

رازق کرے گا رحم اُسی پر رکھو نظر
کیا عمر ہے حسینؑ کی یا شاہِ بحر و بر
آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں رنگ زرد ہے

روتے کھانا مانگتے ہیں رو کے بار بار
بھوکا رہا ہمارے برابر یہ گلعذار
سائل کو روٹی دوڑ کے دی ننھے ہاتھوں سے

صابر مرا حسینؑ ہے ایوبؑ سے سوا
سر دے گا حق کی راہ میں اک دن یہ مہ لقا
یہ وہ ہے تین روز جو پانی نہ پائے گا

فرمایا فاطمہؑ نے کہ اے شیر ذوالجلال میرا حسینؑ بھوک سے اب ہے بہت نڈھال
فاقے سے تین دن کے ہے صاحب یہ نونہال زہرا سے اب تو دیکھا نہیں جاتا اس کا حال
بچوں کی میرے فاقہ کشی پر نظر کرو بیٹھے ہو کیا رسولؐ خدا کو خبر کرو

زہرا یہ کہہ رہی تھیں علیؑ سے بحالِ زار تشریف لائے اتنے میں محبوبِ کردگار
تعظیم کو نبیؐ کی اُٹھے شاہِ ذوالفقار پر کانپتے تھے پاؤں نقاہت تھی آشکار
زار و نحیف بنت رسالت پناہ تھی فاقوں سے دونوں بیٹوں کی حالت تباہ تھی

بچوں کا حال دیکھ کے گھبرا گئے رسولؐ پوچھا یہ مرتضےٰؑ سے کہ اے شوہرِ بتولؑ
مرجھائے آج کیوں ہیں یہ میرے چمن کے پھول روداد سب علیؑ نے کہی بادلِ ملول
غم سے رہی نہ تاب شہِ مشرقین کو رونے گلے لگا کے حسنؑ اور حسینؑ کو

پھر فاطمہؑ کو چھاتی سے لپٹا کے یہ کہا اے میری فاقہ کش مری دلدار دلربا
سنتا ہوں تین دن ہوئے کھانا نہیں ملا افسوس تیرے حال سے میں بے خبر رہا
پھر بولے اے خدا مرے فرزند مرتے ہیں فاقے سے تین تین دن ان پر گزرتے ہیں

رو رو کے کہتے تھے یہ ابھی سیدِ انام جو آئے جبرئیلؑ امیں باصد احترام
آیاتِ ہل اتیٰ کو دیا اور کہے کلام راضی ہے مرتضیٰؑ سے بہت ربِ ذوالکرام
فاقے کیے جو راہِ خدائے قدیر میں آیا ہے سورہ مدحِ جنابِ امیرؑ میں

جبرئیلؑ سے یہ مژدہ محمدؐ نے جب سنا درگاہِ حق میں شکر کا سجدہ کیا ادا
فرطِ خوشی سے سُرخ ہوا روئے مرتضیٰؑ رکھ کر زمیں پہ سر کو بصد عجز یہ کہا
بندے پہ کیا عنایتِ پروردگار ہے یہ ایک مشتِ خاک کا عز و وقار ہے

میں کیا ہوں مجھ سے کون سا ایسا ہوا عمل بھوکا اگر رہا تو نہیں فخر کا محل
بخشا اُسی نے صبر کہ آیا نہیں خلل لا انتہا ہے رحمتِ معبودِ لم یزل
دے سکتا تھا میں رزق یتیم و اسیر کو اُس نے دیا تو میں نے کھلایا فقیر کو

ہمت اُسی نے دی یہ سخاوت اُسی نے دی فاقوں میں مجھ کو صبر کی طاقت اسی نے دی
قوت اُسی نے بخشی شجاعت اُسی نے دی اس عبدِ خاکسار کو عزت اُسی نے دی
لطف و کرم نے محرمِ رازِ خفی کیا اپنے حبیبؐ کا مجھے اُس نے وصی کیا

ادنیٰ سا یہ سخاوتِ حیدر کا ہے بیاں
مشہور تھا وہ ناصرِ پیغمبرِ زماں
جتنے دلاورانِ جہاں اور دلیر ہیں
کس طرح ذوالفقار کی تربش کی ہو ثنا
ہر معرکے میں وہ نظر آتی تھی شکلِ لا
اغراق کچھ نہیں ہے یہ تشبیہ ٹھیک ہے
بدر و حنین و کعبہ و خیبر سے تا احد
دستِ خدا کا وار کسی سے ہوا نہ رد
تربش پہ ذوالفقار کی قاطع دلیل ہے
بارہ برس کی عمر میں قوت تھی اس قدر
دی ہے کتب میں اہلِ تواریخ نے خبر
شیرِ خدا نے زورِ ولایت دکھا دیا
اس پل سے اترے جبکہ جواں آٹھ نو ہزار
قائم ہوا پہ ہیں قدمِ شاہِ ذوالفقار
خیبر کا در ہے دستِ امامِ جلیل پر
مشہور ہے جہاں میں جنگِ احد کا حال
فوجِ رسولؐ بھاگ گئی سب دمِ جدال
پھر کر ادھر ادھر جو نظر کی عتاب میں
احمدؐ پہ تھا ہجوم سپاہِ منافقین
ڈر سے علیؑ کے پر کوئی آتا نہ تھا قریں
زخمی جو یک بیک لبِ معجز نما ہوا
آلودہ خوں میں جب ہوئے محبوبِ کردگار
اس دم نہ مرتضیٰؑ کو رہی طاقتِ قرار
دہشت سے الاماں کی فلک تک صدا گئی

عالم پہ جرأتِ اسد اللہ ہے عیاں
کیں فتح اہلِ کفر کی کیا کیا لڑائیاں
شیرِ خدا کی ضرب کی دہشت سے زیر ہیں
حرفوں سے حرف لکھتے میں ہو جاتے ہیں جدا
یعنی نہیں علیؑ کے سوا شاہِ لافتا
ظاہر یہ اس سے تھا کہ خدا لاشریک ہے
ہر جنگ میں علیؑ نے محمدؐ کی کی مدد
اس ادعائے راست پہ ہے لافتیٰ سند
اب تک دو نیم جس سے پرِ جبرئیلؑ ہے
خیبر کا در اکھاڑ لیا اور کیا سپر
چالیس من کا حلقہ تھا ہفتاد من کا در
خندق پہ پل نہ تھا تو اسے پل بنا دیا
تکبیر کہہ کے بولا یہ اک مردِ باوقار
بولے نبیؐ ہوا ہے عجوبہ نہ زینہار
قائم ہیں دونوں پاؤں پرِ جبرئیلؑ پر
جس وقت اہلِ کفر کی کثرت ہوئی کمال
محبوبِ ذوالجلال کو تب آ گیا جلال
غیر از علیؑ کسی کو نہ پایا رکاب میں
تھی ہاتھ میں کھنچی ہوئی ہر اک کے تیغِ کیں
پتھر نبیؐ کو مارتے تھے سنگدل لعیں
دُرجِ دہن سے گوہرِ دنداں جدا ہوا
ناقہ بڑھا کے آپ کیا عزمِ کارزار
کھینچی خدا کے شیر نے جھنجھلا کے ذوالفقار
گاوِ زمیں زمیں کے تلے تھرتھرا گئی

چمکی دمِ نبرد جو وہ برقِ شعلہ ور
اژدر کی ضرب تیغ علیؑ رخ کیا جدھر
نصرت خدا کی تھی جرأت و ہمت نثار تھی
آتے تھے اہلِ کفر محمدؐ پہ فوج فوج
دونا تھا ذوالفقار کا اُس معرکے میں اوج
آئے نظر نہ وہ جنھیں قصدِ مصاف تھا
خندق میں جب شروع ہوئی مصطفیٰؐ سے جنگ
مشہور ہے وہ بحرِ شجاعت کا تھا نہنگ
مُنھ پھیرتا نہ تھا وہ کسی کارزار سے
آئی نظر جو فوجِ رسولِؐ خدا کی شان
کفار مستعد ہوئے نیزوں کو تان تان
مشہورِ خلق معرکہ آرائے رزم تھا
رکھے ہوئے تھا خود کلاں فرقِ نحس پر
تھی پشت سے لگی ہوئی اک آہنی سپر
سب گھوڑوں سے بلند و قوی راہوار تھا
پڑھتا ہوا رجز جو بڑھا وہ پئے نبرد
تھا لاف زن رسُولؐ کا جو ہو شریکِ درد
طاری تھا خوف فوج پہ اُس کے بیان سے
اصحاب سے نبیؐ نے یہ اُس دم کیا خطاب
سب سرنگوں تھے ڈر سے نہ تھی بولنے کی تاب
کی عرض مصطفیٰؐ سے یہ کیا انتظار ہے
کی عرض ہاتھ جوڑ کے حیدرؑ نے تین بار
نزدیک تھا کہ فوجِ محمدؐ کرے فرار
سر بر نہ ہوگا کوئی جواں اس جوان سے

روحیں تنوں کو چھوڑ کے بھاگیں پئے سفر
روحیں تنوں کی لوٹ رہی تھیں زمین پر
لاسیف و لافتیٰ کی فلک پر پکار تھی
دریائے حرب چار طرف مارتا تھا موج
ہر فرد کو بھگاتا تھا خیر النسا کا زوج
حملہ نہ ہو چکا تھا کہ میدان صاف تھا
تھی ابنِ عبدِ وُد کی شجاعت سے فوج تنگ
دو چار سو سے سامنا کرنا تھا اُس کو ننگ
لڑتا تھا معرکہ میں اکیلا ہزار سے
اُس نے بھی اپنی فوج کے کھلوا دیے نشان
آگے بڑھا جلو میں کئی سو لیے جواں
محبوبِ حق کے قتل کا کافر کو عزم تھا
بر میں زرہ تھی کاندھے پہ تھا گرزِ گاؤسر
لنگر یہ تیغ میں کہ کرے کوہ سے گزر
اک دیو تھا کہ کوہ کے اوپر سوار تھا
اصحابِ مصطفیٰؐ ہوئے دہشت سے اُس کی زرد
صف سے نکل کے آئے مرے سامنے وہ مرد
نکلا نہ کوئی جنگ کو اُس پہلوان سے
دیوے زبانِ تیغ سے اس کو کوئی جواب
آخر بڑھے پرے سے امامِ فلک جناب
بندہ رضائے حرب کا اُمیدوار ہے
محبوبِ حق نے پر نہ دیا حکمِ کارزار
سلماں نے عرض کی کہ فدا ہو یہ جاں نثار
نکلے گی ذوالفقار نہ جب تک میان سے

یہ سُن کے آبدیدہ ہوئے شاہ، بحر و بر
اپنے عمامے کو کیا حیدرؑ کا تاج سر
پہنائی اپنے تن کی زرہ اُن کے جسم پر
ہاتھوں سے اپنے باندھی یداللہ کی کمر
حفظ خدا علیؑ و لی کی سپر ہوئی
قبضے میں ذوالفقار کلید ظفر ہوئی

رخصت نبیؐ سے ہو کے جو وہ شیر حق چلا
پڑھتے تھے رو کے آیۂ نصرت کو مصطفیٰ
قبلے کی سمت ہاتھ اُٹھا کر یہ کی دعا
تو امرتضیٰ علیؑ کا نگہباں ہے اے خدا
بیتاب ہوں یہ میری دعا مستجاب ہو
عمرو ابن عبدوُد پہ علیؑ فتح یاب ہو

یارب یہ تیرا بندۂ طاعت گزار ہے
یارب یہ روزہ دار ہے شب زندہ دار ہے
عابد ہے متقی ہے یہ اور خاکسار ہے
یہ تیرے نام پاک پہ دل سے نثار ہے
دنیا بہت ذلیل ہے اس کی نگاہ میں
جان اپنی صرف کرتا ہے یہ حق کی راہ میں

کرتے تھے یاں نبیؐ یہ مناجات بار بار
پہونچا خدا کا شیر بمیدانِ کارزار
پڑھ کر رجز کو ہاتھ میں تولی جو ذوالفقار
چومے قدم نصیب نے نصرت ہوئی نثار
خادم کوئی جلو میں تھا نہ راہوار تھا
اس دن پیادہ پا شہِ دلدل سوار تھا

عمرو ابن عبدوُد سے یہ کی پہلے گفتگو
اقرار کر اللہ کی وحدانیت کا تو
پیرو نبیؐ کا ہو کر زیادہ ہو آبرو
یا ترک کر محاربہ احمدؐ سے اے عدو!
ڈر قہر حق سے درپئے جنگ و جدل نہ ہو
تا انتظام دین نبیؐ میں خلل نہ ہو

ہنس کر علیؑ سے بولا یہ وہ نطفۂ حرام
میں نے کبھی سُنے نہیں اس طرح کے کلام
واقف ہیں میرے زور و شجاعت سے خاص و عام
لڑکے سے کیا لڑوں کہ یہ ہے ننگ کا مقام
ناحق تو جان دینے کو آیا ہے آپ سے
پھر جا کہ دوستی ہے مجھے تیرے باپ سے

آشفتہ ہو کے کہنے لگے مرتضیٰؑ علی
ہوتی نہیں ہے مومن و کافر میں دوستی
تو دشمن خدا و محمدؐ ہے اے شقی
کر دوں گا ایک حملے میں تجھ کو فنا ابھی
حیدرؑ ہوں ابن عم رسالت پناہ ہوں
لڑکا نہ جانیو کہ میں شیر الٰہ ہوں

آکر غضب میں گھوڑے سے کودا وہ بد سیر
لے کر کے اسپ کو ہوا حضرت پہ حملہ ور
دو ٹکڑے ہوتا پڑتی جو وہ ضرب کوہ پر
حیدرؑ نے بہر دفع ضرر سر پہ لی سپر
اُس ضرب سے دو نیم علیؑ کی سپر ہوئی
سر پہ لگا جو زخم جبیں خوں سے تر ہوئی

یوں دوڑ کر علیؑ نے کیا اپنا اُس پہ وار
آجائے شاہباز کے پنجے میں جوں شکار
ضربت کے روکنے کی عدو کو ملی نہ بار
بجلی سی بس چمک کے گری سر پہ ذوالفقار
اتنا تو سُنو سے فوج کے نکلا غضب ہوا
ثابت نہ تھا کسی پہ کہ دو ٹکڑے کب ہوا

تکبیر کی علیؑ نے جو میداں سے دی صدا
محبوبِ حق نے شکر کا سجدہ کیا ادا
روح الامیں نے آکے پس از تہنیت کہا
ضربِ علیؑ کی کرتا ہے تعریف کبریا
کس تیغ میں یہ ضرب ہے کس میں یہ زور ہے
گردوں پہ تہنیت کا فرشتوں میں شور ہے

اتنے میں فتح کرکے پھرے شاہ بحر و بر
ڈالا قدم پہ اسپ نبیؐ کے عدو کا سر
حیدرؑ کو پیار کرنے لگے سیدؐ البشر
فرمائی یہ حدیث زباں سے پکار کر
جس سے خدا خوشی ہے علیؑ کی وہ حرب ہے
افضل عبادت دو جہاں سے یہ ضرب ہے

آیا نظر جو زخم سرِ مرتضیٰؑ علی
پٹی سے اس کو باندھ کے روئے بہت نبیؐ
فرماتے تھے میں آہ کہاں ہوں گا اس گھڑی
زخمی کرے گا جب تجھے سجدے میں اک شقی
لوٹے گا تو جو خانۂ پروردگار میں
تڑپے گی میری روح مقرر مزار میں

اے مومنو شجاعت حیدرؑ کا تھا یہ حال
کامل تھا صبر و شکر میں وہ شاہ باکمال
دنیا سے جبکہ اُٹھ گئے محبوبِ ذوالجلال
آزار مرتضیٰؑ کو لگے دینے بدخصال
کیا کیا نہ شیرِ حق پہ مصیبت گزر گئی
اعدا کے ظلم و جور سے زہراؑ بھی مر گئی

اس پر بھی ظالموں نے نہ کھینچا ستم سے ہات
گزری مہ صیام کی اُنیسویں جو رات
مسجد میں مرتضیٰؑ گئے گھر سے پے صلوٰت
قتلِ علیؑ کی گھات میں تھا اک زبوں صفات
پایا جو محوِ بندگیِ بے نیاز میں
تلوار روزہ دار کو ماری نماز میں

مطلع

روؤ کہ روزِ قتل امیرِ عرب ہے آج
پیٹو کہ روزِ حشر ہے ضربت کی شب ہے آج
بزمِ عزا میں آکے نہ رونا غضب ہے آج
غم سے حسنؑ حسینؑ کی حالت عجب ہے آج
پایا جو محوِ بندگیِ بے نیاز میں
تلوار روزہ دار کو ماری نماز میں

اب پیٹنے کی جا ہے غلامانِ مرتضیٰؑ
آقا کی گوشِ دل سے مصیبت سُنو ذرا
ایسا کریم ایسا سخی ایسا پیشوا
بے جرم حق کے سجدے میں مجروح ہو گیا
فرصت نہ دی نماز کی اُس روزہ دار کو
نہلا دیا لہو میں شہِ ذوالفقار کو

سجدے میں شیرِ حق کا دو پارا ہوا جو سر
اک بار کانپنے لگے مسجد کے بام و در

اُبلا لہو کہ ہو گئی محراب خوں سے تر
اک زلزلہ سا بس ہوا نازل زمین پر

گردوں پہ جبرئیل پکارا غضب ہوا
سجدے میں حق کے قتل امیرِ عرب ہوا

پہونچی جو گوش حضرت زینبؑ میں یہ صدا
رو کر جناب شبرؑ و شبیرؑ سے کہا

جاؤ خدا کے واسطے مسجد میں تم ذرا
کہتا ہے کوئی قتل ہوا شاہِ لافتا

کس نے کیا شہید امام حجاز کو
بابا ابھی تو گھر سے گئے تھے نماز کو

یہ سُن کے دوڑے جانب مسجد حسنؑ حسینؑ
دیکھا کہ رو رہے ہیں نمازی بشور و شین

اور خوں میں لوٹتے ہیں شاہِ مشرقین
سر اپنا پیٹنے لگے زہراؑ کے نورِ عین

غم سے کلیجے دونوں کے سینوں میں پھٹ گئے
چلّا کے ہائے بابا کہا اور لپٹ گئے

گہ زخمی سر کو دیکھ کے کرتے تھے یہ بیاں
ٹوٹی بس اب ہماری کمر ہائے بابا جاں

نانا ہمارے سر پہ نہ جیتے ہیں اور نہ ماں
جاویں گے جس طرف نہ ملے گی کہیں اماں

بیٹوں کو قیدِ غم سے چھڑاؤ تو خوب ہے
ساتھ اپنے ہم کو لیتے ہی جاؤ تو خوب ہے

فریاد ہے کہ خانۂ زہراؑ ہوا تباہ
زخمی کیا وصی محمدؐ کو بے گناہ

یہ کہہ کے لائے روتے ہوئے تا بخوابگاہ
حضرت کی آنکھیں بند تھیں کرتے تھے آہ آہ

خوں سے عبا تھی سُرخ جراحت میں درد تھا
مانند زعفران رُخِ پُر نور زرد تھا

حضرت کے گرد جمع تھے اصحاب باوفا
فرماتے تھے ہر ایک سے آنسو بہا بہا

تم سے وصی رسولؐ کا ہوتا ہے اب جدا
وہ پوچھ لیوے آج جسے جو ہو پوچھنا

غم میں ہمارے خاک نہ سروں پر اُڑاؤ گے
کل خویش مصطفےٰؐ کو نہ دنیا میں پاؤ گے

کی اُٹھ کے صعصعہ بن صوحاں نے عرض تب
خاطر میں چند مسئلہ ہیں یا شہِ عرب

جب چاہا اُس کو پوچھوں تو مانع ہوا ادب
دیتے ہیں حکم آپ تو کرتا ہوں عرض اب

خادم اُمیدوار ہے اس کے جواب کا
آدمؑ کا مرتبہ ہے سوا یا جناب کا

سر کو جھکا کے شیرِ خدا نے دیا جواب
آتا ہے مجھ کو اپنی ثنا کرنے سے حجاب

گندم کے کھانے سے وہ ہوئے موردِ عتاب
میں نے بغیر منع کیا اُس سے اجتناب

فاقوں میں شکرِ حق سے زباں آشنا رہی
نانِ جویں ہمیشہ علیؑ کی غذا رہی

کی عرض رو کے اُس نے کہ یا شاہِ لافتا
فرمایا جب کہ اُمتِ سرکش نے کی جفا
باندھا ستمگروں نے گلا ریسمان سے
اور دوسرے سعید نہ تھا نوحؑ کا پسر
میرے پسر رسولؐ کے ہیں پارۂ جگر
سردار اہلِ خلد ہیں عالی مقام ہیں
پھر اُس نے عرض کی کہ غلام آپ پر نثار
فرمایا اُن کو جب یہ ہوا حکم کردگار
کی عرض خوف یہ ہے کہ جیتا نہ آؤں میں
مجھ سے رسولؐ پاک نے جس دم کہی یہ بات
کلمے جمیع واں بہت سے سنا دیے یہ صفات
سورہ پڑھا برات کا اس عز و شان سے
جب طور پر عصا ہوا موسیٰؑ کا اژدہا
وہ ڈر گئے یہ تھا بشریت کا مقتضا
حیدر لقب ملا مجھے طفلی کے عہد میں
عیسیٰ کو اُس نے پوچھا تو مولا نے یہ کہا
جب درد وضع حمل انھیں کعبے میں ہوا
یاں کوئی امر غیر عبادت روا نہیں
اور وقت آیا میری ولادت کا جس گھڑی
باہر سے فاطمہؑ کو صدا یہ کسی نے دی
مریمؑ سے مرتبہ ترا اس دم زیادہ ہے
یہ کہتے تھے کہ شیرِ خدا کو غش آگیا
بھائی حسینؑ لوگوں سے اتنا کہو ذرا
آنے ہیں غش پہ غش شہ کون و مکان کو

رتبہ زیادہ آپ کا ہے یا کہ نوحؑ کا
کی حق میں اُن کے نوحؑ نے جھلا کے بد دعا
میں نے دعائے بد نہ کبھی کی زبان سے
کافر رہا سدا نہ ہوا دیں سے بہرہ ور
یہ دونوں نعل عرش الٰہی کے ہیں گہر
نانا نبیؐ ہیں باپ امام آپ امام ہیں
قدر آپ کی سوا ہے کہ موسیٰؑ کا افتخار
فرعون پاس جا کے کرو حال آشکار
گر حکم ہو تو بھائی کو بھی لیکے جاؤں میں
ہاں جا کے اہلِ کعبہ میں پڑھ سورۂ برات
لایا بجا میں حکم شہنشاہِ کائنات
آتی تھی مرحبا کی صدا آسمان سے
موسیٰؑ نے پکڑا اُسے یہ ہوا حکم کبریا
غیر از خدا کسی سے کبھی میں نہیں ڈرا
دو انگلیوں سے چیرا ہے اژدر کو مہد میں
مادر ہے اُن کی حضرت مریمؑ سی پارسا
آئی ندائے غیب کہ باہر یہاں سے جا
طاعت کی یہ جگہ ہے ولادت کی جا نہیں
مادر مری دعا کے لیے کعبے میں گئی
آ اندر آ تو کعبے کے اے مادرِ علیؑ
تو ہے کنیز خاص علیؑ خانہ زاد ہے
پردے کے پاس آن کے زینبؑ نے یہ کہا
گھر اپنے جاؤ وقت ملاقات ہو چکا
جی بھر کے دیکھنے دو ہمیں بابا جان کو

روتے ہوئے وداع ہوئے شہ کے دوستدار
بیٹوں سے تب یہ کہنے لگے شاہ ذوالفقار
یہ سن کے روتے روتے دم اُن کے اُلٹ گئے
روئے علیؑ حسنؑ کو گلے سے لگا لگا
عباسؑ نامدار کے حق میں نہ کچھ کہا
پاس ادب سے باپ سے کچھ کہہ نہ سکتے تھے
ام البنینؑ قدم پہ گری کھولے سر کے بال
عباسؑ سے ہے خاطر اقدس پہ کچھ ملال
رہتا یہ خدمت حسنؑ خوش صفات میں
ام البنینؑ سے روکے علیؑ نے کہی یہ بات
شیدا ترے پسر کا ہے شبیرؑ خوش صفات
شان بہادری ہے ترے نور عین میں
عباسؑ کو بلا کے گلے سے لگا لیا
اے لال یہ غلام تمہارا ہے باوفا
آفت کا دن جو تجھ کو مقدر دکھائے گا
عباسؑ سے کہا کہ سن اے میرے نونہال
رکھیو ہمیشہ خاطر شبیرؑ کا خیال
بیشک خدا بزرگ ہے رتبہ حسینؑ کا
خدمت سے کیجیو نہ کسی حال میں قصور
دلبند فاطمہؑ کا ہے پاس ادب ضرور
آقا کا ساتھ تا دم مردن نہ چھوڑیو
بچوں سمیت جب یہ وطن سے کرے سفر
پہونچے جو کربلا میں یہ سلطان بحر و بر
روز نبرد معرکہ آرائی کیجیو

زینبؑ بلائیں لینے لگی رو کے زار زار
آؤ مرے قریب کہ ہے وقت احتضار
بارہ پسر علیؑ کے قدم سے لپٹ گئے
اور ہاتھ اُن کے ہاتھ میں تو بیٹوں کا دیا
چپکے کھڑے تھے سامنے اور رنگ زرد تھا
ماں اُن کو دیکھتی تھی وہ مُنھ ماں کا تکتے تھے
کی عرض یا علیؑ ولی شیر ذوالجلال
لونڈی ہوں میں غلام ہے حضرت کا میرا لال
ہاتھ اس غلام کا نہ دیا اُن کے ہات میں
دینا حسنؑ کے ہاتھ میں کیوں کر مرا کا بات
اور عاشق حسینؑ ہے عباسؑ نیک ذات
اس کا ازل سے ہاتھ ہے دست حسینؑ میں
ہاتھ اُس کا دے کے ہاتھ میں شبیرؑ کے کہا
میری طرح سے پیار اسے کیجیو سدا
اُس روز یہ غلام بہت کام آئے گا
تو ہے علیؑ کا لال وہ ہے مصطفےٰ کا لال
اس کا ملال احمدؐ مرسل کا ہے ملال
مجھ کو بھی پاس رہتا ہے اس نور عین کا
تو ایک مشت خاک ہے یہ ہے خدا کا نور
جو اس کے دل سے دور ہے وہ ہے خدا سے دور
سب چھوٹیں پر حسینؑ کا دامن نہ چھوڑیو
پہلے مرے حسینؑ سے تو باندھیو کمر
خیمے کی چوکی شام سے تو دیجو تا سحر
پانی ہو اس پہ بند تو سقائی کیجیو

یہ سُن کے ساری بیبیاں روتی تھیں زار زار
دو دن تلک علیؑ رہے بستر پہ بے قرار
آنسو کبھی رواں تھے کبھی لب پہ آہ تھی
اک بار غش سے چونک کے بیٹوں سے یہ کہا
آئے ہیں میرے لینے کو جنت سے مصطفٰےؐ
کچھ رات باقی تھی کہ جہاں سے گزر گئے
فوجِ ملک میں شورِ قیامت ہوا عیاں
جنات پیٹنے لگے با نالہ و فغاں
وا حسرتا کہ تختِ امامت اُلٹ گیا
بیٹوں نے بہرِ غسل اُتارا جو پیرہن
رو کر کہا حسینؑ نے بھائی سے یہ سخن
جو کہتا تھا کہ رختِ بدن چاک چاک ہے
معجز نما کو غسل جو دینے لگے پسر
آیا تھا خلد سے کفنِ شاہ بحر و بر
بابا رسولِ پاک سے ملنے کو جاتے ہیں
اُس وقت حسینؑ سے کسی شخص نے کہا
یہ سُن کے اہلبیتؑ میں رونے کا غل ہوا
اک دوش پر اناج فقیروں کے واسطے
تابوت میں جو رکھ چکے فرزندِ ارجمند
ڈالی ردائے سبز جو تابوت کر کے بند
غل تھا جنازۂ شہِ مرداں رواں ہوا
بیٹے جو گھر سے لے چلے تابوت شاہ کا
غل پڑ گیا کہ ہائے علیؑ ہائے مرتضٰیؑ
چلاتی تھیں مجھے نہیں صورت دکھاتے ہیں

اور لوٹتے تھے خاک پہ زہراؑ کے گلعذار
فرزندوں کو گلے سے لگاتے تھے بار بار
اکیسویں شب آئی تو حالت تباہ تھی
بغلوں میں ہاتھ دے کے اُٹھاؤ مجھے ذرا
یہ بات کہہ کے غش ہوئے پھر شاہ لافتا
غل پڑ گیا کہ حیدرؑ کرار مر گئے
تھرا گئی زمین۔ لگا ہلنے آسماں
مابین آسماں و زمیں تھا یہی بیاں
بس آج زورِ آلِ محمدؐ کا گھٹ گیا
پیوند اُس کے دیکھ کے رونے لگے حسنؑ
مدت سے تھا گلے میں یہی جامۂ کہن
کہتے تھے مشتِ خاک کی پوشاک خاک ہے
پھرتا تھا آپ جسمِ مبارک اِدھر اُدھر
زہراؑ کے لال کہتے تھے سر پیٹ پیٹ کر
ہم خلعتِ اخیر پدر کو پنہاتے ہیں
نیلے نشان دوش پہ کیسے ہیں جابجا
بولے حسنؑ کہ رات کو لے جاتے تھے سدا
اک دوش پر طعام اسیروں کے واسطے
دل سوزِ غم سے جلنے لگا صورتِ سپند
آگے سے تب جنازہ ہوا خود بخود بلند
دیکھو ہوا پہ تختِ سلیمانؑ رواں ہوا
ازواج میں علیؑ کے قیامت ہوئی بپا
ام البنینؑ نکل پڑیں گھر سے برہنہ پا
شیرِ الٰہ قبر میں سونے کو جاتے ہیں

گھر سے پس جنازۂ سلطان بحر و بر
زینبؑ پکارتی تھیں کہ بابا چلے کدھر
آتا ہے روزِ عید خوشی لوگ ہوئیں گے
اور پیچھے اس جنازے کے فضہ کا تھا یہ حال
کہتی تھی پیٹ کر سر و زانو بصد ملال
پیٹے گا کون خاک کوئی سر پہ ڈالے گی

فضہ سے تب حسینؑ نے رو کر کیا کلام
در بند کر کے بازوئے ام البنینؑ کو تھام
صدمے سے باپ کے دل کلثومؑ پھٹ نہ جائے
بازار میں جو کوفہ کے پہنچے بچشم تر
بارہ پسر تھے ساتھ جنازے کے ننگے سر
مولا کے عدل و داد کے مذکور ہوتے تھے

سر اپنے پیٹ پیٹ کے چلاتے تھے فقیر
قیدی پکارتے تھے کہ اے کل کے دستگیر
کہتی تھیں رانڈیں خلق سے وارث گزر گیا
کہتا تھا کوئی مر گیا احمدؐ کا جانشیں
دم سے ابوتراب کے تھی رونق زمیں
عالم کے سر کا تاج زمانے سے اٹھ گیا

اس شور میں یہ فاطمہؑ کی آتی تھی صدا
وارث نہ کوئی زینبؑ و کلثومؑ کا رہا
بچوں کو تھامتے ہیں جو ماں باپ ہوتے ہیں
بس آگے اے انیس نہیں طاقتِ رقم
طاری ہے شیعیانِ علیؑ پر ہجومِ غم
جاری زبان پر نہ کوئی اور حرف ہو

ساری زنانِ ہاشمیہ نکلیں ننگے سر
بیٹی نثار ہائے مرے فاقہ کش پدر
ہم منہ کو ڈھانپ ڈھانپ کے اب گھر میں روئیں گے
خم تھا کمر میں اور کھلے تھے سفید بال
بچے تباہ ہو گئے یا شیرِ ذوالجلال
کس کس کو تم بغیر یہ لونڈی سنبھالے گی

چادر سے سر کو ڈھانپ یہ ہے صبر کا مقام
گھر سے کہیں نکل نہ پڑیں بیبیاں تمام
زینبؑ کہیں جنازے سے آ کر لپٹ نہ جائے
اک شور تھا علیؑ نے جہاں سے کیا سفر
جاتے تھے گرد و پیش زن و مرد نوحہ گر
بازاری سب دکانوں پہ اٹھ اٹھ کے روتے تھے

ہم لوگ مر گئے ترے مرنے سے اے امیرؑ
اب کس کی راہ رات کو دیکھیں گے ہم اسیر
چلاتے تھے یتیم کہ باپ آج مر گیا
کہتا تھا کوئی ٹوٹ گیا آج رکنِ دیں
افسوس بے چراغ ہوئی بزمِ مومنیں
ہادی ہمارا آج زمانے سے اٹھ گیا

بچے مرے یتیم ہوئے وا مصیبتا
ماں مر چکی تھی آگے ہی بابا بھی اب مرا
کیسے بلک بلک کے مرے لال روتے ہیں
ہے اشک ریز صفحۂ قرطاس پر قلم
کر تو دعا یہ حق سے کہ جب تک ہے دم میں دم
مداحیِ علیؑ میں مری عمر صرف ہو

۲

مرثیہ نمبر ۱۱۴

فرزندِ پیمبر کا مدینے سے سفر ہے
سادات کی بستی کے اُجڑنے کی خبر ہے
درپیش ہے وہ غم کہ جہاں زیر و زبر ہے
گُل چاک گریباں ہیں صبا خاک بسر ہے
گُل صفتِ غنچہ کمر بستہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورتِ گلدستہ کھڑے ہیں

آراستہ ہیں بہرِ سفر سرو قبا پوش
عمامے سروں پر ہیں عبائیں بسرِ دوش
یارانِ وطن ہوتے ہیں آپس میں ہم آغوش
حیراں کوئی تصویر کی صورت کوئی خاموش
مُنھ ملتا ہے رو رو کر کوئی سرور کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبرؑ کے قدم پر

عباسؑ کا مُنھ دیکھ کے کہتا ہے کوئی آہ
اب آنکھوں سے چھپ جائے گی تصویرِ یداللہ
کہتے ہیں گلے مل کے یہ قاسمؑ کے ہوا خواہ
واللہ دلوں پر ہے عجب صدمۂ جانکاہ
ہم لوگوں سے شیریں سخنی کون کرے گا
یہ اُنس یہ خلقِ حسنی کون کرے گا

روتے ہیں وہ جو عونؑ و محمدؑ کے ہیں ہم سن
کہتے ہیں کہ مکتب میں نہ جی بہلے گا تم بن
اس داغ سے چین آئے ہمیں یہ نہیں ممکن
گرمی کا مہینہ ہے سفر کے یہ نہیں دن
تم حضرتِ شبیرؑ کے سائے میں پلے ہو
کیوں دھوپ کی تکلیف اُٹھانے کو چلے ہو

ہمجولیوں سے کہتے تھے وہ دونوں برادر
ہاں بھائیو تم بھی ہمیں یاد آؤ گے اکثر
پالا ہے ہمیں شاہ نے ہم جائیں نہ کیونکر
ماموں رہیں جنگل میں تو اپنا ہے وہی گھر
وہ دن ہو کہ ہم حق غلامی سے ادا ہوں
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہوں

رخصت کے لیے لوگ چلے آتے ہیں باہم
ہر قلب حزیں ہے تو ہر اک چشم ہے پُرنم
ایسا نہیں گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم
غل ہے کہ چلا دلبرِ مخدومۂ عالم
خدام کھڑے پیٹتے ہیں قبرِ نبیؐ کے
روضے پہ اُداسی ہے رسولِ عربیؐ کے

ہے جب سے کھلا حالِ سفر بند ہے بازار
یہ جنسِ غم ارزاں ہے کہ روتے ہیں دکاندار
خاک اُڑتی ہے ویرانیٔ شہر کے ہیں آثار
ہر کوچے میں ہے شور کہ ہے ہے شہِ ابرار
اب یاں کوئی والی نہ رہا آہ ہمارا
جاتا ہے مدینے سے شہنشاہ ہمارا

تدبیر سفر میں ہیں ادھر سبطِ پیمبرؐ
اسباب نکلواتے ہیں عباسؑ دلاور
شہ کو جنھیں لے جاتا ہے وہ پاتے ہیں گھوڑے
حاضر درِ دولت پہ ہیں سب یاور و انصار
ہودج بھی کسے جاتے ہیں محمل بھی ہیں تیار
ہر محمل و ہودج پہ گھٹاٹوپ پڑے ہیں

عوراتِ محلہ چلی آتی ہیں بصد غم
پُرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم
غُل ہوتا ہے ہر سمت جدا ہوتی ہے زینبؑ
لے لیکے بلائیں یہی سب کرتی ہیں تقریر
سمجھاتی نہیں بھائی کو لے شاہ کی ہمشیر
للہ ابھی قبرِ پیمبرؐ کو نہ چھوڑیں

وہ گھر ہے ملک رہتے تھے جس گھر کے نگہباں
کوفے کی بھی خلقت تو نہیں صاحبِ ایماں
ایک ایک شقی دشمنِ اولادِ علیؑ ہے
اُجڑے گا مدینہ جو یہ گھر ہوئے گا خالی
کیا جانیں پھر آئیں کہ نہ آئیں شہِ عالی
زہراؑ ہیں نہ حیدرؑ نہ پیمبرؐ نہ حسنؑ ہیں

گرمی کے یہ دن اور پہاڑوں کا سفر آہ
رستے کی مشقت سے کہاں ہیں ابھی آگاہ
قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہیں ملتا
مُنھ دیکھ کے اصغرؑ کا چلا آتا ہے رونا
جھولا یہ کہاں اور کہاں نرم بچھونا
کیا ہوگا جو میداں میں ہوا گرم چلے گی

گھر میں کبھی آتے ہیں کبھی جاتے ہیں باہر
تقسیم سواری کے تردد میں ہیں اکبرؑ
خالی ہوا اصطبل چلے آتے ہیں گھوڑے
کوئی تو کمر باندھتا ہے اور کوئی ہتھیار
چلّاتے ہیں دربان کوئی آئے نہ خبردار
پردے کی قناتیں لیے فرّاش کھڑے ہیں

کہتی ہیں یہ دن رحلتِ زہراؑ سے نہیں کم
فرش اُٹھتا ہے کیا بچھتی ہے گویا صفِ ماتم
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینبؑ
اس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبیرؑ
مُسلمؑ کا خط آئے تو کریں کوچ کی تدبیر
گھر فاطمہ زہراؑ کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑیں

کیوں اپنے بزرگوں کا مکاں کرتے ہیں ویراں؟
بی بی یہ مدینے کی تباہی کا ہے ساماں
شمشیرِ ستم واں سرِ حیدرؑ پہ چلی ہے
بربادیٔ یثرب کی بنا چرخ نے ڈالی
حضرت کے سوا کون ہے اس شہر کا والی
اب اُن کی جگہ آپ ہی یا شاہِ زمن ہیں

ان چھوٹے سے بچوں کا نگہبان ہے اللہ
ان کو تو نہ لے جائیں سفر میں شہِ ذیجاہ
کوسوں تلک اُس راہ میں پانی نہیں ملتا
آرام سے مادر کی کہاں گود میں سونا
لکھا تھا اسی سن میں مسافر انھیں ہونا
یہ پھول سے کمھلائیں گے ماں ہاتھ ملے گی

ان بی بیوں سے کہتی تھی یہ شاہ کی ہمشیر
بہنو ہمیں یثرب سے لیے جاتی ہے تقدیر

اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر
یہ خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں شبیرؑ

مجھ کو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہیں سکتی
بھائی سے جدا ہو کے مگر رہ نہیں سکتی

اماں کی لحد چھوڑ کے میں یاں سے نہ جاتی
فاقے بھی اگر ہوتے تو غم اُس کا نہ کھاتی

بھائی کی طرف دیکھ کے شق ہوتی ہے چھاتی
بے جائے مجھے بات کوئی بن نہیں آتی

ظاہر میں تو مابین لحد سوتی ہیں اماں
میں خواب میں جب دیکھتی ہوں روتی ہیں اماں

ہے روح پہ اماں کی قلق کرتی ہیں زاری
سرپیٹتے میں نے انھیں دیکھا کئی باری

روداد بیاں کر گئی ہیں مجھ سے وہ ساری
فرماتی تھیں بھائی سے خبردار میں واری

غمخوار ہے تو اور خدا حافظِ جاں ہے
نے باپ ہے سر پر مرے بچے کی نہ ماں ہے

یاد آتی ہے ہر دم مجھے اماں کی مصیبت
کچھ جان کی تھی فکر نہ اُن کو دمِ رحلت

آہستہ یہ فرماتی تھیں باصد غم و حسرت
شبیرؑ سدھارے جو سوئے وادیِ غربت

اُس دن مری تربت سے نہ منھ موڑیو زینبؑ
اس بھائی کو تنہا نہ کبھی چھوڑیو زینبؑ

اماں کی وصیت کو بجا لاؤں نہ کیوں کر
گھر بھائی سے تھا بھائی نہ ہوتے تو کہاں گھر

دو بہنیں ہیں ماں جائیاں اور ایک برادر
رسی سے بندھیں ہاتھ کہ بلوے میں کھلے سر

جو ہووے سو ہو بھائی کے ہمراہ ہے زینبؑ
اس کوچ کے انجام سے آگاہ ہے زینبؑ

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ پکارے شہ عادل
تیار ہیں دروازے پہ سب ہودج و محمل

طے شام تلک ہو گی کہیں آج کی منزل
رخصت کرو لوگوں کو بس اب رونے سے حاصل

چلتی ہے ہوا سرد ابھی وقتِ سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہیں۔ گرمی کا سفر ہے

رخصت کرو اُن کو جو کہ میں ملنے کو آئے
کہہ دو کوئی گہوارۂ اصغرؑ کو بھی لائے

نادان سکینہؑ کہیں آنسو نہ بہائے
جانے کی خبر میری نہ صغراؑ کہیں پائے

ڈر ہے کہیں گھبرا کے دم اُس کا نہ نکل جائے
باتیں کرو ایسی کہ وہ بیمار بہل جائے

رخصت کو ابھی قبرِ پیمبرؐ پہ ہے جانا
کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہووے مرا آنا

اماں کی لحد پر ہے ابھی اشک بہانا
اس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا

آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبرِ حسنؑ سے

سُن کر یہ سخن بانوئے ناشاد پکاری
میں کٹتی ہوں کیسا سفر اور کیسی سواری
غش ہو گئی ہے فاطمہ صغرا مری پیاری
بے بس کے لیے کرتے ہیں سب گریہ و زاری
اب کس پہ میں اس صاحب آزار کو چھوڑوں
اس حال میں کس طرح سے بیمار کو چھوڑوں

ماں ہوں مرا کلیجہ نہیں سینے میں سنبھلتا
صاحب مرے دل کو کوئی ہاتھوں سے ملتا
میں تو اُسے لے چلتی پہ کچھ بس نہیں چلتا
رہ جاتیں جو نہیں بھی تو دم اُس کا بہلتا
دروازے پہ تیار سواری تو کھڑی ہے
پر اب تو مجھے جان کی صغرا کی پڑی ہے

چلاتی تھی کبرا کہ بہن آنکھیں تو کھولو
کہتی تھی سکینہؑ کہ ذرا مُنھ سے تو بولو
ہم جاتے ہیں تم اُٹھ کے بغلگیر تو ہو لو
چھاتی سے لگو باپ کی دل کھول کے رو لو
تم جن کی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا
گھر بھر میں جو ڈھونڈھو گی تو اکبرؑ نہ ملے گا

ہشیار ہو کیا صبح سے بے ہوش ہو خواہر
اصغر کو کرو پیار کلیجے سے لگا کر
چھاتی سے لگو اُٹھ کے کھڑی روتی ہیں مادر
ہم روتے ہیں دیکھو تو ذرا آنکھ اُٹھا کر
افسوس اسی طور سے غفلت میں رہو گی
کیا آخری بابا کی زیارت نہ کرو گی

سُن کر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے
بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
مُنھ دیکھ کے بانو کا سخن لب پہ یہ لائے
کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اُس کو بچائے
جس صاحب آزار کا یہ حال ہو گھر میں
دانستہ میں کیونکر اسے لے جاؤں سفر میں

کہہ کر یہ سخن بیٹھ گئے سید خوشخو
اور سورۂ الحمد پڑھا تھام کے بازو
بیمار نے پائی گلِ زہرا کی جو خوشبو
آنکھوں کو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو
ماں سے کہا مجھ میں جو حواس آئے ہیں اماں
کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہیں اماں

ماں نے کہا ہاں واری آئے ہیں مری جاں
جو کہنا ہو کہہ لو کہ یہاں اور ہے ساماں
دیکھو تو ادھر روتی ہیں بی بی شہ ذیشاں
صغرا نے کہا ان کی محبت کے میں قرباں
وہ کونسا ساماں ہے جو یوں روتے ہیں بابا
کھل کر کہو کیا مجھ سے جدا ہوتے ہیں بابا

یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لیے باہر
نے فرش نہ ہے مسند فرزند پیمبرؐ
دالان سے کیا ہو گیا گہوارۂ اصغرؑ
اُجڑا ہوا لوگو نظر آتا ہے مجھے گھر
کچھ مُنھ سے تو بولو مرا دم گھٹتا ہے اماں
کیا سبطِ پیمبرؐ سے وطن چھٹتا ہے اماں

شبیرؑ کا منھ تکنے لگی بانوئے مغموم
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سیدِ مظلوم
تم چھٹتی ہو اس واسطے سب روتے ہیں صغراؑ

اب شہر میں اک دم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار
پھر آتا ہے وہ گھر میں سفر میں جو ہو بیمار
غربت میں بشر کے لیے سو طرح کا ڈر ہے

لو چلتی ہے خاک اڑتی ہے گرمی کے ہیں ایام
بستی میں کہیں صبح تو جنگل میں کہیں شام
صحت میں گوارا ہے جو تکلیف گزر جائے

صغراؑ نے کہا کھانے سے خود ہے مجھے انکار
کچھ بھوک کا شکوہ نہیں کرنے کی یہ بیمار
گرمی میں بھی راحت سے گزر جائے گی بابا

کیا تاب اگر منھ سے کہوں دھوپ ہے سر میں
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں
ہو جانا خفا راہ میں گر رونے گی صغراؑ

وہ بات نہ ہوگی کہ جو بے چین ہوں مادر
دن بھر مری گودی میں رہیں گے علی اصغرؑ
میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھا دو

شہ بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ
کھل جائے گا یہ راز بھی گو تم نہیں آگاہ
ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہوں صغراؑ

اے نور بصر آنکھوں پہ لے کر تجھے چلتا
تپ سے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا
جز صبر علاج اور کوئی ہو نہیں سکتا

صغراؑ کے لیے رونے لگیں زینبؑ و کلثومؑ
پردہ رہا اب کیا تمھیں خود ہو گیا معلوم
ہم آج سے آوارۂ وطن ہوتے ہیں صغراؑ

میں پا بہ رکاب اور ہو تم صاحبِ آزار
تکلیف تمھیں دوں یہ مناسب نہیں زنہار
میرا تو سفر رنج و مصیبت کا سفر ہے

جنگل میں نہ راحت نہ کہیں راہ میں آرام
دریا کہیں حائل کہیں پانی کا نہیں نام
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

پانی جو کہیں راہ میں مانگوں تو گنہگار
تریاق فقط آپ کا ہے شربتِ دیدار
آئے گا پسینہ تپ اتر جائے گی بابا

اف تک کروں بھڑکے اگر آگ جگر میں
قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں
یاں نیند کب آتی ہے جو واں سوئے گی صغراؑ

ہر صبح میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر
لونڈی ہوں سکینہؑ کی نہ سمجھو مجھے دختر
بابا مجھے فضہؑ کی سواری میں بٹھا دو

میں کہہ نہیں سکتا مجھے درپیش ہے جو راہ
ایسا بھی کوئی ہے جسے بیٹی کی نہ ہو چاہ
ہے مصلحتِ حق یہی جو کہتا ہوں صغراؑ

تو مجھ سے بہلتی مرا دل تجھ سے بہلتا
یہ ضعف کہ دم تک نہیں سینے میں سنبھلتا
دانستہ تمھیں ہاتھ سے میں کھو نہیں سکتا

منھ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم
ماں کہتی تھی مختار ہیں بی بی شہِ عالم
وہ درد ہے جس درد سے چارا نہیں صغراؔ
صغراؔ نے کہا کوئی کسی کا نہیں زنہار

اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار
بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
ہمشیر کے عاشق ہیں سلامت رہیں اکبرؑ
میں گھر میں تڑپتی ہوں وہ ہیں صبح سے باہر

پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے
کیا ان کو پڑی تھی جو وہ غم کھانے کو آتے
ہوتی جو غرض چھاتی سے لپٹانے کو آتے
کل تک تو مرے حال پریشاں پہ نظر تھی

مانوس سکینہؑ سے ہیں عباسؑ دلاور
سرسبز رہے خلق میں نو بادۂ شبیرؑ
بے دودھ کے منھ کو چھپاتے ہیں ابھی سے
کس سے کہوں اس درد کو میں بیکس و رنجور

اماں کا سخن یہ ہے کہ بیٹی میں ہوں مجبور
دنیا سے سفر رنج و مصیبت میں لکھا تھا
سب بیبیاں رونے لگیں سن سن کے یہ تقریر
تو صبر کرو کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر

نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
باقرؑ کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ
آئے علی اکبرؑ تو کہا شاہ نے آؤ
چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو

چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ مرے ہم
میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اس دم
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغراؔ
سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار

اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا سب کے ہیں غمخوار
سچ ہے کوئی مُردے سے محبت نہیں کرتا
اتنا نہ کہا مر گئی یا جیتی ہے خواہر
وہ کیا کریں برگشتہ ہے اپنا ہی مقدر

نے بھائیوں کو دھیان نہ بہنوں کو خبر ہے
میں کون ہوں جو صورت مجھے دکھلانے کو آتے
زلفیں جو الجھتیں تو وہ سلجھانے کو آتے
تقدیر کے اس پیچ کی مجھ کو نہ خبر تھی

میں کون ہوں جو میری خبر پوچھتے آکر
شادی میں بلائیں مجھے یہ بھی نہیں باور
میں جیتی ہوں اور آنکھ چراتے ہیں ابھی سے
بہنیں بھی الگ مجھ سے ہیں اور بھائی بھی ہیں دور

ہمراہی بیمار کسی کو نہیں منظور
تنہائی کا مرنا مری قسمت میں لکھا تھا
چھاتی سے لگا کر اسے کہنے لگے شبیرؑ
منھ دیکھ کے چپ رہ گئی وہ بیکس و دلگیر

اچھا تو کہا منھ سے پہ آنسو نکل آئے
اکبرؑ کو بلاؤ علی اصغرؑ کو بھی لاؤ
روٹھی ہے بہن تم سے گلے اس کو لگاؤ
لینے اُنھیں کب آؤ گے اقرار تو کر لو

پاس آن کے اکبرؑ نے کی یہ پیار کی تقریر
چلانے لگی چھاتی پہ مُنھ رکھ کے وہ دلگیر
صدقے ترے سر پر سے اُتارے مجھے کوئی
رخساروں پہ سبزے کے نکلنے کے میں صدقے
افسوس ہے ان ہاتھوں کے ملنے کے میں صدقے
جلد آن کے بھینا کی خبر لیجیو بھائی

لکھنا مجھے نسبت کا اگر ہو کہیں سامان
اور مر گئی پیچھے تو رہے دل میں سب ارماں
خوشنود مری روح کو کر دیجیو بھائی

پیارے مرے بھیا مرے مہ رو علی اکبرؑ
یاد آئے گی یہ جسم کی خوشبو علی اکبرؑ
دل سینے میں کیونکر تہ و بالا نہ رہے گا
کیا گزرے گی جب گھر سے چلے جاؤ گے بھائی
تشریف خدا جانیے کب لاؤ گے بھائی

کیا دم کا بھروسہ کہ چراغِ سحری ہیں
ہاں سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہیں جانا
بھیا جواب آنا تو مری قبر پہ آنا
کیا لطف کسی کو نہیں گر چاہ ہماری

مرنا تو مقدم ہے غم اس کا نہیں زنہار
قبلے کی طرف کون کرے گا رُخِ بیمار
سانس اُکھڑے گی جس وقت تو فریاد کروں گی

ماں بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قرباں
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہباں
کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا

کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغراؑ مری تقصیر

محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر
بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی
تلوار لیے شان سے چلنے کے میں صدقے
کیوں روتے ہو اشک آنکھوں سے ڈھلنے کے میں صدقے
بے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجیو بھائی

حق دار ہوں میں نیگ کا میں بھیّا جان
لے آنا دُلہن کو مری تربت پہ میں قرباں
حق نیگ کا تم قبر پہ دھر دیجیو بھائی

چھپ جائیں گے آنکھوں سے یہ گیسو علی اکبرؑ
ڈھونڈھیں گی یہ آنکھیں تمہیں ہر سو علی اکبرؑ
جب چاند چھپے گا تو اُجالا نہ رہے گا
کیسے مجھے ہر بات میں یاد آؤ گے بھائی
کی دیر تو جیتا نہ ہمیں پاؤ گے بھائی

تم آج مسافر ہو تو ہم کل سفری ہیں
صحت سے جو ہیں ان میں کہاں میرا ٹھکانا
ہم گور کی منزل کی طرف ہوں گے روانا
وہ راہ تمہاری ہے تو یہ راہ ہماری

دھڑکا ہے کہ جب ہوں گے عیاں موت کے آثار
لیٰسین بھی پڑھنے کو نہ ہوگا کوئی غمخوار
میں ہچکیاں لے لے کے تمہیں یاد کروں گی

گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جاں
صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آں
کنبے کے لیے جان کو کھوتے نہیں بیٹا

میں صدقے گئی بس کرو گریہ و زاری
وہ کانپتے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکاری
چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہیں سکتی
جو دل میں ہے لب پر وہ سخن لا نہیں سکتی
بیکس ہوں مرا کوئی مددگار نہیں ہے

معصوم نے جب دم یہ سنی درد کی گفتار
لے لیکے بلائیں یہ لگی کہنے وہ بیمار
دنیا سے کوئی دن میں گزر جائے گی صغراؑ
عباسؑ نے اتنے میں یہ ڈیوڑھی سے پکارا
لپٹا کے گلے فاطمہ صغراؑ کو دوبارا
جس چشم کو دیکھا سو وہ پرنم نظر آئی

بیت الشرف خاص سے نکلے شہ ابرار
فراشوں کو عباسؑ پکارے یہ بہ تکرار
باہر حرم آتے ہیں رسولؐ دوسرا کے
لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو تو اتر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گزر جائے
مریمؑ سے سوا حق نے شرف ان کو دیے ہیں

عباسؑ علی سے علی اکبرؑ نے کہا تب
پہلے وہ ہوں اسوار تو محمل میں چڑھیں سب
گھر میں مرے زہراؑ کی جگہ بنت علیؑ ہے
آ پہونچی جو ناقے کے قریب دختر حیدرؑ
فضہ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشۂ چادر
فرزند کمر بستہ چپ و راس کھڑے تھے

اصغرؑ مرا روتا ہے صدا سن کے تمہاری
آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری
اصغرؑ میری آواز کو پہچان گئے تم
تپ ہے تمہیں چھاتی سے میں لپٹا نہیں سکتی
رکھ لوں تمہیں اماں کو بھی سمجھا نہیں سکتی
تم ہو سو تمہیں طاقت گفتار نہیں ہے

صغراؑ کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دیا اک بار
جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مر جائے گی صغراؑ
چلنے کے لیے قافلہ تیار ہے آقا!
اٹھے شہ دیں گھر تہ و بالا ہوا سارا
اک مجلس ماتم تھی کہ برہم نظر آئی

روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترت اطہار
پردے کی قناتوں سے خبردار خبردار
شقہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے
آتا ہو ادھر جو وہ اسی جا پہ ٹھہر جائے
دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

ہیں قافلہ سالار حرم حضرت زینبؑ
حضرت نے کہا ہاں یہی میرا بھی ہے مطلب
میں جانتا ہوں ماں مرے ہمراہ چلی ہے
خود ہاتھ پکڑنے کو بڑھے سبط پیمبرؐ
تھے پردۂ محمل کو اٹھائے علی اکبرؑ
نعلین اٹھا لینے کو عباسؑ کھڑے تھے

اک دن تو مہیّا تھا یہ سامان سواری
اک روز تھا وہ گرد تھے نیزے لیے ناری
محمل تھا نہ ہودج نہ کجاوہ نہ عماری
بے پردہ تھی وہ حیدرِ کرّار کی پیاری
ننھے کئی بچوں کے گلے ساتھ بندھے تھے
تھے بال کھلے چہروں پہ اور ہاتھ بندھے تھے

زینت دہ محمل جو ہوئی دخترِ زہرا
ناقوں پہ چڑھے سب حرمِ سیدِ والا
آنے لگے رہوار کھلا گرد کا پردا
عباسؑ سے بولے یہ شہِ یثرب و بطحا
صدمہ ہے بچھڑنے کا مرے روحِ نبیؐ پر
رخصت کو چلو قبرِ رسولِؐ عربی پر

ہے قبر پہ نانا کی مقدّم مجھے جانا
کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہو شہر میں آنا
اماں کی ہے تربت پہ ابھی اشک بہانا
اس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبرِ حسنؑ سے

پیدل شہِ دیں روضۂ احمدؐ پہ سدھارے
تربت سے صدا آئی کہ آ مرے پیارے
تعویذ سے شبیرؑ لپٹ کر یہ پکارے
ملتا نہیں آرام نواسے کو تمہارے
خط کیا ہیں اجل کا یہ پیام آیا ہے نانا
آج آخری رخصت کو غلام آیا ہے نانا

خادم کو کہیں امن کی اب جا نہیں ملتی
راحت کوئی ساعت مرے مولا نہیں ملتی
دکھ کون سا اور کون سی ایذا نہیں ملتی
ہیں آپ جہاں راہ وہ اصلا نہیں ملتی
پابندِ مصیبت ہوں گرفتارِ بلا ہوں
خود پاؤں سے اپنے طرفِ قبر چلا ہوں

میں اک تنِ تنہا ہوں ستمگار ہزاروں
اک جان ہے اور درپئے آزار ہزاروں
اک پھول سے رکھتے ہیں خلش خار ہزاروں
اک سر ہے فقط اور خریدار ہزاروں
واں جمع کئی شہر کے خونریز ہوئے ہیں
خنجر مری گردن کے لیے تیز ہوئے ہیں

فرمائیے اب جائے کدھر آپ کا شبیرؑ
یاں قید کی ہے فکر تو واں قتل کی تدبیر
تیغیں ہیں کہیں میرے لیے اور کہیں زنجیر
خونریزی کو کعبے تلک آ پہنچے ہیں بے پیر
بچ جاؤں جو پاس اپنے بلا لیجیے نانا
تربت میں نواسے کو چھپا لیجیے نانا

یہ کہہ کے ملا قبر سے شہ نے جو رخِ پاک
ہلنے لگا صدمے سے مزارِ شہِ لولاک
جنبش ہوئی قبر کو تھرّا گئے افلاک
کانپی جو زمیں صحنِ مقدس میں اڑی خاک
اس شور میں آئی یہ صدا روضۂ جد سے
تم آگے چلو ہم بھی نکلتے ہیں لحد سے

باتوں نے تری دل کو مرے کر دیا مجروح
تو ٹھہرے جاتا ہے تڑپتی ہے مری روح

بے تیغ کیا خنجرِ غم نے ترے مذبوح
ہے کشتیِ اُمت پہ تباہی کہ چلا نوحؑ

افلاک امامت کا مجھے بدر نہ سمجھے
بے قدر ہیں ظالم کہ تری قدر نہ سمجھے

مارا گیا جس روز سے شبیر مرا پیارا
اُس روز سے ٹکڑے ہے کلیجہ مرا سارا

اب قتل میں ہوتا ہوں ترے ساتھ دوبارا
اُمت نے کیا پاس ادب خوب ہمارا

زہراؑ کی جو بستی کو اُجاڑیں تو عجب کیا
اعدا مجھے تربت سے اُکھاڑیں تو عجب کیا

اس ذکر پہ رویا کیے شہ سر کو جھکائے
واں سے جو اُٹھے فاطمہؑ کی قبر پہ آئے

پائینِ لحد گر کے بہت اشک بہائے
آواز یہ آئی کہ میں صدقے ترے جائے

ہے شور ترے کوچ کا جس دن سے وطن میں
پیارے میں اُسی دن سے تڑپتی ہوں کفن میں

تربت میں جو کی میں نے بہت گریہ و زاری
گھبرا کے علیؑ آئے نجف سے کئی باری

کہتے تھے کہ اے احمدِ مختار کی پیاری
تم پاس ہو تربت سے بہت دور ہماری

گھر لٹتا ہے کیونکر مجھے چین آئے گا زہراؑ
کیا ہم سے نہ رخصت کو حسینؑ آئے گا زہراؑ

میں نے جو کہا قبر سے کیوں نکلے ہو باہر
نے سر پہ عمامہ ہے نہ ہے دوش پہ چادر

فرمایا کہ ماتم میں ہوں اے بنتِ پیمبرؐ
مرنے کو پسر جاتا ہے برباد ہوا گھر

ترسیں گے وہ پانی کو جو نازوں کے پلے ہیں
تلواریں ہیں اب اور مرے بچوں کے گلے ہیں

پھرتا ہے مری آنکھوں میں شبیرؑ کا مقتل
وہ نہرِ فرات اور کئی کوس کا جنگل

وہ بجلیاں تلواروں کی اور شام کا بادل
دریا سے وہ پیاسوں کے ہٹا دینے کی ہلچل

شبیرؑ کے سر پر سے یہ آفت نہ ٹلے گی
دسویں کو محرم کی چھری مجھ پہ چلے گی

سُن کر یہ بیاں باپ کا مادر کی زبانی
رو رو کے پکارا اسد اللہ کا جانی

ہاں والدہ سچ ہے نہ ملے گا مجھے پانی
پیاسے ہیں مرے خون کے یہ ظلم کے بانی

بچپن میں کیا تھا مرا ماتم شہِ دیں نے
نانا کو خبر دی تھی مری روحِ امیں نے

پہلو میں جو تھی فاطمہؑ کے تربتِ شبیرؑ
اُس قبر سے لپٹے بہ محبت شہِ صفدر

چلاتے کہ شبیرؑ کی رخصت ہے برادر
حضرت کو تو پہلو ہوا اماں کا میسر

قبریں بھی جدا ہیں ۔ افلاک ہماری
دیکھیں ہمیں لے جائے کہاں خاک ہماری

یہ کہہ کے چلے قبرِ حسنؑ سے شہِ مظلوم
یارانِ وطن گرد تھے افسردہ و مغموم
خالی ہوا گھر آج رسولِ عربیؐ کا
جب اُٹھ گئی تھیں خلق سے مخدومۂ عالم
برپا تھا جنازے پہ علیؑ کے یونہی ماتم
بس آج سے بے وارث و والی ہے مدینہ

چلاتی تھیں رانڈیں کہ چلی شہ کی سواری
آنکھوں سے یتیموں کے دُرِ اشک تھے جاری
کہتے تھے گدا ہم کو غنی کون کرے گا
تھا ناکے تلک شہر کے اک شورِ قیامت
رو رو کے وہ کہتا تھا جسے کرتے تھے رخصت
آخر تو بچھڑ کر کفِ افسوس ملیں گے

قسمیں اُنھیں دیدے کہ کہا شہ نے کہ جاؤ
اللہ کو سونپا تمھیں آنسو نہ بہاؤ
اس بیکس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
روتے ہوئے وہ لوگ پھرے شاہ سدھارے
کس شوق سے مردانِ حق آگاہ سدھارے
اُترے نہ مسافر کسی مخلوق کے گھر میں

روشن ہوئی کعبے کی زمیں نورِ خدا سے
جھک جھک کے ملے سبطِ پیمبرؐ غربا سے
خوش ہو کے ہوا خواہ یہ کہتے تھے علیؑ کے
کعبے میں بھی اک دن نہ ملا شاہ کو آرام
اعدا نے گذرنے نہ دیئے حج کے بھی ایام
عازم طرفِ راہِ الٰہی ہوئے حضرت

رہوار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دھوم
چلاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
تابوت اسی دھوم سے نکلا تھا نبیؐ کا
سر پیٹتے تھے لوگ اسی طرح سے باہم
تھا رحلتِ شبیرؑ میں محبوں کو بھی غم
اب پنجتنؑ پاک سے خالی ہے مدینہ

لے گا خبر اب کون مصیبت میں ہماری
مضطر تھے اپاہج ضعفا کرتے تھے زاری
محتاجوں کی فاقہ شکنی کون کرے گا
سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت
پائیں گے کہاں ہم یہ غنیمت ہے زیارت
دس بیس قدم اور بھی ہمراہ چلیں گے

تکلیف تمھیں ہوتی ہے اب ساتھ نہ آؤ
پھرنے کے نہیں ہم سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ
یارو مری صغراؑ کی خبر پوچھتے رہنا
جو صاحبِ قسمت تھے وہ ہمراہ سدھارے
عابدؑ کی طرف خانۂ اللہ سدھارے
عاشق کو کشش لے گئی معشوق کے گھر میں

مکے نے شرف اور بھی پایا شرفا سے
آباد ہوا شہر نمازوں کی صدا سے
سب باپ کی خو بو ہے نواسے میں نبیؐ کے
کوفے سے چلے آتے تھے نامے سحر و شام
کھولا پسرِ فاطمہؑ نے باندھ کے احرام
تھی ہشتم ذی الحجہ کہ راہی ہوئے حضرت

جاتے تھے دل افسردہ و غمگیں شہِ ابرار
قبریں نظر آجاتی تھیں صحرا میں جو دو چار
جز خاک نہ ہوئے گا نشاں بھی بدنوں کا
احباب کہیں، گھر ہے کہیں، آپ کہیں ہیں
خالی ہیں مکاں آپ تہِ خاک کہیں ہیں
حسرت یہ رہی ہو گی کہ پہنچے نہ وطن میں

باتیں تھیں یہی پاس کی اور دور کی تقریر
شب کو کہیں اُترے تو سحر کو ہوئے رہگیر
مقتل کا یہ تھا شوق شہِ جن و بشر کو
ملتا تھا کوئی مردِ مسافر جو سرِ راہ
ایسا کوئی صحرا بھی ہے اے بندۂ اللہ
کیا ملتا ہے اُس دشت میں اور کیا نہیں ملتا

وہ عرض یہ کرتا تھا کہ سبطِ شہِ لولاک
ہنستا ہوا واں جائے تو ہو جاتا ہے غمناک
دن رات کو آتی ہے صدا سینہ زنی کی
چلاتی ہے عورت کوئی ہے ہے مرے فرزند
تلواروں سے ٹکڑے یہیں ہوں گے ترے دلبند
پیارے تو اسی خاک پہ گھوڑے سے گرے گا

اک شیر ترائی میں یہ چلاتا ہے دن رات
کیا حال کہوں نہر کا اے شاہِ خوش اوقات
طائر بھی دمِ تشنہ دہانی نہیں پیتے
اُس جا نہ اترتا ہے نہ دم لیتا ہے رہگیر
پیاسوں کے لیے اس کی ہر اک موج ہے شمشیر
بجھتی نہیں واں پیاس کسی تشنہ گلو کی

ہر گام پہ ہوتے تھے عیاں موت کے آثار
فرماتے تھے شہ فاعتبروا یا اولی الابصار
انجام یہ ہے ہم سے غریب الوطنوں کا
آگے تو زمیں پر تھے پر اب زیرِ زمیں ہیں
جو دور نہ رہتے تھے وہ اب پاس نہیں ہیں
کیا منہ کو لپیٹے ہوئے سوتے ہیں کفن میں

منزل پہ بھی آرام سے سوتے نہ تھے شبیر
جلدی تھی کہ ہو جائے شہادت میں نہ تاخیر
جس طرح سے ڈھونڈھے کوئی معشوق کے گھر کو
یوں پوچھتے تھے اُس سے بحسرت شہِ ذیجاہ
اک نہر سوا جس میں نہ چشمہ نہ کوئی چاہ
ہم ڈھونڈھتے پھرتے ہیں وہ صحرا نہیں ملتا

ہے سخت پُر اندوہ وہ صحرا تہِ افلاک
سنتا ہوں وہاں دن کو اڑاتا ہے کوئی خاک
درویش کی ممکن ہے سکونت نہ غنی کی
اس دشت میں ہو جائے گا تو خاک کا پیوند
پانی نہیں ہو جائے گا بچوں پہ ترے بند
ہے ہے یہیں خنجر تری گردن پہ پھرے گا

کٹ جائیں گے یاں ہاتھ مرے لال کے ہیہات
پانی تو نہیں شور پہ مشہور ہے یہ بات
وحشی کبھی واں آن کے پانی نہیں پیتے
ہے شور کہ اس آب میں ہے آگ کی تاثیر
اس طرح ہوا چلتی ہے جس طرح چلیں تیر
بو آتی ہے اُس نہر کے پانی میں لہو کی

اس شخص سے یہ کہہ کے چلے قبلۂ عالم
اللہ نے چاہا تو بلائیں گے اُسے ہم
عاشق پہ بلا بعد بلا آتی ہے ہر دم
غم اور بڑھا وصل کا عرصہ جو رہا کم
آفت یہ نئی فوجِ شہنشاہ میں آئی
مسلمؑ کی شہادت کی خبر راہ میں آئی

غربت میں نہ ماتم کی سنائے خبر اللہ
طاری ہوا حضرت پہ عجب صدمۂ جانکاہ
گوندھے ہوئے سر کھول کے بیٹھے حرم شاہ
فرماتے تھے شہ سب کو ہے درپیش یہی راہ
ہوگا وہی اللہ کو جو مدنظر ہے
آج ان کا ہوا کوچ کل اپنا بھی سفر ہے

وارث کے لیے زوجۂ مسلم کا تھا یہ حال
محمل سے گری پڑتی تھی بکھرائے ہوئے بال
روتے تھے بہن کے لیے عباسؑ خوش اقبال
وہ کہتی تھی ساتھ آئے تھے چھوٹے مرے دو لال
پوچھو تو کدھر وہ مرے پیارے گئے دونوں
فرماتے تھے شبیرؑ کہ مارے گئے دونوں

محمل تھے سب اُس بی بی کی ہودج کے برابر
تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبیرؑ کی خواہر
گھبرا گئی تھی مسلمِ مظلوم کی دختر
ہر بار یہی پوچھتی تھی ماں سے لپٹ کر
کیوں پیٹتی ہو کون جدا ہو گیا اماں
غربت میں مرے باپ پہ کیا ہو گیا اماں

اُس دن سے تو اک ابرِ ستم فوج پہ چھایا
کھانا کئی دن قافلہ والوں نے نہ کھایا
رستے میں ابھی تھا اسد اللہ کا جایا
جو چاند محرم کا فلک پر نظر آیا
سب نے مہِ نو لشکرِ شبیرؑ میں دیکھا
منھ شاہ نے آئینۂ شمشیر میں دیکھا

خویش و رفقا چاند کی تسلیم کو آئے
مجرے کو جھکے اور سخن لب پہ یہ لائے
یہ چاند مبارک ہو ید اللہ کے جائے
کفار پہ تو فتح اسی چاند میں پائے
رتبہ مہ و خورشید سے بالا رہے تیرا
تا حشر زمانے میں اُجالا رہے تیرا

حضرت یہ دعا پڑھ کے یہ کی حق سے مناجات
کر رحم گنہگاروں پہ اے قاضیِ حاجات
سر دینے کا مشتاق ہوں عالم ہے تری ذات
خنجر مری آنکھوں میں پھرا کرتا ہے دن رات
باقی ہیں جو راتیں وہ عبادت میں بسر ہوں
یہ زیست کے دن دن تری طاعت میں بسر ہوں

پہونچا دے مجھے جلدی سے اے خالقِ افلاک
اُس خاک پہ جب خاک سے ملتی ہے مری خاک
طالب ہے ترے قرب کا سبطِ شہِ لولاک
نے ملک کی خواہش ہے نہ درکار ہے املاک
بیتاب ہے دل صبر کا یارا نہیں مجھ کو
اب فصل بجز وصل گوارا نہیں مجھ کو

اتنے میں یہ فضہ علی اکبرؑ کو پکاری
تو دیکھ چکیں چاند یہ اللہ کی پیاری
عادت ہے کہ وہ دیکھتی ہیں شکل تمہاری
آنکھوں کو کیے بند یہ فرماتی ہیں واری
آئے تو رخِ اکبرؑ ذیقدر کو دیکھوں
شکل مہِ نو دیکھ چکی بدر کو دیکھوں

شہ داخلِ خیمہ ہوئے فرزند کے ہمراہ
منھ دیکھ کے یوں کہنے لگی بنتِ یداللہ
یہ چاند ہے کس طرح کا اے فاطمہؑ کے ماہ
فرمانے لگے روکے بہن سے شہِ ذیجاہ
سرتن سے مرا اس مہِ پُرغم میں کٹے گا
زینبؑ یہ مہینہ تمہیں ماتم میں کٹے گا

یہ آلِ نبیؐ کی ہے مصیبت کا مہینا
یہ ظلم کا عشرہ ہے یہ آفت کا مہینا
پہونچا ہے غریبوں کی شہادت کا مہینا
آخر ہے بس اب عمر کی مدت کا مہینا
یہ بارِ امامت مری گردن سے اُتر جائے
ہو خاتمہ بالخیر جو سر تن سے اُتر جائے

گردوں پہ مہِ نو جو نمایاں ہے یہ ہمشیر
چڑھتی ہے مرے سر کے لیے چرخ پہ شمشیر
اس چاند میں کٹ جائے گا سب لشکرِ شبیرؑ
نیزہ کوئی کھائے گا کلیجے پہ کوئی تیر
برچھی کسی جانباز کے پہلو میں لگے گی
شمشیر کسی شیر کے بازو میں لگے گی

خیمے کو جلا دیں گے لُٹے گا زر و زیور
اس ماہ میں ہوں گے نہ پدر اور نہ مادر
ماؤں سے پسر چھوٹیں گے بہنوں سے برادر
بیوہ کئی سیدانیاں ہوویں گی مقرر
گھڑکیں گے ستمگار جو روئے گی سکینہؑ
اس ماہ میں بے باپ کی ہوئے گی سکینہؑ

دولھا کوئی ٹاپوں کے تلے ہوئے گا پامال
بیٹھے گی کوئی تازہ دلہن کھولے ہوئے بال
تیروں سے کسی ماں کا جگر ہوئے گا غربال
نکلے گی کوئی کہتی ہوئی ہائے مرے لال
معصوموں کی سونے کی جگہ پائیں گی خالی
بچوں سے بھری گودیاں ہو جائیں گی خالی

اس عشرۂ اوّل میں نہ ہوئیں گے بہن ہم
تاریخ سفر ہے دہم ماہ محرم
عشرہ یہ وہ عشرہ ہے کہ اے زینبؑ پُرغم
جس لال کی عاشق ہو وہ ہو جائے گا بے دم
دیکھو گی نہ پھر منہ علی اکبرؑ سے پسر کا
اب شام میں ہوئے گا تمہیں چاند سفر کا

رونے کے لیے حق نے بنائے ہیں یہ دس دن
ان روزوں خوشی ہو یہ کسی کو نہیں ممکن
لیویں گے مرا تعزیہ ہر شہر کے ساکن
اکبرؑ کو جواں روئیں گے معصوموں کو کم سن
بھولیں ہمیں ایسے نہیں غمخوار ہمارے
ہوئیں گے سیہ پوش عزادار ہمارے

غش ہو گئی سن کے یہ بیاں زینبِ پُر غم ۔۔۔ خیمے میں اسی رات سے برپا ہوا ماتم
بیدار رہیں صبح تلک بیبیاں باہم ۔۔۔ خیموں کو اکھڑوا کے چلے قبلۂ عالم
آخر وہی صحرا وہی جنگل نظر آیا ۔۔۔ تھی دوسری تاریخ کہ مقتل نظر آیا
اُترے اُسی میدان بلا خیز میں سرور ۔۔۔ استادہ ہوئے خیمۂ ناموسِ پیمبر
صحرا کی طرف دیکھ کے خوش ہو گئے اکبر ۔۔۔ دریا پہ ٹہلنے لگے عباسؑ دلاور
شہ بولے ہوا نہر کی بھائی تمہیں بھائی ۔۔۔ ہاں شیر ہو دریا کی ترائی تمہیں بھائی
خاموش بس اب رو کہ انیسِ جگر افگار ۔۔۔ خالق سے دعا مانگ کہ اے ایزدِ غفار
زندہ رہیں دنیا میں شہِ دیں کے عزادار ۔۔۔ غیر از غمِ شاہ ان کو نہ غم ہو کوئی زنہار
آنکھوں سے مزارِ شہِ دلگیر کو دیکھیں ۔۔۔ اس سال میں بس روضۂ شبیر کو دیکھیں

رباعی

جس دن کہ فراق روح و تن میں ہوگا ۔۔۔ مشکل آنا اس انجمن میں ہوگا
نازاں نہ ہو رختِ نو پہن کر غافل ۔۔۔ اِک روز یہی جسم کفن میں ہوگا

رباعی

یکتا گہرِ قلزمِ سرمد ہے حسینؑ ۔۔۔ سردارِ امم نسلِ محمدؐ ہے حسینؑ
جب سر کو قدم کیا تو سر کی رہِ عشق ۔۔۔ حقا کہ شہیدوں میں سرآمد ہے حسینؑ

رباعی

واحد ہے جو عبد نیک نام اس کا ہوں ۔۔۔ یکتا ہے جو مداح مدام اس کا ہوں
پوچھیں گے نکیرین تو کہہ دوں گا انیس ۔۔۔ قنبر کا جو مولا ہے غلام اس کا ہوں

۳ مرثیہ

بند ۲۴۷

جب شاہ کو مہلت نہ ملی طوفِ حرم کی
فرمایا کہ لو راہ بس اب ملکِ عدم کی
جوں قبلہ نما قصد جدھر کرتے ہیں شبیرؑ
کہتے تھے بصد درد کہ اے کعبۂ داور
ملتی نہیں سیّد کو اماں وائے مقدر
دوری ہوئی اس گھر سے بس اب دل کو یقیں ہے
اے رکن و مقام اب یہ مرا کوچ جہاں ہے
اُس دشت میں مشتاقِ قضا جاتا ہوں جہاں ہے
کچھ غم نہیں دکھ ہو کہ بلا آئے بلا پر
اس راہ میں اب مجھ کو توقف کی نہیں تاب
دل غم سے بھرا آتا ہے اے زمزم و میزاب
اک جام دمِ تشنہ دہانی نہ ملے گا
اے کوہِ صفا دل ہے مکدر ترے غم سے
افسوس کہ کچھ ہو نہ سکی سعی بھی ہم سے
سب لعل مرے گردِ غریبی سے اٹیں گے
پھر قبرِ محمّد کی طرف بڑھ کے زیارت
کعبے میں بھی مولا نہ میسر ہوئی راحت
مخفی ہوئے ہیں قافلۂ حاج میں آ کے
ملجا ہے نہ منجی ہے نہ مامن نہ مفر ہے
تلواریں ہیں جلادوں کی اور اک مرا سر ہے
توڑیں انھیں گر پھول بھی پائیں مری بو کے

اُس کعبۂ ایماں پہ گھٹا چھا گئی غم کی
بطحا سے چلی فوج شہنشاہِ اُمم کی
پھر پھر کے سوئے کعبہ نظر کرتے ہیں شبیرؑ
اب تجھ سے جدا ہوتا ہے فرزندِ پیمبرؐ
جاتا ہوں سوئے گور سراسیمہ و مضطر
قربانیِ شبیرؑ کا ہنگام قریں ہے
چھٹتا ہے مکیں خالقِ اکبر کے مکاں سے
ٹکڑے مجھے ہونا ہے جہاں تیغ و سناں سے
راضی ہوں خداوندِ دو عالم کی رضا پر
رخصت ہے مری اے حجر و منبر و محراب
دریا پہ لعیں ذبح کریں گے مجھے بےآب
چاہیں گے کنووں سے بھی تو پانی نہ ملے گا
صد پارہ ہے سینے میں جگر سنگِ الم سے
قسمت لیے جاتی ہے پہاڑوں میں حرم سے
گرمی کے یہ دن بچوں پہ سختی سے کٹیں گے
کی عرض مسافر کی دوبارہ ہے یہ رخصت
آزار پہ باندھے ہیں کمر اہلِ ضلالت
پائیں تو مجھے ذبح کریں گھر میں خدا کے
غربت کا تباہی کا مصیبت کا سفر ہے
رکھتا ہوں جہاں پاؤں وہاں خوف و خطر ہے
کانٹے بھی ہیں جنگل میں تو پیاسے ہیں لہو کے

نانا مجھے رہنے کا ٹھکانا نہیں ملتا
جنگل میں بھی بستی کا بسانا نہیں ملتا
آٹھ آٹھ پہر بچوں کو کھانا نہیں ملتا
پانی کہیں ملتا ہے تو دانا نہیں ملتا
مہلت نہیں اتنی کہ میں سائے میں کھڑا ہوں
حضرت سے جدا ہو کے تباہی میں پڑا ہوں

دنیا میں ہیں دو امن کے گھر یا شہ ابرار
اک خانۂ حق ایک در احمد مختار
بے خوف یہاں آکے جو مخفی ہو گنہگار
کر سکتا ہے سلطاں نہ وزیر اس کو گرفتار
یہ خانۂ خالق ہے وہ حضرت کا مکاں ہے
میرے لیے امن نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے

حاکم نے مدینے کے ادھر مجھ کو ستایا
میں سوئے حرم ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا
جلادوں سے یاں بھی کوئی دم چین نہ پایا
میں دھوپ میں ہوں جب سے اٹھا آپ کا سایا
حج بھی نہ میسر ہوا مغموم چلا ہوں
احرام تلک باندھ کے محروم چلا ہوں

فریاد ہے راحت مجھے مولا نہیں ملتی
اک خیمہ بپا کرنے کی بھی جا نہیں ملتی
اب راہ پہاڑوں کی بھی اصلا نہیں ملتی
دیکھوں مجھے ملتی ہے لحد یا نہیں ملتی
راحت مری امت ہی کو منظور نہیں ہے
مٹی بھی نہ دیں مجھ کو تو کچھ دور نہیں ہے

میں بچوں کو لیکر کدھر اس شہر سے جاؤں
کس دشت میں اس آپ کی بستی کو بساؤں
سیدانیوں کو کونسے پردے میں چھپاؤں
مخفی ہوں اگر قبر کا گوشہ کہیں پاؤں
کب دن میں کئی بار اسے غش نہیں آتا
زینبؑ کا ہے وہ حال کہ دیکھا نہیں جاتا

بانو غم صغراؔ میں بکا کرتی ہے دن رات
تلخی میں بسر ہوتی ہے مولا مری اوقات
سہمی ہے سکینہ بہت اے قبلۂ حاجات
رو دیتی ہے مجھ سے بھی جو کرتی ہے کوئی بات
ساتھ اس کے زمانے سے گزر جاؤں گا میں بھی
یہ مر گئی غربت میں تو مر جاؤں گا میں بھی

تا شام تو لو چلتی ہے جنگل میں سحر سے
کم دودھ ہے بانو کا صعوبات سفر سے
چلاتی ہے برسا کے لہو دیدۂ تر سے
بچی میں تجھے ڈھونڈ کے لے آؤں کدھر سے
پہلو میں تری پاتی ہوں خوشبو نہیں صغراؔ
افسوس کہ سب ساتھ ہیں پر تو نہیں صغراؔ

یہ کہہ کے روانہ ہوا وہ خاصۂ باری
گویا کہ بیاباں میں چلی باد بہاری
جنگل میں کھلا باغ یہ خوشبو ہوئی ساری
فیاض نے صحرا کی بھی کی کاربراری
مہکے جو وہ گیسو تو بیاباں کی بن آئی
نافے لیے جھولی میں نسیم ختن آئی

اونٹوں کو بھی تھا وجد حدی خواں کی صدا سے
گھوڑے بھی تراروں میں کچھ آگے تھے ہوا سے
غافل نہ تھا لشکر میں کوئی یادِ خدا سے
صاف آتی تھی تکبیر کی آواز درا سے
صحرا تھا دمِ ظہر کہ دامن تھا جبل کا
غل ہوتا تھا اک حیَّ علیٰ خیرِ عمل کا

وحشت کو فراموش کیے دشت کے آہو
تکتے تھے بحسرت طرفِ سیّدِ خوش خو
غل تھا پسرِ شیرِ الٰہی ہے یہ مہرو
خوشبو میں بر از مشکِ ختا ہیں یہ گیسو
رخ ماہِ دو ہفتہ ہے تو قد سروِ سہی ہے
دے آئی تھی بچہ جسے ہرنی وہ یہی ہے

کچھ دن سے اترتے تھے جہاں سیّدِ ابرار
ہو جاتی تھیں تاریک شبیں مطلعِ انوار
اُردو میں دکانیں جو لگاتے تھے دکاں دار
آراستہ ہو جاتا تھا اک چھوٹا سا بازار
نیّت میں فروشندوں کے ثابت قدمی تھی
پانی کا نہ تھا قحط نہ غلّے کی کمی تھی

کھولے ہوئے پر کتے تھے شاہینِ ترازو
تُلتے ہوں برابر کہ یہ عادل کا ہے اُردو
سُن لے جو فروشندہ ہے سنجیدہ و خوش خو
خاسر ہے جو میزاں میں ہوا فرقِ سرِ مو
اک فصل میں اس جنس کے عقدے بھی کھلیں گے
اعمال یونہیں عدل کی میزاں میں تلیں گے

قریوں سے زیارت کو جو آجاتی تھی خلقت
کرسی پہ نکل بیٹھتے تھے خیمے سے حضرت
یکساں تھی ہر اک پر نظرِ لطف و عنایت
محتاجوں سے باتیں تھیں غریبوں سے محبت
ہر عاجز و بیکس کی مدد کرتے تھے مولا
درویش کا ہدیہ بھی نہ رد کرتے تھے مولا

عقدے تھے اگر حل انھیں کر دیتے تھے حضرت
خالی تھے جو دامن انھیں بھر دیتے تھے حضرت
بے برگ درختوں کو ثمر دیتے تھے حضرت
لاتا کوئی دو پھول تو زر دیتے تھے حضرت
پھل اُس کو دیے جس کو برومند نہ دیکھا
فیاض کی مٹھی کو کبھی بند نہ دیکھا

کافر بھی جو آیا اسے دی دولتِ ایماں
بے زاد مسافر تھا ہر اک آپ کا مہماں
تھا مصحفِ ناطق کی طرح خلق پہ احساں
منزل کوئی بے فیض نہ تھی صورتِ قرآں
وہ کونسا عاجز ہے جو کچھ پا نہیں جاتا
دریا پہ جو آتا ہے وہ پیاسا نہیں جاتا

جس دشت میں اُس سروِ رواں کے قدم آئے
پابوس کو خار و گل و ریحاں بہم آئے
یوں آئے جدھر بڑھ کے امامِ اُمم آئے
جس طرح برستا ہوا ابرِ کرم آئے
جو خشک تھا برسوں سے وہ جنگل بھی ہرا تھا
صحرا کا جو دامن تھا وہ پھولوں سے بھرا تھا

سب کہتے تھے اے احمدِ مختار کے جائے
کیوں خانۂ حق چھوڑ کے مولا اِدھر آئے
فرماتے تھے شبیرؑ کہ ہم رہنے نہ پائے
یوں کوئی مسلماں نہ مسلماں کو ستائے
مہمانیِ تیغ و تبر و تیر ہوئی تھی
تدبیرِ گرفتاریِ شبیرؑ ہوئی تھی

گر دست ستم حج میں بڑھاتے وہ ستمگار
چلتی حرم حضرت معبود میں تلوار
بگڑے تھے خبر سنتے ہی عباسؑ خوش اطوار
باندھے رہے تا صبح سرِ شام سے ہتھیار
بپھرے ہوئے ضیغم کہیں افواج سے رُکتے
نے مجھ سے نہ یہ قافلۂ حاج سے رُکتے

کہتے تھے یہ شمشیر دو دم تول کے ہر بار
شیروں کے پسر بھی کہیں ہوتے ہیں گرفتار
پاس اس کا نہ ہوگا کہ یہ ہے خانۂ غفار
کر دوں ابھی تا کوہِ صفا لاشوں کے انبار
یوں قتل ہو سب فوج لڑائی کی بِنا میں
جس طرح گلے کٹتے ہیں دُنبوں کے مِنا میں

ہونٹوں کو چباتے تھے علی اکبرِ گلفام
تھرا رہا تھا غیظ سے قاسمؑ کا بھی اندام
زینبؑ کے پسر کہتے تھے تولے ہوئے صمصام
اب کعبے سے لڑتے ہی چلے جائیں گے تا شام
تلواریں پکڑ کر جو لعینوں پہ جُھکیں گے
روکیں گے جو آقا بھی تو پھر ہم نہ رُکیں گے

جھنجلائے ہوئے مسلمِ ذی جاہ کے دلدار
ایک ایک سے کرتے تھے تفحص یہی ہر بار
آئے ہیں جو چھپ کر پئے قتلِ شہِ ابرار
بتلاؤ تو کس قافلے میں ہیں وہ ستمگار
پائیں تو چیریں قلب جگر کاٹ کے اُن کے
کوفے میں ابھی بھیج دیں سر کاٹ کے اُن کے

سوچا میں کہ یاں مجھ پہ اگر کچھ ہوئی بیداد
حرمت حرمِ کعبہ کی ہو جائے گی برباد
گر ساتھ نہ ہوتی اسد اللہ کی اولاد
حاضر تھا میں، گر سر بھی مرا کاٹتے جلاد
پھیلے جو فساد۔ آہ! اُدھر سے نہ نکلتا
مر کر بھی میں اللہ کے گھر سے نہ نکلتا

راضی ہوں کہ اس بَن میں کٹے تن سے مرا سر
جس بَن میں نہ پانی ہو نہ دانہ ہو میسر
کچھ غم نہیں لاشے کو کفن بھی نہ ملے گر
پر خوں نہ مسلمانوں کا ہو یاں کی زمیں پر
معلوم ہے سب کو کہ یہ وہ پاک زمیں ہے
پشّے کے ستانے کا جہاں حکم نہیں ہے

کس کو نہیں معلوم یہ حرمِ مقدس
مولد مرے بابا کا ہے یہ خانۂ اقدس
فرصت نہ ملی حج کی میں ایسا ہوا بے بس
مقدور نہ یہ مجھ سا بھی نہ ہوگا کوئی بیکس
تیغوں سے نہ ملتی انھیں مہلت کوئی دم کی
واللہ مجھے پاس تھا حرمت کا حرم کی

جس گھر کو بتوں سے اسدِ حق نے کیا پاک
جانے نہیں دیتے اسی گھر میں ہیں سفّاک
بدعت سے لعینوں کی کلیجہ ہے مرا چاک
شاید میں نہیں لختِ دلِ سیدِ لولاک
قابض ہوئے ہیں گھر پہ خداوندِ احد کے
جانے نہ دیا مجھ کو مصلّے پہ بھی جد کے

کعبہ جو حقیقت میں ہے لاریب وہ میں ہوں
ہاں جس کے لیے ہے مددِ غیب وہ میں ہوں
جس میں نہیں دنیا کا کوئی عیب وہ میں ہوں
معصوم ہے طفل سے جو تا شیب وہ میں ہوں
اوج ان کے ہیں جو اوجِ سعادت کے ہما ہیں
کعبہ بھی ہمیں سے ہے ہمیں قبلہ نما ہیں

عالم ہیں سب اس کے کہ میں کعبۂ دیں ہوں
حق مجھ سے ہے نزدیک تو میں حق سے قریں ہوں
شاہد فلک اس کا ہے کہ مختارِ زمیں ہوں
کعبے کی طرح خاتمِ دنیا کا نگیں ہوں
سمجھے وہی اس رمز کو جو حق کی طرف ہے
حج سے بھی سوا میری زیارت کا شرف ہے

سب حج کے مراتب ہیں زیارت میں ہماری
حاجی ہیں جو ہیں محو محبت میں ہماری
ناجی ہے جو مرتا ہے اطاعت میں ہماری
بگڑا بھی سنور جاتا ہے صحبت میں ہماری
ہم جس سے پھرے سب کی نگاہوں سے گرا وہ
جو ہم سے پھرا کعبۂ ایماں سے پھرا وہ

سب عرض یہ کرتے تھے کہ اے خلق کے والی
قریوں میں غلاموں کے مکاں بھی تو ہیں خالی
بندوں کو سرافراز کریں سرورِ عالی
مہماں ہوں غریبوں کے یہ انصار و موالی
فخر اس کا ہے رخ آپ کا جس دِہ کی طرف ہو
عزت ہو جو مردوں کی تو زندوں کا شرف ہو

سرسبز زراعت بھی ہو جھیلیں بھی ہیں پُر آب
میوے بھی تر و تازہ ہیں گلشن بھی ہیں شاداب
حاضر ہے ہر اک چیز جو امکاں میں ہے اسباب
باہر ہو کوئی حکم سے مولا کے یہ کیا تاب
جیتے ہیں تو حضرت کی غلامی میں مریں گے
ہم جان بھی دینے میں صرفہ نہ کریں گے

گھر چھوڑ کے اب آپ کہاں جاتے ہیں مولا
یہ کیا ہے جو اشک آنکھوں میں بھر لاتے ہیں مولا
خادم انھیں قدموں سے شرف پاتے ہیں مولا
سب آپ کا صدقہ ہے جو ہم کھاتے ہیں مولا
خالی ہو جو دنیا قدمِ سرورِ دیں سے
دانہ کبھی برسوں میں نہ پیدا ہو زمیں سے

رکھے جو قدم اس پہ امام دوسرا نے
بخشی برکت خاک کے طیبے کو خدا نے
اک دانے کو سو سو جو خدا دیتا ہے دانے
بینا ہے تو سمجھے اسے دانا ہو تو جانے
جو دل سے بھلا دیتا ہے حق آلِ نبی کے
بجلی بھی جو گرتی ہے تو خرمن پہ اسی کے

اللہ نے چشمے جو کیے خلق میں جاری
سب ہے یہ کرم آپ کا اے خاصۂ باری
منھ آپ پھرا لیں تو زمیں خشک ہو ساری
صحرا کی طرف رُخ نہ کرے ابرِ بہاری
باغوں میں کوئی پھول نہ پتا نظر آئے
کوسوں کہیں جنگل میں نہ سبزا نظر آئے

یہ عجز یہ الطاف ہے اس جاہ و حشم پر
وہ قطع ہو جو ہاتھ اُٹھے شاہِ امم پر
تنہا یہ ترحم یہ عنایت نہیں ہم پر
مہمان ہیں دُنیا میں سب اس خوانِ کرم پر
نور آپ جو بخشیں تو ستارے بھی قمر ہوں
اس گھر کے طفیلی ہیں ملک ہوں کہ بشر ہوں

وہ کون ہے ان ہاتھوں سے جو پا نہیں جاتا
خالی کوئی اللہ کا بندا نہیں جاتا
گھر اُس کے پہونچتا ہے جو کچھ کھا نہیں جاتا
دشمن بھی جو آتا ہے تو بھوکا نہیں جاتا
درباں کوئی روکے یہ وہ سرکار نہیں ہے
کافر ہے جو اس گھر کا نمک خوار نہیں ہے

گھر جتنے ہیں مولا کے غلاموں کے وہ گھر ہیں
کھینچے کوئی تلوار تو ہم سینہ سپر ہیں
ہم بندے ہیں اور آپ محمدؐ کے پسر ہیں
جانیں ہیں تصدق تو فدا قدموں پہ سر ہیں
اشراف ہیں صادق ہیں وفادار ہیں مولا
اس دِہ کے زن و مرد حیا دار ہیں مولا

عورات بھی ہیں فاطمہؑ کے نام پہ قربان
کیا دخترِ زہراؑ کی زیارت کا ہے ارمان
فخر اُس کا ہے نبی زادہ ہو جس قوم کا مہمان
فضہ کو بھی تکلیف نہ ہو اُن کو یہ ہیجان
ہوگا وہی شہزادیاں جو منھ سے کہیں گی
سب بی بیاں زینبؑ کی کنیزی میں رہیں گی

فرماتے تھے حضرت تمہیں خالق رکھے آباد
دنیا میں برومند ہو ایک ایک کی اولاد
کیا اپنی تباہی کہوں میں بیکس و ناشاد
روؤ گے مفصل جو سنو گے مری روداد
درپیش ہے وہ راہ کہ کچھ کہہ نہیں سکتا
بے کنجِ لحد اب میں کہیں رہ نہیں سکتا

جائے گا اُسی سمت یہ مظلوم مسافر
منزل جو ازل سے ہے معین مری خاطر
بستی ہو کہ جنگل وہی حافظ وہی ناصر
آتا ہے محرم یہ مہینا بھی ہے آخر
کھل جائے گا ہونا ہے جو کچھ سبطِ نبیؐ پر
قصہ مرا مخفی نہیں رہنے کا کسی پر

ہر چند کہ لو چلتی ہے اُٹھتے ہیں بگولے
اشجارِ خزاں دیدہ بھی اب تک نہیں پھولے
پڑ جاتا ہے چھالا کوئی آہن کو جو چھو لے
تم لوگوں کی ایسی نہیں اُلفت کہ جو بھولے
موت آئی تو رہ میں کسی صحرا کے رہیں گے
جیتے جو پھرے ہم تو یہیں آ کے رہیں گے

جب منزلِ آعاجزے بڑھے سبطِ پیمبرؐ
دُنیا سے گیا آٹھویں تاریخ وہ صفدر
ماتم ہو کئی دن سے مسلمانوں کے گھر میں
رنگ اُڑ گیا رخساروں سے تھرّانے لگے شاہ
آفت کا سفر اور یہ ماتم کی خبر آہ
لشکر پہ اُداسی تھی غریب الغربا کے

فرماتے تھے شبیرؑ مسافر مرا بھائی
ہے ہے مرا یاور مرا ناصر مرا بھائی
جب سے گئے آرام بلاشک نہیں پایا
اللہ رے مسلمؑ کے جگربندوں کی زاری
چلّاتے تھے ہے ہے اجل آئی نہ ہماری
بھڑکی ہے وہ آتش کہ جلاتی ہے جگر کو

اُس قافلے میں رونے کا اک شور ہوا جب
غل پڑ گیا پردیسیوں کی خیر ہو یارب
چلّاتی تھی کیوں حشر یہ برپا ہوا لوگو
اصغرؑ کو لیے کہتی تھی بانوئے دل افگار
اے بی بیو صغرا کو میں چھوڑ آئی ہوں بیمار
ہر دل پہ جو اک غم کی گھٹا چھائی ہے لوگو

زینبؑ کے قریں زوجۂ مسلم تھی کھلے سر
چلتی ہے چھری آٹھویں تاریخ سے مجھ پر
دو بچوں کے دنیا سے گزرنے کی خبر ہے
یہ غل تھا کہ حضرت نے کہا خیمے میں آ کر
مسلمؑ تو موئے فردوس گئے برچھیاں کھا کر
کوفے میں سرِ پاک اُتارا گیا تن سے

آئی یہ مفصل خبرِ مسلمؑ بے پر
فرزند مصیبت میں موئے ظلم سے بے سر
خندق میں تو لاش اُن کی ہے اور قلعے کے در میں
اشک آنکھوں سے برسا کے کہا یرحمک اللہ
برپا ہوئے خیمے وہیں اُترے شہِ ذی جاہ
سب روتے تھے رونے پہ امامؑ دوسرا کے

مقتولِ جفا صابر و شاکر مرا بھائی
الفت میں مری مر گیا آخر مرا بھائی
قربان برادر کفن اب تک نہیں پایا
ہوش آیا کبھی بار غش آیا کئی باری
کوفے سے گئی خلد کو بابا کی سواری
دو بھائیوں کو روئیں کہ مظلوم پدر کو

گھبرا گئے ناموسِ رسولِ عربی سب
دوڑی گئیں سر کھولے درِ خیمہ پہ زینبؑ
کس کی خبر آئی ہے ارے کیا ہوا لوگو
میرا تو جگر منہ کو چلا آتا ہے ہر بار
یہ کیا ہے جو روتے ہیں تڑپ کر شہِ ابرار
کیا کچھ مری بچی کی خبر آئی ہے لوگو

کہتی تھی غضب ہو گیا لے شاہ کی خواہر
میں رانڈ ہوئی لٹ گیا کوفے میں مرا گھر
یہ ایلچیِ شاہ کے مرنے کی خبر ہے
اے بیبیو بیٹھو صفِ ماتم کو بچھا کر
مارا ستم ایجادوں نے تنہا انھیں پا کر
روزِ عرفہ کوچ کیا دارِ محن سے

جس وقت یہ خیمے میں غضب کی خبر آئی
خود سر سے کسی رانڈ کی چادر اُتر آئی
کیا درد کی باتیں تھیں غریبوں کی زباں پر
وہ بین نبیؐ زادیوں کے اور وہ ماتم
پردیس میں وہ تازہ مصیبت وہ نیا غم
فرصت نہ ملی نالۂ و فریاد و فغاں سے

منزل پہ ادھر کوفے سے تھے سیدِ ابرار
کچھ نیزوں کی نوکیں نظر آئیں تو کچھ اسوار
گھوڑوں سے زمیں ہلتی ہے اک شور بپا ہے
عباسؑ نے کی عرض کہ ہم دیکھنے جائیں
فرمایا یہ کیا ہیں جنھیں ہم دھیان میں لائیں
کیا غم جو نہ تابع نہ ملازم ہو کسی کا

شر اپنی طرف سے نہ ہو مطلب ہو ہمارا
غربت میں ہیں آپ ہو دنیا سے کنارا
لازم ہے مدارات۔ گدا ہو کہ غنی ہو
جس کا تمھیں اندیشہ ہے یہ وہ نہیں صحرا
یاں ہے وہ ترائی نہ وہ ریتی نہ وہ دریا
رہ گیر ہیں آتے ہیں تو خیر آنے دو ان کو

انبوہ کا غل سن کے نہ سیدانیاں گھبرائیں
ٹھہریں وہیں گر کوہ کے دامن میں جگہ پائیں
جا خوب ہے حیواں بھی نہ تکلیف سہیں گے
ناگاہ قریب آ گیا جنگل وہ رسالا
جمالوں کو ادھر فوج خدا نے بھی سنبھالا
مولا نے سوئے فوج نظر کی جو ٹھہر کر

ناموسِ محمدؐ میں قیامت نظر آئی
واں کوئی گئی غش پیٹتی کوئی ادھر آئی
سب پیٹتے تھے دخترِ مسلمؑ کے بیاں پر
مقتول کی بیوہ کو غش آجاتا تھا ہر دم
ماتم میں رہے تین دن اُس جا شہِ عالم
بھائی کا سوم کرکے روانہ ہوئے واں سے

جو اک تبق گرد اُٹھا دشت سے اک بار
اکبرؑ نے کہا فوج کی آمد کے ہیں آثار
آوازیں یہ زرہوں کی ہیں ٹاپوں کی صدا ہے
ارشاد ہو مولا کا تو یہ آنے نہ پائیں
جاتے ہیں تو جائیں ادھر آتے ہیں تو آئیں
فوجوں سے وہ ڈرتا ہے جو مجرم ہو کسی کا

اُمت جو کرے جبر تو یہ بھی ہے گوارا
شاید کوئی اس فوج میں ہو دوست ہمارا
وہ سمجھے کہ دشمن کی نہ خاطر شکنی ہو
پہچانتا ہوں خوب اُسے اے مرے شیدا
رستہ ہے یہ فوجیں ہوں کہ لشکر ہو ہمیں کیا
تم روک لو باگوں کو نکل جانے دو ان کو

جمالوں سے کہہ دو کہ الگ ناقوں کو لے جائیں
ناقے بھی تھکے ماندے ہیں دم لے لیں ہوا کھائیں
رہ جائے گا دن کم تو یہیں آج رہیں گے
گھوڑوں سے ہوا سبزۂ صحرا تہ و بالا
سب رک گئے وہ آپ بڑھے جب شہِ والا
مجرا کیا سردار نے گھوڑے سے اُتر کر

فرمانے لگے تب یہ محبت شہِ ذی جاہ
کی عرض کہ اے خلقِ دو عالم کے شہنشاہ
سب کچھ مرے لشکر میں ہے پر آب نہیں ہے
رستے میں کنواں کوئی نہ چشمہ نظر آیا
اس دھوپ میں ہو ابرِ کرم آپ کا سایا
کیا عرض کروں جو تپشِ دل سے تعب ہے

سب ایک ہزار اس مرے لشکر میں ہیں اسوار
کچھ رہ گئے کچھ سقط ہوئے راہ میں رہوار
ہر شے کی حیات اے مرے مولا ہے اسی پر
اس دھوپ میں مر جائے گا لشکر مرا سارا
اب ہو تو اسی بحرِ کرم کا ہو سہارا
اب بات کسی سے نہیں کی جاتی ہے مولا

فریاد جو کی حُر نے بصد اشک فشانی
حاضر ہو وہ جو کچھ مرے ہمراہ ہو پانی
ہم دوست کی تکلیف گوارا نہیں کرتے
عباسؑ سے فرمایا کہ سقوں کو بلاؤ
قاسمؑ سے کہا چھاگلیں تم لینے کو جاؤ
یہ قافلہ سب دھوپ میں لب تشنہ کھڑا ہے

یہ سنتے ہی دوڑے شہِ والا کے ہوا خواہ
اک جام بھرے دستِ مبارک میں بڑھے شاہ
کی جبکہ نظر لطفِ شہِ جن و بشر پر
حُر کو شہِ والا نے دیا پانی کا ساغر
صدقے ترے اے لختِ دلِ ساقیِ کوثر
خدمت سے غلاموں کی بھی اعراض نہیں ہے

آنا ہوا کس سمت سے اے بندۂ اللہ
آتا ہے ادھر کوفے کی سرحد سے ہوا خواہ
پیاسا ہوں بحکم کہ مجھے تاب نہیں ہے
جب چاہ پہ گرمی میں گئے خشک ہو پایا
اب چشمۂ کوثر پہ مقدر مجھے لایا
فیاض کی سرکار سے پانی کی طلب ہے

پر پیاس سے اب تاب کسی میں نہیں زنہار
پیاسوں میں تلاطم ہو عجب یا شہِ ابرار
پانی کی نہ تکلیف ہو دنیا میں کسی پر
چشمہ ہو نہ پر کہ ہو نہ دریا کا کنارا
اے ساقیِ کوثر کے پسر پیاس نے مارا
ہر بار زباں منھ سے نکل آتی ہے مولا

گھبرا کے یہ بولا اسد اللہ کا جانی
آ اے حُرِ دیندار بجھا تشنہ دہانی
پانی کو تو کافر سے بھی پیارا نہیں کرتے
ناقوں پہ جو سیراب ہیں شربت انھیں لاؤ
اکبرؑ سے کہا جلد پکھالوں کو منگاؤ
دو پیاسوں کو پانی کہ ثواب اس کا بڑا ہے

مجمع ہوا سرکار کے سقوں کا سرِ راہ
جلد آئے پکھالیں لیے عباسؑ فلک جاہ
خود رکھ لیا مشکیزہ بہشتی نے کمر پر
سیراب ہوا جب تو پکارا وہ دلاور
ٹھنڈا جگر و قلب ہوا روح معطر
اس گھر سے زیادہ کوئی فیاض نہیں ہے

مجمع ہوا پھر گردِ شہنشاہِ خوش انجام
مصروف تھے اک سمت علی اکبرؑ گلفام
فرزند بھی حیدرؑ کے نواسے بھی بہم تھے
چلاتے تھے سقے کہ جو پیاسا ہو وہ آئے
عمان کرم سب ہیں ید اللہ کے جائے
دم میں مس و آہن کو زر و سیم کریں گے

اُس پیاس میں اُن دھوپ میں جو ہوتا تھا سیراب
دُنیا میں یہ زہراؑ کی زراعت رہے شاداب
اللہ رے کرم پیاس کے ماروں کو جلایا
جاں آگئی جس وقت بھی تشنہ دہانی
وہ ہاتھ تھے یا آیۂ رحمت کی نشانی
تھا شور کہ افراط ہے یاں آبِ بقا کی

انساں جو ہٹے جانوروں کی ہوئی باری
سرگرم تھا بخشش میں جو وہ خاصۂ باری
غل تھا کہ عجب رحم ہے زہراؑ کے پسر میں
جب بادیہ و طاس و لگن ہوتا تھا خالی
سیراب تھے گھوڑے بھی زہے ہمت عالی
پھر دم کرم حضرتِ باری تھا زمیں پر

تپنے تھے الاغ و شتر و قاطر و رہوار
کپڑوں کو ہوا دینے لگے شاہ کے انصار
پیاسے نہ اب اشتر ہیں نہ شبدیز ہیں مولا
جب شکلِ پیمبرؐ نے یہ کی عرض کہ حضرت
کثرت تو یہ کچھ پیاسوں کی پانی کی یہ قلت
ممنون ہر اک تا بہ لبِ گور رہے گا

بٹنے لگے پھر پیاسوں کو پانی کے بھرے جام
تقسیم اُدھر کرتے تھے عباسؑ نکو نام
اک جا کئی سرچشمۂ دریائے کرم تھے
ٹھنڈا کرے گرمی میں جگر پیاس بجھائے
دریا نے بھی یہ دست کشادہ نہیں پائے
اک دن یونہی کوثر کو بھی تقسیم کریں گے

کرتا تھا دعا ہاتھ اُٹھا کر بصد آداب
پامال جو دشمن ہوں تو سیراب ہوں احباب
دم بھر میں مسیحا نے ہزاروں کو جلایا
گویا کہ ملا سوکھے ہوئے دھانوں کو پانی
صحرا میں ہوئی فیض کے دریا کی روانی
جنگل میں ملے خضر یہ قدرت ہو خدا کی

اک چشمۂ حیواں ہوا پھر دشت میں جاری
برساتا تھا بارانِ کرم ابرِ بہاری
پیاسوں کے لیے بحر کو لے آئے ہیں بر میں
بھر دیتے تھے پھر سبطِ پیمبرؐ کے موالی
خود پانی پلاتا تھا وہ کونین کا والی
اک فیض کا دریا تھا کہ جاری تھا زمیں پر

سیراب ہوئے سب تو پھرے سیدِ ابرار
ساتھ آئے یہ کہتے ہوئے عباسؑ خوش اطوار
دو چار پکھالیں ابھی لبریز ہیں مولا
لاریب کہ ذات آپ کی ہو آیۂ رحمت
سیراب ہوئے سب یہ بڑا اعجاز و کرامت
اس پانی پلانے کا بھی اک شور رہے گا

فرمانے لگے سر کو جھکا کر شہِ عالم
میں کیا ہوں یہ سب ہے کرم خالقِ اکرم
اُس بحرِ کرم کا ہے گر شکر مقدم
پیاسے تھے فزوں اور یہ پانی تھا بہت کم
بات آج دو عالم کے شہنشاہ نے رکھ لی
غربت میں مری آبرو اللہ نے رکھ لی

وہ چاہے تو اک قطرے کو دریا ابھی کر دے
چشمہ جو ہو پنہاں اسے پیدا ابھی کر دے
ذروں کو صدف کے دُرِ یکتا ابھی کر دے
جس ہاتھ کو چاہے یدِ بیضا ابھی کر دے
گر اوج وہ بخشے تو زمیں عرشِ بریں ہو
ذرے پہ کرے مہر تو خورشیدِ مبیں ہو

فرما کے یہ گریاں جو ہوئے سیدِ والا
حُر نے کہا مولا کہ یہ رونے کا سبب کیا
فرمایا کہ دل نرم ہے اولادِ نبیؐ کا
روتا ہوں کہ تم سب کو ہوئی پیاس کی ایذا
ذکر اس کا مناسب نہیں صدمہ ہے جو مجھ پر
حال اس مرے رونے کا بھی کھل جائے گا تجھ پر

واقف نہیں تو اس سے یہ ہے رازِ نہانی
سہنی ہے ہمیں بھی کئی دن تشنہ دہانی
ہم نے جنہیں اُلفت سے پلایا ہے یہ پانی
ہو جائیں گے اک روز یہی دشمنِ جانی
ہم نالہ و فریاد بھی ہر چند کریں گے
پانی مرے بچوں پہ یہی بند کریں گے

کھل جائے گا جب آئے گا محرم وہ زمانا
اب کہہ تجھے یاں آج ٹھہرنا ہے کہ جانا
رہنا ہو تو شب کو بھی ملاقات کو آنا
ہمراہ نمک نانِ جویں بھی ہیں کھانا
حاضر ہے جو موجود ہے محتاج کے گھر میں
تجھ سے بھی وطن دور ہے ہم بھی ہیں سفر میں

سر شرم سے نہوڑا کے یہ بولا حُرِ ذی جاہ
میں حاکمِ کوفہ کا فرستادہ ہوں یا شاہ
بہتر ہے کہ اب کوفے میں چلیے مرے ہمراہ
میں اور طرف جانے نہیں دینے کا واللہ
ہر چند غلامِ پسرِ شیرِ خدا ہوں
مامور ہوں اس پر کہ نہ حضرت سے جدا ہوں

حُر سے یہ سخن سنتے ہی برہم ہوئے سرور
فرمایا کہ اس جانے سے مر جانا ہے بہتر
گھر کر نہیں جانے کا جگر بندِ پیمبرؐ
لے کہہ دے کہ روکے مجھے سارا ترا لشکر
ڈرتے ہیں نہ تیروں سے نہ شمشیر و سناں سے
بس ہم وہی کرتے ہیں جو کہتے ہیں زباں سے

اس نے کہا لے جاؤں گا میں یا شہِ ابرار
فرمایا نہ جاؤں گا نہ جاؤں گا میں زنہار
یہ ردّ و بدل جب ہوئی آپس میں کئی بار
پاس آئے یہ کہتے ہوئے عباسِ علمدار
بے دیں ہے جو حکمِ شہِ خوش خو میں نہیں ہے
بس چپ ہو زباں کیا ترے قابو میں نہیں ہے

کرتا ہے یہ کس سے سخن بے ادبانہ
ہوگا ترے پنجے پہ اگر سارا زمانہ
ڈالے گا اگر ہاتھ لجامِ شہِ دیں پر

سرداروں سے کرتے ہیں اسی طور کی تقریر؟
کیا کوفے کے اور شام کے حکام کی توقیر
ہم شیر ہیں صحرا کے وہ نامرد ہے ظالم

پیوند جو وحشی ہیں عرب کے ترے دنبال
کرّار کے دلبند ہیں سب صاحبِ اقبال
تلوار میں لاکھوں کو رفاہ ان سے نہیں ہے

کچھ کہنے پہ تھا حُر کہ پکارے شہِ ذیشاں
تھرّا کے کہا حُر نے کہ اے قبلۂ ایماں
ذلت ہوئی اب منہ کسے دکھلاؤں گا مولا

کہتا یہ سخن منہ سے جو میرا کوئی ہمسر
ہیں روشنیِ عرشِ خدا آپ کی مادر
فضّہ کے غلاموں کا بھی رتبا نہیں رکھتا

عباسؑ نے فرمایا کہ اے مردِ خوش انجام
عزت ہوئی آقا نے جو لونڈی کا لیا نام
ایماں سمجھ اس فاطمہؑ کے راحتِ جاں کو

حُر نے کہا میں بھی یہی رکھتا ہوں عقیدت
سُن لے گا تو کیا جانیے کیا دے گا اذیت
کنبہ مرا آفت میں گرفتار رہے گا

یہ عرض ہے مولا اُسے مقبول جو فرمائیں
راہی ہوں کسی اور طرف امن جہاں پائیں
بہتر ہے جو اس طور سے یہ مرحلہ سر ہو

حیدر کا پسر احمدِ مرسل کا یگانہ
کر دوں گا ابھی موت کے ناوک کا نشانہ
سر ہوگا کہیں جسم کہیں ہوگا زمیں پر

لے جائے گا کس طرح نہیں جائیں گے شبیر
یہ دشمنِ ایماں ہے تو مرتد ہے وہ بے پیر
ہے ایک شغال ایک سگِ زرد ہے ظالم

جھپٹے گا جو ایک شیر تو ہو جائیں گے پامال
کر دیتے ہیں دم بھر میں زمیں خون سے لال
گردوں بھی سپر ہو تو پناہ ان سے نہیں ہے

کیا کہتا ہے بیٹھے ترے ماتم میں تری ماں
سرکارِ شہنشاہ سے عزت کا ہوں خواہاں
میں اپنا گلا کاٹ کے مر جاؤں گا مولا

لاتا وہ ہے نام اُس کی بھی ماں کا جو زباں پر
صدیقہ و راضیہ و مرضیہ و اطہر
زہرا کہوں زہرا کو یہ زہرا انہیں رکھتا

بگڑے ہوئے اب حق نے بنائے ترے سب کام
غلماں ہیں غلامانِ شہنشاہِ ذوالاکرام
بھائی ہوں یہ ہے فخر کنیزی مری ماں کو

پر جس کا ملازم ہوں وہ ہے بانیِ بدعت
چھوڑے گا وہ سفاک نہ جاں اور نہ عزت
نے مال نہ فرزند نہ گھر بار رہے گا

نے جائیں وطن پھر کے ادھر سے نہ اُدھر جائیں
پھر جانے کا جھنجھلا کے زباں پر نہ سخن لائیں
پھر میں ہوں نہ بدنام نہ مولا کا ضرر ہو

یہ سنتے ہی انصار سے فرمانے لگے شاہ
کیوں؟ جانتا ہو تم میں سوا اس کے کوئی راہ
کی عرض طرماح نے اے فاطمہؑ کے ماہ
ہاں راہ ہو پر قلب میں اُس سے ہوں آگاہ
رد ہوگا اگر شر کوئی نا اہل کرے گا
فرمایا بڑھو آگے کہ خدا سہل کرے گا

پڑھتا رجز آگے ہوا وہ مردِ دلاور
سب پیچھے چلا قبلۂ کونین کا لشکر
افسردہ و مغموم تھے رہوار پہ سرور
ہمراہ تھے ہتھیار سجے قاسمؑ و اکبرؑ
مجمع تھا یگانوں کا شہنشاہِ اُمم کے
اور بیچ میں سب فوج کے ناقے تھے حرم کے

واں سے گئے جس دم کئی فرسخ وہ مسافر
خورشید چھپا شب کی سیاہی ہوئی ظاہر
جنگل سے نہ واقف نہ کوئی راہ سے ماہر
غل تھا کہ بس اب عمر کی مدت ہوئی آخر
غربت میں یہ گردش یہ تباہی نہیں دیکھی
ایسی کبھی آنکھوں سے سیاہی نہیں دیکھی

تھی طرفہ شبِ تار کہ تارے بھی تھے مستور
اک پارہ ہو جس کا شبِ یلدا شبِ دیجور
دوڑے کہیں شبدیزِ نظر کا تھا نہ مقدور
ہوتا نہ تھا ثابت کوئی نزدیک ہے یا دور
حضرت پہ وہ اُس تین پہر رات میں گزری
تکلیف سکندر پہ جو ظلمات میں گزری

مطلع

جب سورۂ والیل میں گردوں نے سحر کی
صورت نظر آنے لگی زہراؑ کے قمر کی
حضرت نے یہ فرما کے سوئے شرق نظر کی
یہ رات بھی لو اُس کی عنایت سے بسر کی
کیا فیض ہے کیا نور ہے کیا جلوہ گری ہے
ٹھہرو کہ یہی وقتِ نمازِ سحری ہے

معبودِ یگانہ کا ادا کر کے دوگانا
صحرا سے ہوئے آپ بہ تعجیل روانا
واں پہونچے کہ جس بن میں نہ پانی تھا نہ دانا
ہاتف نے صدا دی کہ بس اب آگے نہ جانا
بڑھنے کا کسی اور طرف حکم نہیں ہے
وعدہ تھا جہاں کا یہ وہی پاک زمیں ہے

بوسے دیے نعلین پہ اُٹھ اُٹھ کے زمیں نے
سجدہ کیا گھوڑے سے اُتر کر شہِ دیں نے
محمل سے جو دیکھا یہ ہر اک پردہ نشیں نے
سر پیٹ لیا زینبِ ناشاد و حزیں نے
چلائی میں واقف ہوں جو انجام ہے یاں کا
پوچھو ارے لوگو کوئی کیا نام ہے یاں کا

یہ کہہ کے بلکتی تھی یداللہ کی جائی
جو گریۂ زہراؑ کی صدا دشت سے آئی
زینبؑ نے پکارا کہ بہن صدقے ہو بھائی
یہ کون سی بی بی ہے جو دیتی ہے دوہائی
کیا غل ہے بہن بھائی کا کیوں ساتھ چھٹے گا
کس کا وہ حسین ہے کہ جو اس بن میں لٹے گا

خواہر سے تسلی کا سخن یاس میں کہہ کر
اُترا ہوا تھا حُر جری واں مع لشکر
پائی نہ کہیں شب کو جگہ امن و اماں کی
گرمی کی ہے یہ فصل تمازت کے ہیں یہ دن
بھائی مرے ہمراہ ہیں بچے کئی کم سن
پانی کی تو غربت میں نہ تکلیف سہوں میں
کی عرض یہ حُر نے کہ تصدق مرا گھر بار
فوجیں لیے آتا ہے مگر شمرِ ستمگار
تکرار نہ کچھ ہو مجھے ڈر ہے تو یہ ڈر ہے
عباسؑ کا مُنھ دیکھ کے شہ بولے کہ اچھا
اُس شیر نے کی عرض کہ چھوڑیں گے نہ دریا
بہہ جائے گا لاکھوں کا لہو تیغِ دو دم سے
حضرت نے کہا لو تمھیں غیظ آگیا بھائی
قہرِ اُن پہ جہنم سے جنھیں دوگے رہائی
دریا ہے تو قطرہ ہے یہ چشمہ ہے تو کیا ہے
سمجھا کے برادر کو پھرے شہِ بیکس
اوج اُس کا جو دیکھا تو دیا چرخِ مقوس
یہ رنگ تھا اُس پر فلکِ مہرِ شرف کا
محمل سے اُترنے جو لگی بنتِ یداللہ
خود بازوئے ہمشیر کو تھامے ہوئے تھے شاہ
اُس دن تو یہ پردہ تھا یہ شوکت یہ حیا تھی
خالی ہوئے وہ محمل و ہودج جونہی سارے
تارے بھی وہ تارے کہ جو اللہ کے پیارے
جیسے قمر اُس برجِ جہاں تاب میں دیکھے

دریا پہ گئے واں سے ٹہلتے ہوئے سرور
قدموں پہ گرا وہ تو یہ بولے شہِ صفدر
لائی وہیں تقدیر کہ تھی خاک جہاں کی
جھیلوں میں پڑے رہتے ہیں سب دشت کے ساکن
بے نہر پہ اُترے مجھے راحت نہیں ممکن
گر مشورہ تیرا ہو تو دریا پہ رہوں میں
میں منع کروں یہ مری طاقت نہیں زنہار
ڈھونڈھیں گے سبھی نہر کا قرب اے شہِ ابرار
شب سے پسرِ سعد کے آنے کی خبر ہے
جلتی ہوئی ریتی ہی پہ خیمہ کرو برپا
فوجیں ہیں تو کیا خوف ہے لشکر ہو تو پھر کیا
دریا کی ترائی کوئی لے سکتا ہے ہم سے
دریا کے لیے اُمتِ احمدؐ سے لڑائی
یکساں ہے مسافر کو وہ ریتی یہ ترائی
کوثر کا خدا نے تمھیں مختار کیا ہے
میدان میں استادہ ہوا خیمۂ اقدس
خورشید نے رخساروں کو تمشے سے کیا مس
جس طرح کہ مہتاب پہ دھبا ہے کلف کا
تھیں چادریں روکے ہوئے سب لونڈیاں ہمراہ
اس پردے پہ بھی سر کو جھکائے تھی وہ ذی جاہ
اک دن وہ بھی زینبؑ تھی نہ محتاج ردا تھی
خیمہ میں چھپے عرشِ معلّےٰ کے ستارے
جن تاروں پہ انجم کو فلک صدقے اُتارے
یوسفؑ نے وہ کوکب نہ کبھی خواب میں دیکھے

تھا عرش کے تاروں پہ اُسی خیمے کا سایا
فرش اس کا وہاں بوئے ہوئے تھا عرش کا پایا
نیکوں سے چلی آتی تھی بو جسم نبیؐ کی
اوج ایسا کہ گردوں سے کلس کرتا تھا باتیں
در پردہ صدا دیتی تھیں سادات کی قناتیں
اب خلق میں ایسا کوئی گھر آج نہیں ہے

اُترے اُدھر اس برج شرف میں شہ عالم
لکھا ہے چھٹی تک ہوئی یہ فوج فراہم
لاکھوں میں بھی تعداد نگار اُس کا نہ ہو گا
کر لیجے شمار اس کا محاسب نے یہ چاہا
دی کلک نے آواز کہ ہاں عقل پناہا
تحریر خط و خال کا اب دھیان نہیں ہے

جب ساتویں تاریخ کی مقتل میں شب آئی
شب آئی کہ فوج غم و رنج و تعب آئی
راحت نے کنارا کیا زہرا کے پسر سے
ہشتم کو مصیبت تھی قیامت تھی نہم کو
بچوں پہ عجب پیاس کی شدت تھی نہم کو
وہ دن بھی کٹا جب تو مصیبت کی شب آئی

مر مر کے کٹی شب تو لڑائی کا دن آیا
غل تھا کہ تلاطم کا دوہائی کا دن آیا
بیت الشرف صاحب معراج لُٹے گا
ظاہر ہوئی گردوں پہ سپیدی جو سحر کی
فضہ نے اُدھر دوڑ کے خیمے میں خبر کی
تیار جماعت ہے نماز آپ پڑھیں گے

غل تھا یہ شرف برج شرف نے نہیں پایا
بن میں جسے فردوس کے پھولوں نے بسایا
کرسی تھی کہ مسند تھی رسولؐ عربی کی
خیمے پہ تھا یہ نور کہ ہوتی تھیں نہ راتیں
یاں ملتی ہیں آزادی دوزخ کی براتیں
اس در کا گدا اور کا محتاج نہیں ہے

دریا پہ اُدھر اُترنے لگا لشکر ظلم
حیراں تھی خرد جس کے کم و کیف میں ہر دم
بے روز حساب آئے شمار اس کا نہ ہو گا
جو کچھ تھا مہندس کا طریقہ وہ نباہا
لشکر کی سیاہی سے لکھا جائے سیاہا
ذروں کا یہ گننا ہے کچھ آسان نہیں ہے

غربت میں نبیؐ زادوں پہ آفت عجب آئی
تھا شور کہ بس موت غریبوں کی اب آئی
پانی بھی ہوا بند اُسی شب کی سحر سے
اک حشر تھا خیمے میں یہ آفت تھی نہم کو
اللہ نہ دکھلائے جو آفت تھی نہم کو
کھولے ہوئے بالوں کو شہادت کی شب آئی

ہمشیر و برادر کی جدائی کا دن آیا
زہرا کے بھرے گھر کی صفائی کا دن آیا
محبوبؐ الٰہی کا چمن آج لُٹے گا
خوش ہو کے شہ دیں نے مشرق کی طرف اٹھ کے نظر کی
لو صاحبو رخصت ہے ہر شے جن و بشر کی
اب فرض ادا کر کے لڑائی پہ چڑھیں گے

ناگاہ اذاں دینے لگے اکبرؑ ذی شاں
چپ ہو گئے سب دشت کے مرغان خوش الحاں
زینبؑ نے صدا دی کہ اس آواز کے قرباں
کیا صوتِ حسنؑ ہو کہ زمانہ ہے ثنا خواں
آوازِ حزیں سن کے دلوں کو نکل آئی
بلبل بھی گلستاں سے پھڑک کر نکل آئی
آنا وہ دمِ صبح کا وہ رات کا جانا
وہ وقتِ عبادت وہ تضرع کا زمانا
وہ جھومنا اشجار کا وہ وقت سہانا
پھولوں کی وہ بو سرد ہواؤں کا وہ آنا
بے ذکر نہ غنچے نہ گل و خار رہے تھے
مرغانِ چمن وجد میں چہکار رہے تھے

فارغ ہوئے حضرت جو صلوٰۃ سحری سے
غائب ہوئے تارے فلکِ نیلوفری سے
طالع ہوا خورشید عجب جلوہ گری سے
ذرّے بھی سرافراز ہوئے تاجِ زری سے
آمادہ جو تھی فوج لعیں بے ادبی پر
تیر آنے لگے لشکرِ اللہ و نبیؐ پر
شاہِ شہدا خیمہ میں جا کر نکل آئے
آنسو رخِ اقدس پہ بہا کر نکل آئے
مشتاقوں کو دیدار دکھا کر نکل آئے
ہمشیر کو چھاتی سے لگا کر نکل آئے
خوں بہتا تھا فریادِ سکینہؑ پہ جگر سے
پوچھے کوئی بیٹی کے بچھڑنے کو پدر سے

پہلے سے مسلح تھا یہاں لشکرِ جرار
نکلے علمِ فوجِ خدا لے کے علمدار
گھوڑے پہ چڑھے پڑھ کے دعا سیدِ ابرار
پیدل ہوئے ہمراہ فرس یاور و انصار
بوسہ دیا نصرت نے قریب آکے قدم پر
اقبال نے سر رکھ دیا مولا کے قدم پر
خورشید صفت جلوہ نما تھا علم آگے
عباسؑ تو پیچھے تھے سپاہ و حشم آگے
چاؤش یہ دیتے تھے صدا دم بدم آگے
سر بازو بڑھے جاؤ قدم با قدم آگے
گرد اڑنے نہ پائے فرسوں کی تگ و دو میں
سر کھولے ہوئے فاطمہؑ زہرا ہے جلو میں

حوریں سرِ پُرنور دریچوں سے نکالے
کہتی تھیں کہ کیا کیا ہیں جواں گیسوؤں والے
تلواریں تو ہیں زیبِ کمر ہاتھوں میں بھالے
یہ شیر ہیں سیدانیوں کی گود کے پالے
مجمع کبھی دیکھا نہیں اس جاہ و حشم کا
دنیا بھی مرقع ہے گلستانِ ارم کا
حیدرؑ کا وہ گلشن ہے وہ جعفرؑ کا چمن ہے
جو چاند سا دولھا ہے وہ فرزندِ حسنؑ ہے
وہ زیرِ علم ابنِ شہِ قلعہ شکن ہے
ہمشکلِ پیمبرؐ ہے وہ جو غنچہ دہن ہے
انساں یہ نہیں چاند اتر آیا ہے زمیں پر
محبوبِ خدا عرش پہ سایہ ہے زمیں پر

یہ جسم لطافت میں فزوں ہو کہیں جاں سے
کیا کہیے بجز صلِ علیٰ اور زباں سے
یہ جان ہے ہر ہاشمی و مطلبی کی
اس شان سے پہونچے سرِ میداں جو وہ جانباز
برسانے لگے تیر ہزاروں قدر انداز
انجام ہوا یہ کہ سفر کر گئے اکبرؑ

پیری میں ہوا داغ جو فرزندِ جواں کا
ہر بات میں لکنت تھی یہ عالم تھا زباں کا
غل اُٹھتے تھے فوجوں سے مبارز طلبی کے
یاں کانپتا تھا ضعف سے ٹوٹا ہوا بازو
اک شیر کا لاشہ نظر آتا تھا لبِ جو
سوتے تھے وہ تنہا جو ہزاروں سے لڑے تھے

چلّاتا تھا بڑھ بڑھ کے جو شمرِ ستم آرا
وہ چاند نہاں خوں میں ہوا آپ کا پیارا
جلدی ہمیں اب ہو کہ مہم جنگ کی سر ہو
شہ کہتے تھے اب تشنہ دہاں کوئی نہیں ہو
بھیجوں کسے اب شیر ژیاں کوئی نہیں ہو
ہمسر نہ برادر پہ مجھے تھا نہ پسر پر

یہ کہتے تھے حضرت کہ جلال آگیا ناگاہ
گھوڑے پہ سنبھل کے جو کہا یا اسد اللہ
سیدھے جو ہوئے تنگ زرہ ہو گئی بر میں
روئی ہوئی آنکھوں میں جو سرخی تھی نمودار
ابرو جو ملے چلنے لگی فوج پہ تلوار
رہوار ہرن شیر ژیاں ہو گئے شبیرؑ

افضل ہے یہ محبوب حسینانِ جہاں سے
یوسفؑ یہ تجمل یہ نمک لائے کہاں سے
اس میں تو ملاحت ہے رسولِ عربیؐ کی
جنگل کو گئے چاند زمیں ہو گئی ممتاز
پہلے حرِ غازی سے لڑائی ہوئی آغاز
سینے پہ سناں کھا کے جواں مر گئے اکبرؑ

کم ہو گیا خوں جسمِ شہِ تشنہ دہاں کا
مارا تھا برادر کا الم راحتِ جاں کا
دو لاکھ کا نرغہ تھا نواسے پہ نبیؐ کے
نے تیغ پہ قبضہ تھا نہ تھا ہاتھ پہ قابو
اور سامنے تھی لاشِ علی اکبرِ مہرو
ریتی پہ ورق مصحفِ ناطق کے پڑے تھے

کر لیجیے بیعت جو وغا کا نہیں یارا
یہ لاشۂ اصغرؑ ہو کہ ریتی پہ ستارا
بھیجو اگر اکبرؑ سا کوئی اور پسر ہو
قاسمؑ سا مرا راحتِ جاں کوئی نہیں ہو
یاں اکبرؑ مہرو سا جواں کوئی نہیں ہو
کچھ غم نہیں اللہ تو موجود ہے سر پر

خورشید ہوا غیظ سے روئے شہِ ذیجاہ
تھرا گیا سب دشتِ ستم اُڑ گئے گمراہ
ہاتھوں میں وہ رعشہ تھا نہ وہ خم تھا کمر میں
ثابت تھا کہ آیا غضبِ حضرتِ قہار
پلکیں جو اُٹھیں تیر کلیجے کے ہوئے پار
غل تھا کہ نئے سر سے جواں ہو گئے شبیرؑ

حیدر کی طرح ہاتھ کو قبضے پہ جو ڈالا
چمکا کے فرس کو یہ پکارے شہِ والا
دیتی کوئی دم میں چمکتی ہے علیؑ کی
تم نے تو کوئی بات ہدایت کی نہ مانی
صدمے سے کلیجے کا لہو ہو گیا پانی
ہر چند کہ طاقت نہیں ماتم میں پسر کے

سمجھایا بہت پر نہ عدو راہ پہ آئے
یوں تیغ بکف لشکرِ بدخواہ پہ آئے
دل ہل گئے جب خوف سے چھوٹا نظر آیا
چھوڑا غضب تیغ دو پیکر نے جو مسکن
تولا جو اسے سیر ہوئے زیست سے دشمن
تھی صاحبِ ضو کیوں نہ اُجالا نظر آئے

کھینچ آئیں صفیں کھینچ کے جو دم تیغ نے کھینچا
سر کے جو قدم سوئے عدم تیغ نے کھینچا
غل تھا کہ برستی ہوئی آتش نہیں دیکھی
حملہ کیا جب غول پہ ضرغامِ علیؑ نے
پانی کیے شیروں کے جگر نامِ علیؑ نے
مجروح جو بھاگے تھے اُدھر فوج عدو کے

سر تن پہ کسی ظالم خودسر کے نہ چھوڑا
زندہ کسی جرّار کو لشکر کے نہ چھوڑا
مارا جسے دوزخ کو وہ راہی نظر آیا
ہر ضرب میں گیتی کو ہلا دیتی تھی شمشیر
منھ ناریوں کے مٹی سے ملا دیتی تھی شمشیر
زہر اُس کا چڑھا جس پہ وہ بیکس نظر آیا

چلائے ملک اب ہوئی دنیا تہ و بالا
ہاں کون ہے لاکھوں میں مرا روکنے والا
آگاہ میں کرتا ہوں کہ اُمت ہو نبیؐ کی
مارا علی اکبرؑ سا مرا یوسفِؑ ثانی
مشتاقِ اجل اب ہے ید اللہ کا جانی
جوہر تو دکھا دوں تمھیں شمشیر دوسر کے

میداں سے کئی تیر ستم شاہ پہ آئے
جس طرح اسد مجمع روباہ پہ آئے
دیکھا تو ہر اک مورچہ ٹوٹا نظر آیا
شیروں سے نیستاں تو غزالوں سے چھٹا بن
اونچا جو کیا ہاتھ تو صحرا ہوا روشن
اک دو مہِ نو واں تہ و بالا نظر آئے

سب فوج کو مابینِ شکر تیغ نے کھینچا
ہر فرد کے چہرے پہ قلم تیغ نے کھینچا
یہ کاٹ یہ کس بل یہ کشاکش نہیں دیکھی
بے ذبح لیا دم نہ گلِ اندامِ علیؑ نے
سر خاک پہ برسا دیے صمصامِ علیؑ نے
جنگل کی طرف ڈونگرے پڑتے تھے لہو کے

مغفر کو سلامت کسی افسر کے نہ چھوڑا
تھا کون سا بکتا جسے دو کر کے نہ چھوڑا
جو زنگ سپاہی پہ سپاہی نظر آیا
خود آئینۂ تن کو جلا دیتی تھی شمشیر
پانی میں کفِ مار بہا دیتی تھی شمشیر
فولاد کا جوہر سمِ قاتل نظر آیا

کرتی تھی اشارے یہ وہ شمشیرِ دو پیکر
دو کر دیا جس نے تنِ مرحب کو برابر
جن بیر آلم میں اُنھیں شعلوں سے جلے تھے
دِل فوج کا سلطانِ فلک جاہ نے توڑا
ہر صف کو ہزبرِ صفِ جنگاہ نے توڑا
یوں تیغ نے ٹکڑے کیا ثابت قدموں کو
لوہے کی سپر کاٹ کے دستانے میں پہونچی
عرض سر و گردن سے چل شانے میں پہونچی
سرکش کا لہو خاک پہ برسا دیا اس نے
لکھا ہے یہ اربابِ تواریخ نے اکثر
بڑھ جاتی تھی ہتھا وگر اُس دم وہ سراسر
پھر کس سے رُکے وارِ امامِ ازلی کا
کاٹا اُسے جس تیغ سے میداں میں لڑی تیغ
بکتر میں نہ اُلجھی نہ چلتے میں اڑی تیغ
دو کرتی تھی وہ ہر کس و ناکس کو یہ کس تھا
مشہور تھی وہ رشکِ پری قاف سے تا قاف
سر سے گئی تا صدر شکم سے گئی تا ناف
ٹپکا جو لہو منھ سے شرارے نکل آئے
وہ روپ وہ چم خم وہ دل اُس کا وہ جوہر اُس کا
ہر ہاتھ میں منھ چوم رہی تھی ظفر اُس کا
کس کا یہ جگر تھا اُسے روکے جو سپر سے
کشتہ تھا ہر اک تیغ کے بے ساختہ پن کا
گرتا تھا لہو چھوٹ کے نہ جوہر کے چمن کا
سب جسم لہو کا تھا حرارت تھی غضب کی

میں تیغ ہوں اُس کی کوئی جس کا نہیں ہمسر
دو انگلیوں سے جس نے اُکھاڑا درِ خیبر
فقرے یہ وہی ہیں جو شریروں پہ چلے تھے
سر ہر متمرد کا شہنشاہ نے توڑا
درِ کفر کا ضربِ اسد اللہ نے توڑا
توڑا تھا ید اللہ نے جیسے صنموں کو
دو کر کے سپر خود کے پیمانے میں پہونچی
شانے سے بڑھی روح کے کاشانے میں پہونچی
تب نکلی کہ جب خانۂ تن ڈھا دیا اُس نے
اُٹھتی تھی پئے ضرب جو شمشیرِ دو پیکر
ہر ہاتھ میں کٹتے ہی لعیں ہوتے تھے بے سر
تلوار وہ اور ہاتھ حسینؑ ابنِ علیؑ کا
ٹکڑے ہوا چار آئنہ برجیس کے بڑی تیغ
نور ہوں کو کیا چاک یہ تھی نحوں کی کروی تیغ
اک ہاتھ میں فارس تھا نہ زیں تھا نہ فرس تھا
جوہر تھا جواہر کا کہ تھا زیور شفاف
پھر دیکھو تو لب خشک زباں پاک دہن صاف
دریا سے گہر ابر سے تارے نکل آئے
وہ قد وہ بدن صاف وہ رخ جلوہ گر اُس کا
مجبوب تھی ہر خانۂ تن میں تھا گھر اُس کا
سینے میں در آمد تھی برآمد تھی جگر سے
عریاں تھی مگر ہوش نہ تھا کچھ سرو تن کا
اودی ہوئی تھی رنگ چمکتا تھا بدن کا
کفار کو پھونکا تھا شرارت تھی غضب کی

تیغ ایسی فرس ایسا کہ آندھی بھی جہاں گرد
بجلی کی بھی تھی گرمی بازار جہاں سرد
پھرتا تھا تڑپتا ہوا ہر سو دہم ناورد
ہوتا تھا پسینے سے خجل عطر گل ورد
بوئے تن رنگین نگار آ گئی گویا
آیا وہ جدھر باد بہار آ گئی گویا

کیا وصف لکھوں اشہب سرور کے قدم کا
سرپٹ ہو رواں حال یہ ہو رخش قلم کا
پویہ تھی قیامت کی طرارہ تھا ستم کا
تھرا گیا اس صف کو یہ اترا تو وہ چمکا
حیرت زدہ و ششدر و دلگیر تھے آہو
اڑتا تھا یہ اور آہوئے تصویر تھے آہو

کھینچی جو کبھی نظر میں اس رخش کی تصویر
ٹکڑے ہوئی ہر مصرعۂ پیچیدہ کی زنجیر
مضموں کا بندھا رنگ نہ اس میں کسی تدبیر
اڑ اڑ گئی کاغذ سے سیاہی دم تحریر
رنگ رخ قرطاس بھی فق ہاتھ میں دیکھا
جھپکی جو پلک سادہ ورق ہاتھ میں دیکھا

زیبا ہو جو کہیے کہ ہوا کا تھا وہ گھوڑا
تھا وسعت عالم کا بھی میداں اسے تھوڑا
مشرق میں لیا دم اسے مغرب پہ جو چھوڑا
جب ہل گئی راکب کی کمر پڑ گیا کوڑا
ممکن تھا کہ فوجیں اسے روکیں تو رکے وہ
چمکار کے حضرت ہی جو روکیں تو رکے وہ

وہ رشک صبا خاک پہ کس طرح رکھے گام
ہوئے جو فلک سیر زمیں سے اسے کیا کام
خوش قامت و خوش رو و خوش انداز و خوش انجام
تھا نعل در آتش کہیں دم بھر تھا نہ آرام
دھرتا ہوا لاشوں پہ قدم جاتا تھا گھوڑا
دامان جراحت کی ہوا کھاتا تھا گھوڑا

نعل آئینہ رنگ ایسے کہ آئینہ بھی شرمائے
برہم ہو اگر شکل و رنگ اس میں نظر آئے
ہر دم جو گندھی چوٹیوں کا دام نہ الجھائے
فتراک کے پر کھولے ہوئے چرخ پہ اڑ جائے
ششدر ہوں فلک زین جواہر کی چمک پر
سم رکھ دے ابھی جا کے سر سبز فلک پر

تھم تھم کے وہ ہر غول پہ حضرت کا جھپٹنا
جم جم کے فرس کا وہ چمکنا وہ سمٹنا
وہ برہمی فوج وہ ہر صف کا الٹنا
وہ تیغ دو سر کا کبھی بڑھنا کبھی گھٹنا
دم اپنا بڑھانے کو لہو چاٹ رہی تھی
کس گھاٹ سے اعدا کے گلے کاٹ رہی تھی

تھا شور کہ یہ قہر ہے تلوار نہیں ہے
بجز غضب اللہ کا ہے دھار نہیں ہے
کس فوج پہ یہ برق شرر بار نہیں ہے
لاشوں کا کدھر دشت میں انبار نہیں ہے
یوں لاکھوں سے اک پیاسے کو لڑتے نہیں دیکھا
کھیت ایسا جہاں میں کبھی پڑتے نہیں دیکھا

ہر سو تھا تلاطم شہِ والا کی وغا سے
سب دشتِ ستم ہلتا تھا نعروں کی صدا سے
اَوتادِ زمیں عرض یہ کرتے تھے سما سے
تھرّاتے ہیں تیغِ پسرِ شیرِ خدا سے
کٹ جاتا ہے آہن یہ ہے تیغِ دوسر ایسی
سر کہتا ہے بچے دے ہیں کوئی سپر ایسی
کہتا تھا یہ گردوں تھیں اللہ بچائے
میں بھی ہوں اِدھر چرخ میں سینے کو چھپائے
اس تیغ کی ضربت کوئی کس طرح اُٹھائے
ڈر ہے کہ کہیں گاوِ زمیں بیٹھ نہ جائے
سکانِ فلک جتنے ہیں گھبرائے ہوئے ہیں
پر خوف سے جبریلؑ بھی سرکائے ہوئے ہیں

برسائی تھی وہ تیغ لہو منہ سے جو ہر بار
پیکر تھا ہر اک ناریِ خونخوار کا گلنار
جن کہتے تھے اب جان نہ یہ چھوڑے گی زنہار
ڈوبے گا زمانہ کہ رگِ ابر ہے خونبار
بہتر ہے کنارہ کرو گر فوجِ عدو سے
بھر جائے کہیں کشتیِ گردوں نہ لہو سے
دیکھا شہِ والا نے ہزاروں کو جو بے دم
جوش آگیا رحمت کا ہوا غیظ و غضب کم
دل دُکھنے لگا دیدۂ حق بیں ہوئے پُرنم
بس میان میں صابر نے رکھی تیغِ شرر دم
صدمہ ہوا اُمت کے لیے جانِ حزیں پر
روتے ہوئے گھوڑے سے اُتر آئے زمیں پر

ہرنے پہ رکھے آپ نے سب کھول کے ہتھیار
فرمایا کہ رخصت ہو بس اے اسپِ وفادار
پوچھے جو خبر بھائی کی زینبؑ جگر افگار
کہہ دیجو کہ اب خلق ہے اور خنجرِ خونخوار
تم قصد نکلنے کا نہ کیجو ابھی گھر سے
واں فاطمہؑ لپٹی ہوئی روتی ہیں پسر سے
در پر نکل آئے جو عصا تھام کے سجاد
کہنا مری جانب سے کہ اے بیکس و ناشاد
اب آ نہیں سکتے کہ ہیں گھیرے ہیں جلاد
بابا کی وصیت نہ بھلانا یہ رہے یاد
مشکل ہے جو کچھ سہل ہوئی جاتی ہے بیٹا
بچوں سے خبردار کہ فوج آتی ہے بیٹا

ماں بہنوں کی تم رکھیو خبر اے مرے پیارے
یہ قافلہ رانڈوں کا حوالے ہے تمہارے
چادر کوئی زینبؑ کے نہ سر پر سے اُتارے
سیلی کوئی نادان سکینہؑ کو نہ مارے
گھٹ جائے گا دم جان نکل جائے گی تن سے
ننھا سا گلا اُس کا بچا لیجو رسن سے
یہ کہتے تھے شبیرؑ کہ قاتل نظر آئے
تلواریں لیے قتل کو بیداد گر آئے
جلادوں کے قابو میں شہِ بحر و بر آئے
نیزے بھی لگے تیر بھی سینے میں در آئے
ٹکڑے ہوا تیغوں سے جگر حق کے ولی کا
خوں بہنے لگا احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کا

کھائے تھے جو کچھ زخم بدن پر دمِ پیکار
فرماتے تھے جب پڑتی تھی تلوار پہ تلوار
تلواروں سے دم لینے کی فرصت نہیں دیتے
جلدی ہے یہ کیوں قتل کی اے فرقۂ بے پیر
اُترا ہوں فرس سے کہ چلے حلق پہ شمشیر
سجدے میں شہادت ہو امامِ دوسرا کی

غل میں کوئی سنتا تھا نمازی کی نہ تقریر
کھینچا نہ تھا پیکاں کہ پڑی فرق پہ شمشیر
خولی نے تبر پہلوئے صد چاک پہ مارا
شمر آیا جو حضرت کے قریب کھینچ کے خنجر
بڑھ کر یہ سواروں کو پکارا وہ ستمگر
یہ سن کے قدم سب نے زد و گشت پہ مارا

سیدھے ہوئے ریتی پہ تڑپ کر شہِ ابرار
اینٹھی تھی زباں پیاس سے پھکتا تھا دلِ زار
حق بندگیِ حق کا ادا کرتے تھے مولا
جلاد نے صدرِ شہِ ذی شاں کو دبایا
فریاد کہ آئینۂ ایماں کو دبایا
صدمہ ہوا اشکِ شہِ ذی شاں نکل آئے

ماتم کی صدا دشتِ پُر آشوب سے آئی
آندھی نے سیہ خاک بیاباں میں اُڑائی
ریتی پہ تپاں دیکھ کے خورشیدِ زمیں کو
یہ واقعہ اب لکھتے ہیں یاں راقمِ اخبار
منھ پیٹ رہے تھے حرمِ احمدِ مختار
دیکھا کہ سوئے ابنِ علی آتی ہے زینبؑ

ہر جا انھیں زخموں پہ لگے زخم پھر اک بار
بدلا ہے یہی رحم کا اے قومِ ستمگار
سجدہ بھی مجھے کرنے کی مہلت نہیں دیتے
کیا چھوڑ کے مقتل کو چلا جائے گا شبیرؑ
پڑھ لوں میں نماز اتنی کرو قتل میں تاخیر
یہ ذکر رہے فرض ادا کرکے قضا کی

منھ تکتے تھے حضرت کہ لگا حلق پہ اک تیر
غش ہو کے گرے سینے کے بل خاک پہ شبیرؑ
اک شامی نے تیغا کمرِ پاک پہ مارا
دیکھا سرِ مجروح ہے سجدے ہی میں یہ
نیزوں سے اُلٹ دو تنِ فرزندِ پیمبرؐ
نیزہ بنِ اشعث نے اِدھر پشت پہ مارا

تھے خاک سے اور خوں سے بھرے چاند سے رخسار
پر ذکرِ خدا تھا لبِ خشکیدہ پہ ہر بار
تم لوگوں کی بخشش کی دعا کرتے تھے مولا
محبوبِ خدا کے دلِ نالاں کو دبایا
زانو کے تلے زور سے قرآں کو دبایا
سینے میں جو ڈوبے تھے وہ پیکاں نکل آئے

چلاتی تھیں پریاں کہ دوہائی ہے دوہائی
درد و غم و حسرت کی گھٹا خلق پہ چھائی
گردش تھی ہنڈولے کی طرح چرخِ بریں کو
جب زانوئے قاتل کے تلے تھے شہِ ابرار
آثارِ قیامت ہوئے ناگاہ نمودار
کالی کفنی پہنے چلی آتی ہے زینبؑ

سر پر نہ عصابہ ہے نہ مقنعہ ہے نہ چادر — گردن ہو جھکی بال ہیں لٹکے ہوئے منھ پر
ایک ایک قدم پیٹتی آتی ہے وہ مضطر — گہ سینہ کبھی منھ کبھی زانو تو کبھی سر
کہتی ہے یہ ہو صابر و معصوم کا ماتم — یوں چاہیے شبیرؑ سے مظلوم کا ماتم
دوڑی ہوئی مقتل کے جو نزدیک وہ آئی — ثابت ہوا اس دم کہ یہ زہراؑ کی ہے جائی
چلائی کہ اے دشت کدھر ہے مرا بھائی — اے خاک پڑی ہے کدھر اماں کی کمائی
اے چرخ محمدؐ کے نواسے کو بتا دے — اے نہر کہیں رونے کے پیاسے کو بتا دے

سر پیٹ کے کہتی تھی کبھی ہائے برادر — کیا تجھ پہ بنی اے مرے ماں جائے برادر
مظلوم برادر مرے دکھ پائے برادر — کیونکر ترے لاشے پہ بہن آئے برادر
تلواروں میں رستہ بھی نہیں پاتی ہے زینبؑ — محروم زیارت سے رہی جاتی ہے زینبؑ

لکھا ہے کہ جب کٹ گیا تن سے سر سرورؑ — پکڑے ہوئے زلفوں کو چلا شمر ستمگر
زینبؑ کو جو دیکھا تو کہا ہاتھ اٹھا کر — کس کا ہے یہ سر دیکھ تو اے دختر حیدرؑ
مقتل میں ابھی تیغ ستم جس پہ چلی ہے — یہ اور کوئی ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ ہے
منھ پیٹ کے چلانے لگی زینبؑ دلگیر — یہ ہاتھ ترا قطع ہو اے ظالم بے پیر
حلق پسر فاطمہؑ پر پھیر دی شمشیر — ہے ہے لیے جاتا ہے سر حضرت شبیرؑ
آواز مجھے کیوں مرا بھائی نہیں دیتا — اندھیر ہے کچھ مجھ کو سجھائی نہیں دیتا

اعجاز سے گویا ہوا اس دم یہ سر شاہ — بس صبر کرو بھائی کو اے زینبؑ بیجاہ
چلتے ہیں جہاں سے مجاہد یہ وہ ہے راہ — ہم شاہ شہیداں ہوئے اَلشُّکر للہ
معراج ملی مرتبہ بڑھتا ہے ہمارا — تم جاؤ سر اب نیزے پہ چڑھتا ہے ہمارا

خیمے کو چلی خاک اڑاتی ہوئی زینبؑ — نکلے ہوئے پردے سے حرم پیٹتے تھے سب
زینبؑ نے قریب آکے پکارا یہ انھیں تب — اے پیٹنے والو صفِ ماتم پہ چلو اب
تڑپوں گی زمیں پر کہ جگر پھٹ گیا لوگو! — بیکس مرے بھائی کا گلا کٹ گیا لوگو!

خاموش انیس اب کہ جگر غم سے ہوا خوں — مصرعے ہیں کہ پھریاں ہیں یہ نشتر ہیں کہ مضموں
ہر چشم ہے گریاں تو ہر اک قلب ہے محزوں — فرماتے ہیں حیدرؑ کہ میں کیا اس کا صلہ دوں؟
ارشاد پیمبرؐ ہے کہ پاس اپنے مکاں دو — کھلے اے فردوس کے دو باغ جناں دو

۴

مرثیہ

بند ۱۷۳

جب دشت مصیبت میں علیؑ کا پسر آیا
گردوں سے فزوں اوج زمیں کا نظر آیا
خنداں ہوئے جوں گل سفری راہ خدا کے
گھوڑے کی عناں روک کے بولے شہ ذیجاہ
سیدھی طرف خلد اسی دشت سے ہے راہ
بھایا یہ مکاں دوش محمدؐ کے مکیں کو
یہ گوہر مطلوب کے پانے کی جگہ ہے
جنگل میں یہی چھاؤنی چھانے کی جگہ ہے
غربت کے نہ دکھ اب دل نالاں سے اٹھیں گے

ہرچند کہ بستی نہیں ویراں ہے یہ صحرا
راحت کدۂ فوج غریباں ہے یہ صحرا
فرحت ہوئی یوں آکے اس اجڑے ہوئے بن میں
مطلوب شہ عرش نشیں ہے تو یہی ہے
انگشتر عالم کا نگیں ہے تو یہی ہے
راحت بھی اسی جا عوض صبر ملے گی
آب رخ مومن کی طرح پاک ہے یہ خاک
ہر درد کا درماں تہ افلاک ہے یہ خاک

سجدہ بھی اسی خاک سے ممتاز رہے گا
اس خاک کے رتبے کو کسی نے نہیں جانا
چھوڑیں گے نہ اس خاک کی تسبیح کو دانا
کم ہوں گے گرہ غنچۂ امید کھلے گا

منزل کی طرف لے کے ستارے قمر آیا
تھا شور کہ دریائے شرف کا گہر آیا
فردوس کی بو آگئی جھونکوں سے ہوا کے
لو سفر ختم ہو گیا المنۃ للہ
پایا ہے عجب نور صفائی ہے عجب واہ
جس طرح سے جھاڑے کوئی بالوں سے زمیں کو
فردوس سے زہراؑ کے یہ آنے کی جگہ ہے
واللہ یہ پھولوں سے بسانے کی جگہ ہے
سن لیجو کہ مر کر بھی نہ ہم یاں سے اٹھیں گے
خوشبو میں مگر رشک گلستاں ہے یہ صحرا
غربت میں بہ از ملک سلیماںؑ ہے یہ صحرا
جس طرح سفر سے کوئی آتا ہے وطن میں
دنیا میں جو فردوس بریں ہے تو یہی ہے
مر جائیے جس پر وہ زمیں ہے تو یہی ہے
جنت ہے گھر اس کا جسے یاں قبر ملے گی
غربت میں ردائے تن صد چاک ہے یہ خاک
اکسیر جہاں گرد ہے وہ خاک ہے یہ خاک
جو اس پہ جھکے گا وہ سرافراز رہے گا
ہے عین عبادت اسے آنکھوں سے لگانا
دورا اس کا نہ کم ہوئے گا جب تک ہے زمانا
سو رنگ کا اجر اس سے نمازی کو ملے گا

بیشک ہے مؤثر پئے مرض و دافع آزار
جس مردے کے سینے پہ رکھیں گے اسے دیندار
شمشیرِ غضب سامنے گر ہو گی لحد میں
اُترے فرشِ خاک سے ہنستے ہوئے سرور
صحرا کی طرف دیکھ کے خوش ہو گئے اکبرؑ
شہ بولے ہوا نہر کی بھائی تمہیں بھائی
عباسؑ نے کی عرض کہ مرغوب جگہ ہے
آپ آئیں تو کھنچی یہ خوش اسلوب جگہ ہے
گرمی میں کہاں سرد ہوا چلتی ہے بھائی
روئے یہ سخن کہہ کے شہنشاہ حجازی
تجدیدِ وضو کر کے پھرے نہر سے غازی
اک نور کا جلوہ تھا سپاہ شہ دیں پر
دو دن تو غریبوں کو ملا دشت میں آرام
ہفتم تلک اعدا سے رہا نامہ و پیغام
پیارا کوئی کرتا نہیں سادات سے پانی
گرمی کے وہ دن اور وہ بچوں کا بلکنا
پیاسوں کا وہ دریا کی طرف یاس سے تکنا
خیمے میں سکینہؑ کو جو غش پاتے تھے شبیرؑ
تاریخ نہم بھر گیا اعدا سے وہ جنگل
تلواریں نظر آتی تھیں یا برچھیوں کے پھل
واں شام سے افواجِ ستم صبح تک آئی
تھے مستعدِ جنگ اُسی روز ستمگر
تولے ہوئے تلوار یہ فرماتے تھے اکبرؑ
دیکھو کدھر آتے ہو یہ کیا بے ادبی ہے

اس خاک سے دنیا میں شفا پائیں گے بیمار
ایذائے فشار اُس پہ نہیں ہوئے گی زنہار
یا اس کے لیے سینہ سپر ہوگی لحد میں
استادہ ہوئے خیمۂ ناموس پیمبرؐ
دریا پہ ٹہلنے لگے عباسؑ دلاور
ہاں شیر ہو دریا کی ترائی تمہیں بھائی
کیونکر نہ محبت ہو کہ محبوب جگہ ہے
شہ بولے کہ ہاں سچ ہے بہت خوب جگہ ہے
تم سا ہو بہشتی تو یہ جا ملتی ہے بھائی
اونٹوں کے کھلے بار بندھے فوج کے تازی
مصروف ہوئے طاعتِ خالق میں نمازی
گویا کہ ملک عرش سے اترے تھے زمیں پر
تھی پانچویں تاریخ کہ آئی سپہِ شام
اور تھا شبِ ہشتم سے لڑائی کا سرانجام
حضرت پہ ہوا بند اسی رات سے پانی
وہ تابشِ خورشید وہ ذرّوں کا چمکنا
باقرؑ کی وہ فریاد وہ اصغرؑ کا سسکنا
روتے ہوئے گھبرا کے نکل آتے تھے شبیرؑ
ہر سمت سے فوجوں کے اُمنڈ آتے تھے بادل
دریا بھی غریبوں کے ہوا آنکھوں سے اوجھل
لوگ اُٹھ گئے لشکر سے ادھر یہ کمک آئی
روکے ہوئے تھے فوج کو عباسؑ دلاور
آگے جو بڑھا پاؤں تو ہو جاؤگے بے سر
یاں خیمۂ ناموسِ رسولِ عربی ہے

جو شاہ سے کہنا ہو کہو عرض کریں ہم
سبقت کو منع گر نہ کریں قبلۂ عالم
رکنے کا نہیں زور تہمتن سے ہمارا
لشکر ہے جری کون ہے لشکر سے ہمارے
شیر آنکھ چراتا رہا تیور سے ہمارے
پسپا نہیں ہوتے ہیں یہ پیشہ ہے ہمارا
موجود کسی کو نہیں واللہ سمجھتے
غیظ آئے تو شیروں کو ہیں روباہ سمجھتے
جانباز ہیں کونین میں شُہرا ہے ہمارا
خیمے میں گئے حضرت عباسؑ دلاور
کی عرض چڑھے آتے ہیں خیمے پہ ستمگر
خاموش ہیں سب حکمِ امامِ دو جہاں سے
آگے مرے بڑھ بڑھ کے نشاں فوج کے کھولے
سینے میں لگی آگ پڑے دل میں پھپھولے
نامردِ شقی صاحبِ شمشیر ہوئے ہیں
اک کھیل ہے اب فوج غضب پیاسوں کا ستانا
آساں نہیں کچھ منھ پہ جوانمردوں کے آنا
بچہ بھی ہر اک شیر ہو سادات کے گھر کا
دیکھیں کوئی لڑکوں پہ بھلا ہاتھ تو ڈالے
ہر صف ابھی الٹیں جو چلیں چھوٹے سے بھالے
رکتے نہیں آ جاتے ہیں جب غیظ و غضب میں
اعدا سے اور اکبرؑ سے جو اس دم ہوئی تکرار
یاد آ گیا مجھ کو غضبِ حیدرِ کرار
کیا غیظ میں وہ آپ کی گودی کے پلے تھے

کثرت پہ جو پھولے ہو تو کچھ ہم بھی نہیں کم
کر دیں ابھی لشکر کی صفیں درہم و برہم
شمشیر زنی کام ہے بچپن سے ہمارا
تھرّاتا تھا رستم کا جگر ڈر سے ہمارے
نکلا ہے شجاعت کا چلن گھر سے ہمارے
تھے شیر خدا جس میں وہ بیشہ ہے ہمارا
ہیں عالمِ فانی کو گزرگاہ سمجھتے
ہم وقتِ وغا کوہ کو ہیں کاہ سمجھتے
شمشیر یداللہ پہ قبضہ ہے ہمارا
حضرت نے کہا شور یہ کیسا ہے برادر
قبضے پہ اُدھر ہاتھ دھرے ہیں علی اکبرؑ
ارشاد ابھی ہو تو ہٹا دوں انھیں یاں سے
منھ پر کئی بار آ گئے تلوادوں کو تولے
آقا کے مگر خوف سے ہم کچھ نہیں بولے
روباہ طرح دبنے سے کیا شیر ہوئے ہیں
کیا جانیے کیا ہم ہیں یاں لوگوں نے جانا
تلواریں جو کھینچیں تو الٹ جائے زمانا
اعدا کی یہ سب فوج اور اک طفل اِدھر کا
دم بند کریں فوج کا یہ ہنسلیوں والے
خندق کی طرح بہنے لگیں خون کے نالے
بچے ہیں مگر غیظ یداللہ ہے سب میں
بگڑے تھے غضب آپ کی ہمشیر کے دلدار
اکبرؑ سے بھی کچھ آگے بڑھے جاتے تھے ہر بار
میں نے انھیں روکا نہیں لشکر پہ چلے تھے

سمجھاتا تھا میں اور یہی کہتے تھے پیارے
یہ اہلِ ستم قابلِ تعزیر ہیں سارے
آقا یہ ہمارے ہیں کہ آقا کے پسر ہیں
شہ نے کہا سر دینے کا وعدہ جو نہ کرتا
اک دم میں یہ میدانِ ستم لاشوں سے بھرتا
تنگ آ کے آخر کو یہ پیاسا بھی لڑے گا
موقع ہو ابھی صبر کا تم کیوں ہوئے برہم
اللہ تو ہو میری طرف فوج ہو گو کم
اُمت سے کبھی جنگ میں سبقت نہ کریں گے
لڑکوں کو جو روکا میں بہت خوش ہوا بھائی
بچوں نے کبھی کا ہے کو دیکھی ہے لڑائی
بڑھتے تو کبھی صورتِ شمشیر نہ رُکتے
تکرار نہ پھر ہو کہیں تم جاؤ برادر
فرزندوں کو زینبؑ کے تو لے آؤ برادر
کہنا کہ چلو اشکوں سے مُنھ دھوتے ہیں شبیرؑ
فوجِ ستم آرا کو یہ دیجو مرا پیغام
غربت میں گھڑی بھر تو مجھے لینے دو آرام
ہیہات حمیت ہوئی کیا قومِ عرب کی
اب ظہر کا ہنگام ہوا اور دن بھی ہوا آخر
ہے بے سر و ساماں ابھی یثرب کا مسافر
حسرت نہ رہے طاعتِ ربِ دوسرا کی
کھلواتا ہوں صندوق نکلواتا ہوں ہتھیار
تابوتِ سکینہ میں ہے اے قومِ ستمگار
یہ شب تو لڑائی کے سرانجام کی شب ہے

کیوں نام لیا شمر نے ماموں کا ہمارے
کر دیتے ہیں پسپا انھیں تلواروں کے مارے
کیونکر نہ بڑھیں ہم علی اکبرؑ کے پسر ہیں
طاقت تھی کہ پھر ہاتھ کوئی قبضے پہ دھرتا
ہاتھ اُن کے نہ بڑھتے نہ قدم اُن کا ٹھہرتا
اُن لوگوں پہ کھل جائے گا جب کھیت پڑے گا
آنے دو جو خیمے پہ چڑھے آتے ہیں ظالم
بے زخم لگے ہاتھ اُٹھانے کے نہیں ہم
واللہ مریں گے بھی تو ہم حق پہ مریں گے
کیا قہر تھا لٹ جاتی جو زینبؑ کی کمائی
اعدا کی درشتی کی انھیں تاب نہ آئی
غصے میں کسی اور سے وہ شیر نہ رُکتے
اعدا کو بھی اکبرؑ کو بھی سمجھاؤ برادر
وہ چاند سی شکلیں مجھے دکھلاؤ برادر
تم خیمے سے کیوں نکلے خفا ہوتے ہیں شبیرؑ
لوگوں سے ہو تکرار کہ مجھ سے ہو تمہیں کام
اچھا نہیں بیکس کا ستانا سحر و شام
مہماں ہوں مہلت دو مجھے آج کی شب کی
میں صبح کو خود ہوں گا کمر باندھ کے حاضر
جائے گا کہیں یاں سے نہ یہ صابر و شاکر
تم سوؤ عبادت میں کروں اپنے خدا کی
آراستہ ہوتا ہے نشانِ شہِ ابرار
نانا کی زرہ حیدرِ کرار کی تلوار
تم جاگیو کل سے مرے آرام کی شب ہے

اک شب بھی گوارا نہیں تم کو مرا جینا
کل چار پہر ہیں نہ برس ہے نہ مہینا
کل قبر زہرؑا کے نکل آنے کا دن ہے
یہ سُن کے گیا شیر قریب صف کفار
واجب ادب جنگ میں بہتر نہیں اصرار
ہم جنگ کو موجود ہیں جلدی تمہیں کیا ہے
لشکر سے یہ تب کہنے لگا شمر ستمگار
جھنجلا کے یہ بولے کئی اُس فوج کے سردار
کچھ شرم نہیں تجھ کو یہ کیا بے ادبی ہے
اک شب کی اماں دینے میں نقصان ترا کیا
مظلوم پہ آفت ہے مسافر پہ جفا ہے
فاقوں پہ نہ غربت پہ نظر کرتا ہے ظالم
عابد پہ یہ فرقہ یہ نمازی پہ چڑھائی
پانی نہ دیا خیر کہ بگڑی تھی لڑائی
سید کو عبادت کی اجازت نہیں دیتا
تو ہنستا ہے اور روتے ہیں واں پیاس سے معصوم
پانی سے تو کافر کو بھی رکھتے نہیں محروم
خورشید ہدایت ہے امام دو جہاں ہے
دیکھا جو شقی نے کہ ہیں بگڑے ہوئے سردار
دی رات کی مہلت جو ہیں مہلت کے طلبگار
پھر عذر کوئی پیش نہ جائے گا سحر کو
عباسؑ دلاور نے کہا ہو کے غضبناک
آگے مرے یہ بے ادبی منہ میں ترے خاک
کیوں رکھ دوں لب نحس پہ انگشت سناں کو

مظلوم سے یہ بغض مسافر سے یہ کینا
کل خوں میں ڈبو دیجو محمدؐ کا سفینا
کل خانۂ سادات کے لٹ جانے کا دن ہے
فرمایا کہ اے قوم جفاکار و ستمگار
شبیرؑ ہیں اک رات کی مہلت کے طلبگار
بس خیر وہ کل ہوگا جو منظور خدا ہے
کہہ دو کہ نہیں ملنے کی مہلت تمہیں زنہار
دیتے ہیں جو کافر بھی ہو مہلت کا طلبگار
شبیرؑ تو فرزند رسولؐ عربی ہے
اس پہ یہ تعدی جو گرفتار بلا ہے
یہ جبر محمدؐ کی شریعت میں روا ہے
تو خیر کے بھی کام میں شر کرتا ہے ظالم
مہمانوں نے دو دن سے غذا بھی نہیں پائی
روکے ہیں ترے حکم سے دریا کی ترائی
یہ ظلم کہ اک رات کی مہلت نہیں دیتا
یاں جشن ہے اور ہائے حسینا کی اُدھر دھوم
اے شمر محمدؐ کا نواسا ہے یہ مظلوم
قرآن سے روشن ہے حدیثوں سے عیاں ہے
عباسؑ دلاور سے لگا کہنے جفاکار
خیر آج کریں اور عبادت شہ ابرار
کل سب کے گلے کاٹ کے کھولیں گے کمر کو
تو کاٹے گا شیروں کے گلے او سگ ناپاک!
بیکس ہوا ایسا پسر سیدؑ لولاک
دکھلا دوں مزہ چھید کے نیزے سے زباں کو

بھاگا وہ بڑھے ہونٹ چباتے ہوئے عباس
خیمے میں گئے ساتھ لیے سب کو بصد یاس
کی عرض یہ جا کر پسر فاطمہ کے پاس
طے ہو گیا وہ امر کبھی جس کی نہ تھی آس
مہلت بھی ملی رُخ بھی پھرا اہل جفا کا
رو کر شہِ والا نے کیا شکر خدا کا

گزرا جو وہ دن شام مصیبت نظر آئی
پردے میں چھپا مہر تو ظلمت نظر آئی
ماتم کی غریبوں کے علامت نظر آئی
کھولے ہوئے گیسو شب آفت نظر آئی
راحت دل عالم سے فراموش ہوئی تھی
دنیا غم سرور میں سیہ پوش ہوئی تھی

جنگل میں اداسی تو وہ اور شام کا ہونا
بچوں کا وہ کھانے کے لیے بھوک میں رونا
پانی کی تمنا میں وہ منھ اشکوں سے دھونا
فاقوں میں کہاں نیند کہاں چین سے سونا
لُو چلتی تھی جب خاک میں اَٹ جاتے تھے بچے
ماؤں سے اندھیرے میں لپٹ جاتے تھے بچے

آتی تھی درندوں کی صدا گونجتے تھے شیر
سب فرش پہ آندھی سے خس و خاک کا تھا ڈھیر
گُل ہونے میں شمعوں کے نہ تھی ذرا دیر
کرتی تھی اندھیرے میں ہوا اور بھی اندھیر
جب اُٹھتی تھیں چوبیں تو جھکا جاتا تھا خیمہ
بھرتی تھی ہوا جب تو اُڑا جاتا تھا خیمہ

اُجڑے ہوئے جنگل کی ڈراؤنی وہ صدائیں
تھراتا تھا کوئی کوئی پڑھتا تھا دعائیں
دھڑکا تھا کہ جائیں نہ کہیں بچوں کی جانیں
کس طرح اس آفت میں جگہ امن کی پائیں
یاں آن کے پانی سے چھٹے کھانے سے چھوٹے
ہو صبح تو جانیں کہ سیہ خانے سے چھوٹے

خیمے کو خدا گردشِ گردوں سے بچائے
خالق ستمِ لشکرِ ملعوں سے بچائے
حافظ الم و ہیبت ہاموں سے بچائے
اللہ بھی آفتِ شبخوں سے بچائے
منزل پہ یہ آفت یہ تباہی نہیں دیکھی
ہے ہے کسی شب میں یہ سیاہی نہیں دیکھی

آتی تھی صدا خیمے کے پیچھے سے یہ ہر آں
ہے ہے مرا بچہ ہے ابھی رات کا مہماں
جنگل میں یہ کیا بن گئی ہو تجھ پہ مری جاں
دو روز کے پیاسے تری غربت کے میں قرباں
بابا بھی نہیں عالم تنہائی ہے بیٹا
گھر سے تمہیں جنگل میں اجل لائی ہے بیٹا

مادر نے جو چھاتی پہ سلا کر تمہیں پالا
سایے سے کبھی دھوپ میں باہر نہ نکالا
مرتے ہی مرے تجھ پہ یہ دکھ جو پڑنے والا
آفت میں نہیں آج کوئی پوچھنے والا
خاک اُڑتی ہے لُو چلتی ہے میدان بلا میں
نیند آئے گی کیونکر تمہیں اس گرم ہوا میں

اُمت کے لیے اپنا وطن چھوڑ کے آئے
نانا سے چھٹے قبر حسنؑ چھوڑ کے آئے
پائی نہ کہیں اور جگہ امن و اماں کی
کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زینبؑ ناشاد
کیونکر انھیں چین آئے کہ گھر ہوتا ہو برباد
کل کچھ نہ کچھ آفت ہے جو گھبرائی ہیں اماں
جس روز حسنؑ بھائی سے ہوتی تھی جدائی
لاؤ صفت ماتم کہ ہوئی گھر کی صفائی
پیٹو کہ شب قتل شہ جن و بشر ہے
غش میں جو ابھی آنکھ مری لگ گئی ناگاہ
فرماتی تھیں رو رو کے بصد نالۂ جانکاہ
بسمل ہوں چھری میرے کلیجے پہ چلی ہے
میں نے کہا کیوں بالوں پہ خاک آپنے ڈالی
حیدرؑ کی بہو ہووے گی بے وارث و والی
کیونکر کہوں تجھ سے کہ جگر چاک ہے زینبؑ
رونے سے اسی حال میں گزری جو پہر رات
عباسؑ دلاور کو بُلا کر یہ کہی بات
کچھ دور نہیں بے ادبی فوج شقی سے
سب کھینچ کے خیمے کی طنابیں کرو یکجا
گرمی کی اگر ہووے تو ہو پیاسوں کو ایذا
ہے دکھ میں مدد ایزد غفار کرے گا
سرگرم اطاعت تھے جو عباسؑ علمدار
بٹھلائے جواں ڈیوڑھی پہ دیرینہ و ہشیار
رتبے سے جو واقف تھے ہر اک پردہ نشیں کے

صغراؑ کو گرفتار محن چھوڑ کے آئے
اس دشت کے کانٹوں میں وطن چھوڑ کے آئے
جنگل وہی بھایا تھیں تھی خاک جہاں کی
پہچانتی ہوں خوب یہ اماں کی ہے فریاد
مرنے پہ بھی راحت نہیں دیتا غم اولاد
لو صاحبو تربت سے نکل آئی ہیں اماں
اُس شب کو بھی اماں کی صدا تھی یونہی آئی
بس خاتمہ ہے اب نہ بچے گا مرا بھائی
اماں کا یہ رونا نہیں ماتم کی خبر ہے
عریاں سر زہراؑ نظر آیا مجھے واللہ
آرام کی یہ شب نہیں لے زینبؑ ذیجاہ
بیٹی یہ شب قتل حسینؑ ابن علیؑ ہے
فرمایا کہ گھر صبح کو ہو جائے گا خالی
کل شام سے اوڑھوں گی ردا فرق پہ کالی
شبیرؑ کے مقتل کی یہ سب خاک ہے زینبؑ
سجادۂ طاعت سے اُٹھے قبلۂ حاجات
ہم بیچ میں ہیں گرد ہے سب لشکر بدذات
ہشیار رہو خیمۂ ناموس نبیؐ سے
ایک ہی جانب سے رہے آنے کا رستہ
خندق میں رہے چار طرف آگ مہیا
پیاسوں پہ خدا نار کو گلزار کرے گا
بھڑکا دیا خندق میں وہیں آگ کو یکبار
پہونچے عقب خیمہ حفاظت کو کچھ اسوار
خود پھرنے لگے گرد خیام شہ دیں کے

نعرہ کوئی کرتا تھا کہ یا حیدرِ کرّار
خاموش کھڑا تھا کوئی کھینچے ہوئے تلوار
کہتا تھا علمدار کوئی اور نہیں ہے
کرتے ہو مصیبت میں جو تم سب کی مدد شاہؑ
راضی ہے خدا تم سے خوشی ہیں شہِ ذی جاہ
جو خواب میں دیکھا نہ ہو وہ باغ کھلے گا

جب تین پہر رات عبادت میں گزاری
پچھلے سے دعائیں تھیں لبِ اور طاعتِ باری
ہر حال میں حضرت کی نظر سوئے خدا تھی
ناگاہ بیاضِ سحرِ غم نظر آئی
صبحِ شبِ عاشورِ محرم نظر آئی
جھونکا جو درختوں کو لگا سرد ہوا کا

وہ نور کا تڑکا وہ دمِ صبح کی سردی
پھول ہوئی تھی وحشیوں کو دشت نوردی
سامان تھا واں قتلِ امامِ دو جہاں کا
استادہ ہوئے بہرِ نمازِ سحری شاہ
تھا کہ عجب اخترِ تاباں تھے عجب ماہ
مقبول تھی وہ پڑھ کے دوگانہ جو دعا کی

فارغ ہوئے جب شکر کے سجدے سے وہ ابرار
ناموس کے خیمہ میں گئے شاہؑ خوش اطوار
فرمایا کہو غش ہے کہ سوتی ہے سکینہؑ
بے آپ کے اُس کو کبھی نیند آئی ہے بھائی
اِس چاند سی چھاتی کی جو بُو اُس نے نہ پائی
فرقت ہو تو اس کا خدا جانے کیا ہو

للکارتا تھا کوئی کہ ہاں جاگیو ہشیار!
کون آتا ہے کوئی یہ صدا دیتا تھا ہر بار
گھبراؤ نہ عباسؑ غلامِ شہِ دیں ہے
بس حقِ رفاقت ہے یہی اجر کم اللہ
ہاتھ آئی ہے کیا دولتِ بیدار تمہیں واہ
قبروں میں بھی اس جاگنے کا لُطف ملے گا

یاں جاگ تھی سوتا تھا اُدھر لشکرِ ناری
شہؑ محوِ وظیفہ تھے حرم کرتے تھے زاری
سجدے تھے کبھی اور کبھی اُمّت کی دُعا تھی

مطلع دیگر

مہتاب چلا رات بہت کم نظر آئی
انجم کی جو صحبت تھی وہ برہم نظر آئی
مرغانِ چمن کرنے لگے ذکرِ خدا کا
جنگل میں گلوں کی کہیں سُرخی کہیں زردی
تکبیریں تھیں یاں کہتی تھی واں صبح کی وردی
یاں شور تھا گلدستۂ زہراؑ میں اذاں کا

صف باندھ لی سب نے عقبِ سیدِ ذی جاہ
ہر حال میں تھے قبلۂ کونین کے ہمراہ
خالق نے انھیں دولتِ کونین عطا کی
تسبیحیں پڑھیں سب نے سجے جنگ کے ہتھیار
حیرت سے نظر کی طرف خواہرِ غم خوار
زینبؑ نے کہا شام سے روتی ہے سکینہؑ
بچوں کو دکھائے نہ خدا داغِ جدائی
ماں پاس نہ لیٹی نہ مری گود میں آئی
تھمتا ہے کوئی باپ سے بچہ جو پلا ہو

بچی کا سُنا حال تو رونے لگے حضرت — فرمایا کہ لکھی تھی اسی عمر میں فرقت
افسوس یہ سِن اور یہ یتیمی کی مصیبت — اللہ نگہبان ہم اب ہوتے ہیں رخصت
مشکل ہے پھر آنا ہمیں تیغوں کے تلے سے — لے آؤ کہ روئیں اُسے لپٹا کے گلے سے

روئے سخنِ یاس یہ سُن کر حرمِ پاک — پہنی شہِ والا نے تنِ پاک میں پوشاک
دستار یدُ اللہ قبائے شہِ لولاک — گردوں پہ ہوئے غم سے ملائک کے جگر چاک
ان زلفوں میں دیکھا جو رخ اس خاصۂ رب کا — آنکھوں میں سماں پھر گیا معراج کی شب کا

حاصل جو زرہ کو ہوا وصلِ تنِ شبیرؑ — داؤد پکارے کہ زہے عزت و توقیر
دستانوں کو ہاتھ آئی عجب صحبتِ دلگیر — بوسہ جو لیا چرخ پہ پہونچا سرِ شمشیر
باندھا جو کمر میں تو یہ پرتو نظر آیا — خورشید کے پہلو میں مہِ نو نظر آیا

پایا جو تھا قربِ کمرِ سبطِ پیمبرؐ — جامے میں سماتی تھی نہ شمشیرِ دو پیکر
چار آئینہ دکھلانے لگا اوجِ سکندر — گردوں پہ کلہ پھینکتا تھا فخر سے مغفر
کہتی تھی سپر دولتِ دیں آج ملی ہے — دیکھو مجھے اس دوش پہ معراج ملی ہے

جب سج چکے ہتھیاروں کو تن پر شہِ ابرار — دکھلانے لگی آئینہ قبضہ جگر افگار
خود بینی سے نیکوں کو سدا رہتا ہے انکار — حضرتؑ نے کہا آئینہ ہے حالِ تنِ زار
پرتو ہے جہاں نور کا وہ سینہ ہے میرا — میں ہوں وہ سکندر کہ دل آئینہ ہے میرا

قبضے سے یہ فرماتا تھا وہ صاحبِ توقیر — جو آئی سکینہؑ کو لئے شاہ کی ہمشیر
خود ہاتھوں کو پھیلا کے یہ بولے شہِ دلگیر — آ آ مری پیاری ترا مشتاق تھا شبیرؑ
بابا تری اس چاند سی صورت پہ فدا ہو — کیوں آکے لپٹتی نہیں کیا ہم سے خفا ہو

لو جانے دو غصہ کو مری گود میں آؤ — ہم آنکھیں ملیں چہرے سے منہ آگے تو لاؤ
مہماں ہیں تمہارے ہمیں بی بی نہ رلاؤ — عاشق جو ہماری ہو تو آنسو نہ بہاؤ
ہم ہوں گے کہیں تم کہیں جاؤ گی سکینہؑ — ڈھونڈھو گی تو پھر ہم کو نہ پاؤ گی سکینہؑ

ہے صبحِ فراقِ پدرِ بیکس و ناکام — دن ہجر کے آپہونچے گئے وصل کے ایام
لکھا تھا بہت کم تری تقدیر میں آرام — دکھلائے گی یہ صبحِ یتیمی کی تمہیں شام
ہے زیست کی لذت یہی جو دم تمہیں دیکھیں — تم دیکھ لو جی بھر کے ہمیں ہم تمہیں دیکھیں

فرصت جو عبادت کے سبب ہم نے نہ پائی
کچھ دور نہ تھی ہم پہ تمہیں نیند نہ آئی
غم باپ کا اور قید کا دکھ جان حزیں پر
چھوڑا نہ کبھی چار برس تک مرا پہلو
واں ہوگا کہاں سر کے تلے باپ کا بازو
کیوں دم مرا صدمے سے نہ گھبرائے سکینہؑ

حضرتؑ نے جو بیٹی سے کہے یہ سخن یاس
گودی میں گئی باپ کی گھبرا کے وہ بے آس
دشوار تھا یہ ہجر پدر رشک چمن پر
منہ پر کبھی منہ ملتی تھی دے دے کے دعائیں
کہتی تھی کبھی گھر سے نہ حضرت کہیں جائیں
آنے دو اگر پیاس سے غش آئے گا بابا

کیوں کڑھتے ہو بابا مجھے ایسی تو نہیں پیاس
اس وقت کی باتوں سے بہت ہے مجھے وسواس
پھر کل کی طرح نیند مری کھو دو گے بابا
ننھے سے کلیجے پہ مرے چلتی ہے تلوار
کیا قصد ہے جانا ہے کہاں یا شہ ابرار؟
صدقے گئی ناقوں پہ حرم ساتھ نہ ہوں گے

شہ بولے کہ درپیش ہے مجھ کو وہ سفر آہ
بھائی ہو کہ بیٹا ہو گدا ہو کہ شہنشاہ
وہ راہ ہے دھوکا سحر و شام ہے جس کا
کرتا نہیں غربت میں کوئی آ کے مدد تک
پھر آتے ہیں روتے ہوئے پہونچا کے لحد تک
نے دوست نے احباب نہ ہم بزم گئے ہیں

یہ آخری شب عمر کی ہو اے مری جائی
کیا ہوئے گا جب ہو گی مہینوں کی جدائی
کیوں کر تمہیں نیند آئے گی زنداں کی زمیں پر
منہ چھاتی پہ رکھ کر تمہیں سو جانے کی تھی خو
اٹ جائیں گے اب گرد یتیمی سے یہ گیسو
یہ تیرا گلا اور رسن ہائے سکینہؑ

دل ٹکڑے ہوا رونے لگے حضرت عباسؑ
رخ زرد تھا نیلے تھے لب لعل یہ تھی پیاس
باہیں تو گلے میں تھیں دہن شہ کے دہن پر
لیتی تھی کبھی ننھے سے ہاتھوں سے بلائیں
روتی نہیں میں آپ نہ اب اشک بہائیں
تم جیتے رہو پانی بھی مل جائے گا بابا

کہتی نہیں پانی کی سلامت رہیں عباسؑ
کیا آج کی شب کو بھی نہ رہیے گا مرے پاس
میں بھی وہیں سوؤں گی جہاں سوؤ گے بابا
کھلتا نہیں کچھ آپ نے کیوں باندھے ہیں ہتھیار
تشویش کچھ ایسی ہے کہ بھولا ہے مرا پیار
کیا یہ سفر ایسا ہے کہ ہم ساتھ نہ ہوں گے

اک ایک قدم جس میں ہیں سو صدمۂ جانکاہ
جز نیک عمل جا نہیں سکتا کوئی ہمراہ
پہلی ہے وہ منزل کہ لحد نام ہے جس کا
گر ساتھ گیا ہے تو کوئی قبر کی حد تک
وہ خانۂ تاریک وہ تنہائی ابد تک
تنہا یونہی شاہان اولوالعزم گئے ہیں

جو خلق میں تھے صاحبِ تخت و علم و تاج
شاہانِ جہاں فخر سے دیتے تھے جنھیں باج
یکسر ہے نہ وہ اور نہ وہ تاج و نگیں ہیں
اولاد کا گلشن نہ عزیزوں کا چمن ساتھ
نے مال نہ فرزند نہ بھائی نہ بہن ساتھ
آجاتی وہاں موت جہاں گھر نہیں ہوتا
آرام کے خوگر کو سختی کی کہاں تاب
تربت میں کہاں راحت و آرام کا اسباب
گھبرائی کہ وحشت ہو کہیں جا نہیں سکتا
پہلو کے نہ وہ تکیے نہ راحت کا بچھونا
بستر وہی مٹی کا وہی قبر کا کونا
رہتا ہے لباس ایک بہر حال گلے میں
صحبت تھی شب و روز کی جن سے وہ کہاں پاس
وہ قبر کا ڈر پرسشِ اعمال کا وسواس
دکھلائی تو رنگ چار دن افلاک کے نیچے
کیا اُن کو خبر جو کہ مکانوں میں مکیں ہیں
تاریکیِ مرقد سے وہ آگاہ نہیں ہیں
مٹی کے تلے دن کو بسر ہوتی ہے کیوں کر
بتلاؤ مسافر کو نہ تشویش ہو کیوں کر
غربت میں نئی راہ نئے لوگ نئے گھر
تربت بھی نہ جلد اے مرے دل سوز ملے گی
یہ کہہ کے بہت روئے شہنشاہِ مدینہ
ہے آج تلاطم میں محمدؐ کا سفینہ
جائے گا سوئے شام یہ سر تیغ سے کٹ کر

نوبت یہ ہوئی ہے کہ نشاں ان کے نہیں آج
وہ قبر میں ہیں سورۂ الحمد کے محتاج
دولت تو خزانے میں ہے خود زیرِ زمیں ہیں
یاور نہ مصاحب نہ محبانِ وطن ساتھ
دنیا کے کل اسباب سے ہوتا ہے کفن ساتھ
بہتوں کو کفن تک بھی میسر نہیں ہوتا
شب کو جو اندھیرا ہو تو ہو جاتا ہے بے خواب
جز داغِ جگر روشنیِ شمع ہے نایاب
کروٹ بھی بدلنے کی جگہ پا نہیں سکتا
دشوار ہے واں سر کے تلے ہاتھ کا ہونا
وہ یاس سے رخسار دھرے خاک پہ سونا
بر میں کفن اور نامۂ اعمال گلے میں
ہمدرد جو حسرت تو مصاحب الم و یاس
اس ملک سے دنیا میں پھر آنے کی نہیں آس
سب شاہ و گدا ایک سے ہیں خاک کے نیچے
خویش و پسر و ہمدم و احباب قریں ہیں
پوچھے کوئی اُن لوگوں سے جو زیرِ زمیں ہیں
شب ہوتی ہے کس طرح سحر ہوتی ہے کیوں کر
نے راحلہ نے زادِ سفر پاس نہ رہبر
وہ خانۂ پُر ہول یہ آرام کا خوگر
منزل وہ ہمیں بعد چہل روز ملے گی
فرمایا کہ لو جاؤ پھوپھی پاس سکینہؑ
مشتاق ہے اب ظلم کے نیزوں کا یہ سینہ
بس چار برس سو چکیں چھاتی سے لپٹ کر

وہ کہتی تھی ششدر نہ گودی سے اُتارو
ننھے سے کلیجے پہ نہ اب برچھیاں مارو
ہوتا ہے خفا یوں کوئی نازوں کے پلے سے
سینے پہ مرے ہاتھ تو رکھیں شہِ والا
ٹپکوں گی سراپا جو قدم گھر سے نکالا
مر جائیں گے گر آپ کے دشمن تو جیوں گی

بچنے کی نہیں جان اب اس تشنہ دہن کی
منظور ہے گر سیرِ شہادت کے چمن کی
اماں کے بھی رونے کا یہ غم کھاؤں گی بابا
بیٹی سے جدا ہو کے کہاں جاتے ہیں حضرت
وہ کون ہے جس کی ہے یہ الفت یہ محبت
جو خاص ہیں ان میں وہ ہمارے ہیں سکینہؑ

ہو جائیں جب اٹھارہ بنی فاطمہؑ بے سر
اسباب لٹے قید ہو سجادؑ چلے گھر
راضی ہوں میں واللہ ستم مجھ پہ یہ سب ہوں
یوں کہنے لگی سینے پہ منہ رکھ کے وہ ناداں
حضرت نے کہا سخت مصیبت ہے مری جاں
تن آتشِ غم سے صفتِ شمع گھلے گا

اب تک تو یہ ہے ظلم کہ ملتا نہیں پانی
تم لاکھ کہو گی کہ ہیں بابا کی نشانی
جلاد مری روح کو غمناک کریں گے
یہ کہہ کے جو شہؑ نے اُسے گودی سے اتارا
ہمشیر نے حضرت سے کیا رو کے اشارا
حضرت پہ بھی دشوار تھی ماں جائی کی رخصت

آئی ہے بلا سر پہ تو پہلے مجھے وارو
مر جاؤں گی بابا نہ سدھارو نہ سدھارو
ہے ہے مرے ہاتھوں کو چھڑاؤ نہ گلے سے
ہے ننھے سے سینے میں کلیجہ تہ و بالا
کیا داغ دکھانے کے لئے تھا مجھے پالا
رسی سے بندھے گی مری گردن تو جیوں گی

تدبیر کئے جائیے ننھے سے کفن کی
اچھا مجھے کیا راہ نہیں چلنے کی رن کی
میں چھوڑ کے ان سب کو چلی آؤں گی بابا
کس کے لئے ہم سب کی گوارا ہوئی فرقت
حضرت نے کہا وہ مرے نانا کی ہے اُمت
وہ تم سے زیادہ بھی پیارے ہیں سکینہؑ

اور داغِ یتیمی ہو تمہیں اے مری دلبر
تب آتشِ دوزخ سے بچیں شیعۂ حیدرؑ
پر حشر میں شیعوں کو نہ کچھ رنج و تعب ہوں
کہتے ہیں یتیمی کسے میں آپ کے قرباں
یہ داغ ہے بچوں کے لئے موت کا ساماں
یہ حال تمہیں عصر کے بعد آج کھلے گا

پھر باندھیں گے رسی سے گلا ظلم کے بانی
لوٹیں گے یہ بندے بھی ترے دشمنِ جانی
موتی کے لئے کان ترے چاک کریں گے
غش ہو گئی بانوؑ نہ رہا ضبط کا یارا
آؤ کہ لگا لیں تمہیں چھاتی سے دوبارا
کم تھی نہ قیامت سے بہن بھائی کی رخصت

دو لاکھ لعینوں کے چلے تیر جو پیہم
عباسؑ علمدار نے کی عرض یہ اس دم
بے حکم تو قبضوں پہ نہ یہ ہاتھ دھریں گے
اک ان میں سے بڑھ جائے گا چمکا کے جو تلوار
حضرت نے کہا فتح سے کیا مجھ کو سروکار
تیغ و تبر و تیر و سناں کھاتے دو بھائی

عباسؑ نے رو کر کہا اے سیدِ اکرم!
آقا کو بھلا دیکھ سکے گا کوئی بے دم
چلنا صفتِ جنگ گاہ میں تلواروں کا دیکھیں
مولا نے کہا ہے یہی مرضی تو کرو جنگ
شیروں نے عجب شان سے گھوڑوں کے کسے تنگ
دیکھا نظرِ غیظ سے افواجِ لعیں کو

تنہا گئے یوں فوج پہ وہ صاحبِ شمشیر
انبار تھے لاشوں کے ادھر ڈھیر ادھر ڈھیر
پاس آ نہ سکے دور سے بے پیروں نے مارا
جب سوئے جناں شہؑ کے مددگار سدھارے
دنیا سے جوانانِ خوش اطوار سدھارے
لشکر نہ رہا شاہِ فلک جاہ کے ہم راہ

چھپنے لگے جب دم وہ ستارے بھی نظر سے
دو جب نجے ٹکڑے ہوئے شمشیر و تبر سے
پامال ہوا یوں بدن اس رشکِ چمن کا
جب قتل ہوا حضرت عباسؑ سا بھائی
روتے تھے کہ بیٹے نے سناں سینے پہ کھائی
پہنچے صفتِ نکہتِ گل باغِ ارم میں

بے جاں ہوئے اک دم میں بچاپن آپ کے ہمدم
باقیؑ جواں رہ گئے اے قبلۂ عالم
حسرت نہ رہے گی جو دعا کر کے مریں گے
ہو جائے گی موقوف ابھی تیروں کی بوچھار
ہوں میں تو فقط بخششِ امت کا طلبگار
سب لوگوں سے پہلے مجھے مرجانے دو بھائی

کیجے گا یہی خلق سے اٹھ جائیں گے جب ہم
یہ سب ہیں غلام آپ کے اے قبلۂ عالم!
آج آپ مزا اپنے نمک خواروں کا دیکھیں
یہ سنتے ہی سادات کے چہرے ہوئے گل رنگ
نیزے جو سنبھالے تو علمدار ہوئے دنگ
لرزہ ہوا نعروں سے دلیروں کے زمیں کو

جوں گلۂ آہو پہ جھپٹتا ہے کوئی شیر
ہاتھ اڑ گئے پہونچوں سے زبردست ہوئے زیر
تلواریں نہ کھائیں پہ انھیں تیروں نے مارا
جاں بازیاں دکھلا کے وہ جرار سدھارے
غم رہ گیا شبیرؑ کے غمخوار سدھارے
اٹھارہ ستارے تھے فقط ماہ کے ہم راہ

کھینچی قمرِ فاطمہؑ نے آہ جگر سے
یاں تک کہ جدائی ہوئی بھائی کے پسر سے
لاشہ نہ اٹھایا گیا فرزندِ حسنؑ کا
تھا شور کہ اب سبطِ نبیؐ کی اجل آئی
بس تین پہر میں ہوئی سب گھر کی صفائی
پیدا ہوئے برسوں میں فنا ہو گئے دم میں

مارے گئے زینبؑ کے پسر آنکھوں کے آگے
عباسؑ ہوئے خون میں تر آنکھوں کے آگے
دنیا سے گئے نورِ نظر آنکھوں کے آگے
دیکھا کئے اور لُٹ گیا گھر آنکھوں کے آگے
سہرا بھی جواں بیٹے کا بابا نے نہ دیکھا
وہ کون سا تھا داغ کہ مولاؑ نے نہ دیکھا

کیا روئے تھے یعقوبؑ جو بچھڑا تھا پسر ایک
ہر نخل ہے خواہاں کہ جدا ہو نہ ثمر ایک
مرجاتی ہے بلبل جو خزاں ہو گلِ تر ایک
یاں داغ عزیزوں کے بہتّر ہیں جگر ایک
صدمے سے لہو تن میں نہیں زرد ہیں شبیرؑ
اک زخمِ جگر کیا ہمہ تن درد ہیں شبیرؑ

حضرت جو ہیں بیتاب تزلزل میں ہے گیتی
کاٹی ہوئی سب خاک پہ زہراؑ کی ہے کھیتی
وہ دھوپ وہ لُو اور وہ جلتی ہوئی ریتی
ان سب کے سوا پیاس سنبھلنے نہیں دیتی
نیلے ہیں لبِ لعل کمر ضعف سے خم ہے
تلواریں ادھر کھینچے ہیں یاں ہونٹوں پہ دم ہے

اسوار ادھر بڑھتے تھے تیروں کو سنبھالے
یاں تیر دعاؤں کے ہیں اور آہوں کے بھالے
واں فوجِ سیہ رو نے علم کھولے ہیں کالے
ہیں لعل کو زہراؑ کے اُدھر جان کے لالے
میداں سے نہ بڑھتے تھے نہ ہٹ سکتے ہیں شبیرؑ
عباسؑ کے لاشے کی طرف تکتے ہیں شبیرؑ

تنہائی کا احوال بھی مردم پہ عیاں ہے
جو نورِ نظر تھا وہی آنکھوں سے نہاں ہے
پیرانہ سری میں غمِ فرزندِ جواں ہے
بھائی نہیں اب بازوؤں میں زور کہاں ہے
لوٹا ہے فلک عالمِ غربت میں لٹے ہیں
ابنِ اسد اللہ سے دو شیر چھٹے ہیں

اس فوج میں ڈھالوں کا ہے اک ابر سا چھایا
اور چاند پہ زہراؑ کے ہے خورشید کا سایا
واں گھوڑے بھی سیراب ہیں دانا بھی ہو کھایا
یاں تیسرا ہے روز کہ پانی نہیں پایا
نیچے ہیں اُدھر دھوپ بھی لشکر پہ نہیں ہے
چادر تک اِدھر لاشۂ اکبرؑ پہ نہیں ہے

چلّے پہ کماں داروں کے ہے شمرِ سیہ رو
چلّوں سے ملائے ہوئے ہیں تیر جفا جو
جب تھامتے ہیں تیغ کا قبضہ شہِ خوشخو
تھراتا ہے وہ تیر سے ٹوٹا ہوا بازو
ایذائے جراحت ہے کہ گر اُٹھ نہیں سکتی
اس ہاتھ سے تیغ اس سے سپر اُٹھ نہیں سکتی

ہر دم متقاضی ہیں یہ اس فوج کے سردار
طاقت نہیں لڑنے کی تو رکھ دیجیے ہتھیار
مولا سے یہ کہتی تھی یداللہ کی تلوار
جوہر مرے دکھلائیے یا سیدِ ابرار!
ڈر سے نہ قدم ٹھہریں گے بیداد گروں کے
اک دم میں اُڑا دوں گی سر ان خیرہ سروں کے

بے رحم ہے یہ قوم بس اب رحم نہ کیجے
اے قبلۂ کونین مجھے میان سے لیجئے!
سب قتل ہوئے خویش پسر بھائی بھتیجے
صف بستہ ہیں کفار شکست اب انھیں دیجے
میں وہ ہوں کہ جس دم صفِ اعدا پہ جھکوں گی
جبریل بھی روکیں گے تو ہرگز نہ رکوں گی

شہ کہتے تھے اے تیغِ دغا کس کو دکھاؤں
جرأت جو دکھاؤں تو بھلا کس کو دکھاؤں
زور آوری شیرِ خدا کس کو دکھاؤں
ضربِ اسدِ قلعہ کشا کس کو دکھاؤں
صبر ان کی جفاؤں کا کیا خیر بشر نے
بیٹوں کی تباہی کبھی چاہی ہے پدر نے

بالفرض کہ سب قتل ہوئی فوجِ ستمگر
پھر مجھ سے ملیں گے مرے بچھڑے ہوئے یاور
بتلا مجھے جی اُٹھیں گے عباسؑ دلاور؟
بھائی سے لپٹ جائیں گے آ کر علی اکبرؑ؟
اک دم کے لیے گلشنِ ہستی کو اُجاڑوں
نانا کی بسائی ہوئی بستی کو اُجاڑوں

یہ کہتے تھے حضرت کہ لگا تیر جبیں پر
ماتھے سے لہو بہ کے گرا دامنِ زیں پر
غش سے نظر آپ نے کی لشکرِ کیں پر
تھرّانے لگے روح امیں عرشِ بریں پر
واں زینبِ ناشاد کھلے سر نکل آئی
یاں تیغِ علیؑ میان سے باہر نکل آئی

ہاتف کی صدا آئی کہ اے تابعِ تقدیر
ہاں اب ہے اجازت کہ دکھا جوہرِ شمشیر
گھوڑے پہ سنبھل بیٹھے یہ سن کر شہِ دلگیر
نعرہ جو کیا کانپ گیا لشکرِ بے پیر
ناطاقتیِ جسم نہ مطلق نظر آئی
تصویرِ جلالِ اسدِ حق نظر آئی

وہ غیظ وہ نعرہ وہ چمکتی ہوئی تلوار
گویا تھا مجسم غضبِ حضرتِ قہار
اتنا تو پکارے کہ خبردار خبردار
ڈھالیں نہ اٹھی تھیں کہ گری برقِ شرر بار
گرمی سے ہوا میں شرر اُڑتے نظر آئے
جھونکا تھا غضب کا کہ سر اُڑتے نظر آئے

اک آگ سی تھی چار طرف شعلہ فشاں تھی
وہ برق کہ خود مانگتی تھی جس سے اماں برق
یاں موج تو واں سیل جو یاں ابر تو واں برق
منھ زہر برش قہر بدن آگ زباں برق
سرکش تھا جو ناری یہ جلاتی تھی اُسی کو
لوہے پہ بھی گرتی تھی تو کھاتی تھی اُسی کو

اُڑ کر کبھی ٹھہری کبھی لچکی کبھی چمکی
سر گئے گردن جدھر اس تیغ نے خم کی
سیدھی صفِ دشمن کو ملی راہ عدم کی
سیفی تھی کہ گویا دمِ شمشیر پہ دم کی
دم بھر میں صفیں صاف تھیں بیداد گروں کی
تھی منھ کی طرح خاک پہ بوچھار سروں کی

تیزی تھی کہ لشکر بھی ہر اک تھا مُقِر اُس کا
خم ہو گئی تھی قلب یہ تھا منکسر اُس کا
تھی سم کی حرارت جو بدن اس کا ہرا تھا
پایا تھا عجب زور عجب تیغ عجب ہاتھ
کچھ دست میں اعدا کے نہ تھا ملتے تھے سب ہاتھ
شمشیرِ اجل فوج کے بھالوں سے رُکی ہے
کس کے سر و گردن میں جدائی نہ دکھائی
کس کو اسدِ حق کی لڑائی نہ دکھائی

ریلا جو ہوا ناریوں کو رول کے نکلی
اک ضرب میں ہاتھ اُس کے اُڑائے تو سر اُس کا
دل اُس کا دو پارہ کیا کاٹا جگر اُس کا
جس جا پہ جھٹکے خون کی ندی وہیں بہ جائے
سرداروں کو تیغ دو زباں ڈھونڈھ رہی تھی
اعدا کے یہ چھپنے کا مکاں ڈھونڈھ رہی تھی

جو ہاتھ لگا خون میں اُسے بھر دیا اُس نے
تھا صورتِ آئینہ تمام اُس کا بدن صاف
چلتی تھی جو سن سن یہ نکلتا تھا سخن صاف
نااہل ہیں نامرد ہیں ناپاک ہیں اعدا
تھا دور تلک خون سے اُس فوج کے رن سُرخ
چہرے تو سیہ کاروں کے تھے زرد بدن سُرخ

بے وجہ نہ منہ لال تھا اس عربدہ جو کا
مغفر سے جھلم کٹ گئی گردن میں در آئی
جوشن سے گزرنا تھا کہ بس تن میں در آئی
بچتا کوئی کیا تیغِ قضا زنگ کے نیچے

تھا کاٹ میانِ دو جہاں مشتہر اُس کا
بے فتح عدو پر بھی نہ کھلتا تھا سر اُس کا
افعی کی طرح پیٹ میں کیا زہر بھرا تھا
بجلی سی چمک جاتی تھی اُٹھ جاتا تھا جب ہاتھ
پھرتی تھی عجب جسم میں چلتا تھا عجب ہاتھ
گرتی ہوئی بجلی کبھی ڈھالوں سے رُکی ہے؟
صف کون سی تھی جس کو صفائی نہ دکھائی
مقتل میں کسے عقدہ کشائی نہ دکھائی

شیرازۂ اجزائے بدن کھول کے نکلی
شاخیں کٹیں اس نخلِ ستم کی ثمر اُس کا
دم ہو گیا آخر ادھر اس کا اُدھر اُس کا
کیا دخل تھا اس کا کہ کسی باک پہ رہ جائے
کفار کے علموں کا نشاں ڈھونڈھ رہی تھی
سب فوجِ ستم جائے اماں ڈھونڈھ رہی تھی

پایا جسے یکتا اُسے دو کر دیا اُس نے
خوں پیتی تھی پر دیکھو تو منہ صاف دہن صاف
ہوں میں تو وہ جادہ کہ کر دیتی ہوں رن صاف
میں برقِ غضب ہوں خس و خاشاک ہیں اعدا
پھولا ہوا تھا تیغ کے اک پھل سے چمن سُرخ
تھی تیغ دو پیکر کی زباں سُرخ دہن سُرخ

بیڑہ وہ اُٹھائے ہوئے تھی خون عدو کا
گردن سے سرکنا تھا کہ جوشن میں در آئی
تن سے ابھی اُتری تھی کہ توسن میں در آئی
اک برقِ غضب کوند گئی تنگ کے نیچے

قبضہ تھا کہ تھا چہرۂ پُر قہر قضا کا
باڑھ ایسی کہ رُخ پھر گیا دریا کی گھٹا کا
تیغے کی جگہ یا اسد اللہ لکھا تھا

چم خم سے ہلالِ فلکِ نیلوفری تھی
شوخی بھی نئی اور نئی جلوہ گری تھی
اک آگ لگی وار جدھر چل گیا اُس کا

سیدھی جو چلے وہ تو صفِ فوج اُلٹ جائے
تھرائے فلک گاؤ زمیں ڈر کے سمٹ جائے
اس برق کا ہمسر کوئی دنیا میں کہاں ہے

جب شعلۂ سرکش کی طرح فوج پہ لپکی
تھرائے جگر آنکھ ستمگاروں کی جھپکی
سب ناریوں کو خاک کا پیوند کیا تھا

دم بھر کہیں شمشیرِ سرافراز نہ ٹھیری
روکا کئے وہ تفرقہ پرواز نہ ٹھیری
جب ہاتھ اُٹھا چرخ پہ سر چڑھ گیا اُس کا

پیری کبھی گر خوں میں نہا کر نکل آئی
کاٹی جو زرہ موج میں جا کر نکل آئی
کیا ڈر اُسے طوفاں کا جو چالاک ہو ایسا

غصّے میں گئی اور غضبناک پھر آئی
بے خوف سروں سے گئی بیباک پھر آئی
خالق کا غضب خلق میں کہتے ہیں اسی کو

دم بھر نہ ٹھیرتی تھی عجب طرح کا دم تھا
ناگن میں نہ یہ زہر نہ افعی میں یہ سم تھا
دراصل جگر کے سخن کہتے ہیں اکثر

نابیں تھیں کہ دھارا تھا وہ دریائے فنا کا
تشنہ وہ کہ پی جائے لہو اہلِ جفا کا
جوہر میں انا سیف ید اللہ لکھا تھا

مارا تھا ہزاروں کو مگر خوں سے بری تھی
تھی تیغ کہ قبضے میں سلیمانؑ کے پری تھی
جو آگیا سائے میں بدن جل گیا اُس کا

دشمن پہ پڑے جب تو لہو جسم کا گھٹ جائے
دیکھو جو خم اُس کا مہِ نو شرم سے کٹ جائے
یہ سب صفتیں جس میں ہوں وہ سیفِ زباں ہے

تصویر نظر آگئی بجلی کی تڑپ کی
سر اُڑ گئے اور خون کی اک بوند نہ ٹپکی
آبِ دمِ شمشیر نے دم بند کیا تھا

بجلی کی چمک رعد کی آواز نہ ٹھیری
بے صید گئے صورتِ شہباز نہ ٹھیری
پی پی کے لہو اور بھی دم بڑھ گیا اُس کا

ٹھیری کبھی غوطہ کبھی کھا کر نکل آئی
منجدھار سے وہ ہاتھ لگا کر نکل آئی
جب باڑھ پہ دریا ہو تو پیراک ہو ایسا

افلاک پہ چمکی تو سوئے خاک پھر آئی
غل ہوتا تھا بھاگو کہ وہ سفاک پھر آئی
یہ مرگِ مفاجات نہ چھوڑے گی کسی کو

نیزے پہ جسے ناز تھا سر اس کا قلم تھا
یہ فتح کی جویا تھی قد اس واسطے خم تھا
جو صاحبِ جوہر ہیں جھکے رہتے ہیں اکثر

سرکش تھے جو اس فوج ستم گر میں ستم گار
اک وار میں کرتی تھی دو لخت ان کو وہ تلوار
جل جل کے وہ اخگر کی طرح ہوتے تھے فی النار
ترکیب عناصر میں خلل پڑتا تھا ہر بار
دو چار ہوا سامنے جو خیرہ سر آیا
ہر مصرعہ قد اس کا رباعی نظر آیا
غل فوج میں تھا سیل فنا آئی ہے بھاگو
منہ کھولے ہوئے سر پہ بلا آئی ہے بھاگو
جانیں نہیں بچتیں کہ وبا آئی ہے بھاگو
سر اڑتے ہیں جس سے وہ ہوا آئی ہے بھاگو
ان ڈھالوں سے روکو گے کسے ہوش کہاں ہیں
جھونکا کوئی آیا تو یہ سب نخل خزاں ہیں
جلتی تھیں صفیں شعلہ فشانی تھی غضب کی
کٹتے تھے عدو سیف زبانی تھی غضب کی
لوہے سے نہ رکتی تھی روانی تھی غضب کی
آفت تھی قیامت کی نشانی تھی غضب کی
بجلی سی چمکتی تھی تو ہٹ جاتے تھے جبریلؑ
شہپر کو اٹھائے ہوئے تھراتے تھے جبریلؑ
جب کوند کے اٹھتی تھی وہ شمشیر فنا دم
غل ہوتا تھا پریوں میں کہ یا حافظ عالم
فوجیں تھیں بنی جان کی سب درہم و برہم
مضطر تھے فلک کانپتا تھا عرش معظم
جب برق چمکتی تھی سرک جاتے تھے جبریلؑ
یا شیر خدا کہہ کے جھجک جاتے تھے جبریلؑ
لشکر میں یہ تھا شور کہ یا شاہ اماں دو
اب پاؤں ٹھہرتے نہیں للہ اماں دو
بس رحم کرو سید ذی جاہ اماں دو
اب بہر سر خون ید اللہ اماں دو
بخشو ہمیں اس تشنہ دہانی کا تصدق
پیارے علی اکبرؑ کی جوانی کا تصدق
دل تھام کے ہاتھوں سے پکارے شہ والا
کیا نام لیا یہ کہ لگا قلب پہ بھالا
پھر ہو گیا سینے میں کلیجہ تہ و بالا
پہلو تو مرے قتل کا یہ خوب نکالا
اچھا نہیں اب لڑنے کی راضی برضا ہیں
سو سر ہوں تو اکبرؑ کی جوانی پہ فدا ہیں
پھر رو کے یہ فرزند کے لاشے کو پکارے
ہم روکتے ہیں تیغ کو کیا کہتے ہو پیارے
اے شیر جواں باپ کی پیری کے سہارے
یہ دشمن دیں بچ گئے صدقے میں تمہارے
رحم ان پہ کیا گو تجھے غم دیتے ہیں اعدا
اب تیری جوانی کی قسم دیتے ہیں اعدا
تم مر گئے برباد ہے یہ کوشش یہ لڑائی
وہ کیا جیے جب پاس نہ بیٹا ہو نہ بھائی
اس جنگ نے مرنے میں بڑی دیر لگائی
ہو جائے کہیں جلد سر و تن میں جدائی
بس لڑ چکے اب تیغ و سناں کھائیں گے بیٹا
بے جان دیے ہم نہ تمہیں پائیں گے بیٹا

فرما کے یہ شمشیرِ شرر ریز کو روکا
روکا اُسے کیا شعلۂ سر تیز کو روکا
بے کل تھا مگر اسپِ سبک خیز کو روکا
کس پیار سے چمکار کے شبدیز کو روکا
فرمایا کہ اُمت کا بھلا ہوتا ہے گھوڑے
راکب ترا اب تجھ سے جدا ہوتا ہے گھوڑے

شمشیرِ ید اللہ ادھر میان میں آئی
اور جان لعینوں کی اُدھر جان میں آئی
پھر فوج عدو قتل کے میدان میں آئی
فریاد کی زہراؑ کی صدا کان میں آئی
رونے کا اُٹھا شور مدینے کی طرف سے
صاف آئی صدا ہائے حسینا کی نجف سے

واں خیمے سے نکلے حرمِ احمدِ مختار
یاں قبلۂ عالم پہ ہوئی تیروں کی بوچھار
فریاد ہے اک تشنہ دہن لاکھ ستم گار
تلواریں تو سب فوج کی اور ایک تن زار
گھر لُٹتا تھا زہراؑ کا قیامت کی گھڑی تھی
بوچھار نہ تھی تیروں کی ساون کی جھڑی تھی

ٹکڑے ہوا تیغوں سے محمدؐ کا جگر بند
کٹ کٹ کے جدا ہونے لگے بند سے ہر بند
پرزے تھی قبا خون میں ڈوبا تھا کمر بند
ہر زخم کے کوچے تو کھلے امن کے در بند
طاقت جو نہ تھی ضعف سے تھرّاتے تھے شبیرؑ
جب پڑتی تھی تلوار تو جھک جاتے تھے شبیرؑ

جب لگتی تھی برچھی تو یہ فرماتے تھے سرورؑ
زخمی تری چھاتی کے میں صدقے علی اکبرؑ
تلوار سے کٹ جاتا تھا جب بازوئے انور
چلّا کے یہ کہتے تھے کہ ہیہات برادر!
کچھ تیر کے صدمے کو نہ کہہ سکتے تھے شبیرؑ
لاشِ علی اصغرؑ کی طرف تکتے تھے شبیرؑ

تھا عصر کا ہنگام کہ آفت ہوئی برپا
گھوڑے سے گرے شاہؑ قیامت ہوئی برپا
جن و ملک و انس میں رقت ہوئی برپا
دُنیا میں اُسی دن سے مصیبت ہوئی برپا
دب دب کے جو ہچکیاں تنِ شفاف سے نکلے
سر کھول کے پریوں کے پرے قاف سے نکلے

تڑپے جو زمیں پر کئی بار شہِ والا
تھا شور کہ لو ہو گئی دُنیا تہ و بالا
اُٹھتے تھے کہ مارا کسی بے رحم نے بھالا
ختم ہو گیا وہ فاطمہؑ کی گود کا پالا
طاقت یہ کہاں تھی کہ جو اُٹھتے وہ سنبھل کو
غش ہو گئے ریتی پہ لہو منھ سے اُگل کر

خنجر کو اُدھر شمرِ ستم گار نے دیکھا
ڈیوڑھی سے اُدھر زینبؑ ناچار نے دیکھا
فرزند کا منھ حیدرِ کرار نے دیکھا
خیمے کی طرف سیدِ ابرار نے دیکھا
غم تھا نہ کہیں زینبؑ خوش خو نکل آئے
خنجر جو ملا حلق سے آنسو نکل آئے

جب خشک گلے پر ہوئی خنجر کی روانی
دو بار اشارہ کیا حضرتؑ نے کہ پانی
پیاسے ہی سدھارے نہ بجھی تشنہ دہانی
سر کاٹ کے سینے سے اُٹھا ظلم کا بانی
بھائی نے تڑپنا بھی نہ ماں جائی کا دیکھا
نکلی جو بہن نیزے پہ سر بھائی کا دیکھا

ہاں حیدرؓ رو! مرثیہ اب ہوتا ہے آخر
پُرسہ دو کہ ہے فاطمہؑ اس بزم میں حاضر
ہے ہے شہ آوارہ وطن ہائے مسافر
مذبوح تھا تشنہ دہن صابر و شاکر!
زلفیں وہ تری خاک میں سب اٹ گئیں آقا
ہے ہے تری خنجر سے رگیں کٹ گئیں آقا

مولا ترے عمامۂ گلگوں کے تصدق
آقا ترے پیراہن پُر خوں کے تصدق
ان زخموں کے قربان دلِ محزوں کے تصدق
ریتی پہ تڑپتے قدِ موزوں کے تصدق
خنجر کے تلے سجدۂ رب کرنے کے صدقے
سیّد ترے پانی کے طلب کرنے کے صدقے

زخمی ہوئے تلواروں سے ہے ہے ترے پہلو
ہے ہے ستم ایجاد نے پکڑے ترے گیسو
ہے ہے ترے سینے پہ رکھا شمر نے زانو
ہے ہے تری پوشاک بھی سب لے گئے بدخو
کاندھے پہ عبا بر میں قبا رہنے نہ پائی
ہے ہے ترے شانے پہ ردا رہنے نہ پائی

وہ دھوپ وہ اوس آٹھ پہر ہائے حسینا
لی آکے کسی نے نہ خبر ہائے حسینا
نیزے کی انی اور ترا سر ہائے حسینا
کیوں پھٹ نہیں جاتا یہ جگر ہائے حسینا
کچھ فرق نہ اُس نار میں اور نور میں رکھا
ظالم نے سرِ پاک کو تنور میں رکھا

خاموش! نفیس اب کہ جگر چاک ہے غم سے
بہتا ہے لہو اشک کی جا دیدۂ نم سے
کر عرض بصد عجز شہنشاہِ اُمم سے
مولاؐ مجھے محروم نہ رکھ اپنے کرم سے
کب تک غمِ دُنیا میں گرفتار رہوں میں
آقا تو مرے آپ ہیں پھر کس سے کہوں میں

رباعی

جو شے ہے فنا اُسے بقا سمجھا ہے
جو چیز ہے کم اُسے سوا سمجھا ہے
ہے بحرِ جہاں میں عمر مانندِ حباب
غافل! اس زندگی کو کیا سمجھا ہے

مرثیہ ۵

بند ۱۴۲

بخدا فارسِ میدانِ تہوّر تھا حُر
ایک دو لاکھ سواروں میں بہادر تھا حُر
نارِ دوزخ سے ابوذر کی طرح حُر تھا حُر
گوہرِ تاجِ سرِ عرش ہو وہ دُر تھا حُر
ڈھونڈھ لی راہِ خدا کام بھی کیا نیک ہوا
پاک طینت تھی تو انجام بھی کیا نیک ہوا

واہ رے طالعِ بیدار زہے عزّت و جاہ
حُر پہ کیا فضلِ خدا ہو گیا اللہ اللہ
پیشوائی کو گئے آپ شہِ عرش پناہ
خضرِ قسمت نے بتا دی اسے فردوس کی راہ
مدتوں دور رہے جو وہ قریب ایسا ہو
بخت ایسے ہوں اگر ہو تو نصیب ایسا ہو

نار سے نور کی جانب اُسے لائی تقدیر
ابھی ذرہ تھا ابھی ہو گیا خورشیدِ مُنیر
شافعِ حشر نے خوش ہو کے بحل کی تقصیر
تکیۂ زانوئے شبیرؑ بلا وقتِ اخیر
اوج و اقبال و حشم فوجِ خدا میں پایا
جب ہوا خاک تو گھر خاکِ شفا میں پایا

اللہ اللہ حُرِ صفدر و غازی کا نصیب
جانِ محبوبِ الٰہی جسے فرمائے حبیب
ہجر میں لطفِ ملاقات کا دوری میں قریب
وہی کام آتے ہیں محسن کے جو ہوتے ہیں نجیب
صدقے ہو جائیے اے عشقِ دل کہتے ہیں
اس کو دُنیا میں سعیدِ ازلی کہتے ہیں

آیا کس شوق سے کعبے کی طرف چھوڑ کے دیر
کوئی حضرت کا یگانہ بھی نہ سمجھا اُسے غیر
حق نے لکھ دی تھی جو تقدیر میں فردوس کی سیر
فتنہ و شر سے بچا ہو گیا انجام بخیر
ذکرِ خیر اُس کے موئے پر بھی ہوئے جاتے ہیں
عملِ نیک ہر اک وقت میں کام آتے ہیں

کفر کی راہ سے کارہ تھا جو وہ نیک طریق
کس بشاشت سے ہوا رہبرِ ایماں کا رفیق
تھے تو لاکھوں پہ کسی کو بھی ہوئی یہ توفیق
خلق طینت میں ہو جن کے وہی ہوتے ہیں خلیق
اوجِ دیں دار کو بے دیں کو سدا پستی ہے
اصل جب تیغ کی اچھی ہے وہی کستی ہے

کیوں نہ بالیدہ ہو اُس کا چمنِ جاہ و جلال
جس کو سرسبز کرے خود اسد اللہ کا لال
ہو گیا فاطمہؑ کے باغ میں آتے ہی نہال
وہ ثمر پائے کہ پہنچے نہ جہاں دستِ خیال
کھل گیا غنچۂ دل عذر جو منظور ہوئے
صورتِ برگِ خزاں دیدہ گنہ دور ہوئے

حُر کہاں اور کہاں احمدِ مرسل کا خلف
بخت نے دیر سے پہونچا دیا کعبے کی طرف
دل صفا ہو گیا سینے میں تو پائے یہ شرف
جب کہ آنکھیں ہوئیں حق بیں تو ملا دُرِّ نجف
نیک جو امر ہیں دل پر وہی ٹھن جاتے ہیں
جب خدا چاہے تو بگڑے ہوئے بن جاتے ہیں

وصفِ حُر میں ہو زباں معترفِ عجز و قصور
آمد آمد کی بہادر کا سنو اب مذکور
جب ہوئی مستعدِ جنگ سپاہِ مقہور
مہرِ افلاکِ امامت نے کیا رن میں ظہور
غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ زمیں پر بھی ستارے نکلے

کیا کہوں شانِ جوانانِ جنود اللہ اللہ
کوئی ہم خلعتِ خورشید کوئی غیرتِ ماہ
باندھی شیروں نے صفِ جنگ میانِ جنگاہ
چمنِ خلد سے کرنے لگیں حوریں بھی نگاہ
واں لعینوں نے درِ ظلم و ستم کھول دیا
بڑھ کے عباسؑ نے یاں سبز علم کھول دیا

ہو گئے سُرخ شجاعت سے رُخِ آلِ نبیؐ
آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے تشنہ لبی
رن میں کڑکا ہوا بجنے لگے باجے عربی
یکہ تازوں نے کیا شورِ مبارز طلبی
اک گھٹا چھا گئی ڈھالوں سے سیہ کاروں کی
برق ہر صف میں چمکنے لگی تلواروں کی

برچھیاں تول کے ہر غول سے خوں خوار بڑھے
نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اسوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلّوں میں کماں دار بڑھے
بولے شہ یاں سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے
اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں
میں نبی زادہ ہوں سبقت مجھے منظور نہیں

یہ سخن سُن کے مخاطب ہوئے اعدائے امام
اے سپاہِ عرب و روم و رے و کوفہ و شام
تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام
پسرِ مصحفِ ناطق ہوں سنو میرا کلام
سخنِ حق کی طرف کانوں کو مصروف کرو
شور باجوں کا مناسب ہو تو موقوف کرو!

یہ صدا سُنتے ہی خود رک گیا قرنا کا خروش
تھم گیا طبلِ وغا کی بھی وہ آواز کا جوش
ہو گیا جوڑ کے ہاتھوں کو جلاجل خاموش
کیا بجاتے کہ بجا تھے نہ کسی شخص کے ہوش
چھیڑنا اُن کو سرودوں کا بھی ناساز ہوا
رعبِ فرزندِ نبیؐ سرمۂ آواز ہوا

کم ہوا غلغلۂ فوجِ ستم جب یک بار
یوں گہربار ہوئے شہ کے لبِ گوہر بار
صف کشی کس پہ ہے یہ اے سپہِ ناہنجار
قتلِ سادات کی لشکر میں یہ کیسی ہے پکار؟
وطن آواروں پہ یہ قہر ہے کیوں پانی کا
کیا زمانے میں یہی طور ہے مہمانی کا؟

مجھ کو لڑنا نہیں منظور یہ کیا کرتے ہو
تیر جوڑے ہیں جو تم نے تو خطا کرتے ہو
کیوں نبی زادے پہ غربت میں جفا کرتے ہو
دیکھو اچھا نہیں یہ ظلم برا کرتے ہو
شمع ایماں ہوں اگر سر مرا کٹ جائے گا
یہ مرقع ابھی اک دم میں الٹ جائے گا

میں ہوں سردارِ شبابِ چمنِ خلدِ بریں
میں ہوں خالق کی قسم دوشِ محمدؐ کا مکیں
میں ہوں انگشترِ پیغمبرِ خاتمؐ کا نگیں
مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منور ہے زمیں
ابھی نظروں سے نہاں نور جو میرا ہو جائے
محفلِ عالمِ امکاں میں اندھیرا ہو جائے

قلزمِ عز و شرف کا دُرِ شہوار ہوں میں
سب جہاں زیرِ نگیں ہو وہ جہاں دار ہوں میں
آج گو مصلحتاً بیکس و ناچار ہوں میں
وارثِ احمدِ مختار کا مختار ہوں میں
بخدا دولتِ ایماں اسی دربار میں ہے
سب بزرگوں کا تبرک مری سرکار میں ہے

یہ قبا کس کی ہے بتلاؤ یہ کس کی دستار
یہ زرہ کس کی ہے پہنے ہوں جسے میں سینہ فگار
بر میں کس کا ہے یہ چار آئینۂ جوہر دار
کس کا رہوار ہے یہ آج میں جس پر ہوں سوار
کس کا یہ خود ہے یہ تیغِ دو سر کس کی ہے؟
کس جری کی یہ کماں ہے یہ سپر کس کی ہے؟

تنگ آئے گا تو رکنے کا نہیں پھر شبیرؑ
ایک حملے میں فنا ہوں گے یہ دو لاکھ شریر
چل سکیں گے نہ تبر مجھ پہ نہ تلوار نہ تیر
کاٹ جائے گی گلے سب کے یہ براں شمشیر
شیر ہوں لختِ دلِ غالبِ ہر غالب ہوں
میں جگر بندِ علی ابنِ ابی طالب ہوں

مجھ کو ہوتا نہ اگر بخششِ امت کا خیال
روک لیتا مجھے رستے میں یہ حُر کی تھی مجال؟
تھام سکتا تھا لجامِ فرسِ برق مثال
پوچھ لو دیکھا ہے اس نے مرے شیروں کا جلال
گفتگو میں سپر اس کی جو نہ ہم ہو جاتے
ہاتھ اک وار میں پہونچوں سے قلم ہو جاتے

غیظ سے ہاتھ چباتے تھے علیؑ کے دلدار
تیغے تولتے تھے عونؑ و محمدؑ ہر بار
اُگلی پڑتی تھی جگر بندِ حسنؑ کی تلوار
میں نے جب سر کی قسم دی تو رکے وہ جرّار
چلتی تلوار تو جنگل تہ و بالا ہوتا
پھر نہ حُر خلق میں ہوتا نہ رسالا ہوتا

تھا یہ بپھرا ہوا عباسؑ مرا شیر جواں
سینۂ حُر پہ رکھے دیتا تھا نیزے کی سناں
میں یہ کرتا تھا اشارہ کہ نہ لے بھائی جاں
رحم لازم ہے ہمیں ہم ہیں امامِ دو جہاں
کچھ تردد نہیں سر تن سے اتارا جائے
کوئی بندہ نہ مرے ہاتھ سے مارا جائے

گرچہ یہ امر نہیں اہلِ سخا کے شایاں
پوچھ لو حُر تو ہے موجود عیاں را چہ بیاں
شور تھا آج چلیں جسم سے جانیں سب کی
زیست ہر شے کی ہے پانی سے شجر ہو کہ بشر
میں نے عباسؑ دلاور سے کہا گھبرا کر
کرم ساقیِ کوثر کو دکھا دو بھائی
رہ نہ جائے کوئی گھوڑا کوئی ناقہ بے آب
سقے مشکیزوں کے مُنھ کھول کے آپہنچے شتاب
چین آیا نہ مجھے بے انہیں آرام دیے
تھی یہی فصل یہی دھوپ یہی گرم ہوا
تشنہ کاموں کا یہ مجمع تھا کہ ملتی نہ تھی جا
بھائیو آؤ جو پانی کی طلب گاری ہے
آبِ شیریں کا جو دریا ہوا جنگل میں رواں
شُکر کرنے لگے تر ہو گئی ہر خشک زباں
شور تھا ابنِ یداللہ نے جاں بخشی کی
ایک دن وہ تھا اور اک دن یہ ہے اللہ اللہ
چشمِ اُمید ہو کیا سب نے پھرا لی ہے نگاہ
ہر مسلماں پہ نبی زادے کا حق ہوتا ہے
کئی طفل ان میں ہیں کم سن کہ موئے جاتے ہیں
پانی پانی جو وہ کرتے ہیں تو شرماتے ہیں
سچ ہے غربت کی عجب شام و سحر ہوتی ہے
شہ کی مظلومی پہ گریاں ہوئی ظالم کی سپاہ
بولا وہ اشہد باللہ بجا کہتے ہیں شاہ
ان کے احسان کا کیوں کر کوئی منکر ہو جائے

کہ کسی شخص کو کچھ دے کے کرے سب پہ عیاں
اسی جنگل میں مع فوج تھا یہ تشنہ دہاں
مُنھ کے باہر نکل آئی تھیں زبانیں سب کی
مجھ سے دیکھا نہ گیا میں تو سخی کا ہوں پسر
مشکوں والے ہیں کہاں اونٹ ہیں پانی کے کدھر
جتنا پانی ہے وہ پیاسوں کو پلا دو بھائی
تھا جو اک جام کا پیاسا اُسے دو جام دیے
ٹھنڈے پانی پہ گرے پڑتے تھے حُر کے رفقا
سقے بھر بھر کے کٹوروں کو یہ دیتے تھے صدا
چشمۂ فیضِ حسینؑ ابنِ علیؑ جاری ہے
فرس و اشتر و قاطر نہ رہے تشنہ دہاں
پانی پی پی کے دعائیں مجھے دیتے تھے جواں
دین و دُنیا کے شہنشاہ نے جاں بخشی کی
کہ اسی طرح ہمیں پیاس میں پانی کہ پلاؤ
کوئی اک جام بھی بھر کر ہمیں دیتا نہیں آہ
بچے روتے ہیں تو سینہ مرا شق ہوتا ہے
دم اکھڑتا ہے مرا جب انھیں غش آتے ہیں
پاس دریا ہے پہ اک بوند نہیں پاتے ہیں
تیسرا دن ہے کہ فاقوں میں بسر ہوتی ہے
عمرِ سعد نے کی پھر کے رُخِ حُر پہ نگاہ
محسن و منعم و آقا ہے مرا یہ ذی جاہ
مُنعمِ حق میں جو شک لائے وہ کافر ہو جائے

ایک میں کیا ہوں زمانے پہ ہے احسان ان کا
ابر رحمت ہیں خطا پوش ہے داماں ان کا
خشک و تر پر ہے کرم خلق میں یکساں ان کا
ہے خوشا حال جو غربت میں ہو مہماں ان کا
جنتی ہے جسے حاصل یہ شرف ہوئے گا
جو اُدھر ہوگا خدا اُس کی طرف ہوئے گا

یہ ابھی ہاتھ اُٹھا کر جو دعا فرمائیں
جتنے عالم کے گنہگار ہیں بخشے جائیں
حق سے جس شے کے طلبگار ہوں فوراً پائیں
جام کوثر ہمیں فردوس سے حوریں لائیں
مثل خورشید ہے روشن وہ شرف ان کا ہے
یہ وہ بندے ہیں کہ اللہ پہ حق جن کا ہے

ان سے قطرہ کوئی مانگے تو گہر دیتے ہیں
ہیں سخی ابن سخی بات پہ سر دیتے ہیں
پیٹ سائل کا یہ فاقوں میں بھی بھر دیتے ہیں
یاں تو زر دیتے ہیں فردوس میں گھر دیتے ہیں
آس مجرم کی گنہگار کی اُمید ہیں یہ
ذرہ پرور جنھیں کہتے ہیں وہ خورشید ہیں یہ

حُر سے گھبرا کے یہ بولا عمر سعد شریر
یہ تو ہے صاف طرفداری شہ کی تقریر
اپنے حاکم کا نہ کچھ ذکر نہ تعریف امیر
اللہ اللہ یہ اوصاف یہ مدح شبیرؑ
سُن چکا ہوں کہ تو مضطر ہے کئی راتوں سے
اُلفت شاہ ٹپکتی ہے تری باتوں سے

نہ وہ آنکھیں نہ وہ تیور نہ وہ چتون نہ مزاج
سیدھی باتوں میں بگڑنا یہ نیا طور ہے آج
تخت بخشا ہے محمدؐ کے نواسے نے کہ تاج
جن کو سمجھا ہے غنی دل میں وہ خود ہیں محتاج
کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے
کہیں کوثر کے تو چھینٹوں میں نہیں آیا ہے

کیا کسی حور کا دکھلا دیا حضرتؐ نے جمال
مل گیا سایۂ طوبیٰ کہ جو ایسا ہے نہال
قصر یاقوت میں پہونچا جو ترا رنگ ہے لال
کون سے میوۂ شیریں پہ ٹپکتی ہے رال
دفعتاً حق نمک کو بھی فراموش کیا
کیا تجھے بادۂ تسنیم نے بے ہوش کیا

میں جہاں دیدہ ہوں سب مجھ کو خبر ہے تیری
قرۃ العین محمدؐ پہ نظر ہے تیری
ہونٹ بھی خشک ہیں اور چشم بھی تر ہے تیری
جسم خالی ہے ادھر جان ادھر ہے تیری
راہ میں کچھ جو سلوک اور نوازش کی ہے
تو نے فرزند ید اللہ سے سازش کی ہے

خیر مخفی نہ رہے گا یہ قصور اور فتور
لکھیں گے عہدۂ اخبار پہ جو ہیں مامور
حاکم شام ہے جابر وہ سزا دے گا ضرور
گر تجھے دار پہ کھینچے تو کچھ اس سے نہیں دور
سب تری قوم کے سر تن سے جدا ہوئیں گے
زن و فرزند گرفتار بلا ہوئیں گے

نفع اس امر میں کیا جس میں ہو مردم کا ضرر
آنکھیں نکلیں گی محبت سے جو دیکھے گا ادھر
خنجرِ قامتِ سرورؐ پہ جو ڈالے گا نظر
سر چڑھے گا ترا برچھی پہ یہ ہو اس کا ثمر
اُلفتِ زلف سے بھی پیچ میں تو آئے گا
خالِ رُخ دیکھا تو گھر خال سے لگ جائے گا

بدرِ پیشانیٔ سرورؐ کا ہے جو سر میں خیال
تو اسی ماہ میں نقصان ترا ہوئے گا کمال
سب میں ہو جائے گا انگشت نما شکلِ ہلال
تیر و شمشیر ہے ابرو کی محبت کا مآل
عشق رخسار میں رتبہ ترا گھٹ جائے گا
مُنھ پہ کہتا ہوں کہ چہرہ ترا کٹ جائے گا

خوف کس بات کا پیاسوں سے یہ تھرّانا کیا
لب پہ ہر مرتبہ بیکس کی ثنا لانا کیا
ننگ کی بات ہے دشمن کی طرف جانا کیا
ہو نبیؐ یا کہ وصیؐ جنگ میں شرمانا کیا
ابھی لے جائیں جو شبیرؑ کا سر ہاتھ لگے
خلد ہم اس کو سمجھتے ہیں کہ زر ہاتھ لگے

حُر پکارا کہ زباں بند کر او ناہموار!
قابلِ لعن ہے تو اور وہ تیرا سردار!
ابنِ زہراؑ ہے جگر بندِ رسولِ مختار
میرا کیا مُنھ جو کروں مدح امامِ ابرار
اک زمانہ صفتِ آلِ عبا کرتا ہے
آپ قرآں میں خدا ان کی ثنا کرتا ہے

وصف ایسوں کا زباں پر کوئی کیوں کر لائے
تین سو آیے ہوں تعریف میں جن کی آئے
کس انساں نے یہ دنیا میں ہیں رتبے پائے
اپنا محبوب و ولی جس کو خدا فرمائے
الفتِ آلِ نبیؐ میری خوش اقبالی ہے
ننگ ہے اُن کی محبت سے جو دل خالی ہے

اسفلوں سے ہے محبت تجھے اے سفلہ مزاج
خاک پا اُس کا ہوں میں ہو جو سرِ عرش کا تاج
جس کو کاندھے پہ محمدؐ کے ملی ہے معراج
میرے آقا سا سخی کون ہے کونین میں آج
کیوں ترے سامنے مُکروں کہ نہیں بخشا ہے
ہاں مجھے شاہ نے فردوس بریں بخشا ہے

باغ جو مجھ کو دکھایا اُسے کیا جانے گا تو
راحتِ روح ہے جس باغ کے ہر پھول کی بو
مجھ کو اللہ نے بخشیں ہیں وہ حوریں خوش رو
کہ جنھیں تیرے فرشتوں نے نہ دیکھا ہو کبھو
نام کوثر کا نہ لے تو مجھے جوش آتا ہے
اُنھیں چھینٹوں سے تو بے ہوش کو ہوش آتا ہے

عزتِ دین شرفِ کون و مکاں ہیں شبیرؑ
جانِ زہراؑ کی محمدؐ کی زباں ہیں شبیرؑ
سنگ پانی ہو وہ اعجاز بیاں ہیں شبیرؑ
جان کیوں ہو نہ ادھر جانِ جہاں ہیں شبیرؑ
مہرباں ہوں تو ابھی عقدہ کشائی ہووے
وہ نہ بخشیں تو خدا تک نہ رسائی ہووے

کیا میں اور کیا وہ ریاست مری کیا میرا عیال
واں کی املاک زراعت کا ہو کیا مجھ کو خیال
گھر کا اب دھیان نہ بچوں کا الم ہے مجھ کو
دولتِ حاکمِ دوں پر ہے ترا دار و مدار
کیا مجھے دار پہ کھینچے گا وہ ظالم غدار
کسی سردار نے یہ اوج نہ پایا ہوگا
ہے سرافراز سدا عاشقِ پیشانیٔ شاہ
عشق آنکھوں کا ہے مردم کے لئے نورِ نگاہ
عاشقِ لب کو خدا لعل و گہر دیتا ہے
خالِ رخسار نہیں گو ہے سعادت ہے یہ
ہوں جو آشفتۂ گیسو تو عبادت ہے یہ
شبِ معراجِ رسولِ دوجہاں سمجھا ہوں
وصفِ دنداں میں ہے جس کی زباں گوہر بار
شوق میں سیبِ ذقن کے جسے آئے نہ قرار
دم بدم چاہنے والوں کے لہو گھٹتے ہیں
صدقے اس سینے پہ ہیں عاشقِ صافی سینہ
حق نما ہے تو جہاں میں ہے یہی آئینہ
فیض پاتا ہے وہ جس دل میں ولا ہوتی ہے
پاؤں یہ وہ ہیں کہ ان پاؤں کو جو ہاتھ لگائے
گردِ نعلینِ مبارک جو اثر اپنا دکھلائے
صدقے کر دیں گے سر ان پاؤں پہ ہم ایسے ہیں
عمل خیر سے بیگانہ مجھے او لعیں
کیا مجھے دے گا ترا حاکمِ ملعون و حسیں
ہاں سوئے ابنِ شہنشاہِ عرب جاتا ہوں

جب کہ آفت میں پھنسی احمدِ مختار کی آل
یاں ہوئی جاتی ہے سادات کی کھیتی پامال
خانہ بربادیٔ شبیر کا غم ہے مجھ کو
دارِ دنیا سے تعلق نہیں رکھتے دیندار
خوابِ غفلت ہے اُسے میرا ہے طالع بیدار
دارِ طوبیٰ کا مرے فرق پہ سایا ہوگا
سجدے کیجے کہ ہے بیت ابروؤں کی بیت اللہ
ہے وہ یوسف جسے ہو مصحفِ رخسار کی چاہ
وہ دہن چشمۂ کوثر کی خبر دیتا ہے
مجھ سے مجرم کے لئے مہرِ شفاعت ہے یہ
بخدا سلسلۂ بخششِ امت ہے یہ
اُس کے ہر تار کو میں رشتۂ جاں سمجھا ہوں
موتیوں سے دہن اُس شخص کا بھر دے غفار
حوریں غرفے سے دکھائیں اُسے رنگِ رخسار
یہ گلا وہ ہے گلے جس کے لئے کٹتے ہیں
خاک اُس دل پہ جو اس سینے سے رکھے کینہ
اُس کا عاشق ہو تو ہوں کور کی آنکھیں بینا
چشم کو ان کی زیارت سے جلا ہوتی ہے
تو سرِ دستِ سرافرازیٔ کونین وہ پائے
توتیا ہوئے خجل کحل جواہر شرمائے
دوشِ احمد پہ رہے جو یہ قدم ایسے ہیں
یہی کونین کا مالک ہے یہی راس و رئیس
کچھ تردد نہیں کہہ دے کہ مجھے پرچہ نویس
لے ستمگر جو نہ جاتا تھا تو اب جاتا ہوں

کہہ کے یہ ڈاب سے غازی نے نکالی تلوار
تن کے دیکھا طرفِ فوجِ امامؑ ابرار
غُل ہوا سیّدِ والا کا ولی جاتا ہے
حُر نے نعرہ کیا یا حیدرؑ صفدر مدد دے
زوجِ زہراؑ مدد دے نفسِ پیمبرؐ مدد دے
تو تنہا ہے غلام اور بہت اظلم ہیں
مل گئی راہِ خدا واہ رے اقبال ترا
جرم ماضی ہوئے سب عفو خوشا حال ترا
مرد ہے جس کی یہ ہمت پہ ارادہ ہوئے
منتظر ہیں ترے سب فوجِ حسینی کے جواں
راہ تکتی ہیں تری دیر سے حورانِ جناں
فوجِ قدسی تری ہمت کی ثنا کرتی ہے
تو بہشتی ہے یہ کافر ہیں کنشتی اے حُر
دیکھ اب صورتِ حورانِ بہشتی اے حُر
غضب اللہ کا شبیرؑ کی ناراضی ہے
اور بالیدہ ہوا سُن کے یہ مژدہ جری
اب تو اس فوج میں اک دم کی بھی تعویق ہے جبر
ہاں اُٹھا باگ جو شیدائے شہِ عالی ہے
سُن کے یہ باگ جو لی اسپ سبک تاز اُڑا
کیا اُڑا رخش کہ طاؤس بصد ناز اُڑا
باغِ زہراؑ میں نسیمِ سحری جاتی ہے
کیا دو تین رسالوں نے تعاقب ہر چند
کہتے تھے شرم سے وہ لے کے جو دوڑے تھے کمند
کیا بہک سوئے چمن بادِ بہاری پہونچی

سُرخ آنکھیں ہوئیں ابرو پہ بل آئے اک بار
پاؤں رکھنے لگا تن تن کے زمیں پر رہوار
لو طرفدارِ حسینؑ ابنِ علیؑ جاتا ہے
وقتِ امداد ہے یا فاتحِ خیبر مدد دے
بندۂ آل ہوں یا خواجۂ قنبر مدد دے
آئی آواز کہ اے حُر ترے حامی ہم ہیں
پاک عصیاں سے ہوا نامۂ اعمال ترا
جلد جا جلد کہ شائق ہے مرا لال ترا
ہاں برادر تری توفیق زیادہ ہوئے
در فردوس پہ مشتاق کھڑا ہے رضواں
شور کوثر پہ ہے شبیرؑ کا مہماں ہے کہاں
فاطمہؑ آج ترے حق میں دعا کرتی ہے
مٹ گئی سب ترے اعمال کی زشتی اے حُر
کس تلاطم میں بچی ہے تری کشتی اے حُر
پنجتنؑ تجھ سے ہیں راضی تو خدا راضی ہے
دلِ بیتاب پکارا کہ نہیں طاقتِ صبر
قعرِ دوزخ ہے مسلماں کے لئے صحبتِ گبر
فوجِ اللہ و نبیؐ میں تری جا خالی ہے
ڈر سے رنگِ عمرِ شعبدہ پرواز اُڑا
دی پرندوں نے یہ آواز کہ شہباز اُڑا
غُل تھا دربارِ سلیماںؑ میں پری جاتی ہے
حُر کا ہاتھ آنا تو کیسا نہ ملی گردِ سمند
یہ چھلاوہ تھا کہ آندھی یہ فرس تھا کہ پرند
ہم یہیں رہ گئے واں حُر کی سواری پہونچی

یاں ہوئے علمِ امامت سے شہِ دیں آگاہ
ہنس کے عباس سے فرمایا کہ اے غیرتِ ماہ
میرے لشکر کی طرف ہے رُخِ حُرِّ ذی جاہ
سب سے کہہ دو کہ نہ روکے کوئی اس شخص کی راہ
میرا مہماں مرا عاشق مرے پاس آتا ہے
جا کے لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے

ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اک بار
الغیاث اے جگر و جانِ رسولِ مختار
مجرم ایسا ہوں کہ عصیاں کا نہیں جس کے شمار
عفو کر عفو کر اے چشمۂ فیضِ غفّار
پار دریائے خطا سے مری کشتی ہو جائے
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہو جائے

کئی روزوں سے تلاطم میں ہوں اے شاہنشاہ
مدد اے نوحِ غریباں مرا بیڑہ ہے تباہ
دست و پا گم ہیں کچھ ایسے کہ نہیں سوجھتی راہ
شور کرتا ہوں کہ بتلائے کوئی جائے پناہ
ابرِ رحمت کی طرف جا یہ صدا دیتے ہیں
سب ترے دامنِ دولت کا پتا دیتے ہیں

ترے دامن کے نثار اے مرے آقائے جلیل
رحم کر رحم کہ شرمندہ ہے یہ عبدِ ذلیل
دل خنک ہوئے جو نکلے کوئی کوثر کی سبیل
جان آ جائے جو مولائے دو عالم ہوں کفیل
نہ وزیروں میں یہ ہمت نہ شہنشاہ میں ہے
سب مرے درد کا درماں تری درگاہ میں ہے

خلق میں آپ کے والد کے کرم ہیں مشہور
بات میں بخش دیے سیکڑوں بندوں کے قصور
مجھ سے ہیں باگ پکڑ لینے پہ آزردہ حضور
بخش دیجے تو کرم سے نہیں کچھ آپ کے دور
یہ تو کیوں کر کہوں میں لائقِ تعزیر نہیں
مگر اس سے زیادہ مری تقصیر نہیں

اے مددگار و معین الضعفا ادرکنی!
اے خبرگیرِ گروہِ غربا ادرکنی!
پاؤں لغزش میں ہیں لے دستِ خدا ادرکنی
ہاتھ باندھے ہوں میں اے عقدہ کشا ادرکنی
دیکھیے حُر کو سند نار سے آزادی کی
آئیے جلد خبر لیجیے فریادی کی

میرے اعمال میں ہر چند سراسر ہے بدی
ہوں گنہ گارِ خدائے ازل و ابدی
آپ ہیں مالکِ سرکارِ جنابِ احدی
اے خداوندِ جہاں خذ بیدی خذ بیدی
جو تہی دست ہیں تکتے ہیں شہنشاہ کا ہاتھ
آپ کا ہاتھ زمانے میں ہے اللہ کا ہاتھ

ایک یہ خستہ تن اور درپئے جاں لاکھ حریف
اے سلیماں کہیں پامال نہ ہو مورِ ضعیف
چھوڑ کر آپ کی سرکار کہاں جائے نحیف
کیجیے اب نظرِ لطف کہ ہوتا ہے خفیف
ہوں سرفراز جو اتنا ہی کرم ہو جائے
نام قنبر کے غلاموں میں رقم ہو جائے

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو با دیدۂ نم
جوش میں آ گیا اللہ کا دریائے کرم
خود بڑھا ہاتھوں کو پھیلا کے شہنشاہِ اُمم
حُر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اُس دم
شکر کر سبطِ رسولِ ثقلین آتے ہیں
لے بہادر ترے لینے کو حسینؑ آتے ہیں

حُر نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شبیرؑ
دوڑ کر چوم لئے پائے شہِ عرش سریر
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے باتوقیر
میں نے بخشی ترے اللہ نے بخشی تقصیر
میں رضامند ہوں کس واسطے مضطر ہے تو
مجھ کو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

کس لیے یوں باندھے ہے ہاتھوں کو یہ کیا ہو خجل
سہل کر دیں اُسے گر اور کوئی ہو مشکل
بھائی آ مجھ سے بغل گیر تو ہو کھول کے دل
غافر و راحم و تواب ہے ربِ عادل
جرم سب محو کئے حق نے ترے دفتر سے
آج پیدا ہوا گویا شکمِ مادر سے

حُر پکارا بابی انت و امی یا شاہ
قابلِ عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن میں مل جائے یہ راہ
سب ہے صدقہ انھیں قدموں کا خدا ہے آگاہ
پھر ذرہ پہ جو ہو نیرِ تاباں ہو جائے
آپ جس مور کو چاہیں وہ سلیمانؑ ہو جائے

کون مقدادؓ تھے سلمانؓ و اباذرؓ تھے کون
آپ فرمائیں کہ عمارؓ دلاور تھے کون
شور عالم میں جو ہے مالکِ اشترؓ تھے کون
اے خداوندِ جہاں حضرت قنبرؓ تھے کون
انھیں قدموں کا تصدق تھا کہ ممتاز ہوئے
اسی سرکار کے خلعت سے سرافراز ہوئے

شہ نے فرمایا کہ خالق کی عنایت ہے یہ سب
ہے کسی شخص کو بندے میں یہ مقدور ہے کب
اس مسبب کی عنایت کے یہ سارے ہیں سبب
وہی منعم وہی محسن وہی رازق وہی رب
اپنے کیسے سے نہ دام اور درم دیتے ہیں
جب وہ خالق ہمیں دیتا ہے تو ہم دیتے ہیں

لاکھ ہاتھ اس کے ہیں دینے کو وہ ایسا ہے جواد
ہم اُسے بھولیں تو بھولیں اُسے ہر وقت ہے یاد
رزق وہ حوصلۂ حرص سے دیتا ہے زیاد
شکر معبود کا اس پر بھی نہیں کرتے عباد
وہ غنی ہے کہ ہے محتاج زمانا اُس کا
کبھی خالی نہیں ہوتا ہے خزانہ اُس کا

جس قدر اس سے طلب کیجئے خوشنود ہو وہ
صاحبِ جود ہے وہاب ہے محمود ہے وہ
ہاتھ پھیلائے جو سو بار تو موجود ہے وہ
بخشش دیتا ہے کہ ہم عبد ہیں معبود ہے وہ
پرورش جرم پہ بھی صبح و مسا ہوتی ہے
یاں سے ہوتی ہے خطا واں سے عطا ہوتی ہے

کہہ کے یہ ساتھ لئے حُر کو چلے شاہِ اُمم
ہاتھ میں ہاتھ تھا مہماں کا اللہ رے کرم
راس و چپ قاسمؑ و اکبرؑ تھے زہے شان و حشم
سر پہ کھولے ہوئے تھے حضرتِ عباسؑ علم
دُور سے اہلِ خطا تیر جو برساتے تھے
رفقا سائے میں ڈھالوں کے لئے آتے تھے

لائے اس عزت و حرمت سے جو مہماں کو امام
بولے عباسؑ کمر کھول اب اے نیک انجام
شہؑ نے فرمایا مناسب ہے کوئی دم آرام
عرض کی حُر نے کمر خلد میں کھولے گا غلام
فاتحہ پڑھ کے یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی اُمنگ
ایک ہی وار میں دونوں کو کروں گا چورنگ
لشکرِ شام سے پیہم چلے آتے ہیں خدنگ
شاہزادوں کی سپر ہوں کہ عبادت ہو جنگ
لیکن ایسا نہ ہو بچہ کوئی بے جاں ہو جائے
پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قرباں ہو جائے

شہؑ نے فرمایا کہ دشوار ہے فرقت تیری
مجھ کو مر کر بھی نہ بھولے گی محبت تیری
وا دریغا ہوئی کچھ ہم سے نہ خدمت تیری
خیر فردوس میں ہو جائے گی دعوت تیری
آج رتبہ ترا خیلِ شہدا میں ہوگا
شب کو تو صحبتِ محبوبِ خدا میں ہوگا

تجھ پہ مخفی نہیں مختصر ہے جو کچھ ہے مرا حال
راہیں ہر سمت کی روکے ہوئے ہیں اہلِ ضلال
قحط پانی کا ہے اس دشت میں گندم کا ہے کال
نانِ جو کا بھی ہے ملنا کسی قریہ میں محال
سب کو ایذا عوضِ آب و غذا ملتی ہے
دودھ اصغرؑ کو نہ عابدؑ کو دوا ملتی ہے

حُر نے رو کر سرِ تسلیم جھکایا بہ ادب
شہؑ نے رومال رکھا آنکھوں پہ رونے لگے سب
جب چڑھا گھوڑے پہ وہ عاشقِ سلطانِ عرب
شاہؑ بولے کہ عجب دوست چھٹا ہائے غضب
دم بدم یاں سے جو آواز بکا جاتی تھی
گریۂ آلِ محمدؐ کی صدا آتی تھی

حُر چلا فوجِ مخالف پہ اُڑا کر توسن
چوکڑی بھول گئے جس کے تگاپو سے ہرن
وہ جلال اور وہ شوکت وہ غضب کی چتون
ہاتھ میں تیغ سپر دوش پہ بر میں جوشن
دوسرے دوش پہ شملے کے جو بل کھاتے تھے
کاکلِ حور کے سب پیچ کھلے جاتے تھے

زورِ بازو کا نمایاں تھا بھرے شانوں سے
دستِ فولاد دبا جاتا تھا دستانوں سے
برچھیوں اُڑتا تھا دب کے فرس رانوں سے
آنکھ لڑ جاتی تھی دریا کے نگہبانوں سے
خود روشنی کی جو ضو تا بہ فلک جاتی تھی
چشمِ خورشید میں بجلی سی چمک جاتی تھی

نیزۂ حُر کی سناں پر نہ ٹھہرتی تھی نگاہ
تھا یہ ظاہر کہ نکالے ہے زباں مارِ سیاہ
قبضۂ تیغ پہ رکھے تھی سرِ عجز پناہ
آفتابی وہ سپر جس سے خجل گردِ ماہ
قدر اندازوں کے جانوں کے اُدھر لالے تھے
تیر ترکش میں نہ تھے آگ کے پرکالے تھے

مطلع دوم

رن میں جب شہ کی طرف سے حُر دیں دار آیا
کس بشاشت سے اُڑاتا ہوا رہوار آیا
غل ہوا سیدِ مظلوم کا غم خوار آیا
جاں نثارِ خلفِ حیدرِ کرار آیا
طبقِ نور سرِ راہ نظر آتا ہے
جلوۂ قدرتِ اللہ نظر آتا ہے

آنے جانے کا بہادر کے کروں کیا مذکور
پہلے کچھ اور ہی جلوہ تھا پر اب اور ظہور
اے خوشا رتبۂ فیضِ قدمِ پاکِ حضور
غل تھا آتا ہے ملک پہنے ہوئے خلعتِ نور
صحبتِ اہلِ وِلا دل کو جلا کرتی ہے
مس کو اک آن میں اکسیر طلا کرتی ہے

واہ کیا فیض ہے سرکارِ شہِ عالم میں
ذرۂ خاک کو خورشید کیا اک دم میں
نور یہ حور میں دیکھا نہ بنی آدم میں
یہ وہی حُر جری ہے جو ابھی تھا ہم میں
تن ہے خوشبو رخِ گل رنگ تر و تازہ ہے
خاکِ نعلینِ مبارک کی عجب غازہ ہے

مہر ذرہ ہے جہاں چہرۂ روشن ایسا
چاندنی جس سے کرے کسبِ ضیا تن ایسا
حرز ہو بازوئے داؤدؑ کا جوشن ایسا
ہوش پریوں کے اُڑے جاتے ہیں توسن ایسا
گلشنِ دہر میں لو بادِ بہاری آئی
قاف میں غُل ہے سلیماںؑ کی سواری آئی

حُر پکارا کہ بجا کہتے ہو لاشک لاریب
دامنِ حضرتِ شبیرؑ نے ڈھانپے مرے عیب
دولتِ دیں سے نہ دامن مرا خالی ہو نہ جیب
بارک اللہ کی دیتا ہے صدا ہاتفِ غیب
فیض پاکر پئے شمشیر زنی آیا ہوں
یاں سے محتاج گیا واں سے غنی آیا ہوں

مجھ کو خورشید کیا نورِ خدا کی ضو نے
نور بخشا پسرِ فاطمہؑ کے پرتو نے
بخت پائے ہیں سکندر کے غلام نو نے
گنج وہ لایا ہوں دیکھا جو نہ تھا خسرو نے
دور دور آج سے میرا ہے زمانہ میرا
کبھی خالی نہیں ہونے کا خزانہ میرا

رخِ روشن کو مرے تکتے ہو کیا حسرت سے
مل کے آیا ہوں مُنھ اپنا قدمِ حضرت سے
نور وہ ہے جسے دیکھیں نظرِ رغبت سے
وائے وہ لوگ جو محروم ہیں اس دولت سے
مجھ کو بھی دیکھ کے بیدار نہیں ہوتے ہو
ہے غضب آنکھیں تو کھولے ہو مگر سوتے ہو

جانِ سلطانِ رسالت کو غنیمت جانو
پسرِ شاہِ ولایت کو غنیمت جانو
نورِ خالق کی زیارت کو غنیمت جانو
نیرِ برجِ امامت کو غنیمت جانو
ساتھ اس کے برکت خلق سے اُٹھ جائے گی
پھر جو ڈھونڈھو گے یہ دولت تو نہ ہاتھ آئے گی

ایک سید کے مٹا دینے میں ہے کون سا نام
اُس ہوا پر ہو کہ بجھ جائے چراغِ اسلام
گر ہو دانا تو کہو بد ہے کہ ہے نیک کلام
خوشنما کب ہے وہ تسبیح نہ ہو جس میں امام
شکر احسانِ جنابِ احدی کرتے ہیں
پیشوا سے کہیں پیرو بھی بدی کرتے ہیں

یہ سخن سُن کے پکارا پسرِ سعد شریر
ہاں طرف دارِ شہِ دیں پہ چلیں نیزہ و تیر
لئے حربوں کو بڑھا فوج کا انبوہِ کثیر
فاتحہ پڑھ کے جواں مرد نے کھینچی شمشیر
حُر کا مُنھ سُرخ ہوا فوجِ ستم زرد ہوئی
شعلۂ تیغ سے بجلی کی چمک گرد ہوئی

رعد تھرّا گیا نعرے جو سُنے ضیغم کے
استخواں کانپ گئے زیرِ زمیں رستم کے
تہ و بالا ہوئیں لشکر کی صفیں جم جم کے
برقِ شمشیر سے ڈر ڈر کے فرس بھی چمکے
نوبتِ جنگ نہ آئی تھی کہ دل ٹوٹ گئے
بیرقیں گر گئیں ہاتھوں سے نشاں چھوٹ گئے

چھیڑ کر باگ فرس کو جو ذرا گرمایا
غیظ میں آن کے گھوڑا بھی غضب کھا لایا
شیر سا فوجِ مخالف پہ جھپٹ کر آیا
روند ڈالا اسے دم میں جسے سرکش پایا
اس کا قاتل تھا جو دشمن شہِ عالم کا تھا
کاٹ ہر نعل میں شمشیرِ ہلال کا تھا

حشر برپا تھا کہ تیغِ حُرِ ذی جاہ چلی
آگ برسانے کو بجلی سوئے جنگاہ چلی
کس کرشمے سے وہ لیلئے ظفر راہ چلی
گہ بڑھی گاہ پھری گاہ تھمی گاہ چلی
زخم سینوں کے گریباں کی طرح پھٹتے تھے
چال کیا تھی کہ ہزاروں کے گلے کٹتے تھے

کیں صفیں صاف مگر مُنھ کی صفائی نہ گئی
کج ادائی کو نہ چھوڑا وہ لڑائی نہ گئی
کاٹ چھانٹ اور وہ لگاوٹ وہ کھائی نہ گئی
سیکڑوں خون کئے اور کہیں آئی نہ گئی
شور تھا برق نئے جلوہ گری نکلی ہے
جان لینے کو اجل بن کے پری نکلی ہے

جس طرف دیدۂ جوہر سے نظر کرتی ہے
پل نہ گزرے کہ صفیں زیر و زبر کرتی ہے
چشم ہر چند کہ تُتلی کو سپر کرتی ہے
ہے وہ طرار کہ آنکھوں میں یہ گھر کرتی ہے
اس کے افسوں سے جو ساحر ہو وہ چل جاتا ہے
سحر پریوں کا اسی طرح سے چل جاتا ہے

پھونکے بجلی کو یہ اُس آگ کی ہے پرکالا
کاٹ جائے تو کبھی لہر نہ لے پھر کالا
برچھیاں چل گئیں اُس پر جسے دیکھا بھالا
آگیا دام میں جس شخص پہ ڈورا ڈالا
اُس کے پانی میں کفِ مارِ سیہ گھولا ہے
باڑھ ہے یا ملک الموت نے مُنھ کھولا ہے

آئی جس غول پہ لاشوں سے زمیں پاٹ گئی
ہاتھ مُنھ صدر و کمر گردن و سر کاٹ گئی
چاٹ ایسی تھی لہو کی کہ صفیں چاٹ گئی
دیکھیں تیغوں کی جدھر باڑھ اسی گھاٹ گئی
جس پہ جاتی تھی نہ بے جان لئے پھرتی تھی
ایک بجلی تھی مگر لاکھ جگہ گرتی تھی

گُل نئے پھولے جو برچھی پہ لگا پھل اُس کا
زور دکھلاتا تھا ہر ضرب میں کس بل اُس کا
ڈھیر تھا خاک پہ کاٹا ہوا جنگل اس کا
جو بڑھا جنگ میں قصہ ہوا فیصل اُس کا
شور تھا دیکھئے کیوں کر یہ بلا ٹلتی ہے
اس قدر جلد تو سیفی بھی نہیں چلتی ہے

جنگ میں تیغ کو دعویٰ تھا کہ یکتا ہوں میں
سر اُٹھایا تھا یہ گھوڑے نے کہ عنقا ہوں میں
چرخ کہتا تھا کہ یارب تہ و بالا ہوں میں
برق کہتی تھی کہ تلوار ہے یہ یا ہوں میں
کس میں ہے یہ جو تڑپنے پہ فلک میری ہے
تیغ کرتی تھی اشارہ یہ چمک میری ہے

نہ تھمی سنگ سے وہ اور نہ رُکی آہن سے
ہاتھ اُڑا دیتی تھی پہونچوں سے تو سر گردن سے
نہ اٹھی اس کی کڑی ضرب کسی جوشن سے
چل گئی بادِ مخالف جدھر آئی سن سے
جوشِ طوفاں کا دکھا کر وہ خوش اسلوب گئی
خوں کے دریا میں ہر اک کشتیٔ تن ڈوب گئی

کثرتِ جوہر ذاتی سے وہ گو جال میں تھی
پر تڑپ صورتِ ماہی وہی ہر حال میں تھی
تھی چمک جانے میں بجلی تو پری چال میں تھی
کبھی مغفر میں کبھی سر میں کبھی ڈھال میں تھی
کہیں دم لینے کی مہلت تھی نہ بس کے لئے
تھی جگر کے لئے برچھی تو چھُری دل کے لئے

صید کرنے کو جدھر صورتِ شہباز آئی
لاکھ تڑپا وہ نہ بے جان لئے باز آئی
غل ہوا شہپرِ شاہیں کے تلے تاز آئی
اُڑ گیا طائرِ جاں اور نہ آواز آئی
گرچہ قبضے میں لئے تھی اُسے پر چھوڑ دیا
تھا نہ بس صید زبوں کاٹ کے سر چھوڑ دیا

آب نے آتشِ سوزاں کا اثر دکھلایا
تاب نے مرگِ مفاجات کا گھر دکھلایا
باڑھ نے جادۂ صحرائے سقر دکھلایا
گھاٹ نے آئینۂ فتح و ظفر دکھلایا
تیغ کہتی تھی درِ فتح کی مفتاح ہوں میں
قول قبضے کا یہ تھا قابضِ ارواح ہوں میں

خم وہ پایا تھا کہ شرمائے ہلالِ مہِ عید
برش ایسی تھی کہ کٹ کٹ گئی سب فوجِ یزید
نہ بچا تارِ نفس خلق میں جینے کے لئے
کٹ گئی حلقے کئے پیہم جو کماں داروں پہ
چٹکیاں سب کی دھری رہ گئیں سوفاروں پہ
جل کے خرمن ہوا یوں خاک کہ خوشہ نہ ملا

نیزۂ فوجِ ستمگار تھے دیکھے بھالے
گرچہ تھے جان لڑائے ہوئے لڑنے والے
جب سواروں کے پرے جنگ پہ تل جاتے تھے

الف گرز کو کر دیتی تھی ہر ضرب میں دال
کبھی برچھی کی انی تھی تو کبھی تیر کی بھال
ضرب کو روک کے دشمن کو فنا کرتی تھی

شور تھا آگ ہے تلوار میں یا پانی ہے
ضرب میں فرد ہے یہ زور میں لاثانی ہے
زور تھا مجھ میں نہ ایسا نہ وغا کی طاقت
کہہ کے یہ فوج میں پھر تشنہ جگر ڈوب گیا
لشکرِ شام کے بادل میں قمر ڈوب گیا

تھا کبھی شیر سا بپھرا ہوا شمشیروں میں
گر چھپا اور گہے نکلا وہ مہِ برجِ شرف
گہے دریا کے کنارے گہے صحرا کی طرف
جتنے مجروح تھے دم اُن کے نکل جاتے تھے
نخل تھراتے تھے سب گونج رہا تھا جنگل
کوند جاتی تھی سروں پر جو وہ شمشیرِ اجل
حشر برپا تھا سواروں پہ فرس ٹوٹے تھے

حُر کے ہاتھ آ گئی تھی گلشنِ جنت کی کلید
جامۂ کفر کے پرزے بھی ہوئے قطع برید
چاک زخموں کے فقط رہ گئے سینے کے لئے
چل گئے تیرِ ملامت کے جفاکاروں پہ
رُخ پھرا تھا کہ گری برقِ ستمگاروں پہ
کشمکش میں کہیں چھپنے کو بھی گوشہ نہ ملا

دم میں اُس شیرِ نیستاں نے قلم کر ڈالے
آفتِ مرگ کو سر سے کوئی کیوں کر ٹالے
بند سب ناخنِ شمشیر سے کھل جاتے تھے

تھی نئی آمد و رفت اور نئی طرح کی چال
کبھی تلوار کبھی خنجرِ براں کبھی ڈھال
دم بدم فوجِ ستمگر بھی ثنا کرتی تھی

جل بجھی کشتیِ تن خون میں طوفانی ہے
کہتا تھا حر یہ فقط قوتِ ایمانی ہے
سب ہے یہ سبطِ پیمبرؐ کی دعا کی طاقت
ورطۂ قلزمِ آفت میں گُہر ڈوب گیا
کشمکش تھی کہ عرق میں گُلِ تر ڈوب گیا

کبھی نیزوں کے نیستاں میں کبھی تیروں میں
گہے اس صف میں در آیا گہے روندی وہ صف
گہے نعرہ تھا کہ صدقے ترے یا شاہِ نجف
شیر بھی نامِ علیؑ سُن کے دہل جاتے تھے
سرکی جاتی تھی زمیں رن کی غضب تھی ہلچل
مُنھ کے بل گرتا تھا کوئی تو کوئی غرق بہ پھل
دو پہ چار ایک پہ دو پانچ پہ دس ٹوٹے تھے

بڑھ کے فرماتے تھے عباسؑ بے عزت و جاہ
بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبرِ شاہ
کہتے تھے ابن حسنؑ واہ حُر غازی واہ
شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے ماشا اللہ
اپنی جانبازی کا غازی جو صلا پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

حیف جھکنے میں لعینوں نے جو فرصت پائی
سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
لاکھ خونریز اُدھر اور ادھر تنہائی
باگ گھوڑے کی پھرانا تھا کہ برچھی کھائی
آگیا موت کے پنجے میں نہ کچھ دیر لگی
فرق پر گرز لگا دوش پہ شمشیر لگی

سینہ غربال ہوا تیر چلے اعدا کے
رکھ دیا شیر نے قربوس پہ سر نہوڑا کے
علی اکبرؑ نے یہ حضرت سے کہا چلّا کے
گر ہو ارشاد تو مہماں کو بچاؤں جا کے
خادمِ حضرتِ زہراؑ و علیؑ گرتا ہے
خاک پر اب وہ سعیدِ ازلی گرتا ہے

شاہ رونے لگے یہ سنتے ہی مہماں کی خبر
ہو گئی آنسوؤں سے ریشِ مبارک سب تر
علی اکبرؑ سے کہا تم ابھی ٹھہرو دلبر
حُر کی امداد کو ہم جائیں گے اے نورِ نظر
کس سے اس وقت کہوں میں جو قلق مجھ پر ہے
لاش اُٹھاؤں گا کہ مہمان کا حق مجھ پر ہے

عرض کی حضرت عباسؑ نے جاتا تھا غلام
جوشِ رقت میں کہا شہؑ نے نہیں اے گلفام
میری اُلفت میں ہوا قتل حُرِ نیک انجام
دوست کیسے جو بُرے وقت میں ہم آئے نہ کام
اُس پہ جب سخت گھڑی ہوگی تو کام آویں گے
لاش کیا قبر میں مہمان کی ہم جاویں گے

اُس کے لاشے پہ نہ جائیں یہ مروت سے ہے دور
اُس سے ہم شاد ہوئے وہ بھی تو ہو کچھ مسرور
قصرِ خلد اس کو دکھائیں کہ ہوئے عفو قصور
سُرخ رو جاتا ہے دنیا سے وہ خالق کے حضور
ایسا ذی رتبہ کوئی خلق میں کم نکلے گا
میرے مہماں کا مری گود میں دم نکلے گا

یہ سخن کہہ کے چلے رن کو جنابِ شبیرؑ
واں گرا خاک پہ گھوڑے سے حُرِ با توقیر
دیکھ کر شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بے پیر
پہونچے لاشے پہ امامؑ دو جہاں وقتِ اخیر
چمنِ ہستیٔ مہماں کو اُجڑتے دیکھا
ایڑیاں خاک پہ زخمی کو رگڑتے دیکھا

گر کے لاشے کے برابر یہ پکارے سرورؑ
مرے مہمان و مددگار و معین و یاور
گرز کیا تجھ کو لگا ٹوٹ گئی میری کمر
گر پڑے گھوڑے سے اور آہ نہ کی ہم کو خبر
دوست کے ہجر میں کب دوست کو چین آیا ہے
کھول دے چشم کو بھائی کہ حسینؑ آیا ہے

واہ رے حُر جری میں تری ہمت کے فدا
ہے یہ بیکس ترا شرمندۂ احساں بہ خدا
حق تعالےٰ چمن خلد میں گھر دے بھائی
حُر کو چونکا کے حبیب ابن مظاہر نے کہا
دیکھ دیدارِ جگر بندِ جناب زہرؑا
دم رُکا ہے تو اشارے سے وصیت کرلے
کسی آقا نے کبھی کی ہے یہ توقیر غلام
بھائی فرماتے تھے شفقت سے شہِ عرش مقام
حشر تک خلق میں یہ ذکر غم انگیز رہا
نیم وا چشم سے حُر نے رُخ مولا دیکھا
مسکرا کر طرفِ عالم بالا دیکھا
عرض کی حسنِ رُخِ حور نظر آتا ہے
باغ فردوس دکھاتا ہے مجھے اپنی بہار
شاخ سے میری طرف بڑھتے ہیں میوے ہربار
ہے یہ رضواں کی صدا دھیان کدھر تیرا ہے
مجھ کو لینے چلے آتے ہیں فرشتے یا شاہؑ
خلد سے شیرِ خدا نکلے ہیں اللہ اللہ
ننگے سر احمدِ مختار کی پیاری آئی
قبلہ رو کیجئے لاشہ مرا اے قبلۂ دیں
کوچ نزدیک ہے اے بادشہِ عرش نشیں
بات بھی اب تو زباں سے نہیں کی جاتی ہے
کہہ کے یہ گود میں شبیرؑ کے لی انگڑائی
شہؑ نے فرمایا ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی
طائر روح نے پرواز کی طوبا کی طرف

اس کو کہتے ہیں محبت اسے کہتے ہیں وفا
بس یہی بھائی بھی کرتے ہیں جو کچھ تو نے کیا
اس ریاضت کا خدا تجھ کو ثمر دے بھائی
آپ بیتاب ہیں اے حُر جری ہوش میں آ
کوچ در پیش ہے یہ وقت نہیں غفلت کا
نزع میں نور الٰہی کی زیارت کرلے
دیکھ تو رحم ترے واسطے روتے ہیں امامؑ
اے خوشا حال خدا سب کا کرے نیک انجام
تو تو بچپن کے غلاموں سے بھی کچھ تیز رہا
زیرِ سر زانوئے شبیرؑ کا تکیا دیکھا
شہؑ نے فرمایا کہ اے حُر جری کیا دیکھا
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے
صاف نہریں ہیں رواں جھوم رہے ہیں اشجار
حوریں لاتی ہیں جواہر کے طبق بہرِ نثار
دیکھ اے شاہؑ کے مہمان یہ گھر تیرا ہے
ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
لو بر آمد ہوئے شبّرؑ بھی پدر کے ہمراہ
دیکھئے آپ کے نانا کی سواری آئی
پڑھئے یٰسین کہ اب ہے یہ دم بازپسیں
لیجئے تن سے نکلتی ہے مری جانِ حزیں
کچھ اُڑھا دیجئے مولا مجھے نیند آتی ہے
آیا ماتھے پہ عرق چہرے پہ زردی چھائی
چل بسا حُر جری پھر نہ کچھ آواز آئی
پتلیاں رہ گئیں پھر کر شہِ والا کی طرف

لاش اُٹھا کر شہِ دیں خیمہ کے در پر لائے   پاؤں مہماں کے سنبھالے علی اکبرؑ آئے
غل ہوا خیمۂ عصمت میں کہ سرورؑ آئے   پیچھے پردے کے حرم کھولے ہوئے سر آئے
دخترِ فاطمہؑ سامانِ عزا کرنے لگی   فضہ پردے کے اُدھر آ کے بکا کرنے لگی

شاہ چلائے کہ اے زینبؑ و اُمِ کلثومؑ   ہم بھی مظلوم ہیں مہماں بھی ہوا ہے مظلوم
ماں ہے یاں اس کی نہ خواہر یہ تمہیں ہے معلوم   کون لاشے پہ کرے نالہ و فریاد کی دھوم
اجر ہوگا تمہیں اشکوں سے جو منہ دھوؤ گی   اُس کو یوں روؤ کہ جس طرح مجھے روؤ گی

کہہ دو کبراؑ سے کہ ماتم کے لئے کھول دے سر   روئے ناداں سکینہؑ اسے عمو کہہ کر
جانگزا بین کرے بانوئے تفتیدہ جگر   ہم ادھر لاش پہ ماتم کریں تم روؤ اُدھر
غل ہے فریاد کا آواز بکا آتی ہے   سُن لو اماں کے بھی رونے کی صدا آتی ہے

میری جانب سے کہو لاش پہ آئیں سجادؑ   بعد مرنے کے ہو تا روح مرے دوست کی شاد
یہ وصیت مرے شیعوں کو ہے رکھیں یہ یاد   نام حُر سُن کے کریں آہ و فغاں و فریاد
جس عزا خانہ میں وہ تعزیہ میرا رکھیں   اس کا ماتم بھی اُسی بزم میں برپا رکھیں

دوست کے دوست کا غم دوست سدا کرتے ہیں   حق محبت کا وفادار ادا کرتے ہیں
فاتحہ دیتے ہیں سامان عزا کرتے ہیں   غیر مرجاتا ہے گھر میں تو بکا کرتے ہیں
تھا یہ وہ دوست کہ جاں اس پہ فدا ہوتی ہے   فاطمہؑ اپنا پسر کہہ کے اُسے روتی ہے

سُن کے یہ شور ہوا حُر دلاور ہے ہے   اے مددگار جگر بند پیمبرؐ ہے ہے
خون میں سب تر ہے ترا روئے منور ہے ہے   تشنہ و بیکس و مظلوم کے یاور ہے ہے
اودھر آنا تھا کہ تیری اجل آئی بھائی   گھر میں سادات کے دعوت بھی نہ کھائی بھائی

بس انیسؔ اب یہ دعا مانگ کہ اے ربِ عباد   لکھنؤ کے طبقے کو تو سدا رکھ آباد
رونے والے شہِ والا کے رہیں خلق میں شاد   اُن کے سایہ میں برومند ہوں ان کی اولاد
عشرۂ ماہِ عزا نالہ کشی میں گزرے   سال بھر شہ کے غلاموں کو خوشی میں گزرے

۶ مرثیہ بند ۱۰۵

زینبؑ نے سُنی جب یہ خبر شاہِ اُمم سے
دل ہل گیا رنگ اُڑ گیا افراطِ الم سے
کام آتا تھا جو سُن کے خجل ہوتی تھی زینب

کچھ منہ سے نہ کہتی تھی مگر تھا یہ انھیں دھیان
آگے تو یہ حسرت تھی کہ ہو بیاہ کا سامان
پر چاہو کر حق ماں کا ادا کر گئے دونوں

سب بیبیوں کا دھیان اسی بات پہ ہوگا
کیا وجہ جو فرزندوں کو مرنے کو ہے بھیجا
کس کو خبر اس کی ہے کہ غم کھاتی ہے زینبؑ

میں آپ تو بیٹوں سے کروں گی یہی تقریر
خود جانتے ہیں مرتبۂ حضرتِ شبیرؑ
صادق ہیں محبت میں تو کام آئیں گے دونوں

ماموں نے انھیں دل کی طرح گود میں پالا
کیا دل میں نہیں ان کے ولائے شہِ والا
منصف ہو کوئی یہ مرے سمجھانے کے دن ہیں

مانع ہے جو پاسِ ادبِ سیّدِ ابرار
حیران ہوں آپس میں ہے کس بات پہ تکرار
کھلتی ہیں نہ کریں نہ رضا لیتے ہیں دونوں

میرے لئے روتے ہیں تو بیجا ہے یہ زاری
مرجانے کی ہمت دے انھیں ایزدِ باری
بیٹا ہو بھتیجا ہو غنی ہو کہ گدا ہو

مسلمؑ کے پسر خوب لڑے فوجِ ستم سے
آنسو رخِ انور پہ بہے دیدۂ نم سے
فرزندوں کا منھ تکتی تھی اور روتی تھی زینبؑ

شہ پر مرے بیٹے ہوں اسی طرح سے قربان
اب کوئی تمنا نہیں گر ہے تو یہ ارمان
کس شان سے زینبؑ کے پسر مر گئے دونوں

مشہور ہے زینبؑ شہِ مظلوم کی شیدا
کچھ بن نہیں آتی مجھے تدبیر کروں کیا
لاش آتی ہے اوروں کی مری جاتی ہے زینبؑ

ماموں کے عوض سینہ پہ کھاؤ تبر و تیر
اس سوچ میں دیکھوں تو یہ کیا کرتے ہیں بے پیر
مادر کو جلائیں گے تو مر جائیں گے دونوں

آقا کی رفاقت سے ہوئی قدر دو بالا
پروان چڑھے نام خدا ہوش سنبھالا
یا آپ سے ان دونوں کے مرجانے کے دن ہیں

کیا قصد ہے مجھ سے تو کریں دردِ دل اظہار
مرنا نہیں منظور تو کیوں باندھتے ہیں تلوار
ہر دم مرا منھ دیکھ کے رو دیتے ہیں دونوں

ماموں پہ تصدق ہوں جو ماں سے انھیں پیاری
میں گرد پھروں ان کے جو منگوائیں سواری
مجھ کو تو وہ پیارا ہے جو بھائی پہ فدا ہو

کی زوجۂ مسلم کی بھی تھی نیک کمائی
ممنون ہوئی احمدِ مختار کی جائی
کس طرح نہ ہو مادرِ غمناک رضامند
دل سے یہ بیاں کرتی تھی زینبِ جگر افگار
کی دستِ ادب جوڑ کے یہ عون نے گفتار
میں کہتا ہوں مرنے کو مجھے جانے دو پہلے
کب تک میں بھلا رنج عزیزوں کے اٹھاؤں
زخم تبر و تیر و سناں سینے پہ کھاؤں
مردوں کا دلیروں کا یہی کام ہے اماں
یہ کہہ کے جو خاموش ہوا عونِ خوش اطوار
بس آنکھوں کو مل مل کے وہ رونے لگا یکبار
کیا جانیے کس بات پہ یہ ہم سے خفا ہیں
ہم نے تو کبھی ان کو اکیلا نہیں چھوڑا
سر پاؤں پہ سو بار دھرا ہاتھوں کو جوڑا
ہم تو کسی مشکل کو بھی مشکل نہیں سمجھے
چھوٹے ہیں جواب اس کا جو بھائی کو کیا دیں
پیچھے جو ہٹیں پاؤں تو جو چاہیں سزا دیں
جانبازوں کے نزدیک نہیں ملکِ عدم دور
دنیا میں کوئی اور بھی ہے ہم سا دلاور
اک حملہ میں گر ہم نہ الٹ دیں صفِ لشکر
شہ کے قدمِ پاک پہ سر شے کے پھریں گے
بیٹوں کے سخن سن کے یہ کہنے لگی زینب
قربان گئی سمجھی میں تم دونوں کا مطلب
جس کام کے تم ہو یہ اسی کام کا دن ہے

شمشیر کے جو کام برے وقت میں آئی
رتبہ ملا عزت ملی توقیر بھی پائی
چاروں سے ہوئے پنجتنِ پاک رضامند
اتنے میں پسر آکے گرے قدموں پہ اک بار
ہے بھائی میں اور مجھ میں بڑی دیر سے تکرار
یہ کہتے ہیں تلواریں مجھے کھانے دو پہلے
سمجھائیں انھیں آپ تو میں مرنے کو جاؤں
اعدا کو شجاعت شہِ مرداں کی دکھاؤں
لڑیئے جو اکیلے تو بڑا نام ہے اماں
صدمے سے نہ چھوٹے کو رہی طاقتِ گفتار
کی عرض سنا آپ نے اے مادرِ غمخوار
ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ باپ کی جا ہیں
خدمت سے غلامی کی کبھی منہ نہیں موڑا
فرما کے جدائی کا سخن دل مرا توڑا
شاید ہمیں یہ جنگ کے قابل نہیں سمجھے
اچھا ہمیں لاکھوں سے یہ لڑنے کی رضا دیں
میداں سے خدا چاہے تو لشکر کو بھگا دیں
نے فوجِ ستم دور نہ یہ دور نہ ہم دور
ہم شیر ہیں شیروں کو نہیں مرنے کا کچھ ڈر
پھر دودھ نہ اپنا ہمیں تم بخشیو مادر
یاں رن سے سرِ شمر و عمر لے کے پھریں گے
ہاں دیر کا باعث تھا یہی مجھ پہ کھلا اب
ماموں پہ ستم ہو یہ گوارا ہے تمہیں کب
کس طرح سے سبقت نہ کرو نام کا دن ہے

آپس کی جدائی جو گوارا نہیں پیارو
جھگڑا میں چکا دیتی ہوں لو ساتھ سدھارو
ماموں کے جو دشمن ہیں انھیں گھیر کے مارو
سرداروں کے سر چوٹی سے تیغوں سے اُتارو
باندھی ہے کمر دونوں ستم گاروں نے شر پر
اک شمر پہ حملہ کرے اور ایک عمر پر

جاتے تھے مہم پر جو کبھی احمدِ مختار
اور لشکرِ اسلام پہ چڑھ آتے تھے کفار
کرتے تھے وغا ایک طرف جعفرِ طیارؑ
لڑتے تھے علیؑ ایک طرف کھینچ کے تلوار
مشکل نہیں کچھ فوجِ دغا باز سے لڑنا
صدقے گئی تم بھی اُسی انداز سے لڑنا

اک شیر سا تیروں کے نیستاں میں در آئے
اک برچھیوں والوں کے پرے خوں میں بھر آئے
جب شامی پہ تلوار پڑے دو نظر آئے
لڑتا ہوا اک جائے اُدھر اک اِدھر آئے
میداں میں جری نام پہ دیتے ہیں سر اپنا
ایک ایک الگ لڑ کے دکھا دو ہنر اپنا

حلقے میں اگر ایک کو لیں برچھیوں والے
اک بھائی اُسے دوڑ کے نرغے سے نکالے
تم اُس کے مددگار ہو وہ تم کو بچالے
اک دم لے تو اک بڑھ کے لڑائی کو سنبھالے
شیرانہ رہے ایک دلیرانہ رہے ایک
جب بھیڑ پڑے ایک کا پروانہ رہے ایک

جھپکے نہ پلک سر پہ جو شمشیرِ اجل آئے
چھاتی پہ لگے تیر تو ابرو پہ نہ بل آئے
قاصر ہو نہ ہمت نہ شجاعت میں خلل آئے
چھاتی نہ ہٹے سینے پہ برچھی کا جو پھل آئے
لوگ ایسے ہی جانبازوں کو روتے ہیں جہاں میں
شیروں کے پسر شیر ہی ہوتے ہیں جہاں میں

نعرے کرو ایسے کہ دلِ کوہ دہل جائے
جل جائے وہ صف وار جدھر تیغ کا چل جائے
رستم ہو تو گھبرا کے صفِ جنگ سے ٹل جائے
مچھلی کی طرح ایک سے ایک آگے نکل جائے
لشکر پہ چپ و راس چڑھے جائیو واری
رولے ہوئے اعدا کو بڑھے جائیو واری

نانا کی طرح کون وغا کرتا ہے دیکھوں
سر کون ہزاروں کے جدا کرتا ہے دیکھوں
حق کون بہت ماں کا ادا کرتا ہے دیکھوں
ایک ایک صفِ جنگ میں کیا کرتا ہے دیکھوں
دکھلائیو ہاتھوں سے صفائی کا تماشا
میں پردے سے دیکھوں گی لڑائی کا تماشا

دیکھوں تو پرا زیر و زبر کر دیا کس نے
دو حملوں میں اس جنگ کو سر کر دیا کس نے
خوں میں عمر سعد کو تر کر دیا کس نے
تلواروں میں سینے کو سپر کر دیا کس نے
سر تن سے بہت کون سے دلدار نے کاٹے
چار آئینے کس شیر کی تلوار نے کاٹے

نیزے کے ہلانے کا تو فن سیکھے ہو واری
اکبرؑ سے لڑائی کا چلن سیکھے ہو واری
تقریر شہنشاہِ زمن سیکھے ہو واری
عباسؑ سے اندازِ سخن سیکھے ہو واری
تعریف کریں ڈر کے تو خورسند نہ ہونا
اعدا سے کسی بات میں تم تند نہ ہونا

پیاسے ہو بہت تم کو جو سمجھائیں ستمگر
پانی تمہیں دیں شمر سے مل جاؤ جو آکر
دیجو یہ جواب ان کو کہ اے قوم بداختر
اللہ نے بخشا ہے ہمیں چشمۂ کوثر
سر کٹ کے تنوں سے قدم شہ پہ گریں گے
پانی کے لئے قبلۂ عالم سے پھریں گے

غصے سے میں کہتی ہوں خبردار خبردار
پانی جو پیا دودھ نہ میں بخشوں گی زنہار
کیوں جاؤ اُدھر کیا تمہیں دریا سے سروکار
وہ بولے کہ دریا کو جو دیکھیں تو گنہگار
دو روز کی جو تشنہ دہانی میں مزا ہے
نے شہد میں لذت ہے نہ پانی میں مزا ہے

دونوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر
خوش ہو کے یہ فرمانے لگی شاہ کی ہمشیر
میں خوب سمجھتی ہوں کہ ہو عاشق شبیرؑ
اللہ نے بخشی ہے تمہیں عزت و توقیر
جیتے نہ پھروگے یہ قسم کھاتی ہوں واری
کم سن ہو بہت اس لئے سمجھاتی ہوں واری

مجھ کو یہ تمنا ہے کہ وہ کام ہو تم سے
میدان میں عاجز سپہ شام ہو تم سے
سرسبز زمانے میں مرا نام ہو تم سے
حیدرؑ کی طرح رونق اسلام ہو تم سے
پھر بیاہ ہو مہلت جو اجل اک برس دے
اللہ انھیں چھوٹی سی تلواروں میں جس دے

فرما کے یہ ارشاد کیا اے مرے پیارو
خلعت تو میں لے آؤں یہ ملبوس اُتارو
عمامے رکھو فرق پہ زلفوں کو سنوارو
دولھا سا یہ ماں تم کو بنا لے تو سدھارو
غمخواری فرزند ید اللہ کا دن ہے
مہندی کی یہی شب ہے یہی بیاہ کا دن ہے

آخر انھیں زینبؑ نے وہ پوشاک پنہائی
آگے ہی سے جو بیاہ کے خاطر تھی بنائی
منھ دوسرے بھائی کا لگا دیکھنے بھائی
ماں گرد پھری اور سخن لب پہ یہ لائی
روؤں گی مگر شاد بھی اس آن تو ہو لوں
پروان چڑھے آؤ میں قربان تو ہو لوں

چہروں کی بلائیں تو مجھے لینے دو واری
پھر کاہے کو شکلیں نظر آئیں گی تمہاری
اُس وقت تو بیٹیوں پہ بھی رقت ہوئی طاری
سر رکھ دیا مادر کے قدم پر کئی باری
ماں شاد تھی پر غم کے بھی پہلو نکل آئے
چاہا کہ نہ روؤں مگر آنسو نکل آئے

مُنھ پھیر کے اشک آنکھوں سے زینبؑ نے کئے پاک
فرمانے لگے خواہرِ سبطِ شہِ لولاک
سُن لیں نہ کہیں شاہ یہ کیا ہوتا ہے لوگو
مجرے کئے دونوں نے جو جھک جھک کے برابر
سہرے بھی ذرا باندھ دو ان دونوں کے سر پر
صندوق سے امّاں نہ ابھی لائیو سہرے
گھبرا کے سکینہؑ نے کہا کیا ہے میں قرباں
اچھا ہوا مدت سے یہی تھا مجھے ارماں
حق ہے مرا جھگڑا میں کئے بن نہ رہوں گی
صد شکر کہ یہ دن مجھے قسمت نے دکھایا
اس بیاہ میں صغراؑ کو وطن سے نہ بلایا
پیاسی ہوں بہت عرض کروں کچھ جو رضا دو
بانو نے سکینہؑ سے کہا چُپ رہو واری
میداں کی طرف جاتی ہے بھیّوں کی سواری
فدیہ انھیں دیتی ہوں شہِ کون و مکاں کا
کچھ سوچ کے اتنے میں اُٹھی بنت ید اللہ
روتے ہوئے سب اہلِ حرم بھی ہوئے ہمراہ
جھک جھک کے جو سمجھاتی ہوئی آتی ہیں زینبؑ
بس اتنے میں آئی شہِ مظلومؑ کی خواہر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے سبطِ پیمبرؐ
قسمت سے یہ دو نورِ نظر پائے ہیں تم نے
واللہ مری جان ہیں فرزند تمھارے
ہے مجھ کو گوارا کوئی ان پر مجھے وارے
ہاتھوں سے نہ کھو ناکہ شجاعِ ازلی ہیں

سب اہلِ حرم رونے لگے بادلِ غم ناک
بیٹے مرے پہنے ہوئے ہیں بیاہ کی پوشاک
شادی میں کسی کی بھی کوئی روتا ہے لوگو!
سب بیبیاں کہنے لگیں اے شاہ کی خواہر
بیٹوں نے کہا شرم سے گردن کو جھکا کر
اب بیٹوں کے تابوت پہ بندھوائیو سہرے
شاید ہے مرے بھائیوں کے بیاہ کا ساماں
میں باندھوں گی دستاروں پہ سہرے کو پھوپھی جاں
خوش ہو کر خفا نیگ لئے بن نہ رہوں گی
جو ساتھ ہی ان دونوں کو نوشاہ بنایا
شربت کے لئے پانی بھی پایا کہ نہ پایا
لو نیگ کے بدلے ہمیں پانی ہی پلا دو
ہوتی ہیں خجل تم سے پھوپھی جان تمھاری
شادی نہیں ماتم ہے کرو گریہ و زاری
کیا کہتی ہو تم بیاہ کہاں نیگ کہاں کا
بیٹوں کو چلی لے کے حضورِ شہِ ذی جاہ
عباسؑ سے اس وقت یہ فرمانے لگے شاہؑ
کیا بیٹوں کو رخصت کے لئے لاتی ہیں زینبؑ
بیٹوں کے پکڑ ہاتھ پھری گرد برادر
صدقے انھیں کیوں کرتی ہو قرباں میں تم پر
ہتھیار انھیں کس لئے بندھوائے ہیں تم نے
ہیں برجِ شرافت کا قمر ہوں یہ ستارے
یہ اکبرؑ و اصغرؑ سے سوا ہیں مجھے پیارے
یہ جوشنِ بازوئے حسینؑ ابن علیؑ ہیں

زینب نے یہ کی عرض کہ اے سیدِ ابرار
فخر ان کا کرے تعریف کرے آپ سا سردار
بیٹوں میں انھیں آپ نے محبوب کیا ہے
آپ ان کو سمجھتے ہیں بجائے علی اکبرؑ
پیارا ہے مجھے کون سوائے علی اکبرؑ
اللہ سلامت مرے اس لال کو رکھے
بیٹوں کی محبت سے میں کہتی نہیں یا شاہ
نے باپ کی ایسی ہے محبت نہ مری چاہ
قائم رہیں ماموں یہ دعا کرتے ہیں دونوں
اس شب کا میں کیا حال کہوں آپ سے بھائی
میں پہلے کچھ ان دونوں سے کہنے بھی نہ پائی
ہر بار مرے پاؤں پہ جھک جاتے تھے دونوں
سو آپ سے یہ عرض اب کرتی ہوں بھائی
ساتھ ان کو وطن سے میں اسی واسطے لائی
کچھ غم نہ کریں آپ یہ محتاج خوشی ہے
کچھ ان کے سوا اور بضاعت نہیں رکھتی
دنیا میں کسی طرح کی حشمت نہیں رکھتی
جو کچھ ہے مرے پاس وہ قربان ہے بھائی
کچھ عذر کیا چاہتے تھے سیدِ ابرار
قربان گئی اب تو نہایت ہوئی تکرار
بہنوں کی مصیبت میں مدد کرتے ہیں بھائی
کس دن کے لئے ہیں یہ غلامانِ وفا کیش
اب آپ نہ اس امر میں کچھ کیجیے پس و پیش
آفاق میں عزت رہے محتاج غنی ہو

کل شام سے ان دونوں نے کھولے نہیں ہتھیار
باپ ان کا نمک خوار یہ بھی ہیں نمک خوار
لونڈی نے تو دونوں کو غلامی میں دیا ہے
یہ دونوں ہیں خاکِ کفِ پائے علی اکبرؑ
تو ایسے پسر ہوں تو فدائے علی اکبرؑ
دنیا میں خدا آپ کے اقبال کو رکھے
زہراؑ کی قسم مجھ کو بروحِ اسد اللہ
کنبے میں فقط آپ کے عاشق ہیں یداللہ
سوتے میں بھی حضرت کا یہ دم بھرتے ہیں دونوں
تشویش میں تا صبح انھیں نیند نہ آئی
کی آپ وہ تقریر کہ دل سے مجھے بھائی
سمجھاتی میں کیا خود مجھے سمجھاتے تھے دونوں
حضرت بھی گوارا کریں اب ان کی جدائی
ہوتی ہے برے دن کے لئے نیک کمائی
ان دونوں کے مرنے کی مجھے آج خوشی ہے
گو ہر کوئی جز جوہرِ عزت نہیں رکھتی
محتاج ہوں نادار ہوں دولت نہیں رکھتی
دو بیٹے ہیں اور ایک مری جان ہے بھائی
سر پاؤں پہ تھوڑا کے یہ بولی وہ دل افگار
محروم نہ رکھیے کہ سخی کی ہے یہ سرکار
نادار کا ہدیہ نہیں رد کرتے ہیں بھائی
میداں میں شجاعت یہ دکھائیں گے کم و بیش
تا ماں نہ شرمندہ ہو یہ خواہرِ دل ریش
وہ بات نہ کیجیے کہ مری دل شکنی ہو

یہ سُن کے بہت روئے شہِ صابر و شاکر — فرمایا بہن خیر میں ہوں صبر کو حاضر
اچھا یہ کریں کوچ کہ ہم بھی ہیں مسافر — زینبؑ ترے بچوں کا خدا حافظ و ناصر
منظور یہ تھا ہوں نہ جدا ساتھ سے میرے — دو اور جواہر یہ چلے ہاتھ سے میرے

اک دل ہے سو کس کس کا بھلا داغ اُٹھائے — اب خود ہی میں ہوں کہ جلدی اجل آئے
روکے کسے یہ خستہ جگر کس کو بچائے — جو بچھڑے سو بچھڑے جسے جانا ہو سو جائے
کچھ غم نہیں گو راہِ عدم خوف کی جا ہے — پیچھے جو رہے جاتے ہیں ان کا بھی خدا ہے

زینبؑ نے اشارا کیا آداب بجا لاؤ — لو گرد پھرو ماموں کے سر پاؤں پہ نہوڑاؤ
حضرت نے کہا ہاتھوں کو پھیلا کے ادھر آؤ — میں پیار تو کر لوں مری چھاتی سے لپٹ جاؤ
گھر باپ کا ویران کیے جاتے ہو پیارو — زینت مرے لشکر کی لئے جاتے ہو پیارو

وہ پاؤں پہ گرنے کے لئے دوڑ کے آئے — شبیرؑ نے سر دونوں کے چھاتی سے لگائے
مُنھ پھیر کے اشک آنکھوں سے زینبؑ نے بہائے — خیمے سے چلے شاہ کی ہمشیر کے جائے
کیا دل تھا نہ روتی تھی نہ گھبراتی تھی زینبؑ — سمجھاتی ہوئی ساتھ چلی جاتی تھی زینبؑ

ڈیوڑھی میں جو پہونچی تو کہا عون سے رو کر — ٹھہرو کہ پھرا لوں تمہیں گردِ علی اکبرؑ
چھوٹے سے کہا بھول گئے کیا مرے دلبر — تم جا کے نہ ہو آئے نثارِ علی اکبرؑ
لازم نہیں وہ بات کہ ماں جس میں خفا ہو — صدقہ تمہیں دیتی ہوں کہ رد ان کی بلا ہو

ہم شکلِ پیمبر تو ہوا عون پہ قرباں — چھوٹے نے کہا دست ادب جوڑ کے اُس آں
اماں ہمیں رخصت کی خوشی میں رہا دھیاں — اولاد پہ ماموں کی تصدق ہے مری جاں
لاش آئے جو رن سے تو نہ دم ماریو اماں — گہوارۂ اصغرؑ پہ ہمیں واریو اماں

یہ کہہ کے برآمد ہوئے خیمے سے وہ مہرو — اُس وقت تو دل پر نہ رہا شاہ کا قابو
بس بیٹھ گئے خاک پہ بہنے لگے آنسو — چلاتی تھی پردے سے لگی زینبؑ خوش خو
دو روز کے پیاسو تمہیں اللہ کو سونپا — حیدرؑ کے نواسو تمہیں اللہ کو سونپا

ماں صدقے بزرگوں کے چلن بھول نہ جانا — سیکھے ہو جو کچھ جنگ کے فن بھول نہ جانا
آدابِ شہنشاہِ زمن بھول نہ جانا — جو میں نے کہا ہے وہ سخن بھول نہ جانا
وہ کہتے تھے جرأت تو خدا داد ہے اماں — تشویش نہ کیجے ہمیں سب یاد ہے اماں

یہ کہہ کے رکابوں میں قدم دونوں نے ڈالے
تن تن کے جو کاندھے پہ رکھے برچھوں نے بھالے
رہوار کو ترجیح تھی چلنے میں صبا پر
سرعت وہ سمندوں کی وہ چھل بل وہ طرارے
سم ایسے کہ قدموں پہ فلک بدر کو وارے
اڑ جانے کو افلاک پہ تیار ہی تھے

گھوڑوں کی وہ شوکت وہ سواروں کا تجمل
قد ایک سے دو سرو ہیں رخ ایک سے دو گل
ان گیسوؤں میں نکہتِ مشکِ تتری ہے
پیشانیاں روشن مہِ انور سے زیادہ
خم ابروؤں کے نشتر و خنجر سے زیادہ
آفت میں غزالوں کو گرفتار کیا تھا

لشکر میں یہ تھا شور کہ لیں دونوں نے باگیں
جو بیٹھیں ہیں اٹھیں جنھیں غفلت ہو وہ جاگیں
دعویٰ ہے انھیں مثلِ علیؑ صف شکنی کا
ڈنکے پہ لگی چوب علم کھل گئے سارے
یہ شیر ہیں دونوں اسد اللہ کے پیارے
پیچھے نہ ہٹو گو یہ جواں مرد بڑے ہیں

یہ سنتے ہی بس چھوٹی سی تیغوں کو اٹھا کر
لو ہم تو چلے آتے ہیں گھوڑوں کو بڑھا کر
کھینچی ہے جہاں تیغ وہاں کھیت پڑے ہیں
ہم سا بھی کوئی اور ہے دنیا میں جواں مرد
گرماتے ہیں گھوڑوں کو جو اپنے دمِ ناورد
لاشوں ہی سے میدانِ وغا پاٹ دیے ہیں

گھوڑوں پہ ہوئے جلوہ نما گیسوؤں والے
ماں تکتی تھی ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے
دو چاند کے ٹکڑے نظر آتے تھے ہوا پر
چھپتے تھے پہاڑوں میں ہرن شرم کے ملے
جب نعل کھلیں چار ہلال اور ہیں تارے
کیلوں سے یہ ثابت ہے کہ سیار ہی تھے

غل تھا یہ جری ہیں پسرِ صاحبِ دُلدُل
پایا ہے عجب زلفِ مسلسل نے تسلسل
سنبل کو بھی گلزار میں شوریدہ سری ہے
سجدوں کے نشاں نور میں اختر سے زیادہ
پلکیں کہیں سر تیزی میں نشتر سے زیادہ
نرگس کو انھیں آنکھوں نے بیمار کیا تھا

غل پڑ گیا شیر آتے ہیں کس سمت کو بھاگیں
یہ وہ ہیں جنھیں ہیں عمر و شمر سے لاگیں
ہاں غازیو وقت ہے شمشیر زنی کا
بڑھ بڑھ کے نقیبانِ جفاکار پکارے
اسپ و زر و جاگیر وہ لے جو انھیں مارے
دو طفل کہیں لاکھ سواروں سے لڑے ہیں

اک ایک سے دونوں نے کہا آنکھ ملا کر
روکے تو کوئی وار بھلا سامنے آ کر
چھوٹے ہیں جو اس گھر کے وہ تم سب سے بڑے ہیں
ہم وہ ہیں کہ رستم کی شجاعت ہے جہاں گرد
ہو جاتا ہے بازارِ شجاعانِ جہاں سرد
اک ضرب میں جبریلؑ کے پر کاٹ دیے ہیں

تلوار جنھیں حق نے عطا کی ہے وہ ہم ہیں
جن غازیوں نے دیں کی بنا کی ہے وہ ہم ہیں

خو جن میں شہِ عقدہ کشا کی ہے وہ ہم ہیں
دولت جو رسولِ دوسرا کی ہے وہ ہم ہیں

کیا عرش الٰہی پہ جگہ آج ملی ہے
کاندھے پہ نبیؐ کے ہمیں معراج ملی ہے

بت توڑ کے کعبہ کو صفا کر دیا کس نے
دم میں حق و باطل کو جدا کر دیا کس نے

عالم کو طلب گارِ خدا کر دیا کس نے
اسلام کی قوت کو سوا کر دیا کس نے

در کفر کا خالق کی عنایات سے توڑا
عُزّیٰ کا سرِ نحس و نجس لات سے توڑا

تقسیم ہوئی دولتِ دیں گھر سے ہمارے
شاہوں کو ملا تاج و نگیں گھر سے ہمارے

ہے پیشِ نظر خلدِ بریں گھر سے ہمارے
تعلیم ہوا روحِ امیں گھر سے ہمارے

دیر آئے کہ مسکن تھا بہت دور ہمارا
آدمؑ سے جو پہلے تھا وہ ہے نور ہمارا

خوشنود رہا ایزدِ باری اسی گھر سے
سب سیکھ گئے شکر گزاری اسی گھر سے

کفار ہمیشہ رہے عاری اسی گھر سے
احکام ہوئے شرع کے جاری اسی گھر سے

آتے ہیں زباں پر وہی جو کلمۂ حق ہیں
ہم مصحفِ ناطق کے صحیفے کے ورق ہیں

یوسفؑ کو گرفتاریٔ زنداں سے بچایا
یعقوبؑ کو تیغِ غمِ ہجراں سے بچایا

چاہے جو مدد نوحؑ کو طوفاں سے بچایا
اندامِ خلیل آتشِ سوزاں سے بچایا

کونین میں ہے آج تلک شور ہمارا
خیبر کا در اُکھڑا تو کھلا زور ہمارا

وہ کون سا لشکر تھا ظفر جس پہ نہ پائی
کفار نے خندق میں شکست آتے ہی کھائی

لا حد ہے اُحد والوں کو قوت جو دکھائی
اور بدر کی بھی شمس سے روشن ہے صفائی

مشہور ہے فطرس پہ جو احسان کیا ہے
مشکل کو فرشتوں کی بھی آسان کیا ہے

بیر العلم اک چاہ ہے مابینِ بیاباں
واں کود پڑے تیغ پکڑ کر شہِ مرداں

انساں کا تو کیا ذکر ہے جن ہو گئے بے جاں
جب لڑ نہ سکے وہ تو کیا سب کو مسلماں

جب سے نہ ذرا گھٹتے ہیں نہ بڑھتے ہیں جنات
اُس روز سے اب تک کلمہ پڑھتے ہیں جنات

زہراؑ سی تو نانی اسد اللہ سا نانا
جس شیر کی تلوار کو سب خلق نے مانا

دادا وہ معظم جس کی شجاعت کا زمانا
ماموں شرفِ کون و مکاں عالم و دانا

ماں صبر میں اور زہد میں مریم سے زیادہ
کس کا ہے زمانے میں شرف ہم سے زیادہ

تینوں کو جو کھینچیں تو صفیں دم میں اُلٹ جائیں
آگے جو بڑھیں ہم تو پرے فوج کے ہٹ جائیں
سر تن سے سواروں کے ہر اک ضرب میں کٹ جائیں
للکاریں تو شیروں کے کلیجے ابھی پھٹ جائیں
اُمت پہ کرو رحم یہ حکمِ شہِ دیں ہے
ناچار ہیں سبقت کا ہمیں حکم نہیں ہے

ہم کو یہی سمجھاتے ہوئے دور تک آئے
تب لڑیو کہ جب تم پہ کوئی ہاتھ اُٹھائے
راضی ہوں اگر جان مری جائے تو جائے
کوئی مرے نانا کی نہ اُمت کو ستائے
نافہمی سے دشمن کو تو وہ چند ہیں میرے
پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ فرزند ہیں میرے

کچھ ہٹ گئے کچھ رہنے لگے سُن کے یہ گفتار
تلواروں کو چمکا کے بڑھے کتنے جفاکار
تیروں کی اِدھر اور اُدھر سے ہوئی بوچھار
حیدر کے نواسے بھی بڑھے کھینچ کے تلوار
نیزے جو سواروں کے چپ و راس سے چمکے
دو نیمچے بھی پرچۂ الماس سے چمکے

چھوٹے نے بڑے سے یہ کہی بات کہ بھائی
ہر چند گوارا نہیں دم بھر کی جُدائی
اس وقت الگ ہو کے نہایت ہے لڑائی
اَماں نہ کہیں یہ کہ مری بات بھلائی
جو سامنے ہے کاٹ کے اس فوج کی صف کو
میں داہنی طرف جاتا ہوں تم بائیں طرف کو

ارشاد کیا عونؑ نے اللہ نگہباں
پر کیا کروں قالب میں رہے گی نہ مری جاں
اے جان برادر میں ترے عزم کے قرباں
لاکھوں سے لڑائی ہے رہے چار طرف دھیاں
تکبیر کی ہر بار صدا دیجیو بھائی
گھر جاؤ تو بھائی کو بلا لیجیو بھائی

یہ کہہ کے گئے دونوں طرف شیروں نے حملے
لہراتے تھے کاکل کی طرح دوش پہ شملے
کیا دخل تھا حلقے میں انھیں فوجِ ستم لے
ملتی نہ تھی مہلت کہ کوئی ٹھہر کے دم لے
بجلی کی طرح بیچ سے جل جاتے تھے دونوں
ہر صف کو قلم کر کے نکل جاتے تھے دونوں

آیا جو سوئے عون کوئی تیغ اُٹھا کر
دو کر دیا ہو پنجے کو بس اک ہاتھ میں جا کر
خم ہو گیا مردود سپر چہرے پہ لا کر
پھر خطِ شکست اس پہ لکھا تیغ نے آ کر
قرطاس سا پُرزے تنِ سفاک ہوا تھا
سر سینے تلک مثلِ قلم چاک ہوا تھا

آیا جو محمدؑ کی طرف کوئی ستمگار
تلوار کو چمکا کے پکارے کہ خبردار
اتنے میں اِدھر سے تو ستمگر نے کیا وار
بجلی سی اُدھر سے بھی چلی شیر کی تلوار
تیزاب کا اس شعلۂ آتش میں اثر تھا
آنکھ اس کی جھپک کر جو کھلی خاک پہ سر تھا

اک شیر سا جاتا تھا جو شمشیر زنوں پر
اک گھوڑے کو دوڑاتا تھا ناوک فگنوں پر
ہوتی تھی فدا روح علی صف شکنوں پر
تنے واں نظر آتے تھے نہ یاں سر بدنوں پر
ان تیغوں سے سب فوج نے منھ پھیر لیا تھا
دو لاکھ کو دو بجلیوں نے گھیر لیا تھا

وہ لڑ کے جو نکلا تو یہ لشکر میں در آیا
لاکھوں تھے مگر ایک نہ جرأت میں بر آیا
مارا اُسے اس نے جو اُدھر سے اِدھر آیا
بھاگا جو اِدھر سے وہ اُدھر دو نظر آیا
تھی ساتھ اجل ان کی جہاں بھاگ کے جاتے
گرتی ہوئی بجلی سے کہاں بھاگ کے جاتے

چُن چُن کے نمودار ستم گاروں کو مارا
لشکر کے علم کاٹ کے سالاروں کو مارا
پیدل جو گریزاں ہوئے اسواروں کو مارا
تیروں کو قلم کر کے کماں داروں کو مارا
عقدہ جو پڑا ناخنِ تدبیر سے کھولا
نیزے کے ہر اک بند کو شمشیر سے کھولا

غل میں جو نہ بھائی کی صدا بھائی کو آئی
دونوں کے کلیجے پہ چلی تیغ جدائی
چھوٹے نے بڑے بھائی کو آواز سنائی
کیا حال ہے جیتے ہو کہ مارے گئے بھائی
بڑھ بڑھ کے ہٹاتے ہیں بہت اہلِ ستم کو
تصویر تمہاری نظر آتی نہیں ہم کو

قربان برادر مجھے بتلاؤ کہاں ہو
کس غول میں کس فوج میں کس صف میں نہاں ہو
لب سوکھ گئے ہوں گے بہت تشنہ دہاں ہو
میداں میں ہو یا نہر پہ ہو یاں ہو کہ واں ہو
غش آیا ہے یا جسم پہ تلواریں پڑی ہیں
آواز دو اماں درِ خیمہ پہ کھڑی ہیں

بس اتنے میں مہلت ستم ایجادوں نے پائی
نیزے کی انی پشتِ محمد پہ لگائی
جس وقت سناں سینے سے باہر نکل آئی
چلایا کہ لو ہم تو چلے خلق سے بھائی
اللہ کس آفت میں مجھے چھوڑ دیا ہے
نیزے نے کلیجے کو مرے توڑ دیا ہے

اتنے میں سُنی بھائی نے جو بھائی کی آواز
نزدیک تھا یہ روح کرے جسم سے پرواز
گھوڑے کو اُٹھا کر وہ چلا صورتِ شہباز
برسانے لگے تیر ہزاروں قدر انداز
حائل تھیں صفیں زور سے تلوار کے نکلا
روکا اسے جس نے وہ اُسے مار کے نکلا

بھائی کی تجسس میں نہ تھا بھائی کو کچھ ہوش
اُلفت کا بھی تھا جوش شجاعت کا بھی تھا جوش
چلاتا تھا اے غنچہ دہن سبز قبا پوش
آواز سنا کر ہمیں کیوں ہو گئے خاموش
ماں سے ہمیں شرمندہ کیے جاؤ گے بھائی
کیا ساتھ نہ بھائی کو لیے جاؤ گے بھائی

ہر دم یہ دعا تھی وہ دلاور نظر آئے مظلوم برادر کو برادر نظر آئے
حلقہ کئے اک جا پہ ستمگر نظر آئے ہاتھوں میں چمکتے ہوئے خنجر نظر آئے
آلودہ لہو میں تنِ صد پاش کو دیکھا ریتی میں تڑپتے ہوئے اک لاش کو دیکھا

زانو کو دھرے ننھی سی چھاتی پہ ستمگر کرتا ہے ارادہ کہ کرے تن سے جدا سر
وہ کستا ہے ہاتھ اپنے دمِ تیغ پہ دھر کر میں بھائی سے مِل لوں تو چرا حلق پہ خنجر
ہم ساتھ چلے مرنے کو ساتھ آئے وطن سے بے اُن کے ملے جان نہ نکلے گی بدن سے

جس وقت سُنی عون نے بھائی کی یہ تقریر خنجر تو چلا دِل پہ کلیجے پہ لگا تیر
گھوڑے سے تلے کود پڑا پھینک دی شمشیر آغوش میں لی دوڑ کے وہ چاند سی تصویر
اک جا جو بچھڑ کر ہوئے ماں جائے برادر دونوں نے گلے مِل کے کہا ہائے برادر

کہتا تھا بڑا اے مرے جانی مرے پیارے زخمی تری اس چھاتی پہ کوئی مجھے وارے
مُنھ سے نکل آئی ہے زباں پیاس کے مارے اعضا تو ہوئے جاتے ہیں کچھ سرد تمہارے
کیا بھائی لبِ لعل کو کھولا نہیں جاتا کرتا تھا اشارہ وہ کہ بولا نہیں جاتا

ناگاہ بڑھا شمرِ لعیں فوج کی صف سے وعدہ کیا خلعت کا ہر اک تیغ بکف سے
دونوں پہ چلے تیرِ ستم چار طرف سے آنے لگی فریاد کی آواز نجف سے
غُل تھا کہ نواسوں کو علیؑ کے اجل آئی سر کھولے ہوئے قبر سے زہرا نکل آئی

پڑنے لگی معصوموں پہ تلوار پہ تلوار کٹ کٹ کے وہ چھوٹے سے عمامے ہوئے گلنار
جب چھاتیوں سے ہوتی تھی نیزے کی اَنی پار تن تن کے وہ کہتے تھے کہ یا حیدرِ کرار
ملتے تھے گلے پیارے مُنھ چوم رہے تھے لپٹے ہوئے شیروں کی طرح جھوم رہے تھے

نیزے کو جو دونوں پہ کوئی تول کے آتا گھبرا کے تب اک بھائی کو اک بھائی بچاتا
پاس آکے جو چھوٹے پہ کوئی تیغ لگاتا چھاتی کے تلے اُس کو بڑا بھائی چھپاتا
لیتے تھے سپر منھ پہ نہ ہٹ جاتے تھے دونوں تلواروں سے اُٹھ اُٹھ کے لپٹ جاتے تھے دونوں

تلوار لگانے جو لگا ایک ستمگر چھوٹے نے رکھا ہاتھ بڑے بھائی کے سر پہ
ہیہات کہ ہاتھ اُس کے گرے خاک پہ کٹ کر دو ٹکڑے ہوا تا بہ جبیں عون کا بھی سر
اُس کو تو ملا حیدرِ کرار کا رتبہ ہاتھ آیا اُسے جعفرِ طیار کا رتبہ

غل طبل ظفر کا صفِ دشمن میں ہوا جب
اور کہتے تھے سر کھولے ہوئے اہلِ حرم سب
وہ کہتی تھی دُنیا سے سفر کر گئے دونوں
میں خوب سمجھتی ہوں یہ ماتم کے ہیں انداز
دونوں ہوئے خلعت سے شہادت کی سرافراز
آثار ہیں فریادِ رسولِ دوسرا کے

ہے ہے مرے پیارو جو صدا آتی ہے ہر بار
لوگو کوئی دیکھو تو کدھر ہیں شہِ ابرار
ہنگامہ ہے واں برچھیاں کھانے کو نہ جائیں
بس اتنے میں فضہ نے یہ کی آن کے تقریر
گھر لُٹ گیا ہے ہے مری شہزادی کی تقدیر
یہ بھی نہ کہا آئے پسر فوج سے لڑ کر

شہ لاشوں کو چھاتی سے لگاتے ہوئے آئے
آنسو رخِ انور پہ بہاتے ہوئے آئے
فرمایا بہن اب انھیں آغوش میں لو تم
وہ بول کہ ہے ہے یہ نہ فرمائیے بھائی
کونین میں عزت مرے فرزندوں نے پائی
ماتم کا بھرے گھر میں نہ سامان کروں گی

اکبر جئے کیوں پیٹ کے سر میں اُنھیں روؤں
بھائی یہ نہ ہوگا کہ میں مضطر انھیں روؤں
ان دونوں کا ماتم تو نہ زنہار کروں گی
پھر گود میں لاشوں کو لیا ہاتھ بڑھا کر
سیدانیوں کے رونے سے برپا ہوا محشر
سب روتے تھے کچھ مُنھ سے نہ فرماتی تھی زینبؑ

پردے سے لگی رن کی طرف دیکھنے زینبؑ
زینبؑ کی کمائی کو بچا لیجیو یارب!
تم جن کی دعا کرتی ہو وہ مر گئے دونوں
جنت کو سدھارے مرے صفدر مرے جانباز
صاف آتی ہے اماں کی مجھے رونے کی آواز
نعروں کو میں پہچانتی ہوں شیرِ خدا کے

یہ روتے ہیں پوتوں کے لیے جعفرِ طیار
عباسؑ سے کہہ دو مرے بھائی سے خبردار
رن سے بھی وہ لاشوں کے اُٹھانے کو نہ جائیں
لو دونوں کی لاشیں تو لئے آتے ہیں شبیرؑ
نزدیک تھا غش کھا کے گری زینبؑ دلگیر
چُپ رہ گئی ہاتھوں سے کلیجے کو پکڑ کر

دونوں کو عبا اپنی اُڑھاتے ہوئے لائے
زینبؑ کے قریب سر کو جھکاتے ہوئے لائے
دو شیر مرے مر گئے پرسا مجھے دو تم
حضرت سے کہا لال کہاں میری کمائی
گر جان غلاموں نے گنوائی تو گنوائی
لاشوں کو بھتیجوں پہ میں قربان کروں گی

ہو نیند میں اصغر کی خلل گر انھیں روؤں
دیکھوں اُنھیں یا گود میں لے کر انھیں روؤں
ہاں آپ کے فدیے ہیں انھیں پیار کروں گی
لپٹا کے گلے پیار سے زانو پہ رکھا سر
تھا شور کہ رو لی گئی شبیرؑ کی خواہر
غش آتا تھا جب لاشوں پہ جھک جاتی تھی زینبؑ

مخدومۂ عالم کی صدا آئی یہ اُس آن
فرزندوں کو جی کھول کے رولے ترے قربان
اولاد کسی کی نہ جُدا ہوئے کسی سے
زہرا کی صدا سُن کے پڑا اور بھی کہرام
حالِ شہِ دیں نظم کیا کر سحر و شام
عزت مری اللہ کو منظورِ نظر ہے

میں آئی ہوں پرسے کے لئے با سرِ عریاں
ایسا نہ ہو گھٹ گھٹ کے نکل جائے مری جاں
بیٹی کوئی اس داغ کو پوچھے مرے جی سے
خاموش انیسؔ اب کہ نہیں طاقتِ ارقام
اس کام سے بہتر نہیں دُنیا میں کوئی کام
شبیر کے مدّاح کا فردوس میں گھر ہے

رباعی

کیا حال کہیں دل کی پریشانی کا
کھانے کی نہ لذت نہ مزا پانی کا
مرجائیے کسی دشت کے دامن میں انیسؔ
پردہ ہے یہی جامۂ عریانی کا

ایضاً

کیوں زر کی ہوس میں در بہ در پھرتا ہے
جانا ہے تجھے کہاں کدھر پھرتا ہے
اللہ ری پیری میں ہوس دُنیا کی
تھک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے

ایضاً

سائے سے بھی وحشت ہے وہ دیوانہ ہوں
جو دام سے بھاگتا ہے وہ دانا ہوں
دیکھا نہیں جس کو اس کا عاشق ہوں انیسؔ
جلتا ہے جو بے شمع وہ پروانہ ہوں

مرثیہ
۴۳ بند

دشتِ جنگاہ میں زینبؑ کے جو پیارے آئے
غل پڑا برجِ شرافت کے ستارے آئے
شیر کی طرح سے دریا کے کنارے آئے
جنگ کو لاکھوں سے وہ پیاس کے مارے آئے
ان کا نانا ہے علیؑ صاحبِ شمشیر ہیں یہ
ہاں خبردار کہ لڑکے نہیں دو شیر ہیں یہ

سن تو کم ہیں پہ شجاعت کے دھنی ہیں دونوں
بھوکے پیاسے ہیں پہ ہمت کے غنی ہیں دونوں
سروِ بستانِ امامِ مدنی ہیں دونوں
دیکھو آمادۂ شمشیر زنی ہیں دونوں
ڈھالیں شانوں پہ ہیں اور ہاتھوں میں شمشیریں ہیں
جعفرؑ و حیدرِ کرار کی تصویریں ہیں

ابھی کیا عمر ہے ان دونوں کی اور کیا سن و سال
کھیل کے دن ہیں مگر جان پہ کھیلے ہیں لال
اے خوشا حشمت و اقبال نسب جاہ و جلال
پیاس کا کچھ نہیں صدمہ ہے نہ مرنے کا خیال
جوں علیؑ جنگ میں سبقت نہیں فرماتے ہیں
نیمچے تول کے ہر مرتبہ رہ جاتے ہیں

کس میں ہے ایسی بزرگی جو نسب ان کا ہے
دبدبہ روم سے لے تا بہ عرب ان کا ہے
فخرِ عالم ہیں یہ ثانی کوئی کب ان کا ہے
صف شکن صاحبِ شمشیر لقب ان کا ہے
طفل اس سن میں نہیں صاحبِ ہمت ہوتے
گر جواں ہوتے یہ لڑکے تو قیامت ہوتے

حال پر زینبِ بیکس کے ہے رونے کا مقام
رنج سے بیٹوں کے ہو جاتی ہے ماں بے آرام
یوں لٹا دیوے یہ دولت ہے اسی بی بی کا کام
کوئی بھائی سے جدا کرتا ہے ایسے گلفام
غم سے سینے میں کلیجہ تہ و بالا ہوگا
کس طرح آپ کو زینبؑ نے سنبھالا ہوگا

یہ تعجب ہے نہیں اور یہ حسرت کی ہے جا
اُس کے رونے کی بھی اس وقت نہیں سنتے صدا
مر گئی ہوگی تڑپ کر تو عجب کیا اس کا
ایک بولا کہ وہ بھائی کی ہے عاشق بخدا
اُس کا بس ہوتا تو اپنی بھی فدا جاں کرتی
لاکھ بیٹوں کو وہ شبیرؑ پہ قرباں کرتی

ذکر رونے کا ہے کیا وہ ہے علیؑ کی بیٹی
ماں سخی باپ سخی بھائی سخی آپ سخی
اُس کو بھائی سے زیادہ نہیں پیارا کوئی
ہے یہ منظور کہ بچ جائے دل و جانِ نبیؐ
حزن نہیں اس کا کہ گھر کی مرے بربادی ہے
ہے تو فرزندوں کا ماتم پہ اسے شادی ہے

اور دنیا میں کسی ماں نے یہ دل پایا ہے
آپ دولھا سا بنا کر انھیں بھجوایا ہے
خلعتِ فاخرہ خوش ہو ہو کے پہنایا ہے
ڈیوڑھی تک آ کے کئی بار یہ سمجھایا ہے
گر خدا فضل کرے جنگ کو سر کر آنا
اور خبردار جو آؤ گے تو مر کر آنا

دیکھو سمجھاتی ہوں جو کچھ اسے سنتے جاؤ
کہیں میداں سے نہ پھر خیمے میں جیتے آؤ
جوہرِ تیغِ علیؑ دشمنوں کو دکھلاؤ
زخم اس بھوک میں ہنس ہنس کے بدن پر کھاؤ
آپ پردے سے جو کچھ گزرے گا دیکھوں گی میں
گر قدم پیچھے ہٹا دودھ نہ بخشوں گی میں

ماں نے جو کچھ کہ کہا ہے وہ کریں گے دونوں
دشتِ جنگاہ کو لاشوں سے بھریں گے دونوں
شیر ہیں مار کے لاکھوں کو مریں گے دونوں
قدم آگے سے نہ پیچھے کو دھریں گے دونوں
وار ان پر کسی تدبیر سے چلنے کے نہیں
کوہ ٹل جائے پہ جا گہ سے یہ ٹلنے کے نہیں

چھوٹے چھوٹے تو ہیں قد اور ارادے ہیں بڑے
چاند سے چہروں پہ گوندھے ہوئے گیسو ہیں پڑے
سینے تانے ہوئے کس شان سے رن میں ہیں کھڑے
صاف کہتے ہیں کہ آوے جسے لڑنا ہو لڑے
دو شب و روز کے پیاسوں کی شجاعت دیکھیے
شہِ مرداں کے نواسوں کی شجاعت دیکھیے

کرتے تھے اہلِ سعادت تو یہ آپس میں کلام
عمر سعد کے یہ فوج کو پہنچے احکام
جلد ہاں کام کرو بیٹوں کا زینبؑ کے تمام
جیتے پھر جائیں نہ خیمے کی طرف یہ گلفام
بچے ہیں گھات سے باتوں میں لگا لو ان کو
گھوڑوں سے نوکوں پہ نیزوں کی اٹھا لو ان کو

ما ورا جنگ کی سوجھی ہے مجھے یہ تدبیر
کر لو شیروں کی طرح ان کو کمندوں میں اسیر
ہاتھ آئیں تو پنہا کر انھیں طوق و زنجیر
یاں سے لے جائیں گے یوسفؑ کی طرح پیشِ امیر
خلعت و زر تمھیں سردار سے ہاتھ آئے گا
اور تڑپ کر پسرِ فاطمہؑ مر جائے گا

ہنس کے یہ فوج نے تب سعد کے بیٹے سے کہا
کس طرف دھیان ہے دونوں کو تو سمجھا ہے کیا
کہیں روباہوں نے شیروں کو بھی ہے قید کیا
کس لشکر میں علیؑ قید ہوئے ہیں تو بتا
یہ بنی فاطمہؑ ہیں لڑتے ہیں مر جاتے ہیں
پسرِ شیرِ الٰہی کہیں ہاتھ آتے ہیں

کہہ کے یہ رن میں صف آرا ہوئیں فوجیں باہم
کھلے لشکر کے نشاں چمکے سنہرے پرچم
نیزے سیدھے ہوئے تیغیں ہوئیں ہر سمت علم
فوج دشمن کی کمانوں سے چلے تیرِ ستم
سب زمیں ٹاپوں سے رہواروں کی تھرانے لگی
عربی باجوں کی گردوں پہ صدا جانے لگی

پہونچی ناموس کے خیمے میں جس وقت صدا
کہا زینبؑ نے کہ بیٹے مرے کرتے ہیں وغا
ابھی معصوم ہیں بچے ہیں ذرا سے ہیں وہ
کبھی کاہے کو لڑے ہیں وہ مرے ماہِ منیر
کہاں وہ طفلِ صغیر اور کہاں فوجِ کثیر
یہ دعا مانگو کہ سر ان کے اتارے جائیں
کہ کے یہ فاطمہؑ کی بیٹی نے عریاں کیا سر
بہرِ زہراؑ و علیؑ بہرِ حسینؑ و شبرؑ
سرخ رو عونؑ ہو سرسبز محمدؐ ہووے
یاں تو سر کھولے ہوئے کرتی تھی زینبؑ یہ دعا
سینکڑوں تیغیں کھنچیں تیروں کا مینھ پڑنے لگا
لاکھ آفت اگر افلاک سے ٹوٹے بھائی
باگیں سواروں کی لیں اور پڑھی نادِ علیؑ
اس کو بے جاں کیا جس شامی کی تیغ اٹھی چلی
تیغ چمکا کے جدھر شیر سے بھڑ پڑتے تھے
گھیر لیتے تھے اگر ایک کو مل کر اعدا
اس پہ کرتے تھے سوار آن کے جس دم زغا
مہلت اعدا کو نہ چھوٹا نہ بڑا دیتا تھا
خالی دیتا تھا کوئی جنگ میں گر عونؑ کا وار
زد پہ آجاتا تھا دونوں کے اگر کوئی سوار
تن میں طاقت نہ تھی ہمت سے فقط لڑتے تھے
چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے اس وقت کہا
ماموں کے واسطے لے چلئے جو پانی ملتا
تم ہو پیاسے شہِ عالم بھی بہت پیاسے ہیں

ہل گئے سینوں میں دل اور شہ بے ہوش بجا
ارے لوگو کرو سر کھول کے خالق سے دعا
بھوکے دو دن کے ہیں دو روز کے پیاسے ہیں وہ
نہیں دیکھی ہے چمکتے کبھی برقِ شمشیر
یہی دھڑکا ہے کہ ہو جائیں نہ اعدا میں اسیر
مرے بھائی کی بلا لے کے وہ مارے جائیں
خاک پر رکھ کے جبیں حق سے کہا رو رو کر
ہو مرے بچوں کا انجام بخیر اے داور
صدقہ دیتی ہوں کہ بھائی کی بلا رد ہووے
دونوں لڑکوں پہ وہاں شام کا بادل امڈا
نیمچے کھینچ کے بھائی نے یہ بھائی سے کہا
روح و قالب کی طرح ساتھ نہ چھوٹے بھائی
گھس گئے فوج میں وہ دونوں شجاعِ ازلی
وار جس پر کیا سر سے نہ اجل اس کے ٹلی
نیمچے کیا تھے کہ دو صاعقے گر پڑتے تھے
دوسرا دوڑ کے کر دیتا تھا اس کو پسپا
کہتا تھا کچھ نہ گھبرائیو میں آ پہونچا
بھائی بھائی کے لئے جان لڑا دیتا تھا
مارتا تھا اسے تب بڑھ کے محمدؐ تلوار
ایک دو کرتا تھا تو دوسرا کر دیتا تھا چار
پیاسے ایسے تھے کہ گھوڑوں سے گرے پڑتے تھے
بھائی دیکھو تو کہ لہراتا ہے کیسا دریا
نہر میں چل کے بس اب ڈال دو گھوڑے بھیا
اماں بھی پیاسی ہیں اور ہم بھی بہت پیاسے ہیں

آگ سی بھڑکی ہے جلتا ہے کلیجا بھائی
شانے بھی جھک گئے دکھنے لگا پہلو بھائی
پانی پینے کا تو ممکن نہیں دھیان آجاوے
عونؑ کہنے لگا بھائی کا یہ سن سن کے بیاں
بولا جاتا نہیں ہے خشک ہے میری بھی زباں
عزتیں پیاسے ہی مرنے میں سوا ہوویں گی
ہاتھ منھ دھویا اگر نہر پہ جاکر تو کیا
جائیں دریا پہ تو ہم چشموں میں ہوگا چرچا
گل زہراؑ تو ہوا خشک وہ شاداب ہوئے
علی اصغرؑ کی کرو تشنہ دہانی کا خیال
کھولے منھ پانی کا کرتا ہے اشارے سے سوال
حرف پانی کا زباں سے نہ نکالو بھائی
کہا گھبرا کے محمدؑ نے کہ اے نیک صفات
ورنہ جب تک نہ پئیں شاہ رفیع الدرجات
آبرو دیں گے نہ گو ہوکے پیاسے ہیں ہم
بھائی سے کر رہا تھا یہ ابھی باتیں بھائی
دونوں بچوں پہ گھٹا فوج ستم کی چھائی
پیچ عمامے کے کٹ کٹ گئے شمشیروں سے
زخمی سینوں پہ لگے جب کہ ستم کے نیزے
ہوئی اعدا میں خوشی فتح کے نقارے بجے
کریں منت بھی تو سننا نہ سخن دونوں کے
اک لعیں دوڑ گیا خیمۂ سرور کے قریب
بھانجے قتل ہوئے ان کو خبر ہے کہ نہیں
وہ تو مارے گئے بیٹوں کو کہاں پاوے گی

اب تو لڑنے کی بھی طاقت نہیں اصلا بھائی
اہل کیں دور ہیں نزدیک ہے دریا بھائی
ہاتھ منھ دھولیں ذرا چل کے تو جان آجاوے
اے محمدؑ میں تری پیاس کے اوپر قرباں
جانا دریا پہ مناسب نہیں لیکن اس آن
اماں صاحب جو سنیں گی تو خفا ہوویں گی
ہاتھ اب جان سے دھونا ہے مناسب بھیا
رہ گئے پیاسے نہ سبطین علیؑ اعلیٰ
ماموں پیاسا رہا اور بھانجے سیراب ہوئے
پیاس کی گرمی سے گہوارے میں کیسا ہے نڈھال
دیکھا جاتا نہیں یہ بالی سکینہؑ کا ہے حال
اپنا منھ نہر کی جانب سے پھرا لو بھائی
ماموں کے پانی پلانے کو کہی تھی یہ بات
خاک سمجھیں ہیں ہاتھ آئے اگر آب حیات
حضرت ساقی کوثر کے نواسے ہیں ہم
چار جانب سے جو پھر فوج سمٹ کر آئی
گھر گئے سید معصوم کے وہ شیدائی
چھوٹی سی چھاتیاں مجروح ہوئیں تیروں سے
گردنیں جھک گئیں غش کھا کے وہ معصوم گرے
شور تھا کاٹ لو معصوموں کے سر خنجر سے
شہ کو دکھلا دو تڑپتے ہوئے تن دونوں کے
ہاتھ اٹھا کر یہ پکارا کہ کہاں ہیں شہ دیں
کہو زینبؑ سے کہ سر کھول کے بیٹھے وہ حزیں
رن میں اب بھائی کے بدلے کسے بھجواوے گی

وہ تڑپتے ہیں پڑے خاک پہ دونوں گل رو
کھینچتا ہے عمر سعد پکڑ کر گیسو
زخم پھٹ پھٹ گئے ہیں خاک پہ بہتا ہے لہو
شمر اب کاٹتا ہے دونوں کے خنجر سے گلو
ستم زکی یہ لشکر نے بپا ڈالی ہے
سر تو کٹوا چکے اب لاشوں کی پامالی ہے

سن کے یہ غل شہ مظلوم نے رو رو کے کہا
بھانجے قتل ہوئے ہائے غضب وا ویلا
اڑ گیا سنتے ہی یہ رنگ رخ زینبؑ کا
نکلے خیمے سے شہ تشنہ دہن ننگے پا
تھامے ہاتھوں سے جگر جانب جنگاہ چلے
قاسمؑ و اکبرؑ و عباسؑ بھی ہمراہ چلے

بھانجوں کے لئے بیتاب تھا دل روتے تھے شاہ
تیغ تھی ہاتھ میں اور آنکھوں میں عالم تھا سیاہ
رو کے فرماتے تھے دے داد مری یا رباہ
بھانجوں کو مرے بے جاں کیا بے جرم و گناہ
ہائے بن بیٹوں کی اب زینبؑ ناشاد ہوئی
دختر فاطمہؑ پردیس میں برباد ہوئی

پہونچے لاشوں پہ جو دونوں کے جناب شبیرؑ
دیکھا بے دم ہیں پڑے خاک پہ وہ ماہ منیر
چاند سے سینوں میں معصوموں کے پیوست ہیں تیر
کہیں نیزوں کی جراحت کہیں زخم شمشیر
پیاس میں نکل جو ہیں جسم سے جانیں باہر
برگ گل سی نکل آئی ہیں زبانیں باہر

شاہؑ نے خاک سے رو رو کے اٹھائے لاشے
منہ پہ منہ رکھ دیا چھاتی سے لگائے لاشے
ڈال کر گھوڑوں پہ خیمے میں جو لائے لاشے
بولی زینبؑ مرے فرزندوں کے آئے لاشے
غم نہیں اس کا کہ یہ لاڈلے بے جان ہوئے
عید ہے آج کہ بھائی پہ یہ قربان ہوئے

دیکھ کر لاشوں کو یہ بیبیوں سے کی گفتار
بھائی کے فدیہ جو ہیں ان پہ مجھے آتا ہے پیار
وہی دونوں نے کیا کر گئے تھے جو اقرار
مرے فرزندوں کے لاشوں پہ کرو مجھ کو نثار
حق نے کیا مرتبہ ان دونوں کو امداد کیا
دودھ تو بخشوں کہ بیٹوں نے مجھے شاد کیا

سن کے یہ غل ہوا رونے کا حرم میں برپا
چھاتیاں پیٹتی تھیں بی بیاں باندھے حلقا
کہتے تھے لپٹے ہوئے لاشوں سے شاہ شہدا
اے مرے بھانجو زہراؑ کا پسر تم پہ فدا
تشنہ کامی کا بڑا رنج اٹھایا تم نے
ہائے پانی بھی دم مرگ نہ پایا تم نے

بولی زینبؑ مجھے وسواس ہے اے بھائی جان
ہاتھ مردوں پہ لگاؤ نہ میں تم پر قربان
ہوئے حضرتؑ کی بلا لے کے یہ دونوں بے جاں
سو غلام ایسے فدا آپ پہ یا شاہ زماں
جو وفادار ہیں آقا پہ فدا ہوتے ہیں
آپ صدقے گئی کیوں ان کے لئے روتے ہیں

رو کے حضرت نے یہ فرمایا کہ بھینا بخدا
دونوں معصوموں پہ واللہ ترحم کی ہے جا
اشک آنکھوں سے دمِ نزع پڑے بہتے تھے
یہ جو شہ نے کہا ٹکڑے ہوا زینبؑ کا جگر
دونوں فرزندوں کے قدموں پہ کبھی رکھتی تھی سر
کیسی جرأت سے لڑے واہ بڑا کام کیا
جلد موت آگئی دولہا بھی نہ بننے پائے
گھر سے بھوکے گئے تھے زخم بدن پر کھائے
ہائے زندہ تمہیں اے پیارو نہ دیکھا ماں نے
کہہ کے یہ خاک پہ غش ہو گئی زینبؑ اک بار
کر انیسؔ اب تو خدا سے یہ دعا با دلِ زار
اس گنہ گار پہ کر رحم اصغرؑ کا صدقہ

ٹکڑے دو میرے کلیجے کے ہوئے آج جدا
پیار بھی کر لو انھیں دودھ بھی بخشو بھینا
ماں کو مرتے ہوئے دیکھا نہیں کہتے تھے
گر پڑی خاک پہ لاشوں کی بلائیں لے کر
کبھی کہتی تھی مرے پیارو میں صدقے تم پر
سرخ رُو آپ ہوئے اور مرا نام کیا
چاند سے چہروں پہ سہرے نہ مجھے دکھلائے
مجھ سے ملنے کے لئے خوں میں نہا کر آئے
دودھ بخشانے کو کہتے تھے سو بخشا ماں نے
لے گئے بھانجوں کی لاشیں امامِ ابرار
بخش دے جرمِ گزشتہ کو مرے یا غفّار
واسطہ حضرتِ زہراؑ کا نبیؐ کا صدقہ

مرثیہ ۸

بند ۵۲

جب ہوئے عازمِ گلگشتِ شہادت قاسمؑ
جھک کے مجرا کیا شہ کو ہوئے رخصت قاسمؑ
چڑھ کے تازی پہ بصد شوکت و صولت قاسمؑ
فوجِ اعدا پہ چلے شیر کی صورت قاسمؑ
غل پڑا جنگ کو فرزندِ حسنؑ آتا ہے
لاکھ سے لڑنے کو اک تشنہ دہن آتا ہے

خوف کی جا ہے کہ جانباز و دلاور ہے وہ
نورِ چشمِ پسرِ فاتحِ خیبر ہے وہ
نونہالِ چمنِ حضرتِ شبرؑ ہے وہ
حرب میں شیرِ الٰہی کے برابر ہے وہ
اب کوئی آن میں جوں ماہ عیاں ہوئے گا
آج زورِ اسد اللہ عیاں ہوئے گا

اُس کے پوتے کی یہ آمد ہے جو ہو ہشیار
جس کے دادا کے لیے عرش سے اُتری تلوار
ضربِ حیدرؑ کی محمدؐ نے شمار کی تو بار
غیر فرّار کا دلبند ہے ہو گا کرّار
جیتا بچنے کا نہیں سامنے جو آئے گا
آج اس فوج کا بس خاتمہ ہو جائے گا

ایک بولا کہ کوئی روبرو جا سکتا ہے
کوئی شیروں سے بھلا آنکھ ملا سکتا ہے
تابِ تلوار کی اُن کے کوئی لا سکتا ہے
کوئی ضربِ اسد اللہ اٹھا سکتا ہے
سب پہ غالب جو ہوا اُس پہ بھی غالب ہیں
جگر و جانِ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں

ابھی دو لڑکوں کے تم دیکھ چکے ہو جوہر
دونوں بچے تھے چڑھا کوئی نہ اُن کے منہ پر
نہ زرہ روک سکی تیغ اُن کے نہ سپر
بھوکے پیاسوں سے پہ تنگ آ گیا تھا لشکر
کب شجاعت سے انھیں رن میں کسی نے مارا
سچ جو پوچھو تو انھیں تشنہ لبی نے مارا

اب تو قاسمؑ سا دلاور پئے جنگ آتا ہے
بحرِ مواجِ شہادت کا نہنگ آتا ہے
مستعد مرنے پہ ہے جینے سے تنگ آتا ہے
کچھ نہیں آنے میں اب اُس کے درنگ آتا ہے
وہ نواسے اسد اللہ کے تھے یہ پوتا ہے
دل لرزتا ہے کہ اب دیکھیے کیا ہوتا ہے

ذکر یہ کرتے تھے اعدا کہ اٹھی دور سے گرد
دشمنوں کے ہوئے نظارے سے جس کے دل سرد
چھپے جا کر پسِ انبوہ سوارانِ نامرد
غل یہی تھا کہ وہ آ پہونچا بہ میدانِ نبرد
پھر تو نوشاہ نے سہرے کو اُٹھایا رن میں
جلوۂ نورِ الٰہی نظر آیا رن میں

سب پکارے بخدا قدرتِ یزداں ہے یہ فلکِ عزّ و شرف کا مہِ تاباں ہے یہ
زینتِ لشکرِ ابنِ شہِ مرداں ہے یہ چمنِ فاطمہؑ کا سروِ خراماں ہے یہ
رانڈ اب دخترِ سلطانِ زمن ہوئے گی بے چراغ اب لحدِ پاکِ حسنؑ ہوئے گی

کوئی کہتا تھا عجب شکلِ حسین ہے واللہ پا سے تا فرق یہ تصویرِ حسنؑ ہے واللہ
یہی دامادِ شہنشاہِ زمن ہے واللہ ہونٹھ سوکھے ہوئے ہیں تشنہ دہن ہے واللہ
غم میں شادی کی حلاوت نہیں جانی اُس نے تین دن گزرے کہ پایا نہیں پانی اُس نے

ایک کہنے لگا حیرت کی یہ جا ہے واللہ شب کو سنتے ہیں ہوا تھا اسی مظلوم کا بیاہ
آج مرنے کو یہ آیا ہے میانِ جنگاہ کس طرح ماں نے اجازت اسے مرنے کی دی آہ
ایسے فرزند کو مرنے کو جو بھیجا اُس نے کیا جگر ہے کہ سنبھالا ہے کلیجا اُس نے

ایسے دلبر کو کوئی جنگ کی دیتا ہے رضا ایسے فرزند کو کس طرح کہا مرنے کو جا
زنِ بیوہ کا جگر بند ہے یہ ماہ لقا جینے دے گا نہ اُسے داغ جواں بیٹے کا
بے یقیں رن میں وہ سر کھولے چلی آئے گی اس کو اک زخم لگے گا تو وہ مر جائے گی

عمرِ سعد ستمگر نے جو یہ ذکر سنا یعنی قاسمؑ کی ہر اک فوج میں کرتا ہے ثنا
کوئی ایسا نہیں ہوئے جو مہیائے وغا بڑھ کے آپ اُس نے یہ چلا کے بصد عجز کہا
آج ہی شب کو ہوا بیاہ تمہارا قاسمؑ کرو رحم اپنی جوانی پہ خدارا قاسمؑ

اس لئے عرض یہ کرتا ہوں میں اے بندہ نواز مجھ کو تھا آپ کے والد کی بھی خدمت میں نیاز
دوست رکھتا تھا بہت مجھ کو وہ سلطانِ حجاز تم پہ کیوں کر کروں دستِ ستم و جور دراز
قتل تم ہو نہ کہیں ہے یہی وسواس مجھے بخدا روحِ حسنؑ کا ہے بہت پاس مجھے

آؤ مل جاؤ مری فوج میں لو خلعتِ زر آپ کے حکم کے تابع رہے سارا لشکر
شہ کی اُلفت کے سبب یہ نہ ہو منظور اگر اپنے عمو ہی کو سمجھاؤ کہ تا رفع ہو شر
ہم خوشی تم کو رہیں تم ہمیں خورسند کرو جاؤ شبیرؑ کو بیعت پہ رضامند کرو

پسرِ سعد کا قاسمؑ نے سنا سب یہ کلام مارے غصے کے لگا کانپنے سارا اندام
پڑھ کے لاحول کہا اس سے کہ اے ابنِ سام بیعتِ فاسق و فاجر کہیں کرتا ہے امامؑ
بے حیا ہے تو حمیت تجھے واللہ نہیں حیف شبیرؑ کے رتبے سے تو آگاہ نہیں

مرثیہ ۸ بند ۵۲

جب ہوئے عازم گلگشت شہادت قاسمؑ
چڑھ کے تازی پہ بصد شوکت و صولت قاسمؑ
غل پڑا جنگ کو فرزند حسنؑ آتا ہے
خوف کی جا ہے کہ جانباز و دلاور ہے وہ
نونہال چمن حضرت شبرؑ ہے وہ
اب کوئی آن میں جوں ماہ عیاں ہوئے گا
اُس کے پوتے کی یہ آمد ہے جو ہو ہشیار
ضرب حیدرؑ کی محمدؐ نے ثنا کی سو بار
جیتا بچنے کا نہیں سامنے جو آئے گا
ایک بولا کہ کوئی روبرو جا سکتا ہے
تاب تلوار کی اُن کے کوئی لا سکتا ہے
سب پہ غالب جو ہوا اُس پہ بھی غالب ہیں
ابھی دو لڑکوں کے تم دیکھ چکے ہو جوہر
نہ زرہ روک سکی تیغ اُن کے نہ سپر
کب شجاعت سے انھیں رن میں کسی نے مارا
اب تو قاسمؑ سا دلاور پئے جنگ آتا ہے
مستعد مرنے پہ ہے جینے سے تنگ آتا ہے
وہ نواسے اسد اللہ کے تھے یہ پوتا ہے
ذکر یہ کرتے تھے اعدا کہ اٹھی دور سے گرد
چھپ گیا جا کے پس انبوہ سواران نامرد
پھر تو نوشاہ نے سہرے کو اُٹھایا رن میں

جھک کے مجرا کیا شہ کو ہوئے رخصت قاسمؑ
فوج اعدا پہ چلے شیر کی صورت قاسمؑ
لاکھ سے لڑنے کو اک تشنہ دہن آتا ہے
نور چشم پسر فاتح خیبر ہے وہ
حرب میں شیر الٰہی کے برابر ہے وہ
آج زور اسد اللہ عیاں ہوئے گا
جس کے دادا کے لئے عرش سے اُتری تلوار
غیر فرار کا دلبند ہے ہو گا کرار
آج اس فوج کا بس خاتمہ ہو جائے گا
کوئی شیروں سے بھلا آنکھ ملا سکتا ہے
کوئی ضرب اسد اللہ اُٹھا سکتا ہے
جگر و جان علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں
دونوں بچے تھے چڑھا کوئی نہ اُن کے مُنھ پر
ہو کے پیاسوں سے بہ تنگ آ گیا تھا لشکر
سچ جو پوچھو تو انھیں تشنہ لبی نے مارا
بحر مواج شہادت کا نہنگ آتا ہے
کچھ نہیں آنے میں اب اُس کے درنگ آتا ہے
دل لرزتا ہے کہ اب دیکھئے کیا ہوتا ہے
دشمنوں کے ہوئے نظارے سے جس کے دل سرد
غل یہی تھا کہ وہ آ پہنچا بہ میدان نبرد
جلوۂ نور الٰہی نظر آیا رن میں

سب پکارے بخدا قدرتِ یزداں ہے یہ
زینتِ لشکرِ ابنِ شہِ مرداں ہے یہ
رانڈ اب دخترِ سلطانِ زمن ہوئے گی
کوئی کہتا تھا عجب شکلِ حسن ہے واللہ
یہی دامادِ شہنشاہِ زمن ہے واللہ
عمر میں شادی کی حلاوت نہیں جانی اُس نے
ایک کہنے لگا حیرت کی یہ جا ہے واللہ
آج مرنے کو یہ آیا ہے میانِ جنگاہ
ایسے فرزند کو مرنے کو جو بھیجا اُس نے
ایسے دلبر کو کوئی جنگ کی دیتا ہے رضا
زنِ بیوہ کا جگر بند ہے یہ ماہ لقا
بے یقیں رن میں وہ سر کھولے چلی آئے گی
عمرِ سعد ستم گر نے جو یہ ذکر سنا
کوئی ایسا نہیں ہوئے جو مہیائے وفا
آج ہی شب کو ہوا بیاہ تمہارا قاسمؑ
اس لئے عرض یہ کرتا ہوں میں اے بندہ نواز
دوست رکھتا تھا بہت مجھ کو وہ سلطانِ حجاز
قتل تم ہو نہ کہیں ہے یہی وسواس مجھے
آؤ مل جاؤ مری فوج میں لو خلعتِ زر
شہ کی اُلفت کے سبب یہ نہ ہو منظور اگر
ہم خوشی تم کو رہیں تم ہمیں خورسند کرو
پسرِ سعد کا قاسمؑ نے سنا سب یہ کلام
بڑھ کے لاحول کہا اُس سے کہ اے ابنِ سام
بے حیا ہے تو حمیت تجھے واللہ نہیں

فلکِ عزّ و شرف کا مہِ تاباں ہے یہ
چمنِ فاطمہؑ کا سروِ خراماں ہے یہ
بے چراغ اب لحدِ پاکِ حسنؑ ہوئے گی
پائے تا فرق یہ تصویرِ حسنؑ ہے واللہ
ہونٹھ سوکھے ہوئے ہیں تشنہ دہن ہے اللہ
تین دن گزرے کہ پایا نہیں پانی اُس نے
شب کو سنتے ہیں ہوا تھا اسی مظلوم کا بیاہ
کس طرح ماں نے اجازت اسے مرنے کی دی آہ
کیا جگر ہے کہ سنبھالا ہے کلیجا اُس نے
ایسے فرزند کو کس طرح کہا مرنے کو جا
جینے دے گا نہ اُسے داغ جواں بیٹے کا
اس کو اک زخم لگے گا تو وہ مر جائے گی
یعنی قاسمؑ کی ہر اک فوج میں کرتا ہے ثنا
بڑھ کے آپ اُس نے یہ دکھائے بصد عجز کہا
کرو رحم اپنی جوانی پہ خدارا قاسمؑ
مجھ کو تھا آپ کے والد کی بھی خدمت میں نیاز
تم پہ کیوں کر کروں دستِ ستم و جور دراز
بہ خدا روحِ حسنؑ کا ہے بہت پاس مجھے
آپ کے حکم کے تابع رہے سارا لشکر
اپنے عمو ہی کو سمجھاؤ کہ تا رفع ہو شر
جاؤ شبیرؑ کو بیعت پہ رضامند کرو
مارے غصے کے لگا کانپنے سارا اندام
بیعتِ فاسق و فاجر کہیں کرتا ہے امامؑ
حیف شبیرؑ کے رتبے سے تو آگاہ نہیں

ہے یہ سرور پسر فاتح صفین و حنین
جس کا مرکب تھا سدا کتف رسول الثقلین
حامی دین نبی فاطمہؑ کا نور العین
کبھی بے دین کی بیعت نہیں کرنے کا حسینؑ
حیف کچھ غور ذرا دل میں نہیں کرتا ہے
شیر بھی بیعت روباہ کہیں کرتا ہے

اور مجھے دیتا ہے ناحق طمع زر ظالم
تو ہے کیا اور ہے کیا تیرا یہ لشکر ظالم
مجھ پہ آتا ہے تجھے رحم برادر ظالم
اور باندھے ہے کمر شاہ کے خوں پر ظالم
فاطمہؑ روئے گی اس بات کا وسواس نہیں
درد میرا ہے محمدؐ کا تجھے پاس نہیں

سوچ تو دل میں یہ کس پر تو جفا کرتا ہے
اب بھی نادم ہو ستمگار یہ کیا کرتا ہے
احمدؐ و حیدرؑ و زہراؑ کو خفا کرتا ہے
دیکھ واللہ میں کہتا ہوں برا کرتا ہے
ان کو مارا تو شہ عقدہ کشا کو مارا
گر انھیں مارا تو محبوب خدا کو مارا

اور بھی ہے کوئی اس شہ کے سوا سبط نبیؐ
جس کو کاندھے پہ چڑھاتے تھے رسول عربیؐ
تین دن سے ہے اس دشت میں یہ تشنہ لبی
پانی تو پیتا ہے یہ کون سی ہے بے ادبی
وہ تو ہیں دل کے غنی صبر ہی فرماتے ہیں
ننھے بچوں کو مگر پیاس سے غش آتے ہیں

یہ سخن سن کے بن سعد ستمگر نے کہا
پانی بے بیعت حاکم تو نہیں ملنے کا
کہا قاسمؑ نے کہ بس سامنے سے دفع ہو جا
جو بہادر ہیں تری فوج میں ان سب کو بلا
بھوکے پیاسوں کی ہزاروں سے لڑائی دیکھیں
آج قاسمؑ کے بھی ہاتھوں کی صفائی دیکھیں

کہہ کے یہ طیش میں قاسمؑ نے علم کی تلوار
جا پڑے فوج پہ گھوڑے کو بڑھا کر اک بار
چمکی وہ برق شرربار بہ فرق کفار
سر بے تن تن بے سر کا ہوا اک انبار
دم میں وہ تیغ ہزاروں کو فنا کرتی تھی
رشک ہر وار پہ شمشیر قضا کرتی تھی

جا کے جس غول پہ شمشیر علم کرتا تھا
شیر نیزوں کے نیستاں کو قلم کرتا تھا
لشکر شام کو ہر حملے میں کم کرتا تھا
جیتا بچ جاتا تھا جو آگے سے رم کرتا تھا
غرق آہن میں جو تھے وہ بھی نہ پاس آتے تھے
ایک ضربت سے تو دل خوف سے مر جاتے تھے

گر سوئے میمنہ غازی نے اٹھایا گھوڑا
اک نمودار کو ان میں سے نہ جیتا چھوڑا
باگ کو میسرہ والوں کی طرف جب موڑا
کیا انبوہ کو مسمار صفوں کو توڑا
داد ہر وار پہ شاہ دوسرا دیتے تھے
بارک اللہ کی ہر بار صدا دیتے تھے

سن کے نوشاہ صدائے شہِ تفتیدہ جگر
اور لبِ خشک دکھا کہتے تھے با دیدۂ تر
جنگ سر کر دوں میسّر ہو جو تھوڑا پانی
شاہ فرماتے تھے ناچار ہوں قاسمؑ کروں کیا
پانی کا قحط ہے اس دشت میں اے ماہ لقا
صد لوجو رنج ہو یاں اے مرے جانی قاسمؑ
اتنی باتوں میں لعینوں نے جو فرصت پائی
گھر گیا لاکھوں میں شبّیرؑ کا وہ شیدائی
حال تغیّر ہوا تشنہ دہن دولھا کا
کٹ کے چہرے پہ ہر اک پیچ عمامے کا گرا
جوں کتاں ٹکڑے ہوئی تیغوں سے اس مہ کی قبا
دیر تک سنبھلے رہے خانۂ زیں پہ قاسمؑ
نوبتِ فتح بجانے لگے سب بے ایماں
بن بھتیجے کے ہوئے آج شہِ تشنہ دہاں
ہم نے داماد شہِ تشنہ جگر کو مارا
پہونچی جب خیمۂ ناموس نبیؐ میں یہ صدا
ماں نے دولھا کی کلیجے کو پکڑ کر یہ کہا
دل فتح کا جو میداں میں بجا ہے لوگو!
ماں نے دولھا کی جو سر پیٹ کے یہ بات کہی
کہا زینبؑ نے سنبھالو مجھے اس وقت پھوپھی
اُٹھو گھونگٹ مرا دل سینے میں گھبراتا ہے
پڑ گیا خیمۂ ناموسِ نبیؐ میں کہرام
پہونچے دولھا کے سرہانے جو بحالِ ناکام
تھام کر دل کو پکارے مرے پیارے قاسمؑ

دورسے کرتے تھے تسلیم ادب سے جھک کر
العطش العطش اے مالکِ حوضِ کوثر
پیاس حضرت کے دیتی ہے کلیجا پانی
ابن زہرا ترے سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ فدا
تین دن سے نہیں اصغرؑ کو ملا اک قطرا
جا کے کوثر ہی پہ اب بھیجیو پانی قاسمؑ
پشتِ قاسمؑ کی طرف فوج سمٹ کر آئی
ستم و ظلم کی اس ماہ پہ بدلی چھائی
ہوگیا تیروں سے غربال بدن دولھا کا
خوں میں تر ہو گیا مقیش کا سہرا سارا
تن جدا زخمی ہوا کنگنا بندھا ہاتھ جدا
برچھی کھا کر گرے گھوڑے سے زمیں پہ قاسمؑ
شور تھا قتل ہوا قاسمؑ نوشاہ جواں
کریں رنڈ سالہ کا بیٹی کے لئے اب ساماں
برچھیوں سے زنِ بیوہ کے پسر کو مارا
دفعتاً رنگ رخِ اہلِ حرم زرد ہوا
گیا میداں میں جو مجھ رانڈ کا بیٹا مارا
کوسِ رحلت کی یہ قاسمؑ کے صدا ہے لوگو
دل پہ صدمہ ہوا گھونگٹ میں دولھن نے کہا
ضبط کیونکر کروں چلتی ہے کلیجے پہ چھری
اب کوئی آن میں دم تن سے نکل جاتا ہے
سر برہنہ چلے داماد کے لاشے پہ امامؑ
دیکھیں کیا لوٹتا ہے خاک پہ وہ گل اندام
اُٹھو ہم آئے ہیں لاشے پہ تمہارے قاسمؑ

عرض کی کھول کے نوشاہ نے چشمِ پُر نور
اُٹھئے تعظیم کو کس طرح ہے بندہ مجبور
پہلے تو جسم مرا تیروں سے غربال کیا
سُن کے یہ سیدِ بے بکیس کا جگر کانپ گیا
عرض کی قاسمؑ نوشاہ نے رو کر کہ چچا
اور ہے اک بی بی وہ اس درد سے یاں روتی ہے
گود میں چھوٹی سی ہے لاش کھُلا ہے سرِ پاک
درد پہلو سے ہے مجروح و ملول و غمناک
اب نہیں صبر ہے دیتی ہوں دُہائی خالق
کبھی مُنھ چومتی ہے گود میں لے کر مرا سر
واری اس دشت میں مارے گئے دولھا بن کر
ہائے پردیس میں قسمت نے اُسے لوٹا ہے
سُن کے قاسمؑ کا بیاں رشتہ والا نے کہا
کس طرح پیٹ کے سر روتی نہ اماں زہرا
جا ہے رونے کی کہ بیکس بھی ہو ناشاد بھی ہو
یہ سخن سُنتے ہی نوشاہ نے لی خلد کی راہ
درِ خیمے پہ جو نہی پہونچے باحوالِ تباہ
لاش گھوڑے سے اُتروانے کو آؤ بھینا
سُن کے یہ پیٹتی سر خیمے سے زینبؑ دوڑی
بولے شہ لاش میں لایا ہوں نبے قاسمؑ کی
لاش لے جاؤ تم اب مرنے کو میں جاؤں گا
سُن کے یہ زینبؑ بیکس کا عجب حال ہوا
بولی پھر بھائی سے اے سبطِ رسولؐ دوسرا
مادرِ قاسمؑ مقتول کو پُرسا دیجے!

میں سرافراز ہوا لائے جو تشریف حضور
گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہے سارا بدن چکنا چور
گر پڑا خاک پہ گھوڑے سے تو پامال کیا
خاک پر بیٹھ کے نوشاہ کو گودی میں لیا
میرے پہلو میں کھڑے ہیں حسنؑ سبز قبا
جس طرح سے کوئی فرزند کو ماں روتی ہے
بال بکھرے ہوئے ہیں سر کے گریباں ہے چاک
سر پہ ہر مرتبہ کہتی ہے اُڑا دشت کی خاک
اہلِ شر لوٹتے ہیں میری کمائی خالق
کبھی کہتی ہے میں قربان ترے سہرے پر
کچھ دولھن کی بھی ہے اے لال ذرا تم کو خبر
میری کبرا پہ مصیبت کا فلک ٹوٹا ہے
اے مری جان وہ ہے دخترِ محبوبِ خدا
رانڈ ہوتی ہوئی مارا گیا پیارا پوتا
تم تو ماں کے مری پوتے بھی ہو داماد بھی ہو
لاش کو ڈال کے گھوڑے پہ چلے خیمے کو شاہ
کہا چلا کے یہ زینبؑ سے بصد نالہ و آہ
فاطمہ رانڈ کو رنڈسالہ پنھاؤ بھینا
پوچھا کیوں روتے ہو کیا قہر ہوا ہے بھائی
دولھا مارا گیا اک شب کی دولھن رانڈ ہوئی
اپنا مُنھ فاطمہؑ کبرا کو نہ دکھلاؤں گا
ہائے قاسمؑ کہا اور ہاتھوں سے سر پیٹ لیا
آپ کا خیمے میں اس دم ہے مناسب چلنا
رانڈ بیٹی کو ذرا چل کے دلاسا دیجے!

گئے روتے ہوئے ناچار شہِ جنّ و بشر
دیکھ بیٹے کو پچھاڑیں لگی کھانے مادر
شرم سے منہ بھی نہ رونے کو دلھن ڈھانپتی تھی
آکے تب زینبِ بیکس نے کہا یہ رو رو
رانڈ ہو خاک تم اس چاند سے چہرے پہ ملو
یہ مجھے چھوڑ گئے خاک اڑانے کے لئے

بَین یوں کرنے لگی لاش پہ پھر وہ دکھیا
آہ ہستی سے سوئے خلد سدھارے تنہا
وجہ آزردگی کی کیا تھی جو منہ موڑ گئے
میرے والی مرے وارث میں تمہارے قرباں
چاند سی چھاتی پہ ہیں گھوڑوں کی ٹاپوں کے نشاں
دیکھتی ہوں میں جو قسمت مجھے دکھلاتی ہے

کہہ کے یہ کھول دیے گوندھے ہوئے سر کے بال
کہتی تھی رو رو کے اے سیدِ معصوم کے لال
بدتر از موت ہے مجھ رانڈ کا جینا صاحب
تم نے تو قتل کے میداں میں کٹائی گردن
باندھیں گے کنگنے کی جا دستِ حنائی میں رسن
سرِ عریاں پہ ردا لا کے اڑھاوے گا کون

بین یہ ہوتے تھے جو دولہا کی مادر آئی
ساس نے پیٹ کے سر بات یہ تب فرمائی
دل کا میرے کوئی ارمان نکلنے نہ دیا
سامنے لاکے جو رنڈسالے کا جوڑا رکھا
صاحبو اس کے پہنانے سے کہو فائدہ کیا
رسم دنیا کی ہے اے بیکس و غمناک یہی

لاش داماد کی مسند پہ بٹھا دی رو کر
خاک پر بانو گری تھام کے ہاتھوں سے جگر
بید کی طرح سے سرتا بہ قدم کانپتی تھی
شرم اب کیسی ہے واری گئی گھونگٹ الٹو
بولی وہ ہائے پھوپھی جان یہ کیا کہتی ہو
کیا بنایا تھا دلھن رانڈ بنانے کے لئے

ہائے اے ابنِ حسنؑ مجھ سے یہ تم کر گئے کیا
اور دلھن کو بھی نہ خدمت کے لئے ساتھ لیا
آپ جنت کو گئے مجھ کو یہاں چھوڑ گئے
مرے بابا کے لئے خوں میں ہوئے تم غلطاں
کیا کروں ہائے نکلتی نہیں تن سے مری جاں
بدنصیبوں کو بھلا موت کہیں آتی ہے

خاک پر ماتھے سے سہرے کو دیا توڑ کے ڈال
تم ہوئے قتل ملا خاک میں میرا اقبال
کس طرح کاٹوں گی بچپن کا رنڈاپا صاحب
سمجھیں گے اب مجھے بے وارث و بیکس دشمن
کوفہ و شام میں سر ننگے پھرے گی یہ دلھن
قید سے آپ کی بیوہ کو چھڑاوے گا کون

فضہ اک کشتی میں رنڈسالے کا جوڑا لائی
ہائے تو لٹ گئی اے میری بہو دُکھیائی
ہائے یہ جوڑا بھی قسمت نے بدلنے نہ دیا
پیٹ کر سینہ و سر کہنے لگی تب زہراؑ
رو کے تب مادرِ ناشاد نے بیٹی سے کہا
پہنو صدقے گئی رانڈوں کی ہے پوشاک یہی

کھینچ کر آہ حزیں بولی یہ اک شب کی دلہن
دل کی حالت کہوں کس سے میں گرفتار محن
آتش غم سے پھکا جاتا ہے مجھ رانڈ کا تن
پہنوں رنڈسالہ میں ہے نہ ملے اُن کو کفن
پیٹنے کو کسی جنگل میں بٹھا دو مجھ کو
ایک کالی کفنی لا کے پنہا دو مجھ کو

لاش سے دولہا کی پھر کہنے لگی وہ رو رو
رات کے جاگے ہوئے بس سو چکے صاحب اٹھو
بیاہ کا جوڑا تو پہنے ہوئے دیکھا مجھ کو
اب پہنتی ہوں میں رنڈسالے کا جوڑا دیکھو
والی حق میں مرے تم کچھ نہیں فرماتے ہو
سادے کپڑے نئی دُلھن کو پہنواتے ہو

کہہ کے یہ اوڑھنی سر پہ سے اُتاری رو کر
اور اُڑھایا اُسے دولہا کے تنِ زخمی پر
کہتی [illegible] کے سرا مرے بیکس سرور
دے گا کاہے کو کفن تم کو کوئی بداختر
یہ نشانی میں تمہیں [illegible] دیتی ہوں
اپنے سر کی تمہیں چادر کا کفن دیتی ہوں

سن کے یہ بین [illegible] خیمے میں دھوم
چھاتیاں پیٹتی تھیں زینبؑ و اُمِّ کلثومؑ
آئے تب [illegible] خیمے میں شاہِ مظلوم
لے گئے لاشۂ نوشاہ بحالِ مغموم
کھول کر بالوں کو ماں دولہا کی چلانے لگی
گریۂ فاطمہ زہراؑ کی صدا آنے لگی

فرسِ خامہ کی اب تو بھی عناں تھام انیس
رونے سے مجلسِ ماتم میں ہے کہرام انیس
ہوا مداحوں میں سرورؑ کے ترا نام انیس
کر دعا حق سے یہ رو کر سحر و شام انیس
جیتے جی بس اسی غم میں مجھے دن رات کٹے
ابنِ زہراؑ ہی کی مداحی میں اوقات کٹے

رباعی

سوزِ غمِ دوری نے جلا رکھا ہے
آہوں نے کنولِ دل بجھا رکھا ہے
نکلو کہیں جلد عمر آخر ہے انیس
اس ہندِ سیہ بخت میں کیا رکھا ہے

مرثیہ ۹

بند ۱۱۲

ہفتم کو ہوا بند جو پانی شہِ دیں پر
مچھلی سے تڑپنے لگے معصوم زمیں پر
صدمہ تھا عجب بادشہ عرش نشیں پر
اک کوہِ الم ٹوٹ پڑا جانِ حزیں پر
گلبرگ سے لب خشک تھے سر زانو پہ خم تھا
پردیسیوں کی فکر تھی اطفال کا غم تھا

فرماتے تھے بچے نہیں جینے کے ہمارے
مر جائیں گے سب غنچہ دہن پیاس کے مارے
دیتے ہیں ستمگاروں کے دریا کے کنارے
کس سے کہے فرزندِ علیؑ کس کو پکارے
مختاری کو تز جنھیں خالق نے عطا کی
وہ پانی کو محتاج ہیں قدرت ہے خدا کی

مہمانوں کی دعوت کا ہوا خوب سرانجام
قدغن ہے کہ پائے نہ کوئی پانی کا اک جام
ہر سمت سے ہے فوجوں کی آمد سحر و شام
منزل پہ بھی پایا نہ تھکے ماندوں نے آرام
خیمے ستم ایجادوں کے ساحل پہ کھڑے ہیں
خشکی میں جو اترے وہ تباہی میں پڑے ہیں

یہ موسم گرما یہ تب و تاب یہ میداں
یارب مرے اطفال کا بس تو ہے نگہباں
تجھ پر تو ہے ظاہر کہ میں ہوں بے سر و ساماں
افسردہ دل و فاقہ کش و مضطر و حیراں
کیا نفع ہے اعدا کو مری دل شکنی میں
محتاج ہوں پانی کا غریب الوطنی میں

بچے لئے آیا ہے وطن سے یہ مسافر
بندے ہیں ترے ان کا تو ہے حافظ و ناصر
سر دینے کو خادم ہے تری راہ میں حاضر
تو صبر عطا کر کہ نہ تڑپوں دمِ آخر
خنجر کو میں اس حلق پہ چلتے ہوئے دیکھوں
زینبؑ کو نہ خیمے سے نکلتے ہوئے دیکھوں

قاسمؑ کے عوض مجھ کو لگے نیزہ و شمشیر
عباسؑ سلامت رہے بے دست ہو شبیرؑ
مٹی میں نہ دیکھوں ترے محبوب کی تصویر
آگے مرے اصغرؑ کے نہ گردن پہ چلے تیر
سب روئیں مجھے جب سفرِ خلد کروں میں
آباد انھیں چھوڑ کے دنیا میں مروں میں

یہ چاند کے ٹکڑے ہیں مرے گود کے پالے
بن پانی تڑپتے ہیں زبانوں کو نکالے
ان تازہ گلوں کی مجھے جانوں کے ہیں لالے
اولاد کے داغوں سے کلیجے کو بچا لے
راضی ہوں میں جو مجھ پہ گزرنا ہو گزر جائے
بچہ مرا دم توڑ کے جھولے میں نہ مر جائے

کرتے تھے دعا سر کو جھکائے شہِ عالم
سیدانیوں میں رونے کا غل ہوتا تھا ہر دم
چلاتی تھی اصغر کو لئے بانوئے پر غم
دوڑو وارے لوگو مرا بچہ ہوا بے دم

بن پانی سفر کرتے ہیں ہستی کے چمن سے
ننھی سی زباں ہونٹوں پہ نکلی ہے دہن سے
کیا جی پہ بنی ہے کہ ہمکتے نہیں اصغرؑ
اب دودھ کی خاطر بھی بلکتے نہیں اصغرؑ
ہے ہے مری صورت کو بھی تکتے نہیں اصغرؑ
لو نرگسی آنکھیں بھی جھپکتے نہیں اصغرؑ
لے آئے کوئی اذن شہِ جن و بشر سے
پانی کی گدائی کو نکلتی ہوں میں گھر سے

تھے پیاس سے معصوم سراسیمہ و مضطر
لب خشک تھے اور چاند سے منھ آنسوؤں سے تر
چلاتے تھے یہ چھوٹے سے ہاتھوں کو اٹھا کر
پیاسوں پہ کرم کیجئے یا ساقیِ کوثر!

ہے سب پہ عیاں آپ امامِ دو جہاں ہیں
پانی نہیں اور صبح سے ہم تشنہ دہاں ہیں
ساغر لئے حضرت کے قریب آتا تھا کوئی
پانی ہمیں منگوا دو یہ چلاتا تھا کوئی
سوکھے ہوئے لب شاہ کو دکھلاتا تھا کوئی
ہم پیاسے ہیں یہ کہہ کے لپٹ جاتا تھا کوئی
پانی تو نہ تھا اشک بہا دیتے تھے حضرت
شرما کے سرِ پاک جھکا لیتے تھے حضرت

زینبؑ کو عجب رنج تھے قسمت نے دکھائے
دھڑکا تھا کہ بچہ نہ کوئی ہاتھ سے جائے
بہلاتی تھیں چھاتی سے سکینہؑ کو لگائے
وہ کہتی تھی مرتی ہوں میں پانی کوئی لائے
اب پیاس کی گرمی سے مجھے تاب نہیں ہے
یہ کیسی ہے منزل کہ جہاں آب نہیں ہے

تڑپوں گی زمیں پر مجھے گودی سے گرا دو
صدقہ علی اصغرؑ کا مری پیاس بجھا دو
اک بوند بھی ہوئے تو مرے منھ میں چوا دو
خالی ہی کٹورا مرے ہونٹوں سے لگا دو
پانی نہ ملے گا تو بہلنے کی نہیں میں
اب کی جو غش آیا تو سنبھلنے کی نہیں میں

دن بھر اسی بیتابی میں بچوں نے گزارا
رویا کیا مخدومۂ کونین کا پیارا
صحرائے مصیبت میں ہوئی شام قضارا
گردوں سے گیا خسروِ خاور نے کنارا
مغرب کے فریضے کو ادا کرتے تھے شبیرؑ
روتے تھے اور امت کی دعا کرتے تھے شبیرؑ

وہ شامِ غم انجام وہ صحرا کی سیاہی
بچوں کا وہ رونا وہ غریبوں کی تباہی
زینبؑ کو یہ تھا سوچ کہ کیا ہوگا الٰہی
بربادیِ سادات پہ بے دینوں نے چاہی
وہ جنگ کا ساماں ہے نہ کچھ فوج ادھر ہے
لٹ جانے کا بھی خوف ہے شب خوں کا بھی ڈر ہے

دل رندھ گئے تھے تیرگیٔ دشتِ بلا سے
شمعیں بھی بجھی جاتی تھیں جنگل کی ہوا سے
باقرؑ کو کلیجے سے لگا لیتی تھی بانو
کم ہوتی تھی جوں جوں وہ شبِ روزِ مصیبت
وہ شب تھی غریبوں کے لئے صبحِ قیامت
بہلاتی تھیں مائیں پہ نہ چپ ہوتے تھے بچے
اُترا ہوا تھا نہر پہ واں لشکرِ اظلم
پانی کی نہ پروا تھی نہ کھانے کا انھیں غم
روشن تھیں ادھر مشعلیں لشکر میں عمر کے
چوکی کے پیادے یہ صدا دیتے تھے ہر بار
زغے میں رہے لختِ دلِ احمدؐ مختار
اُس فوج کا پیاسا کوئی یاں آنے نہ پائے
اس شیرِ دلاور کے پسر سے ہے لڑائی
ان شیروں کے قابو میں نہ آجائے ترائی
آمادہ رہو جنگ خدا جانے کب ہو
پھرتے تھے ادھر گردِ خیامِ شہِؑ ابرار
کاندھے پہ سپر بر میں زرہ ہاتھ میں تلوار
حرمت میں یہ خیمہ بھی نہیں کعبے سے کم ہے
مصروفِ عبادت تھا یہ اللہ کا جایا
تو پیاس سے پھر بالی سکینہؑ کو غش آیا
فرمایا کہ سنتے ہو یہ کیا شور ہے بھائی
عباسؑ نے کی عرض کہ اے قبلۂ اکرم
پانی کا تو یہ قحط ہے گرمی کا یہ عالم
دن بھر تو کٹا اب بھی جو پانی نہ بٹیں گے

روتے تھے حرم خیمے میں بیٹھے ہوئے پیاسے
جی ڈرتے تھے بچوں کے درندوں کی صدا سے
چھاتی تلے اصغرؑ کو چھپا لیتی تھی بانو
ہوتی تھی فزوں وحشتِ پُر آشوب کی دہشت
ایذائے سفر فاقہ کشی پیاس کی شدت
مچلے ہوئے کھانے کے لئے روتے تھے بچے
اطراف سے فوجیں بھی چلی آتی تھیں پیہم
تھے فاقے سے اطفالِ شہنشاہِ دو عالم
جلتے تھے اندھیرے میں ادھر داغ جگر کے
ہاں جاگتے رہیو کوئی سوئے نہ خبردار
غفلت کا نہیں وقت ذرا گھات سے ہشیار
یاں کا بھی اُدھر چھپ کے کوئی جانے نہ پائے
جب پر نہ کبھی فتح کسی فوج نے پائی
پانی انھیں پہنچا تو ہماری اجل آئی
گر آن پڑیں نہر پہ پیاسے تو غضب ہو
کچھ لوگ لئے حضرتِ عباسؑ علمدار
فرماتے تھے ہاں غازیو ہر سمت سے ہشیار
سَو بار تصدق ہو کہ یہ طوفِ حرم ہے
جو خیمے میں سیدانیوں نے شور مچایا
گھبرا کے علمدار کو حضرتؑ نے بلایا
بن پانی سکینہؑ تو لبِ گور ہے بھائی
چلتی ہیں کلیجے پہ مرے برچھیاں پیہم
بچوں کا تو کیا ذکر جوانوں میں نہیں دم
فرمائیے کس طرح سے معصوم جئیں گے

ہم قبلۂ کونین کی مرضی سے ہیں ناچار
کچھ نہر سے پانی کا تو لانا نہیں دشوار
سُن پائیں جو خادم ابھی حکمِ شہِ ابرار
معلوم نہ ہووے کہ کدھر تھے یہ ستمگار
تلواروں کو چمکا کے جو لشکر پہ گریں گے
مر جائیں تو مر جائیں پہ خالی نہ پھریں گے

گو فوج بہت کم ہے مگر سب شرفا ہیں
دیں دار ہیں ابرار ہیں اور اہلِ وفا ہیں
یوں دیکھو تو مظلوم ہیں راضی برضا ہیں
اور وقتِ جہاد آئے تو آفت ہیں بلا ہیں
دعویٰ ہے ہر اک کو کہ ہزاروں سے لڑیں گے
یہ نہر ہے کیا آگ میں ہم کود پڑیں گے

شہ نے کہا اُمت کا نہیں قتل گوارا
منظور نہیں آپ سے دریا سے کنارا
اس وقت مگر ہے مرے خالق کا اشارا
جاؤ کہ خدا حافظ و ناصر ہے تمہارا
جرأت تمہیں ورثہ ہے شہنشاہِ نجف سے
کیجو نہ مگر سبقتِ جنگ اپنی طرف سے

یہ سُن کے اُٹھا نورِ نگاہِ اسداللہ
حضرت نے کئے تیسؔ سوار آپ کے ہمراہ
مشکیں لئے سب گرد تھے اور بیچ میں وہ ماہ
فرماتے تھے نصرت کی دُعا سیدِ ذی جاہ
بھیجا تھا یہ بیتاب امامِ دوجہاں تھے
آنسو شہِ مظلوم کی آنکھوں سے رواں تھے

جا پہنچا اُدھر تیس سواروں سے وہ صفدر
سب دشت ہوا حُسن کے پرتو سے منور
دریا کی ترائی میں بچھی نور کی چادر
جو سوتے تھے وہ چونک پڑے صبح سمجھ کر
تھی رات پہ ثابت ہوا یہ لشکرِ کیں پر
خورشید فلک سے اتر آیا ہے زمیں پر

ناگہ بن حجاجِ لعیں آ کے پکارا
تم کون ہو یاں رات کو کیا کام بھلا
دشوار ہے تا نہر پرندوں کا گزرنا
دریا کے کنارے سے کرو جلد کنارا
تلواروں سے کل کاٹیں گے شبیرؑ کے سر کو
پانی نہیں ملنے کا محمدؐ کے پسر کو

بولا یہ ہلالِ بجلی شاہ کا یاور
اے شخص میں ہوں تیرا چچا زاد برادر
آیا ہوں کہ پانی سے لبِ خشک کروں تر
اُس نے کہا سیراب ہو اے میرے دلاور
پیارا نہیں پانی تمہیں تو اور کسی سے
گر ہے تو عداوت ہے حسینؑ ابن علیؑ سے

اس نے کہا کیا کہتا ہے تو او ستم آرا
اس پانی کا پینا مجھے کیوں کر ہو گوارا
واں پیاس سے مرتا ہے ید اللہ کا پیارا
اطفال کو اب تشنہ لبی کا نہیں یارا
اس ظلم سے باز آ جو شناسا ہے نبیؐ کا
یہ اور کوئی ہے کہ نواسا ہے نبیؐ کا

یہ وجہ عداوت کی نبی زادے سے کیا ہے
مارا ہے کسے اس نے کسے قتل کیا ہے
مہمان ہے سیّد ہے گرفتارِ بلا ہے
جو اپنے گھر آئے یہ ستم اُس پہ روا ہے
جس کو نہیں ملتا اُسے لا دیتے ہیں پانی
پیاسا ہو تو کافر کو پلا دیتے ہیں پانی

کر دل میں ذرا غور تو ہے قاریِ قرآں
ممنوع ہے کیسا عمداً قتلِ مسلماں
شبیرؑ تو ہے حامیِ دیں صاحبِ ایقاں
سب خلق پہ ہے جس کا پدر سابق الایماں
ہر شخص کو عزت بھی اسی گھر سے ملی ہے
ایمان کی دولت بھی اسی گھر سے ملی ہے

ظالم نے کہا سچ ہے جو تو کرتا ہے مذکور
شبیرؑ کو سیراب کریں یہ نہیں منظور
یاں لاکھ جواں ہم ہیں اسی بات پہ مامور
وہ شیر پکارا کہ یہ میرا نہیں مقدور
پانی کے لئے نہر پہ سر دیویں گے ہم بھی
میدانِ وغا لاشوں سے بھر دیویں گے ہم بھی

جس وقت کہ آپس میں زیادہ ہوئی تکرار
اک شور ہوا دونوں طرف کھنچ گئی تلوار
فرمانے لگے حضرتِ عباسؑ علمدار
میں لڑتا ہوں ہاں ڈال دو تم پانی مری جان
زورِ اسد اللہ دکھا دیتا ہوں اُن کو
اک حملہ میں دریا سے بھگا دیتا ہوں اُن کو

یہ کہتے تھے عباسؑ کہ اعدا کے چلے تیر
غازی نے کیا مثلِ علیؑ نعرۂ تکبیر
بجلی سی شبِ تار میں رخشاں ہوئی شمشیر
گر گر کے ترائی میں تڑپنے لگے بے پیر
جس غول میں جا پڑتے تھے تاریکیٔ شب میں
شیر آیا ترائی میں یہ غل ہوتا تھا سب میں

آخر نہ ہوا تھا ابھی یاں حملۂ اوّل
فوجِ ستم آرا میں ادھر ہو گئی ہل چل
گھوڑوں پہ اندھیرے میں گرے پڑتے تھے پیدل
لامع ہوئی جب تیغ تو روشن ہوا جنگل
اُڑتے ہوئے گردوں پہ شرارے نظر آئے
بجلی کہیں چمکی کہیں تارے نظر آئے

ہر دم برشِ تیغِ دو دم ہوتی تھی افزوں
دریا کے قریں خون کا بہنے لگا جیحوں
چھینٹوں سے لہو کے سپریں ہو گئیں گلگوں
چلاتے تھے اعدا یہ لڑائی ہے کہ شبخوں
ریتی پہ طپاں ہے کوئی جل جاتا ہے کوئی
پارہ کی طرح اُڑ کے نکل جاتا ہے کوئی

رہوار چھلاوا ہے کہ شہبازِ نظر ہے
نیزہ ہے کہ افعی ہے سناں ہے کہ شرر ہے
تلوار ہے یا ماہیٔ دریائے ظفر ہے
خورشید کے پنجے میں سپر ہے کہ قمر ہے
حملے ہیں نئے جنگ کے انداز جدا ہیں
یہ حضرتِ عباسؑ ہیں یا شیرِ خدا ہیں

جب شیر سا آپڑتا ہے گھوڑے کو ڈپٹ کر
ہو جاتی ہے سب فوج پراگندہ سمٹ کر
جس غول پہ گرجاتا ہے اک وار جھپٹ کر
دشمنؔ کے سر خاک پہ گر پڑتے ہیں کٹ کر
گر سیل کہیں سیل میں یہ کاٹ کہاں ہے
معلوم نہیں ہم ہیں کہاں گھاٹ کہاں ہے

ساحل سے کنارے ہوئے جب سارے ستمگار
دریا میں در آئے شہِ مظلوم کے انصار
مشکیں بھریں اور جلد چلے پھیر کے رہوار
تھا تیغ بکف لختِ دلِ حیدرِ کرار
جو روکتا تھا شیر سے بڑھ پڑتے تھے عباسؑ
ان سب کو بچاتے بھی تھے اور لڑتے تھے عباسؑ

فرماتے تھے تم تک نہیں آسکتے ہیں بے پیر
ہاتھ اُس کا اڑادوں کوئی چھاگل میں جو دے تیر
دو مشکیں تو تھیں دوش پہ اور ہاتھ میں شمشیر
نعرہ تھا کہ نزدیک ہے اب خیمۂ شبیرؑ
خود پیاسے تھے اور تشنہ دہانوں کی سپر تھے
تنہا تھے مگر تیسؑ سواروں کی سپر تھے

واں جنگ تھی بیتاب تھا یاں فاطمہؑ کا لال
تر آنسوؤں سے ہوتا تھا رومال پہ رومال
تھے جمع حرم ڈیوڑھی پہ سب کھولے ہوئے بال
اور فاطمہؑ کی بیٹیاں تھیں مضطرب الحال
غش ہوتا تھا میداں میں تو گھبراتے تھے شبیرؑ
ہر مرتبہ خیمے سے نکل آتے تھے شبیرؑ

ہاتھوں کو اُٹھا کر یہ دعا کرتے تھے پیہم
یا قادر و یا ناصر و یا خالقِ عالم
مجھ بیکس و بے پر کے تو ہے حال سے محرم
عباسؑ دلاور کی مدد کیجیو اس دم
وہ آئے تو پانی کے بھی پینے کا مزا ہے
اس بھائی سے شبیرؑ کے جینے کا مزا ہے

یارب ترے شبیرؑ کا یاور ہے تو یہ ہے
عاشق ہے تو یہ ہے جو برادر ہے تو یہ ہے
حمزہ ہے تو یہ ہے مرا جعفر ہے تو یہ ہے
گر فوج ہے تو یہ ہے جو لشکر ہے تو یہ ہے
طاقت ترے محبوب کو تھی تیرے ولی سے
قوت ہے مرے جسم میں عباسؑ علی سے

عباسؑ کے بچوں کی یتیمی نہ دکھانا
ماتم میں چچا کے نہ سکینہ کو رُلانا
چھوٹی مری بھاوج کو رنڈاپے سے بچانا
دریا سے سلامت تو اسے پھیر کے لانا
وہ آکے ملے گا تو ٹھہر جائے گا شبیرؑ
بچھڑے گا جو عباسؑ تو مر جائے گا شبیرؑ

تھی زوجۂ عباسؑ سراسیمہ و مضطر
دھڑکا تھا کہ کیا دیکھوں دکھاتا ہے مقدر
تنہا وہ کہاں اور کہاں شام کا لشکر
اعدا سے لڑیں گے شبِ تاریک میں کیوں کر
تشویش ہے فرزندِ رسولؐ دوسرا کو
یارب تو بچا لیجیو سکینہؑ کے چچا کو

ڈیوڑھی پہ کھڑا تھا پسرِ ساقیٔ کوثر
دریا سے پھرے حضرتِ عباسؑ دلاور
مشکیزے بھی پُر آب ہیں تائیدِ خدا سے
بس اتنے میں عباسؑ نے آواز سُنائی
درپیش ہے اب روح کو قالب سے جُدائی
اللہ نے پھیرا انھیں تیغوں کے تلے سے
عباسؑ پکارے شہِ کونین میں آیا
دریا کے کنارے سے لعینوں کو بھگایا
سب پیاسوں کو مژدہ یہ سُنا دیجئے مولاؐ
مشکیں لئے اتنے میں دلاور نظر آئے
قدموں پہ جو آقا کے جُھکانے وہ سر آئے
انجام کی اس عاشقِ باری کو خبر تھی
کاندھے پہ جو عباسؑ کے مشکیزہ کو دیکھا
ہم شکلِ پیمبرؐ نے کہا اے شہِ والا
وہ آئے جواں یاں کے شکستِ اہلِ وفا کو
فرمایا شہِ دیں نے ہمیں اس کی خبر ہے
بے وجہ نہیں روئے جبیں اشکوں سے تر ہے
یاں بھائی سے بھائی کو جدا ہونا ہے بیٹا
وہ وقت مری آنکھوں تلے پھر گیا اکبرؑ
پانی انھیں لانے نہیں دیویں گے ستمگر
ہم خاک بسر ان کی جدائی میں رہیں گے
یہ کہہ کے علمدار سے لپٹے شہِ خوش خو
فرماتے تھے میں صدقے ترے اے مرے گل رو
روتا ہوں کہ یاد آتا ہے انجام تمہارا

ناگاہ خبر دی یہ خبردار نے آکر
آپہنچے ہیں اُردوئے حق کے برابر
زخمی بھی نہیں ہے کوئی حضرتؑ کی دُعا سے
چلّائے شہِ دیں کہ میں صدقے ترے بھائی
تم آئے نہیں جان تنِ زار میں آئی
جلد آکے لپٹ جاؤ برادر کے گلے سے
اللہ مرے سر پہ رکھے آپ کا سایا
پانی بھی غلام آپ کے اقبال سے لایا
غش ہووے سکینہؑ تو جگا دیجئے مولا
خیمے کے قریب گھوڑوں سے نیچے اُتر آئے
آنسو شہِ مظلوم کی آنکھوں میں بھر آئے
مشکوں پہ کبھی اور کبھی ہاتھوں پہ نظر تھی
رونے لگے چلّا کے شہِ یثرب و بطحا
رونے کی ہے کیا وجہ یہ موقع ہے خوشی کا
لایا ہے خدا پھیر کے عباسؑ چچا کو
یاں معرکۂ روزِ دہم پیشِ نظر ہے
کیا خوش ہوں کہ سو داغ ہیں اور ایک جگر ہے
ان ہاتھوں پہ کیا جانئے کیا ہونا ہے بیٹا
جب مشک سکینہؑ کی سدھاریں گے یہ لے کر
ڈوبے گی الم سے کمرِ سبطِ پیمبرؐ
مشک آئے گی گھر میں یہ ترائی میں رہیں گے
چومے کبھی ہاتھ اور کبھی شانے کبھی بازو
اس سینے سے آجاتی ہے بابا کی مجھے بو
سقّائے حرم آج سے ہے نام تمہارا

مشکیں لئے گھر میں پسرِ فاطمہؑ آیا
زینبؑ نے خوشی ہو کے سکینہؑ کو جگایا
کلثوم نے آغوش میں باقرؑ کو اُٹھایا
بیٹوں کو علمدار کی زوجہ نے بلایا
مادر کے رُخِ پاک کو تکنے لگے اصغرؑ
جھولے میں خوشی ہو کے ہمکنے لگے اصغرؑ

سب نے کہا پہلے علی اصغرؑ کو پلاؤ
شبیرؑ پکارے مری دختر کو پلاؤ
بانوؑ نے کہا زینبِؑ مضطر کو پلاؤ
زینبؑ نے کہا میرے برادر کو پلاؤ
اُمیدِ حیاتِ شہِ بے آس نہیں ہے
بھائی کی مصیبت میں مجھے پیاس نہیں ہے

فرمایا شہِ دیں نے کہ اے بیبیو آؤ
بچوں کو بھی لاؤ علی اصغرؑ کو بھی لاؤ
پھر پانی نہیں ملنے کا لو پیاس بجھاؤ
ہاں بعد حسینؑ ابن علیؑ پاؤ تو پاؤ
تقدیر میں ہے خنجر و شمشیر کا پانی
یہ آخری ہے قسمتِ شبیرؑ کا پانی

مصروف ہوا پھر پسرِ ساقیِ کوثر
سب پیاسوں کو بھر بھر کے دیے پانی کے ساغر
شاداب ہوا گلشنِ اسلام سراسر
تب بھائی سے فرمانے لگے سبطِ پیمبرؑ
سب پی چکے اونٹوں کی بھی اب پیاس بجھادو
باقی ہے جو پانی اُسے گھوڑوں کو پلادو

عباسؑ نے کی عرض کہ اے قبلۂ عالم
بچوں کے لئے پانی کا رکھنا ہے مقدم
فرمایا کہ بھائی یہ مناسب نہیں اس دم
مشہور ہیں دنیا میں سخی ابن سخی ہم
ہم پانی پئیں وہ نہ پئیں شرم کی جا ہے
حیواں نہ پیاسے رہیں بچوں کا خدا ہے

یہ سنتے ہی باہر گیا وہ عاشقِ باری
مشکیں جو بھری آئیں تھیں خالی ہوئیں ساری
وہ رات تو راحت سے غریبوں نے گزاری
ہشتم سے وہی پیاس تھی اور گریہ و زاری
گھیرے تھے لعیں سبطِ رسولِ عربی کو
پھر پانی دہم تک نہ ملا آلِ نبیؐ کو

مطلع دوم

جب رن میں نمایاں ہوئی صبحِ شبِ عاشور
سب عالمِ ایجاد ہوا نور سے معمور
خورشید کی آمد ہے ستارے ہوئے بے نور
چہروں سے اُڑا رنگِ حرم صورتِ کافور
معصوم بچھڑتے ہیں عدم کے سفری سے
پروانے گلے ملتے تھے شمعِ سحری سے

جب پڑھ چکے شہ بعد فریضے کی دعائیں
فرمایا کہ رخصت کے لئے بیبیاں آئیں
چھاتی سے پھر اک بار سکینہؑ کو لگائیں
کچھ بانوؑ سے کہہ لیویں تو سر دینے کو جائیں
بیبیوں سے ملاقات کی فرصت نہ ملے گی
پھر حشر تلک بات کی مہلت نہ ملے گی

بچے لئے وہ بیبیوں کا سامنے آنا
وہ بانوؑ کا سر پائے مبارک پہ جھکانا
رخ زرد تھا عریاں ہر اک بی بی کا سر تھا
روتے ہوئے خیمے سے برآمد ہوئے شبیرؑ
چلنے سے نقاہت تھی زبس پاؤں کی زنجیر
چلاتے تھے سب بچے ہمیں بابا سے چھڑایا

مرکب پہ جگر بند محمدؐ ہوا اسوار
وہ فوجِ حسینی وہ علم اور وہ علمدار
لشکر کے فدا سرورِ ذی جاہ کے صدقے
پہنچے جو وہ مردانِ وغا دشتِ وغا میں
سرگرم تھے سب الفتِ شاہِ شہدا میں
کہتے تھے کہ آقا کی یہ تائید کا دن ہے

یہ روز مبارک ہے سعادت ہے یہ مرنا
ہاں غازیو اس کثرتِ اعداء سے نہ ڈرنا
گھوڑوں کی عنانوں کو عنانوں سے ملا دو
افضل ہے عبادت سے مددگاریِ شبیرؑ
بجلی سے گرو واں کوئی چمکائے جو شمشیر
چھاتی سے ہمیں آج لگاویں گے محمدؐ

معلوم نہ ہوگا یہ کئی روز کا فاقا
اولاد سے مطلب ہے نہ گھر سے ہے علاقا
پایا ہے یہ کس نے جو ہمیں پایا ملے گا
کیا فوج تھی کیا لوگ تھے اللہ رے ارادے
ایک ایک جب آقا کے لئے جان لڑا دے
سردار مجاہد ہو تو انصار ہوں ایسے

شبیرؑ کا ایک ایک کو چھاتی سے لگانا
وہ شاہؑ کا قسمیں سرِ اکبرؑ کی دلانا
ماتم کا مرقع شہِ مظلوم کا گھر تھا
بیٹی کہیں غش کھا کے گری اور کہیں ہمشیر
تڑپا کئے اور اٹھ نہ سکے عابدؑ دلگیر
بیمار کو قسمت نے مسیحا سے چھڑایا

کس شوق سے گھوڑوں پہ چڑھے یاور و انصار
خاتونِ قیامت کی صدا آتی تھی ہر بار
ان تاروں کے قربان اور اس ماہ کے صدقے
تھا غلغلۂ صلِّ علیٰ ارض و سما میں
ثابت تھے دلیروں کے قدم راہِ خدا میں
کٹوائیے ہنس ہنس کے گلے عید کا دن ہے

سجدے میں سرِ تیغ سر اس جنگ میں دھرنا
ہر زخم پہ دم الفتِ شبیرؑ کا بھرنا
تیغوں سے گلے سینے سنانوں سے ملا دو
خود دوڑو کمانداروں کی جانب صفتِ تیر
کس شخص کے یاور ہو زہے عزت و توقیر
رونے کے لئے لاشوں پہ آویں گے محمدؐ

جب تیغوں کے پھل کھائیں تو حاصل ہو افاقا
دنیا میں کہاں پائیں گے شبیرؑ سا آقا
قبروں کو بھی شبیرؑ کا ہمسایا ملے گا
اس پر بھی بہتّر تھے سوار اور پیادے
کیوں کر نہ بھلا فاطمہؑ ان سب کو دعا دے
آقا جو ہو ایسا تو مددگار ہوں ایسے

یوسف سے حسیں حسن شرف میں مہ کنعاں — شرمندہ جنھیں دیکھ کے ہو نیر تاباں
تھا کوئی مفسر تو کوئی حافظ قرآں — غل چار طرف تھا یہ ملائک ہیں کہ انساں
لبریزئ حسن صراحی سے گلے تھے — سینے نہ کہو چاند عباؤں کے تلے تھے
ہتھیار چمکتے ہوئے اور برق سے تازی — دیں دار خوش اطوار وفادار نمازی
مکی و قریشی و حسینی و حجازی — زور آور و لشکر شکن و صفدر و غازی
جب آنکھ ملا دیں تو دلیروں کو بھگا دیں — قبضے پہ رکھیں ہاتھ تو شیروں کو بھگا دیں
قامت ہے وہ شمشاد بلندی میں جہاں پست — ساعد وہ جو ضیغم کی کلائی سے زبردست
سینے وہ تھے سرکیں نہ جو سو تیر ہوں پیوست — تھے ساقی کوثر کی محبت میں وہ سرمست
کس شوق سے آقا کے قدم چوم رہے تھے — تلواروں کو کاندھوں پہ دھرے جھوم رہے تھے
صف باندھے ہوئے قبلۂ عالم کے یگانے — استادہ تھے شانوں سے ملائے ہوئے شانے
تسبیح امامت نے عجب پائے تھے دانے — اک رشتہ میں جا گا انھیں بخشی تھی خدا نے
کیا عزت و حرمت تہ افلاک تھی اُن کی — کہتے ہیں جسے خاکِ شفا خاک تھی اُن کی
کہتا تھا کوئی اکبرِ ذی جاہ کو دیکھو — عباسؑ کو دیکھو علم شاہ کو دیکھو
کیا نور ہے فرزند یداللہ کو دیکھو — تاروں کی طرف دیکھ چکے ماہ کو دیکھو
یہ وہ ہیں کہ دشمن کی برائی میں نہیں ہیں — ایسے تو جواں ساری خدائی میں نہیں ہیں
ڈنکے پہ پڑی چوب بڑھا شام کا بادل — نعروں سے دلیروں کے لگا گونجنے جنگل
تلواریں جو چمکیں تو پڑی فوج میں ہلچل — آگے صفِ آخر ہوئی پیچھے صفِ اوّل
کیا زور تھا انصارِ شہِ تشنہ دہاں کا — لشکر تہ و بالا ہوا دو لاکھ جواں کا
جس شیر نے رہوار فلک سیر کی لی باگ — اک ایک یہ کہتی اجل آئی کہ ارے بھاگ!
سادات کی تلواروں کو تم سے ہے سدا لاگ — یہ صاعقہ ہے خرمن ہستی کے لیے آگ
جو قبلہ کسی جا انھیں جھکتے نہیں دیکھا — تلواروں کو اُن کی کبھی رُکتے نہیں دیکھا
مارے گئے لڑ بھڑ کے جو وہ مومن کامل — جا جا کے اُٹھا لائے انھیں سرورِ عادل
کس طرح بشر سے ہوں بیاں اُن کے فضائل — رتبے میں ملک ہو نہ سکے جن کے مقابل
رونے کو نہ مادر تھی نہ ہمشیر سرہانے — تھا وقتِ اجل زانوئے شبیر سرہانے

جب آئی عزیزوں کے جدا ہونے کی باری
خون جگر آنکھوں سے ہوا شاہ کی جاری
فرماتے تھے ہر بار کہ جو مرضئ باری
گر شکر ادا کرتے تھے گو گریہ و زاری
سادات کے حملوں سے قیامت ہوئی رن میں
بس عصر تلک سب کی شہادت ہوئی رن میں

لشکر میں پڑا شور کہ تنہا ہوئے شبیرؑ
ہشیار کہ ہوتی ہے علم حیدری شمشیر
آگے قدر انداز بڑھے چلنے لگے تیر
حضرت کا یہ تھا حال کہ تھے ششدر و دلگیر
خیمے کو حرم کے کبھی تکتے تھے پلٹ کر
روتے تھے کبھی لاشۂ اکبرؑ سے لپٹ کر

فرماتے تھے کیا سوتے ہو اٹھو علی اکبرؑ
تنہائی میں بابا کی خبر لو علی اکبرؑ
حلقے میں لیا فوج نے ہم کو علی اکبرؑ
آنکھیں تو ذرا کھول کے دیکھو علی اکبرؑ
بیکس کی مدد کرنے کو آتے نہیں بیٹا
نیزوں سے لعینوں کے بچاتے نہیں بیٹا

یہ کہتے تھے جو لاشۂ اصغرؑ نظر آیا
بچے کو عجب پیار سے چھاتی سے لگایا
بوسے لئے آنکھوں کے لہو منھ سے چھڑایا
چھوٹے کو بڑے بھائی کے پہلو میں لٹایا
اک ہاتھ کا تکیہ کیا معصوم کے سر کا
اک ہاتھ رکھا سینے پہ مجروح پسر کا

چلائے کہ اکبرؑ علی اصغرؑ سے خبردار
جنگل میں ذرا چھوٹے برادر سے خبردار
اے مہر درخشاں مہ انور سے خبردار
ہے خوف کی منزل مرے دلبر سے خبردار
اس طرح سے بہلاؤ کہ روئے نہیں اصغرؑ
بے ماں کبھی آرام سے سوئے نہیں اصغرؑ

ناگاہ صدا آئی کہ اے عاشق باری
صدقے ترے بچوں کے یہ ماں سوگ کی ماری
محسن ہے مجھے کم نہیں اولاد تمہاری
حاضر ہوں میں لاشوں کی نگہبانی کو واری
روتی ہوں غم اصغرؑ بے شیر میں بیٹا
لکھی تھی یہ خدمت مری تقدیر میں بیٹا

شادی مجھے اکبرؑ کی نہ قسمت نے دکھائی
حسرت رہی پوتے کی دلہن گھر میں نہ آئی
اب آئی تو لاشوں کی نگہبانی کو آئی
لوٹا مجھے امت نے محمدؐ کی دوہائی
تاراج محمدؐ کا گلستان ہوا ہے
پھولا پھلا گلشن مرا ویران ہوا ہے

اک باغ فدک تھا سو اسے پہلے ہی لوٹا
اور آج تو زہراؑ پہ فلک ظلم کا ٹوٹا
اس باغ کے لٹ جانے سے فردوس بھی چھوٹا
ہے ہے نہ کوئی گل ہے نہ غنچہ ہے نہ بوٹا
تلواروں سے پھل کھا کے سب پھول جھڑے ہیں
کاٹے ہوئے ریتی میں مرے سرو پڑے ہیں

پہچان کے مادر کی صدا رونے لگے شاہ
فرزندوں کے غم میں دلِ پُر درد سے کی آہ
جب تیر برسنے لگے معصوم پہ ناگاہ
اعدا سے مخاطب ہوا تب ابنِ یداللہ
ہاں آؤ اگر حوصلہ باقی ہے کسی کو
ناچار علم کرتا ہوں شمشیرِ علیؑ کو

میں وارثِ شمشیرِ شہِ قلعہ کشا ہوں
میں مہتممِ خانۂ ربِ دوسرا ہوں
رحمت ہوں کبھی میں تو کبھی قہرِ خدا ہوں
بخشوں جسے چاہوں میں نہ بخشوں جسے چاہوں
اللہ نے بچپن سے مجھے پیار کیا ہے
جنت کا بھی دوزخ کا بھی مختار کیا ہے

جو دوست ہیں میرے انھیں دوزخ کا نہیں ڈر
گھر ان کے ارم میں ہیں مرے گھر کے برابر
ہے خلدِ بریں الفتِ اولادِ پیمبرؐ
چشمہ ہے محبت کا مری چشمۂ کوثر
کب عرش نے پایا ہے جو پایا ہے ہمارا
طوبا جسے کہتے ہیں وہ سایا ہے ہمارا

فردوس کے میوے مری الفت کے ثمر ہیں
گلگشت کو جنت کے چمن پیشِ نظر ہیں
ان سب کے دل پنجتنؑ پاک میں گھر ہیں
شیعوں کے لئے حشر میں ہم سینہ سپر ہیں
اس معرکے میں عیش و نشاط ان کے لئے ہے
نے خوفِ جہنم نہ صراط ان کے لئے ہے

قبروں سے وہ ہنستے ہوئے ہوویں گے برآمد
اور پائیں گے قصرِ گہر و لعل و زبرجد
جو دشمنِ زہراؑ و علیؑ ہے وہ ہے مرتد
ایماں کے عدو گن لو کہ ہیں حبِ محمدؐ
کافر کا جگر سینے میں یاں خوف سے شق ہے
گر غور کرو نامِ علیؑ کو تو بہ حق ہے

فرما کے یہ شمشیرِ دو پیکر کو نکالا
اک برق چمکنے لگی تا عالمِ بالا
کونین میں اس تیغ نے اک تہلکہ ڈالا
گردوں تو گرا تھا پہ فرشتوں نے سنبھالا
جب عرشِ خدا ہلتا تھا تھراتے تھے افلاک
جھک جھک کے سوئے خاک سنبھل جاتے تھے افلاک

چھایا ہوا تھا چاروں طرف ڈھالوں کا بادل
شمشیر تھی مانندِ ہلالِ صفتِ اول
تھی جانوں کی دہشت سے عجب فوج میں ہلچل
پیدل پہ تو اسوار تھے اسواروں پہ پیدل
بند آنکھیں کئے فوج کئی کوس تلک تھی
آئینۂ شمشیر میں بجلی کی چمک تھی

سمٹی ہوئی تھی گاوِ زمیں خوف کے مارے
طائر بھی درختوں سے اُڑے جاتے تھے سارے
حیدرؑ کی صدا آتی تھی ہاں لے مرے پیارے
میں بھی ہوں مدد کے لئے ہمراہ تمہارے
کھینچا ہے تو مت روکیو شمشیرِ دو دم کو
اس تیر لگے بازو پہ صدقے کرو ہم کو

پستی سے بلندی کو جھکی جب کہ وہ شمشیر
ہر صف میں کماں دار گریزاں ہوئے جوں تیر
اسوار جو نامی تھے وہ توسن سے جدا تھے
بیکار تھیں اعدا کی کمانیں دمِ پیکار
چلّوں کو اُڑاتی تھی جو ہر وار میں تلوار
پامال ہر اک ظالمِ سرکش نظر آیا

گھوڑے کو اُڑاتے جو سواروں کے پرّوں پر
جب چاہتے تھے وار کو روکیں سپروں پر
اُڑ جاتی تھی گرتی تھی نکل جاتی تھی سن سے
تلوار پڑی شاہ کی جس دشمنِ دیں پر
گردن سے لگی سینے پہ اور سینے سے زیں پر
تھا شور کہ اعجاز ہے یہ ضرب نہیں ہے

بجلی سی جو گر کر وہ صفِ جنگ سے نکلی
اسوار کے سر پر جو پڑی تنگ سے نکلی
چھوڑا جسے مقتل میں لہو چاٹ کے چھوڑا
جس شامی کے شانے پہ پڑی شانہ جدا تھا
تکبیر جدا نعرۂ شیرانہ جدا تھا
اس جنگ میں بھائی کو نہ بھائی کی خبر تھی

غل فوج میں تھا حیدرِ صفدرؑ کی دوہائی
مارو نہ ہمیں حضرتِ شبرؑ کی دوہائی
عاجز ہیں علیؑ کے سرِ مجروح کا صدقہ
ناگاہ صدا آئی نبیؐ کی کہ مری جاں
دشمن کی بھی مشکل کو تمہیں کرتے ہو آساں
خالق سے دمِ راز و نیاز آیا ہے بیٹا

رکھ کر سپریں چہروں پہ گر گر پڑے بے پیر
لاکھوں تھے پہ روکی نہ گئی ضربتِ شمشیر
ہر ضرب میں اسواروں کے سر تن سے جُدا تھے
آفت کا نشانا تھے وہ کج باز خطا کار
حیرانی سے مُنھ کھول کے رہ جاتا تھا شوفار
نے تیر نظر آئے نہ ترکش نظر آیا

نعل اُس کے مہِ نو سے چمکتے تھے سروں پر
اک برقِ غضب گرتی تھی بیداد گروں پر
سر تن سے سپر ہاتھ سے اور روح بدن سے
بکتر کو جو کاٹا تو وہ ٹھہری نہ جبیں پر
اسوار تھے گھوڑوں پہ تو گھوڑے تھے زمیں پر
ہے قہرِ خدائے دو جہاں حرب نہیں ہے

فریاد کی آواز دلِ سنگ سے نکلی
سینے میں در آئی تو عجب رنگ سے نکلی
پایا جسے اس تیغ نے سر کاٹ کے چھوڑا
کھنچے تک آ پہنچی تو دستانہ جدا تھا
اپنوں سے ہر اک صورتِ بیگانہ جدا تھا
ہاں تھی تو سر و تن کو جدائی کی خبر تھی

اللہ کی فریاد پیمبرؐ کی دوہائی
اکبرؑ کی دوہائی علی اصغرؑ کی دوہائی
اب رحم کرو فاطمہؑ کی روح کا صدقہ
اس ہاتھ کے اس ضرب کے اس تیغ کے قرباں
اُمت پہ کرو رحم کہ مجھ پر ہے یہ احساں
سجدے کو تجھکو وقتِ نماز آیا ہے بیٹا

یہ سنتے ہی سب اسلحہ حضرت نے اتارا
اور گھوڑے سے اُترا اسد اللہ کا پیارا
تھے دور جو قاتل انھیں اس طرح پکارا
اب ہاتھ کسی پر نہیں اٹھے گا ہمارا
سر دینے کو موجود امامِ دوجہاں ہے
بھیجو اسے خنجر ہے کہاں شمر کہاں ہے

گھوڑوں سے یہ سن کر کئی ملعون اتر آئے
نیزہ کوئی تولے کوئی شمشیر لگائے
کچھ تیروں کو چلّوں سے کمانوں کے ملائے
قتلِ شہِ بیکس پہ قدم سب نے اٹھائے
یاں ٹوک نہ سکتا تھا کوئی تشنہ دہاں کو
یاں لے لیا حلقے میں امامِ دوجہاں کو

اک جان کے خواہاں تھے ستمگار ہزاروں
اک کعبے پہ چڑھ آئے تھے کفّار ہزاروں
اک جسم تھا اور نیزۂ خوں خوار ہزاروں
گھیرے ہوئے اک پھول کو تھے خار ہزاروں
سر کھولے ہوئے فاطمہؑ چلّاتی تھیں رن میں
خورشیدِ جہانتاب تھا تیروں کی کرن میں

تلواروں سے زخمی ہوئی پیشانی و گردن
تیروں سے ہوئے مثلِ زرہ جسم میں روزن
دیکھے جو گلِ باغِ شفاعت دمِ مردن
زخمِ تبر و تیر کے پھیلا دیے دامن
افراطِ جراحت سے یہ تھا رنگ بدن کا
ہر عضو تھا اک پھول شہادت کے چمن کا

تھا عصر کا ہنگام کہ حضرتؑ کو غش آیا
سجدے میں سنبھل کر سرِ انور کو جھکایا
خنجر کو لعیں حلق کے نزدیک جو لایا
زہراؑ کی صدا آئی کہ ہے ہے مرا جایا
قاتل کو تو کچھ منہ سے نہ فرماتی تھی زہراؑ
فرزند سے ہر بار لپٹ جاتی تھی زہراؑ

گردن پہ جو خنجر کو ستمگار نے رکھا
حضرت نے اشارہ کیا اک لحظہ ٹھہر جا
بے رحمی سے جلّاد نے پوچھا سبب اس کا
فرمانے لگے رو کے شہِ بیکس و تنہا
برپا نہ کہیں حشر ہو خنجر کے چلے پر
اماں نے گلا رکھ دیا ہے میرے گلے پر

کس منہ سے کہوں ذبح کیا شاہ کو کیونکر
کافی ہے بس اتنا کہ چلا حلق پہ خنجر
سر لے کے عمر پاس گیا شمر بد اختر
ریتی پہ تڑپنے لگا شہؑ کا تنِ بے سر
لاشے پہ ادھر ٹوٹ پڑی فوجِ شقی کی
لٹنے لگی پوشاک حسینؑ ابنِ علیؑ کی

ناگاہ درِ خیمہ سے زینبؑ نکل آئی
چلّائی کہ یا حیدرِ کرّار دوہائی
خیمے سے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی
یاں ہو گئی شہ کے تن و سر میں جدائی
لپٹی جو بہن دوڑ کے بھائی کے جسد سے
تھا شور کہ زہراؑ نکل آئی ہے لحد سے

خاموش انیسؔ اب کہ بہت رونے کا ہے جوش ہو گی نہ محبوں کو تری یاد فراموش
اللہ نے بخشی ہے جنھیں چشم خطا پوش کب دیکھتے ہیں نقص کو وہ عاقل و ذی ہوش
تعریف کریں خاص تو ہے کام کی تعریف کب اہلِ سخن مانتے ہیں عام کی تعریف

۱۰۔ مرثیہ

بند ۱۵۷

لے تیغِ زباں جوہرِ تقدیر دکھا دے
اے دستِ قلم قوتِ تحریر دکھا دے!
اے ذہنِ رسا نظم کی توقیر دکھا دے
اے حُسنِ بیاں نُور کی تصویر دکھا دے!
صحبت ہے عجب گرم ہے دربارِ حسینی
سب بزم ہے مشتاقِ علمدارِ حسینی

عباسؑ علیؑ اخترِ اقبالِ علیؑ ہے
شوکت سے عیاں حشمت و اجلالِ علیؑ ہے
نقشہ ہے کہ آئینۂ تمثالِ علیؑ ہے
صورت ہے کہ تصویرِ خط و خالِ علیؑ ہے
کس باپ نے آفاق میں پایا خلف ایسا
خاتم پہ جہاں کے نہیں درِّ نجف ایسا

ثانیِ فخر اسروغا صفدرِ جرار
ساونتِ اولو العزم جواں مردِ وفادار
ذرّیتِ محبوبِ الٰہی کا مددگار
لڑنے میں کبھی شہ کی سپر اور کبھی تلوار
ٹھہرا ہو نہ کیوں بازوئے شاہِ شہدا کا
فرزند زبردست ہے وہ شیرِ خدا کا

دریا دل و دیں پرور و ذی رتبہ و ذی جاہ
شمشیرِ خدا بازوئے فرزندِ ید اللہ
وہ شیر کہ اک دم میں اُلٹ دے صفِ جنگاہ
مانندِ علیؑ ساری محبوں کا ہوا خواہ
احسان و کرم خلق میں کس پر نہیں اُس کا
اقبال و حشم میں کوئی ہمسر نہیں اُس کا

شمشاد و خیابانِ ارم ہے وہ بہشتی
تاجِ سرِ اربابِ ہمم ہے وہ بہشتی
سقّائے تیمانِ حرم ہے وہ بہشتی
پیاسا ہے مگر بحرِ کرم ہے وہ بہشتی
شرمندہ نیستاں شہِ مرداں کے پسر سے
بھر دیتے ہیں دریا کے بھی داماں کو گہر سے

گو دور ہیں پر اپنے غلاموں کا ہے کیا پاس
جس وقت کہ ہوتا ہے ہجومِ الم و یاس
آتی ہے صدا دل سے کہ یا حضرتِ عباسؑ
ہو جاتا ہے وہ امر کبھی جس کی نہ ہو آس
مانا کہ امامت سے وہ ممتاز نہیں ہے
بتلاؤ یہ پھر کیا ہے جو اعجاز نہیں ہے

اللہ رے سروِ چمنِ فاطمہؑ کا پیار
قمری کی طرح عشق کے دم بھرتے ہیں ہر بار
گردن کو رہا طوقِ غلامی سے سروکار
تھے عاشقِ شمعِ قد و رنگِ گلِ رخسار
چھوڑا نہ کبھی ابنِ شہنشاہِ عرب کو
بلبل تھے اگر دن کو تو پروانہ تھے شب کو

عاشورے کو جب رن میں صف آرا ہوئے بے پیر
خوں ریزیِ سادات کی ہونے لگی تدبیر
سب برچھیاں سیدھی ہوئیں چلنے لگے تیر
نیزے پہ جو نیزے تھے تو شمشیر پہ شمشیر
تیغیں جو کھنچیں برق بھی شرما گئی رن میں
ڈھالوں کی سیاہی سے گھٹا چھا گئی رن میں

تھوڑے سے جواں ہاں کے بھی تھے رن میں صف آرا
آنکھ ان سے ملانے کا نہ تھا شیر کو یارا
عباسؑ سے کرتا تھا یہ ایک ایک اشارا
ہو حکم تو لے لیں ابھی دریا کا کنارا
تو جاں سے نثارِ خلفِ شاہِ نجف ہیں
ڈرتے نہیں مرنے سے کہ ہم حق کی طرف ہیں

تھے قلب میں لشکر کے شہِ بیکسؑ و بے آس
لختِ دلِ زینبؑ تھے ستاروں کی طرح پاس
ہتھیار سجے قاسمؑ و اکبرؑ تھے چپ و راس
اور آگے علم کھولے ہوئے حضرت عباسؑ
سب بھائی بھی تولے ہوئے شمشیر کھڑے تھے
اک شیر کے پہلو میں کئی شیر کھڑے تھے

جب دوپہر آئی تو قیامت یہ ہوئی آہ
زینبؑ کی کمائی پہ زوال آگیا ناگاہ
ہمشیر کے پردے کو چلے تھے شہِ ذی جاہ
جو رن میں ہوا شور کہ مارا گیا نوشاہ
زہراؑ کی بہو گھر سے کھلے سر نکل آئی
ماں کوکھ کو پکڑے ہوئے باہر نکل آئی

چلاتی تھی کھیتی ہوئی مجھ رانڈ کی پامال
اک شب کی دولہن چھوڑ گیا ہائے مرا لال
روتے تھے حسینؑ آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال
تھا غیظ سے عباسؑ دلاور کا عجب حال
منہ سرخ تھا اور اشک بھی آنکھوں میں بھرے تھے
جھنجھلائے ہوئے ہاتھ کو قبضے پہ دھرے تھے

تکتے تھے سوئے فوج مخالف صفتِ شیر
رہ جاتے تھے ہر صف کی طرف تول کے شمشیر
تھا غم سے بھتیجے کے جہاں آنکھوں میں اندھیر
کہتے تھے کہ مرجانے میں کی ہم نے بڑی دیر
پہلے ہی نہ کیوں اٹھ گئے ہستی کے چمن سے
نادم کیا قسمت نے حسینؑ اور حسنؑ سے

لٹتے ہوئے شادی کے چمن دیکھ چکے ہم
پامال خزاں باغ حسنؑ دیکھ چکے ہم
ٹکڑے ہوا دولھا کا بدن دیکھ چکے ہم
بیوہ ہوئی اک شب کی دولہن دیکھ چکے ہم
دشمن کو بھی یہ داغ نہ تقدیر دکھائے
اب دیکھیں ہمیں کیا فلک پیر دکھائے

اس ہاتھ کے اس تیغ کے مالک شہِ دلگیر
قبضہ بھی نہ اپنا ہو تو بیکار ہے شمشیر
ہم قید ہوں شاید یہی مرضیٔ شبیرؑ
کچھ زور نہیں خیر پہن لیں گے زنجیر
بے نام سے مطلب نہ شجاعت سے غرض ہے
ہم کو فقط آقا کی اطاعت سے غرض ہے

ناگاہ یہ میداں سے پکارے کئی گمراہ — شاید کہ ہوئی ختم سپاہ شہِ ذی جاہ
نعرہ کیا اکبرؑ نے مثالِ اسد اللہ — باقی ابھی دو شیر ہیں اے لشکرِ روباہ
تولے ہوئے شمشیر دو دم آتے ہیں رن میں — ہشیار کہ اب جنگ کو ہم آتے ہیں رن میں
سر دینے کو آئے گا مرے بعد وہ جرارؑ — جو لشکرِ اللہ و نبیؐ کا ہے علمدار
بازوئے شہِ دیں خلفِ حیدرؑ کرار — کونین میں مشہور ہے جس شیر کی تلوار
وہ سیل قضا خون میں ڈبا جائے گی سب کو — حیدرؑ کی لڑائی نظر آجائے گی سب کو

یہ سنتے ہی گھبرا گئے عباسؑ خوش اطوار — سمجھے کہ چلا مرنے کو شبیرؑ کا دلدار
شبیرؑ کے قدموں پہ گرے آن کے یک بار — حضرت سے کہا کیا ہے ارادہ مرے غمخوار
کی عرض کہ جینے سے دل اب سیر ہے آقا — خادم کی سرافرازی میں کیا دیر ہے آقا
شہزادۂ عالم کی سنی آپ نے تقریر — ہے پہلے علمدار کے مرجانے کی تدبیر
میں ذبح ہوا جاتا ہوں بے خنجر و شمشیر — واللہ انھیں روکئے یا حضرت شبیرؑ
موقع ابھی مرنے کا نہیں ان کے لئے ہے — آقا یہ غلام آپ کا کس دن کے لئے ہے

میداں میں یہ مرنے کے لیے جائیں میں دیکھوں — تیغ و تبر و تیر و سناں کھائیں میں دیکھوں
مقتل سے انھیں آپ اٹھا لائیں میں دیکھوں — شہزادیاں خیمے سے نکل آئیں میں دیکھوں
آقا کے پسر کو کوئی یوں کھو نہ سکے گا — یہ صبر تو خادم سے کبھی ہو نہ سکے گا
شہ بولے ہمیں شاق ہے دونوں کی جدائی — گر ایک بھی بچھڑا تو ہماری اجل آئی
پاؤں گا کہاں تم نے اگر جان گنوائی — فرزند تو ممکن ہے پہ ملتا نہیں بھائی
اصغرؑ ہے اگر اکبرؑ مہرو نہ ملے گا — تم ہاتھ سے جاؤ گے تو بازو نہ ملے گا

جس دن سے حسنؑ گلشنِ ہستی سے سدھارے — واللہ کہ جینے کے مزے اٹھ گئے سارے
جب تم کو جواں حق نے کیا اے مرے پیارے — زور آگیا ٹوٹے ہوئے بازو میں ہمارے
قوت تمھیں دل کی تمھیں طاقت ہو جگر کی — کیوں کر تمھیں کھوؤں کہ نشانی ہو پدر کی
ہوتا ہے بڑے بھائی کو بھائی سے سہارا — بھائی بھی وہ بیٹوں سے زیادہ جو ہو پیارا
چھوڑا نہیں تم نے تو کبھی ساتھ ہمارا — تکلیف کرو چند نفس اور گوارا
گھبراؤ نہ دنیا سے سفر جلد کریں گے — بچپن سے سدا ساتھ رہے ساتھ مریں گے

سر دینے کی اکبرؑ کو جو عجلت ہو تو جائیں
ہم خوش ہیں بھلا جاکے رضا ماں سے تو لائیں
گر ان کو گوارا ہو تو زینبؑ کو رُلائیں
جنت میں پہونچ کر کہیں راحت بھی تو پائیں
دونوں سے مرے ساتھ گرفتارِ محن ہیں
اب ان کو نہ روکو یہ بہت تشنہ دہن ہیں

سُن کر یہ سخن رونے لگے حضرتِ عباسؑ
کی عرض کہ خیر اب ہمیں رخصت سے ہوئی یاس
پیچھے وہ رہے ہوئے علم فوج کا جس پاس
تقدیر کرے یوں نہ کسی شخص کو بے آس
بابا یہ ندامت مری قسمت میں لکھی تھی
زہراؑ سے خجالت مری قسمت میں لکھی تھی

فرمائیں گے عباسؑ نے جان اپنی بچائی
یہ کون کہے گا کہ رضا رن کی نہ پائی
جو آپ کی مرضی مرا کیا زور ہے بھائی
اچھا علی اکبرؑ کی بھی دیکھیں گے جدائی
جینے کی تو اب دل سے خوشی فوت ہے آقا
یہ زیست نہیں میرے لئے موت ہے آقا

تکرار کروں آپ سے یہ کیا مری طاقت
غیروں نے کیا سر سے ادا حقِ رفاقت
ہاں ہیچ بھی ہے اے گوہرِ دریائے صداقت
اعدا سے نہیں جنگ کی ہے مجھ کو لیاقت
حاضر ہے یہ شمشیرِ دو دم بھی انھیں دیجے
رخصت جنھیں ملتی ہے علم بھی انھیں دیجے

مطلب نہ علم سے ہے نہ شمشیر سے کچھ کام
اب ہے نجف اور گریہ و زاری سحر و شام
لشکر کا نشاں پاکے بھی قسمت میں تھا نام
افسوس وہ آغاز ہوا اور یہ انجام
قسمت ہی بری ہے نہیں تقصیر کسی کی
یوں بن کے بگڑ جائے نہ تقدیر کسی کی

رونے لگے سُن کر یہ سخن سیّدِ ابرار
فرمایا کہ آزردہ ہوئے اے مرے غمخوار
تم جان ہو پھر جان کی رخصت تو ہے دشوار
ہم سے تو زیادہ علی اکبرؑ کا نہیں پیار
روکیں گے انھیں ہم جو ملال اس کا ہے بھائی
ہم کس کے ہیں بھائی یہ علم کس کا ہے بھائی

گھٹتا ہے لہو بھائی کا آنسو نہ بہاؤ
تم کو یہ مناسب ہے کہ بیکس کو رُلاؤ
کیوں روٹھ گئے پیار کریں ہم تمھیں آؤ
اکبرؑ تو نہیں اب جائیں گے اچھا تمھیں جاؤ
کیا دم کا بھروسہ کہ چراغِ سحری ہیں
کچھ پیش و پس اتنا نہیں ہم بھی سفری ہیں

تم بن ہمیں ممکن ہے کہ ہو زیست گوارا
نہ صبر کی طاقت ہے نہ اب رونے کا یارا
تم رن میں ہوئے قتل کہ سر ہم نے بھی وارا
اپنی بھی وہی راہ جدھر قصد تمھارا
اُلفت کے طریقے سے نہ منھ موڑیں گے بھائی
تم چھوڑ دو ہمیں ہم نہ تمھیں چھوڑیں گے بھائی

آقا نے جو الفت کی یہ تقریر سنائی
سُرخی سی رخِ حضرت عباسؑ پہ چھائی

جھک کر قدم شاہ پہ کی عرض کہ بھائی
عزت انہیں قدموں کے تصدق سے ہے پائی

تھا میں متردد اسی اُمید کا آقا
ذرّے کو دیا مرتبہ خورشید کا آقا

میں کیا تھا مجھے خاک سے حضرت نے کیا پاک
ورنہ مرا دوش اور نشانِ شہِ لولاک

پایا ہے کسی نے بھی یہ رتبہ تہِ افلاک
ہاں کون سی نسبت ہو کہاں نور کہاں خاک

جو بے سر و ساماں ہو یہ ساماں اُسے مل جائے
اک مور جو ہو تختِ سلیماں اُسے مل جائے

میرے لئے جو کچھ ہے سو آقا کی بدولت
گوہر جو یہ پائیں ہیں سو دریا کی بدولت

ہے جلوہ گری طور کی موسیٰ کی بدولت
ادنےٰ بھی چمک جاتا ہے اعلیٰ کی بدولت

جان آئی ہے مُردوں میں مسیحا کے قدم سے
ہوتے ہیں ہرے خشک شجر ابرِ کرم سے

جب لعل نے حیدرؑ کے یہ کی عجز کی تقریر
اس وقت گُہر بار ہوئے دیدۂ شبیرؑ

فرمایا کہ محبوب ہوں میں بیکس و دلگیر
کیا میں نے دیا حق نے عطا کی تمہیں توقیر

بخشی جو یہ خدمت علمِ خیرِ بشر کی
احسان مرا کیا تھا وصیت تھی پدر کی

دُنیا میں کسی دن تمہیں راحت نہ ملی آہ
پیاسے رہے فاقے کئے تم نے مرے ہمراہ

اللہ و پیمبر مری غربت سے ہیں آگاہ
پایا ہے شکایت نہ مری کیجیو للہ

بچپن سے مرے ساتھ تمہیں عشقِ دلی ہے
راحت کسی بیکس کی رفاقت میں ملی ہے

سُن سُن کے یہ تقریر شہِ بےکس و بے آس
رویا کئے گردن کو جھکائے ہوئے عباسؑ

ناگاہ سکینہؑ نے پکارا یہ بصد یاس
کیا کرتے ہو عباسؑ چچا آؤ مرے پاس

جلتا ہے کلیجہ مرا پانی مجھے لا دو
اے ساقیٔ کوثر کے پسر پیاس بجھا دو

اب اینٹھی ہی جاتی ہے زباں پیاس کے مارے
دم ہونٹوں پہ ہے موت کے آثار ہیں سارے

پہونچو مری فریاد کو صدقے میں تمہارے
گودی میں مجھے لے چلو دریا کے کنارے

بے خبر ہی سب لوگ ہیں کیا لشکرِ شر میں
پانی جو نہ دیں گے تو چلی آؤں گی گھر میں

مُنھ تکنے لگے شاہ کا عباسِ دلاور
رو کر شہِ بےکس نے کہا جاؤ برادر

تکتے ہیں کھڑے راہ درِ خلد پہ حیدرؑ
کوثر کی سبیل اس سے نہ ہوگی کوئی بہتر

حاصل ہے وہ جو کچھ تمہیں مطلوب ہے بھائی
سقائی بہشتی کے لئے خوب ہے بھائی

عاشق تھے سکینہؑ کے جو عباسؑ علم دار
روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے خیمے کے اک بار
لپٹا کے گلے خوب بھتیجی کو کیا پیار
دکھلا کے زباں خشک یہ بولی وہ دل افگار
ہوئے گا یہ عالم نہ کسی تشنہ دہاں کا
تم حال تو دیکھو مری ننھی سی زباں کا

عباسؑ نے فرمایا کہ ہاں سچ ہے مری جاں
تم تین شب و روز سے پیاسی ہو میں قرباں
ہیں قاتل سادات وہ ہم جن کے ہیں مہماں
ہو جاتا ہے اب پانی کے ملنے کا بھی ساماں
شرم آتی ہے تم کو تو نہ لے جائیں گے بی بی
ہم نہر سے مشکیزے کو بھر لائیں گے بی بی

وہ بولی مجھے لیتے چلو صدقے میں تم پر
عباسؑ یہ بولے کہ خفا ہوں گے برادر
تم فاطمہ کی پوتی ہو شبیرؑ کی دختر
شہزادیاں پردے سے نکلتی نہیں باہر
لونڈی تلک اس گھر کی کھلے سر نہیں نکلی
فضہ کبھی بے مقنع و چادر نہیں نکلی

یہ سنتے ہی دی مشک سکینہؑ نے چچا کو
حاصل ہوئی رخصت خلف شیر خدا کو
یہ روئے کہ غش آ گیا شاہِ شہدا کو
غل تھا کہ چلے حضرت عباسؑ وغا کو
گھوڑے پہ چڑھے کھینچ کے اک آہ جگر سے
اکبرؑ کو صدا دی کہ خبردار پدر سے

کی عرض جناب علی اکبرؑ نے بصد یاس
اس داغ سے بابا کے بھی جینے کی نہیں آس
ساتھ آپ کے آؤں کہ میں حضرتؑ کے رہوں پاس
تب جوڑ کے ہاتھوں کو یہ کہنے لگے عباسؑ
عمو کی عبث فکر ہے بابا کو نہ چھوڑو
اس وقت میں تنہا ہے آقا کو نہ چھوڑو

میدان میں عباس دلاور کی ہے آمد
ہر صف میں یہ ہے شور کہ صفدر کی ہے آمد
سب کہتے ہیں کرار کے دلبر کی ہے آمد
یہ اور کی آمد نہیں حیدرؑ کی ہے آمد
اک دم میں الٹ دے گا ورق فوج کی صف کا
رخ ہے سوئے دریا خلف شاہِ نجف کا

غم خوار امام زمن آتا ہے خبردار
بازوئے حسینؑ و حسنؑ آتا ہے خبردار
لڑنے کو بڑا تیغ زن آتا ہے خبردار
ابن شہ خیبر شکن آتا ہے خبردار
غصے میں ہے غازی نہ اجل سر سے ٹلے گی
کانپے گی زمیں آج وہ تلوار چلے گی

دامن سر غازی پہ لٹکتا ہے علم کا
خورشید بھی منہ رشک سے تکتا ہے علم کا
ہر گام پہ اقبال چمکتا ہے علم کا
بجلی نہیں پنجہ یہ چمکتا ہے علم کا
کس جنگ میں ایسے علم نور کھلے ہیں
پرچم نہ کہو موئے سر حور کھلے ہیں

کس شان سے اڑتا ہوا آتا ہے پھریرا
طوبیٰ کو عروج اپنا دکھاتا ہے پھریرا
لہرا کے سرِ عرش پہ جاتا ہے پھریرا
ساتھ اپنے ہوا خلد کی لاتا ہے پھریرا
ایسی کوئی جنت میں رواں نہر نہ ہو گی
سرچشمۂ کوثر میں بھی یہ لہر نہ ہو گی

لشکر میں یہ غل تھا کہ وہ غازی نظر آیا
دیں پرور و ابرار و نمازی نظر آیا
بازوئے شہنشاہِ حجازی نظر آیا
بجلی سا تڑپتا ہوا تازی نظر آیا
لرزہ ہوا اندام شجاعانِ عرب کو
آمد اسد اللہ کی یاد آ گئی سب کو

دیکھا جو علم رفعتِ طوبا نظر آئی
پنجے میں ضیاء یدِ بیضا نظر آئی
تابندگیٔ برقِ تجلّے نظر آئی
کوسوں وہ زمیں نور کا دریا نظر آئی
سائے نے سماں دشت پہ نایاب دکھایا
خورشید کو لطفِ شبِ مہتاب دکھایا

چہرے نے عجب نور کی صورت میں دکھائی
گرتی ہوئی بجلی صفِ دشمن میں دکھائی
گردوں کی صفا دشت کے دامن میں دکھائی
ذرّوں نے ستاروں کی چمک بن میں دکھائی
غیرت سے سفیدی تھی رخِ چرخِ بریں پر
نقشِ سمِ توسن مہِ کامل تھی زمیں پر

جاتے کو یہ دعویٰ تھا کہ میں کاہکشاں ہوں
کرتی تھی زمیں ناز کہ میں نور فشاں ہوں
پلّہ مرا بھاری ہے کہ رتبہ میں گراں ہوں
فرزندِ علی جس کا مکیں ہے وہ مکاں ہوں
کیا اُس کو مرے رتبۂ اعلیٰ کی خبر ہے
یاں چاند بہتر ہیں وہاں ایک قمر ہے

استادہ ہے یہ ماہِ بنی ہاشمِ ذی قدر
دکھلائے تو اس شکل و شمائل کا کوئی بدر
یہ دوش یہ بازو یہ گلو یہ کمر و صدر
یہ عارض و گیسو سحرِ عید و شبِ قدر
یاں کون سی نسبت ہے تری شمس و قمر کو
اک رات کو قربان کروں ایک سحر کو

پیشانی پُرنور سے ہے رن میں اُجالا
رو و خطِ رخسار وہ مہتاب میں ہالا
ابرو ہیں کہ سر تیز سروہی کا ہے مالا
پلکیں نہیں جھپکیں یہ ہے لشکر تہ و بالا
دیکھے سے اُڑیں ہوش نہ کیوں اہلِ حسد کے
آنکھیں تو ہیں آہو کی یہ تیور ہیں اسد کے

جلتے رہیں کیوں کر نہ مہ و خور سحر و شام
ہے حسن کی آتش سے بھبھوکا رخِ گلفام
خال اور خطِ سبز وہ دانہ ہے تو یہ دام
ہے سب دلِ عالم کی اسیری کا سرانجام
بینی کو جو دیکھو تو عجب شوکت و شاں ہے
یہ حسن علم دار کے لشکر کا نشاں ہے

اک جا تو مناسب نہ تھے وہ مردم بیمار
صانع نے اٹھا دی ہے فقط نور کی دیوار
اک شاخ ہے یا دو گلِ بادام ہیں اظہار
یا یہ الفِ ماہ دو ہفتہ ہے نمودار
خوشبوئے گلستانِ ارم اس میں بھری ہے
گویا ورقِ زر پہ کلی گل کی دھری ہے

یاقوت لبِ سرخ ہیں دنداں دُرِ مکنوں
دیکھے سے عقیقِ جگری کا بھی ہے دل خوں
کس چیز سے نسبت دہنِ تنگ کو میں دوں
نایاب ہے عنقا کی طرح طائرِ مضموں
حال ان کا نزاکت سے کھلے گا نہ کھلا ہے
یاں بابِ سخن بند ہی رکھئے تو بجا ہے

آتی ہے صدا صاف قلم سے دمِ ترقیم
ہے جوہرِ فرد اس کی نہ ہوگی کبھی تقسیم
بینی ہے الف زلف ہیں لام اور دہن میم
جو حرف ہے قرآں کا وہ ہے لائقِ تعظیم
وصفِ دہنِ تنگ میں دقت مجھے کیا ہے
کافی ہے بس اتنا ہی کہ اسرارِ خدا ہے

آتی ہے تمنائے درِ دنداں زباں پر
تقریر کے رشتے میں پروتا ہوں میں گوہر
ہیرے کے نگیں ان سے ہوں کس طرح برابر
یہ بحرِ شرافت کے ہیں موتی تو وہ پتھر
ہنستے میں جو پڑ جاتا ہے عکس ان کا فلک پر
بجلی بھی تڑپ جاتی ہے دانتوں کی چمک پر

دل کس کا نہ گردن کی صفائی پہ ہو قرباں
مہتاب کو ہے جس کے گلے ملنے کا ارماں
گویا کہ ہلالِ شبِ اول ہے گریباں
شانوں کی نشانِ اسدِ حق سے ہے کیا شاں
حیراں کھنچی نظر دوشِ مبارک یہ کماں ہے
یاقوت میں خورشیدِ جہاں تاب عیاں ہے

ہیں بازوئے عباس کہ شاخِ شجرِ حسن
پڑتی ہے سدا نور پہ جن کی نظرِ حسن
گھر حسن کا سینہ ہے تو بازو ہیں درِ حسن
طالع ہے کفِ دست سے مہرِ سحرِ حسن
ان ہاتھوں سے ہمدست کفِ حور نہیں ہے
خورشید کے پنجے میں بھی یہ نور نہیں ہے

ہر چیز علمدار نے پائی ہے علیؑ کی
اللہ نے تصویر بنائی ہے علیؑ کی
پنجہ ہے علیؑ کا تو کلائی ہے علیؑ کی
ان انگلیوں میں عقدہ کشائی ہو علیؑ کی
ورثہ میں ہے زور ان کو ملا جد و پدر سے
ہلکا درِ خیبر کو سمجھتے ہیں سپر سے

دیکھو تو کسی شیر نے پایا ہے یہ سینہ
حصے میں اسی چاند کے آیا ہے یہ سینہ
حق نے یدِ قدرت سے بنایا ہے یہ سینہ
سینے سے یداللہ نے لگایا ہے یہ سینہ
فرماتے ہیں عاشق ہوں میں اس شکِ قمر کا
یہ سینہ سپر ہووے گا زہرا کے پسر کا

ہے تا بہ عدم ذہن رسا دوڑ کے جاتا
ہے بال سیہ درِ نجف میں نقطہ آتا
اس رشتے سے محکم کمرِ مرتضوی ہے
شمشاد سے بالا قد بالائے مبارک
تعویذِ شفا نقشِ کفِ پائے مبارک
واں آتے ہیں سجدے کو ملک عرش بریں کے

ہر شخص تھا محوِ رخِ عباسؑ فلک جاہ
ہر لب پہ سخن تھا کہ زہے قدرت اللہ
غازی تھا جہاں پتلیاں مردم کی ادھر تھیں
واں پر ہوئی تھی فوجِ سقر موج مرتب
چلوں سے اُدھر ملنے لگے تیرِ ستم جب
چلائے یہ لشکر کے سپاہی غضب آیا

ہمت کا سخن تھا کہ فنا فوج کو کر دے
دل نے کہا سرداروں کے سر کاٹ کے دھر دے
تحریر ہو یہ فتح ترے نام نکو پر
یہ نام سدا خلق میں نامی رہے تیرا
محکوم ہر اک کوفی و شامی رہے تیرا
دامانِ علم فرق پہ ہو سبطِ علیؑ کے

جب غیظ سے اشعار رجز پڑھنے لگا شیر
ہر صف تہ و بالا ہوئی شکل زبر و زیر
یہ تیزی تقریر کوئی لائے کہاں سے
گھبرا کے بڑھا خود پسرِ سعد بد انجام
سن لیجئے کچھ شام کے حاکم کا ہے پیغام
جھنجھلائے ہوئے شیر کہ اندیشہ ہے جاں کا

لیکن کہیں مضموں کمر کو نہیں پاتا
مثلِ رگِ گل تابِ نزاکت نہیں پاتا
نازک تو ہے پر دین کی پشت اس سے قوی ہے
در پیش ہے اب وصفِ قدم ہائے مبارک
جس جا گر ران کا ہو وہ ہے جائے مبارک
احساں یہ انھیں پاؤں کے ہیں سر پہ زمیں کے

تھا شور فلک پر کہ زمیں کا ہے یہی ماہ
ہر چشم یہ کہتی تھی کہ جلوہ ہے عجب واہ
حوریں بھی دریچوں سے نکالے ہوئے سر تھیں
اک دل ہیں مہیائے زد و کشت صفیں سب
جانِ اسد اللہ بڑھا چھیڑ کے مرکب
بپھرا پسرِ شیرِ الٰہی غضب آیا

اقبال پکارا کہ زمیں لاشوں سے بھر دے
نصرت کی دعا تھی کہ خدا تجھ کو ظفر دے
ہر دم تری شمشیر رہے فرقِ عدو پر
ہر صبح شہِ شرق سلامی رہے تیرا
تو جس کا پسر ہے وہی حامی رہے تیرا
اور تو رہے سائے میں حسینؑ ابن علیؑ کے

جھک جھک گئے خوں ریزوں کے سر صورتِ شمشیر
کچھ پیش نہ جائے گا رہا غل یہی تا دیر
بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیر زباں سے
عباسؑ سے کی عرض کہ اے صاحبِ صمصام
یہ آپ تک آتے ہوئے تھراتا ہے اندام
میں چند نفس آپ سے طالب ہوں اماں کا

کی چیں بجبیں ہو کے یہ عباسؑ نے تقریر
پیغام مجھے بھیجے گا کیا حاکمِ بے پیر!
بندہ ہوں میں حاکم ہیں مرے حضرتِ شبیرؑ
شیوہ ہے تمہیں لوگوں کا یہ حیلہ و تدبیر
ہے کام وفا سے ہمیں اور ہمیں وفا کو
فرزندِ علیؑ ننگ سمجھتے ہیں دغا کو

وہ تم ہو جو کرتے ہو دغا اہلِ وفا سے
مطلب ہے محمدؐ سے تمہیں کچھ نہ خدا سے
سادات کا سر کاٹتے ہو تیغِ جفا سے
مہماں ہیں یہ کس کے جو ہیں دو روز سے پیاسے
کیا کھا کے قسم پھر گئے تم اپنے سخن سے
ہم وہ ہیں کہ نکلنے پہ چلے آئے وطن سے

گر صلح کا پیغام بھی لایا ہے تو بے کار
میں کہتا ہوں مانیں گے نہیں سیدِ ابرار
دو بھانجے مارے گئے اک بھائی کا دلدار
صدمہ یہ اُٹھایا ہے کہ ہیں زیست سے بیزار
کھل جائے گا شمشیر و سپر باندھ چکے ہیں
وہ دیر سے مرنے پہ کمر باندھ چکے ہیں

کچھ سوچ کے یہ کہنے لگا ظلم کا بانی
سچ ہے کہ بچے گا نہ یداللہ کا جانی
پر آپ گنواتے ہیں عبث اپنی جوانی
کوئی تو رہے خلق میں حیدرؑ کی نشانی
غصے کے نہ اندوہ کے نہ طیش کے دن ہیں
راتیں ہیں یہ آرام کی یہ عیش کے دن ہیں

کیوں کرتے ہو بے فائدہ جینے سے کنارا
چھوٹا ہے ابھی عمر میں فرزند تمہارا
جب آپ نے دی جان تو گویا اُسے مارا
عباسؑ جدائی کرو بھائی کی گوارا
ما بین لحد ساتھ برادر نہیں جاتا
بھائی کوئی بھائی کے لئے مر نہیں جاتا

یہ سنتے ہی تھرانے لگا شیر کا اندام
غصے کے سبب سرخ ہوئی چشمِ سیہ فام
قبضے کو جو دیکھا تو اُگلنے لگی صمصام
فرمایا کہ ظالم مجھے دیتا ہے یہ پیغام
شاید نہیں آگاہ مرے جد و پدر سے
ایسا ہوں کہ پھر جاؤں گا زہراؑ کے پسر سے!

بس دور ہو آگے مجھے سننے کی نہیں تاب
سر تن سے اتاروں ترا او ظالمِ کذاب
میں بھائی کا دشمن ہوں یہ ہو کون سا آداب
کیا قدر ہے پھر اُس کی جو موتی کی گئی آب
رتبہ ہے یہ سب شاہِ ولایت کا تصدق
ہم جانتے ہیں جان کو عزت کا تصدق

آگے مرے تو ذکرِ پسر کا مرے لایا
شبیرؑ کے بچوں پہ تجھے رحم نہ آیا
اصغر سے تو ہے سن میں زیادہ مرا جایا
پانی تو کہاں دودھ بھی جس نے نہیں پایا
دل سینے میں ٹکڑے ہو کہ صدمہ ہو جگر پر
سَو بیٹے ہوں تو صدقے کروں ان کے پسر پر

ہوتا ہے چمن فاطمہؑ کا ظلم سے برباد
موسم یہ مرے عیش کا ہے کیوں ستم ایجاد!
مارا گیا بے وجہ پسر قاسم ناشاد
روتے ہیں بنیؑ شیر خدا کرتے ہیں فریاد
ہم سے جنھیں الفت ہے وہ ماتم میں رہیں گے
تا حشر اے حشر کا دن لوگ کہیں گے

بھائی کے لیے جی سے گزر جاتا ہے بھائی
جاتا ہے برادر بھی جدھر جاتا ہے بھائی
کیا بھائی ہو تیغوں میں تو ڈر جاتا ہے بھائی
آنچ آتی ہے بھائی پہ تو مرجاتا ہے بھائی
لاشیں بھی بہم زیر زمیں ہوتی ہیں اکثر
قبر میں بھی پس از مرگ قریں ہوتی ہیں اکثر

بھائی نے مرے کون سی کی مجھ سے بُرائی
پالا ہے مجھے جانتی ہے ساری خدائی
کیا کچھ نہ ملا کون سی عزت نہیں پائی
جان ان پہ تصدق ہے اجل آئی تو آئی
ہم مانیں گے جو شرط محبت کی جزا ہے
نافہم اسی موت میں جینے کا مزا ہے

کافر ہوں کہ منھ قبلۂ ایماں سے پھراؤں
تو کوہ طلا دے تو میں لالچ میں نہ آؤں
فاقے ہوں تو بھائی کے عوض برچھیاں کھاؤں
مقتل سے تڑپتا ہوا اُن قدموں پہ جاؤں
کس منھ سے کہوں میں کہ قرابت میں قریں ہوں
بھائی تھے حسنؑ میں تو غلام شہ دیں ہوں

بُلبل کو کبھی ہجر گُل تر نہیں بھاتا
پروانہ کہیں شمع کو ہے چھوڑ کے جاتا
بے موت جو معشوق کو عاشق نہیں پاتا
قمری کو سوا سرو کے کچھ خوش نہیں آتا
شبیرؑ جہاں ہے دل فرزانہ وہیں ہے
محفل میں جہاں شمع ہے پروانہ وہیں ہے

کہنے پہ چلوں تجھ سے جفا جو کے زہے فہم
دوں رنج میں دل کو شہ خوش خو کے زہے فہم
پہونچے انھیں دکھ ہاتھ سے بازو کے زہے فہم
آنکھوں کی بدی سامنے ابرو کے زہے فہم
ہٹ جا نہیں تیغ اب مری واللہ چلے گی
شیروں سے نہ یہ بازیٔ روباہ چلے گی

جرأت کو جری نے کبھی چھوڑا ہو تو کہہ دے
آقا کو کسی نے کبھی چھوڑا ہو تو کہہ دے
شبیرؑ کو اخی نے کبھی چھوڑا ہو تو کہہ دے
احمدؐ کو علیؑ نے کبھی چھوڑا ہو تو کہہ دے
وہ ہم نہیں کرتے جو زمانے کا چلن ہے
دُنیا میں وفا اپنے گھرانے کا چلن ہے

بچھڑے ہیں پیمبرؐ سے کبھی حضرت جعفرؑ
حمزہؑ کبھی دشمن کی طرف ٹل گئے جا کر
حیدرؑ کو کبھی چھوڑ گئے مالک اشتر
مشہور ہے جنگ جمل و خندق و خیبر
حیدرؑ تھے کہ سب فوج کے آگے تھے اُحد میں
نامرد تھے وہ لوگ جو بھاگے تھے اُحد میں

پیرو بس اُنھیں کا ہے تو او ظالم ناری
ڈر دن جو رہے غزوۂ خندق میں فراری
بس فتح تھی کرار کی جس دن ہوئی باری
کل کا کیا خوف جس کے وہ ہے تیغ ہماری
ان ہاتھوں سے لاکھوں سر کفار کٹے ہیں
جب پٹ گئی ہے لاشوں سے خندق تو ہٹے ہیں

جب گھر سے پئے جنگ قدم ہم نے نکالے
دم میں تنِ کفار سے دم ہم نے نکالے
کعبے سے دغا کر کے صنم ہم نے نکالے
اسلام کے لشکر کے علم ہم نے نکالے
رنگِ رخِ کفارِ عرب ہو گیا فق سے
اک ضرب میں باطل کو جدا کر دیا حق سے

میں حشمتِ دُنیا کی تمنا نہیں رکھتا
قطرے کی طمع فیض کا دریا نہیں رکھتا
اعلیٰ جو ہے ادنیٰ کی وہ پروا نہیں رکھتا
پتے سے علاقہ سرِ طوبیٰ نہیں رکھتا
کافر کی طرف صاحبِ ایماں نہیں جاتے
بت خانے میں کعبے سے مسلماں نہیں جاتے

خورشید کو محتاجیٔ ذرہ نہیں ذرا
دیں دار سدا کرتے ہیں کافر پہ تبرا
ظالم ترے حاکم کو ہے کس بات کا غرا
اسلام سے عاری ہے تو ایمان سے معرا
قاروں کا خزانہ ہو تو عزت نہیں ملتی
دولت سے کمینے کو شرافت نہیں ملتی

کچھ خارِ مغیلاں گُلِ تر ہو نہیں جاتا
ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہیں جاتا
قلعی سے کچھ آئینہ قمر ہو نہیں جاتا
مس پہ جو ملمع ہو تو زر ہو نہیں جاتا
جس پاس عصا ہو اُسے موسیٰ نہیں کہتے
ہر ہاتھ کو عاقل یدِ بیضا نہیں کہتے

دولت نہیں انسان کی کچھ قدر بڑھاتی
دُنیائے دنی کام میں کس کے نہیں آتی
گو فقر ہو عالی نسبی پر نہیں جاتی
بینا جو ہیں وہ دیکھتے ہیں جوہرِ ذاتی
محتاجی سے کم رتبۂ عالی نہیں ہوتا
عزت وہ خزانہ ہے کہ خالی نہیں ہوتا

بخشی ہے خدا نے مرے آقا کو یہ توقیر
ہے مہرِ نبوت سے نسب نامۂ شبیرؑ
کی خامۂ قدرت نے سندِ عرش پہ تحریر
آیا ہے گواہی کے لئے آیۂ تطہیر
دُنیا میں کسے ملتے ہیں جبریلؑ سے شاہد
موجود ہیں میکال و سرافیل سے شاہد

حور و ملک و خلد و ارم کوثر و طوبیٰ
سنگ و شجر و کوہ و بر و گوہر و دریا
خورشید و نجوم و قمر و گنبدِ خضرا
روم و ری و مصر و نجف و یثرب و بطحا
پوچھے جو کوئی کون امامِ ازلی ہے
سب دیں یہ گواہی کہ حسینؑ ابن علیؑ ہے

جنات پکاریں کہ یہی فخرِ بشر ہے
چلّائے فلک پاؤں پہ اس کے مرا سر ہے
ہر بحر کہے گوہرِ اُمید ہے شبیرؑ
رضواں کا سخن ہو کہ مددگار ہے میرا
زہرؑا کی صدا آئے کہ دلدار ہے میرا
میکائیل پکارے کہ ملازم ہوں اُسی کا
کیا رکن مقام اور چہ میزاب چہ زمزم
آجائے صدا کوہِ صفا سے یہی ہر دم
بول اُٹھے حجر رتبے سے آگاہ ہوں میں بھی
ہے شرعِ محمدؐ کا جنھیں امر و مناہی
لوح و قلم و عرش و ملک دیں یہ گواہی
کرسی کہے میرے لئے معراج یہی ہے
جو شاہ کہ سب خلق میں رتبے سے سوا ہو
تنہا ہوں تو کیا ڈر ہے جو لاکھوں ہوں تو کیا ہو
غارت نہیں کر دینے کو تیار ہے عباسؑ
خود مجھ کو قسم دی ہے کہ غصّے میں نہ آنا
اُمّت کی تباہی پہ کڑھیں گے مرے نانا
دو دن سے نہیں پانی کی اک بوند ملی ہے
ظالم نے کہا تب کہ نہیں ملنے کا پانی
تھرّا گیا یہ سُن کے یداللہ کا جانی
جس وقت بڑھیں پھر کہیں دم لیتے ہیں دریا
یہ کہتے ہی جرّار نے لی میان سے تلوار
نعرہ جو کیا شیر نے یا حیدرِ کرّار
دہشت سے اُڑا رنگ رُخِ جن و ملک کا

ہر نخل کہے باغِ نبیؐ کا گُلِ تر ہے
گویا ہوں ستارے کہ یہ زہرؑا کا قمر ہے
ذرّوں سے صدا آئے کہ خورشید ہے شبیرؑ
فردوس کہے مالکِ مختار ہے میرا
فرمائیں پیمبرؐ دُرِ شہوار ہے میرا
جبرئیلؑ کرے فخر کہ خادم ہوں اُسی کا
اک ایک سے سُن توصفتِ قبلۂ عالم
حج سے شہِ والا کی زیارت نہیں ہے کم
کعبہ یہ کہے بندۂ درگاہ ہوں میں بھی
ہوں ایک زباں ماہ سے تا سکن یاہی
ورثے میں ملی ہے اسے کونین کی شاہی
خود عرش پکارے مرا سرتاج یہی ہے
بتلا تو غلام اُس پہ فدا ہو کہ جدا ہو
لوں میان سے شمشیر تو اک دم میں فنا ہو
بھائی کے مگر رحم سے ناچار ہے عباسؑ
بھیّا نہ ملے راہ تو دریا پہ نہ جانا
اُن کا تو وہ رحم اور تمہارا یہ ستانا
ہے سخت تعجب کہ یہ کیا سنگ دلی ہے
نقصان تھا کیا بیعتِ حاکم جو نہ مانی
فرمایا زباں روک بس او ظلم کے بانی
لے دیکھ اسی حملے میں ہم لیتے ہیں دریا
بھاگا صفتِ غولِ بیاباں وہ ستم گار
اوتادِ اراضی عرب ہل گئی یک بار
تھرّا گیا دہشت سے بدن شیرِ فلک کا

جنگل میں بن آئی جو نہ کچھ خوف کے مارے
آہو جو تھے شیروں میں تو چیتوں میں چکارے
شیطان پسرِ سعد کی گردن پہ چڑھا ہے
صحرا میں تلاطم ہوا دریا میں پڑا شور
ورّے جو اُڑے کبک تو جنگل سے اُڑے مور
اعدا میں بہادر کے شجاعت کے چلن تھے
چمکی جو علمدار کی شمشیر ہلالی
دہشت سے نیستانِ اسد کر گئے خالی
اعدا میں یہ غل تھا کہ تہِ تیغ ہیں جو ہیں
وہ حجتِ قاطع ہے علمدار کی شمشیر
کچھ وصف لکھا چاہتی ہے تیزیٔ تقریر
مضمون بہت تیز ہیں اس برق وو دم کے
ڈالوں جو سیاہی میں دمِ تیغ کا پانی
شمشیرِ خراسانی و تیغِ صفہانی
دم میں نہ پیادے نہ سواروں کے پرے ہیں
خونریزیٔ شمشیر کا لکھوں جو کوئی حرف
ہوتے تھے سیہ کاروں کے تن مثلِ قلم صرف
ایک ایک کے مانندِ اجل دشمنِ جاں تھی
ہے نصف ہی نام اُس کا فقط شیر نے پایا
عالم پہ اسی نام سے رعب اس کا ہے چھایا
مثلِ دمِ شمشیر لہو اُس کی خورش ہے
لو حملہ کناں ہوتے ہیں عباسِ علمدار
لو حضرتِ حمزہ نے کیا فوج کو مسمار
ٹھہرے نہ قدم فوج میں ہلچل پڑی آخر

ٹھہرے نہ قدم شیر ہرن ہو گئے سارے
گھبرا کے درندے یہ پرندوں کو پکارے
بھاگو کہ پسرِ شیرِ خدا رن پہ چڑھا ہے
اس شور سے بہرام کی تھرّانے لگی گور
صفدر کا قدم بڑھتے ہی شیروں کا گھٹا زور
نے شیر ترائی میں نہ جنگل میں ہرن تھے
گھبرا کے فلک نے سپرِ مہر سنبھالی
اور تیر نے بھی بر میں زرہ موج کی ڈالی
احول کی طرح ایک سمجھتا تھا کہ دو ہیں
دشمن کو مفر جس سے نہیں ہے کسی تدبیر
ڈر یہ ہے کہ خامہ نہ قلم ہو دمِ تحریر
جوشن کی دعا چاہیئے بازو پہ قلم کے
تب ہو رقم اس برق سر افشاں کی روانی
ہاں کند ہے گر لاکھ رکھے تیز زبانی
سب جوہرِ شمشیرِ خدا اس میں بھرے ہیں
ہو صاف سیاہی سے عیاں شوخیٔ شنجرف
روکیں کوئی وار اُس کا یہ ڈھالوں کا نہ تھا ظرف
چار آئینے میں امن نہ جوشن میں اماں تھی
تب جوہرِ جرأت اسی کے حصّہ میں آیا
آنکھ اس سے ملانے کی کوئی تاب نہ لایا
پنجے میں جو ہے زور تو ناخن میں تپش ہے
لو جعفرِ طیار ہوئے جنگ پہ تیار
لو غزوۂ خیبر پہ چلے حیدرِ کرار
لو تیغ وہ چمکی صفِ اوّل ہوئی آخر

رہوار نے بیتابیِ سیماب دکھائی
اڑتا تھا سوئے نہر کہ دے آب دکھائی
تلوار نے بجلی کی تب و تاب دکھائی
ہر تاب نے اک جدولِ خونِ ناب دکھائی
افتادہ تھے بے سر جو پرے فوجِ لعیں کے
سطریں سی نظر آتی تھیں صفحے پہ زمیں کے

اللہ رے بُرِش وار سے تھا وار زیادہ
معشوق کی ابرو سے جفاکار زیادہ
اور دیدۂ عشاق سے خوں بار زیادہ
شمشیرِ مہِ نو سے نمودار زیادہ
گھاٹ ایسا کہ چھوڑا نہ کسی کشتیِ تن کو
باڑھ ایسی کہ اک قلزمِ خوں کر دیا رن کو

قبضہ وہ درِ ظلم و ستم بند ہے جس سے
باڑھ ایسی رہِ ملکِ عدم بند ہے جس سے
جوہر وہ سدا فتح قلم بند ہے جس سے
پشتہ وہ کہ نمرود کا دم بند ہے جس سے
چھائی ہے یہ جوہر کی گھٹا ابر نہیں ہے
دشمن کو پناہ اس سے بجز قبر نہیں ہے

تھا چار طرف شام کے لشکر میں تلاطم
آندھی سے ہو جس طرح سمندر میں تلاطم
برپا تھا عجب فوجِ ستم گر میں تلاطم
واں بحر میں ہلچل تھی ادھر بر میں تلاطم
تھا شور کہ لشکر کی بھی کثرت میں کمی ہے
ٹوٹی ہوئی کشتی کہیں طوفاں میں تھمی ہے

تیغیں وہ کہ جن پر نہ دھری جاتی تھی انگشت
منہ پھیرے چلے جاتے تھے ہنگامِ زد و کشت
دہشت سے اٹھاتے تھے نہ سر گرزِ گراں مشت
ڈھالوں کا یہ عالم تھا کہ چھپتی تھیں پسِ پشت
ہتھیار گرے پڑتے تھے ثابت قدموں کے
سمٹے ہوئے تھے ڈیرے پھریرے علموں کے

تو تو ہوئے بے سر صفِ دشمن پہ جب آئی
غل تھا نہیں بچنے کے اجل سب کی آئی
اتنی تو صدا آئی کہ برقِ غضب آئی
پھر یہ نہ کھلا کب گئی اور سر پہ کب آئی
دشمن کو نہ انجام نہ آغاز دکھایا
تلوار نے سب موت کا انداز دکھایا

ہر غول میں غل تھا کہ بلا آتی ہے بھاگو
رکنے کی نہیں سیلِ فنا آتی ہے بھاگو
برقِ غضبِ ربِ علا آتی ہے بھاگو
تلوار نہیں سر پہ قضا آتی ہے بھاگو
ڈر جس کا لگا رہتا ہے دن رات یہی ہے
اے بے خبرو مرگِ مفاجات یہی ہے

ہر فرد کو اس تیغ کے جوہر نظر آئے
ریتی پہ تپاں جسم برابر نظر آئے
موئے سرِ افواجِ ستم پر نظر آئے
اڑتے ہوئے بالائے ہوا سر نظر آئے
چلاتے تھے ڈر ڈر کے پرندے کہ یہ کیا ہے
آتی تھی سلیماں کی صدا قہرِ خدا ہے

ترچھی جو پڑی زیرِ بغل فرق سے نکل
یوں جا کے تنِ ظالمِ پُر زرق سے نکل
اُڑ اُڑ کے چمکتی تھی جو اعدا کے سروں پر
کٹ جاتے تھے منھ دیکھ کے آہن ستم اُس کا
لشکر کو دکھاتا تھا رہِ راست خم اُس کا
کب سنگ کی سختی کو بھلا مانتی تھی وہ
دکھلا کے گُلِ زخم بدن سے نکل آئی
ہمراہ لئے روح کو تن سے نکل آئی

سرکش تھا تکبّر سے جب افلاک پہ سر تھا
مغفر میں ہوئی غرق تو سر کاٹ کے نکلی
شانہ پہ گری تا بہ کمر کاٹ کے نکلی
ہر ہاتھ میں گردش تھی نئی ڈھنگ نیا تھا
دل ہٹ گئے جس دم وہ صفِ فوج پہ چمکی
جب فرد کو دو کرکے پھری روش پہ چمکی
گردش جو ہوئی ہاتھ کو بالا نظر آیا
ڈر سے کوئی لشکر کا نشاں چھوڑ کے بھاگا
شہ زور ہر اک گرزِ گراں چھوڑ کے بھاگا
اندام سے ٹپکی جو زرہ دام سے چھوٹا
لڑتا ہوا پہنچا لبِ ساحل جو وہ صفدر
رہوار نے دیکھا رخِ عباسؑ کو مڑ کر
آنکھوں سے رواں ہوں گے وہاں اشکِ سکینہؑ
بس خوب لڑے شانِ ید اللہ دکھائی
سب ہیچ ہے گر پیاسے بچوں کی بجھائی
کہہ آئے ہو کیا بنتِ امامِ مدنی سے

سوئے غرب کے جانب جو گیا شرق سے نکلی
الغیظ شُد شُد صدا برق سے نکلی
دم نادِ علیؑ کرتے تھے جبریلؑ پروں پر
خوں پینے سے بھرتا تھا نہ خالی شکم اُس کا
نہ سنگ سے رُکتا تھا نہ آہن سے دم اُس کا
فولاد کو جب موم سے کم جانتی تھی وہ
شمشیر خزاں تھی کہ چمن سے نکل آئی
شپ سے جو پڑی سر پہ تو سن سے نکل آئی
جھپکی تھی اُدھر آنکھ ادھر خاک پہ سر تھا
روکا جو سپر پر تو سپر کاٹ کے نکلی
سینے میں در آئی تو جگر کاٹ کے نکلی
گھوڑے کے بھی ٹکڑے تھے یہ چو رنگ نیا تھا
معلوم ہوا برقِ غضب موج پہ چمکی
چمکی کبھی پستی پہ کبھی اوج پہ چمکی
ہر ضرب میں عالم تہ و بالا نظر آیا
شمشیر و سپر کوئی جواں چھوڑ کے بھاگا
کوئی صفتِ تیر و کماں چھوڑ کے بھاگا
غل تھا کہ ہرن پنجۂ ضرغام سے چھوٹا
یاد آ گئی بس تشنگیِ آلِ پیمبرؐ
سمجھے کہ ہے گھوڑا ابھی بہت پیاس سے مضطر
بہتر ہے کہ اب جلد بھرو مشکِ سکینہؑ
عالم کو بہت یاد رہے گی یہ لڑائی
اب وہ کرو جس میں کہ رضامند ہوں بھائی
سقائی بھی کچھ کم نہیں شمشیر زنی سے

مرجانا تو لڑ بھڑ کے کچھ ایسا نہیں دشوار
مردوں کا یہی کام ہے جب کھینچ لی تلوار
مشکیزہ کی کشتی لئے اس موج سے ہو پار
عباسؑ بڑی فتح ہے چل جائے جو یہ وار
عالم میں یہ چرچا سحر و شام رہے گا
سقائے حرم حشر تلک نام رہے گا

ہے یاد تجھے قصۂ بیر العلم اے دل
پانی کے لئے آگ میں کودے شہ عادل
یاں کون سا اندیشہ ہے اور کون سی مشکل
نہ آگ ہے نہ جن ہیں نہ دریا ہے یہ ساحل
کیا منھ ہے جو ناری ہمیں واں جانے نہ دیں گے
جلتے ہیں تو ہم مشک پہ آنچ آنے نہ دیں گے

فرمایا کہ دریا میں وہ غازی جو در آیا
ہر ماہی دریا نے یہ جانا قمر آیا
پھر بعد کئی دن کے جو پانی نظر آیا
اشک آنکھوں سے بہنے لگے منھ کو جگر آیا
صدمہ ہوا یاد آگئی تقریر سکینہؑ
آنکھوں کے تلے پھر گئی تصویر سکینہؑ

عباسؑ نے مشکیزہ کو چھاتی سے لگا کر
سیراب کیا نہر سے پھر اشک بہا کر
لٹکا لیا تسمے کو قریب دوش کے لا کر
اعدا کی صفیں بند ہوگئیں پھر نہر پہ آ کر
لب تشنہ جو وہ حق کا شناسا نکل آیا
رہوار بھی اس نہر سے پیاسا نکل آیا

ساحل سے نکلنا تھا کہ پھر چلنے لگے تیر
اس چاند پہ بدلی کی طرح چھا گئے بے پیر
غازی نے کہا کون سی اب کیجئے تدبیر
پھر جنگ کرو آگے جو کچھ خواہش تقدیر
کچھ مال نہیں دم میں یہ انبوہ تو ہٹ جائے
پر مشک کا دھڑکا ہے کہ تیغوں سے نہ کٹ جائے

دیکھا جو بہادر نے کہ آپہنچے عدو پاس
یا شیر خدا کہہ کے بڑھے حضرت عباسؑ
آنکھیں تھیں لہو شیر سے بچتے تھے چپ و راس
بچ جانے کی امید کبھی تھی تو کبھی یاس
تیروں کے کبھی سامنے کر دیتے تھے سینہ
گھبرا کے کبھی مشک پہ دھر دیتے تھے سینہ

جانے کی اگر دہنی طرف راہ نہ پائی
مشکیزہ لئے جانب چپ باگ پھرائی
چھاتی کو سپر کر دیا تلوار جب آئی
نیزوں سے بچایا نہ بدن مشک بچائی
جب زخم کوئی کھایا تو مشکیزہ کو دیکھا
سن سے کوئی تیر آیا تو مشکیزہ کو دیکھا

رہوار کو جھنجھلا کے کبھی کاوے پہ ڈالا
دکھلا دیا سب کو کبھی چاند اور کبھی ہالا
لڑ کر کبھی انبوہ سے گھوڑے کو نکالا
کاٹا کبھی نیزہ کبھی ترکش کبھی بھالا
انبار تن و سر کا سر راہ دکھایا
ہر ضرب میں زور اسد اللہ دکھایا

لڑتے تھے وہ انبوہ نہ ہوتا تھا مگر کم — اڑا تھا سمندر کی طرح لشکر اظلم
ہاں جانے نہ دینا یہی غل ہوتا تھا ہر دم — واں غش میں سکینہؑ تھی حرم کرتے تھے ماتم
شمشیر بکف اکبر ذی جاہ کھڑے تھے — ہاتھوں سے کمر پکڑے ہوئے شاہ کھڑے تھے

فرماتے تھے اکبر سے یہ رو رو کے بصد یاس — اب کیا کروں اعدا میں گھرا ہے مرا جانی
کہہ دو یہ سکینہؑ سے کہ ہو پیاس سے بے آس — آنے نہیں دیتے مرے بھائی کو مرے پاس
دنیا سے مٹاتے ہیں نشانی کو علیؑ کی — مارا ہمیں امت نے دہائی ہے نبیؐ کی

گھبرا کے یہ ڈیوڑھی سے سکینہؑ نے پکارا — کیوں روتے ہو بابا کسے مارا کسے مارا
چلائے شہ دیں کہ نہیں صبر کا یارا — سقائے حرم چھوڑتے ہیں ساتھ ہمارا
جینے کا مزا فرقت عباسؑ نے کھویا — ہے ہے مرے بھائی کو تری پیاس نے کھویا

منھ کر کے سوئے نہر وہ پیاسی یہ پکاری — دریا سے چلے آؤ چچا تم پہ میں واری
تم خالی ہی لا کر ہیں دو مشک ہماری — بابا کی سنی جاتی نہیں گریہ وزاری
جلد آؤ کہ بے تاب امام دوسرا ہیں — ہم نے تمہیں پانی کو جو بھیجا تو خفا ہیں

یہ سن کے ادھر کرتے تھے شہ اشک فشانی — واں ہو گیا بے دست ید اللہ کا جانی
شانوں سے لہو بہنے لگا مشک سے پانی — گھوڑے سے نہ گرتا ابھی وہ یوسف ثانی
خوں خواروں کے نرغے میں مگر آ گئے عباسؑ — اک گرز لگا سر پہ کہ تیورا گئے عباسؑ

حضرت کو پکارا مرے آقا مرے آقا — دوڑو مجھے مارا مرے آقا مرے آقا!
تن زخمی ہے سارا مرے آقا مرے آقا — بندہ ہوں تمہارا مرے آقا مرے آقا
سقے کی بہشتی کے فدائی کی خبر لو — خادم کی نمک خوار کی بھائی کی خبر لو

چلا کے شہ دیں نے کہا ہائے برادر — تم بھائی سے ہوتے ہو جدا ہائے برادر
بھائی نہ ہوا تم پہ فدا ہائے برادر — لکھی تھی جوانی میں قضا ہائے برادر
افسوس کہ وقفہ نہ کیا چند نفس کا — ساتھ آج چھٹا جاتا ہے تینتیس برس کا

یہ کہہ کے سوئے نہر جو دوڑے شہ والا — تیورا کے گرے تھے مگر اکبرؑ نے سنبھالا
گرتے تھے ملتا تھا جہاں خون کا تھالا — معلوم نہ ہوتا تھا اندھیرا نہ اجالا
بھائی کے تصور میں جو گھبراتے تھے شبیرؑ — ہر لاش سے چلا کے لپٹ جاتے تھے شبیرؑ

بسمل سے تڑپتے ہوئے جب نہر پر آئے
سر پیٹتے شبیرؑ جو بالائے سر آئے
زخمی کو جو اُٹھنے کی نہ طاقت تھی زمیں سے
حضرت نے کہا سر تو قدم پر سے اُٹھاؤ
گر ہاتھ نہیں سر مری چھاتی سے لگاؤ
تقریر تری شہرۂ آفاق ہے بھائی

یہ کہہ کے گرے لاش پہ پھر بادلِ مضطر
زانو پہ رکھا خاک سے سر اُس کا اُٹھا کر
ملنے کے لئے ہاتھوں کو پھیلائے ہیں عباسؑ
غش میں جو سُنی اُس نے صدائے شہِ والا
آہستہ کہا شہ سے میں صدقے مرے مولا
یہ داغ زمانے سے چلا ساتھ ہمارے

افسوس کہ بن آئی نہ ہم سے کوئی تدبیر
کہہ دیجو سکینہؑ سے کہ بی بی تری تقدیر
لب تشنہ رہو تم یہی مرضی تھی خدا کی
یہ کہتے ہی اک موت کی ہچکی اُسے آئی
گھبرا کے کہا شہ نے یہ کیا کرتے ہو بھائی
بے دست برادر کی مدد کیجئے آقا

شاہد مرے کلمے کے رہیں آپ برادر!
برحق ہے رسولِ عربی حق کا پیمبر
بعد اُن کے حسنؑ مالک و مختارِ زماں ہیں
سب آپ پہ روشن ہے عقیدے کا مرے حال
ہے خوفِ فشارِ لحد اے فاطمہؑ کے لال!
نازاں ہوں کہ کام آئیے گا واں مرے مولاؑ

عباسؑ کوئی آن کے مہماں نظر آئے
اشک آنکھوں میں عباسؑ دلاور کے بھر آئے
ملنے لگے آنکھیں قدمِ سرورِ دیں سے
عباسؑ ہم آغوش میں لیویں ادھر آؤ
یاری جو زباں دے تو کچھ احوال سُناؤ
بھائی تری آواز کا مشتاق ہے بھائی

پیشانی کو بوسہ دیا مُنھ رکھ دیا مُنھ پر
رو رو کے کہا کھولو تو آنکھوں کو برادر
تم دیکھو تو کس حال سے ہم آئے ہیں عباسؑ
ہونٹوں کو بھی جنبش ہوئی آنکھوں کو بھی کھولا
تعظیم سے معذور ہوں میں اُٹھ نہیں سکتا
پانی نہ ملا تن سے کٹے ہاتھ ہمارے

دل زخمی ہے جبسے کہ لگا مشک پہ اک تیر
پانی کے نہ لانے میں نہ تھی کچھ مری تقصیر
اب حشر کے دن دیکھوں گی صورت کو چچا کی
اور آنکھ بھی نظارۂ عالم سے پھر آئی
کی عرض کہ نزدیک ہے اب وقتِ جدائی
قبلے کی طرف مجھ کو پھرا دیجیے آقا

معبود نہیں کوئی بجز خالقِ اکبر
بے فصل ہے احمدؐ کا وصی حیدرِؑ صفدر
اور بعدِ حسنؑ آپ امامِ دو جہاں ہیں
کیجے گا مدد ہوئے گی جب پرسشِ اعمال
پر آپ نے آغوش میں پالا ہے کئی سال
سب مشکلیں ہو جائیں گی آساں مرے مولاؑ

آوازِ علیؑ آئی کہ اے عابد و زاہد — مقبول خدا ہیں ترے اعمال و عقائدؑ
صدقے ترے اے راہِ الٰہی کے مجاہد — ہیں پنجتن پاک ترے زہد کے شاہد
تشریف رسولِ دوسرا لائیں گے بیٹا — غم کھاؤ نہ تم قبر میں ہم آئیں گے بیٹا
یاں تھا ابھی یہ ذکر کہ برپا ہوا محشر — رونے ہیں لگے دیکھنے شہ خیمے کو مڑ کر
دیکھا کہ حرم گھر سے نکل آئے ہیں باہر — چلاتی ہے فضہ علی اکبرؑ علی اکبرؑ
اب دخترِ سلطانِ مدینہ نہیں تھمتی — عباسؑ سے کہہ دو کہ سکینہؑ نہیں تھمتی
فضہ کی یہ آواز جو عباسؑ تک آئی — تھرّانے لگا نزع میں وہ شہ کا فدائی
شہؑ سے کہا یاں آتی ہے اب آپ کی جائی — دامن سے مرے منھ کو چھپا دیجئے بھائی
یہ کہتے ہی دنیا سے سفر کر گئے عباسؑ — منھ پھیر لیا شرم سے اور مر گئے عباسؑ
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیرؑ پکارے — عباسؑ علی چھوڑ کے جنت کو سدھارے
سر بھائی کے قدموں سے اٹھاؤ مرے پیارے — بس ہو چکی تعظیم میں قربان تمہارے
بھائی میں تری تشنہ دہانی کے تصدق — عباسؑ میں اس مرتبہ دانی کے تصدق
کچھ بولو تو اے عاشقِ سلطانِ مدینہ — چلاتی ہے ڈیوڑھی پہ تمہیں بالی سکینہؑ
بتلاؤ بھتیجی کی تسلی کا قرینہ — اس صدمے سے دشوار ہے اس بچی کا جینا
یہ مشک جو واں خون میں تر جائے گی بھائی — بس ہائے چچا کہہ کے وہ مر جائے گی بھائی
سر پیٹ کے چلانے لگے سیّدِ ابرار — ہے ہے مرے پیارے بھائی مرے غم خوار
اب جوش پہ رقت ہے انیسؔ جگر افگار — مولا سے یہ کر عرض کہ اے کل کے مددگار
حسرت ہے یہ آنکھوں سے درِ شاہ کو دیکھوں — عباسؑ فلک جاہ کی درگاہ کو دیکھوں

مرثیہ ۱۱

بند ۱۶۲

آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی
جاسوس کہہ رہے ہیں نہیں راہ پھیر کی
خوشبو ہے دشتِ بادِ بہاری قریب ہے
آتا ہے وہ جری جو ہزاروں میں فرد ہے
دہشت سے آفتاب کا چہرہ بھی زرد ہے
سر بر کوئی ہوا نہیں اس خاندان سے
مشہور ہے جہاں میں یہ صفدر وحیدِ دہر
لڑنے میں آگئی جو شجاعت کی ان کو لہر
فرزند ہیں علیؑ کے شہِ کائنات کے
ہاں نورِ چشمِ فاتحِ خیبر قریب ہے
لختِ دلِ درندۂ اژدر قریب ہے
جوہر کبھی چھپے نہیں تیغِ اصیل کے
یکتائے روزگار ہے وہ شیرِ حق کا لعل
ان سے مقابلے کی بھلا ہے کسے مجال
دکھلائیں گے چلن اسدِ کردگار کا
رشکِ چمن ہیں سب پہ گلِ سرسبد یہ ہے
ذی مرتبت ہے صاحبِ فہم و خرد یہ ہے
دیکھا نہیں جہان میں شیر اس جمال کا
اللہ رے آمد آمدِ عباسؑ صف شکن
جنگل کے شیر بن گئے تھے خوف سے ہرن
یہ شیر کم نہیں اسدِ قلعہ گیر سے

ڈیوڑھی سے چل چکی ہے سواری دلیر کی
غش آگیا ہے شہ کو یہ ہے وجہ دیر کی
ہشیار غافلو کہ سواری قریب ہے
شیروں کا شیر عازمِ دشتِ نبرد ہے
بڑھ کر پرے سے جو اسے روکے وہ مرد ہے
گھر میں انھیں کے اُتری ہے تیغ آسمان سے
جبار کے غضب کا نمونہ ہے ان کا قہر
لاکھوں سے ایک وار میں چھین لیں گے نہر
لاشوں کے پُل بندھیں گے کنارے فرات کے
لو وارثِ کشندۂ عنتر قریب ہے
جو تیغ کا دھنی ہے وہ صفدر قریب ہے
کاٹے انھیں کی تیغ نے پر جبرئیل کے
اک اک جری ہے شیر و زندہ دمِ جدال
جرأت وہی ہے غیظ وہی ہے وہی جلال
گھر گھاٹ ان کی تیغ میں ہے ذوالفقار کا
آفاق میں نظیرِ ہزبرِ اُحد یہ ہے
عباسؑ نام کیوں نہ ہو کس کا اسد ہے
وہ تحفہ ہے فاطمہ زہرا کے لال کا
لرزاں تھے کوہ ہلتے تھے دل کانپتا تھا تن
اک شور تھا کہ آج پڑے گا غضب کا رن
گویا مقابلہ ہے جنابِ امیرؑ سے

تھا فوج قاہرہ میں تلاطم کہ الحذر
تھیں موج کی طرح سب ادھر کی صفیں ادھر
چکر میں تھی سپاہ کہ گردش میں تھا بھنور
پانی میں تھے نہنگ اُبھرتے نہ تھے مگر
فوجیں فقط نہ بھاگی تھیں منھ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے

چھایا تھا سب پہ رُعب علمدار نوجواں
تسلیم کو جھکے ہوئے تھے فوج کے نشاں
گوشہ اماں کا ڈھونڈ رہی تھی ہر اک کماں
ترکش بھی تھے ہراس میں کھولے ہوئے دہاں
تیروں کا بے گماں تھا ارادہ گریز کا
منھ کند ہو گیا تھا ہر اک تیغ تیز کا

ہل چل یہ تھی کہ گرد سواری عیاں ہوئی
گویا چمن میں بادِ بہاری عیاں ہوئی
آمد خدا کے شیر کی ساری عیاں ہوئی
آپ آئے کیا کہ قدرتِ باری عیاں ہوئی
روشن تھا شمع طور سے پرتو حضور کا
خلعت ملا زمینِ مقدس کو نور کا

اک شور تھا کہ آج زمیں آسمان ہے
صحرائے کربلا نہیں دنیا کی جان ہے
اُترا زمیں پہ چاند یہ خالق کی شان ہے
رضواں نے دی صدا کہ خدا مہربان ہے
پرتو ہے یہ رُخِ خلفِ بوتراب کا
دیکھو اُلٹ گیا ہے ورق آفتاب کا

نقشِ سمِ فرس کی ضیا پر کرو خیال
اختر کہیں ہے بدر کہیں ہے کہیں ہلال
ہے دوپہر کے بعد سدا شمس کو زوال
یاں ہے وہی عروج زہے حشمت و جلال
پروانہ آفتاب ہے چہرے کے نور پر
گھوڑے پہ آپ ہیں کہ تجلی ہے طور پر

آئینۂ جبیں سے صفا آشکار ہے
ابروے ماہ رُخ سے ضیا آشکار ہے
چشمِ گہر فشاں سے حیا آشکار ہے
رُخ سے جلالِ شیرِ خدا آشکار ہے
رستم بھی چڑھ سکے گا نہ منھ پر دلیر کے
چہرہ تو نور کا ہے پہ تیور ہیں شیر کے

نورِ جبیں نے جلوۂ قدرت دکھا دیا
چہرے نے حسنِ صبحِ صباحت دکھا دیا
ابرو نے رنگ تیغِ شجاعت دکھا دیا
قامت نے سب کو طورِ قیامت دکھا دیا
جنگل کو بو نے کوچۂ گیسو بسا گئی
کپڑوں سے نکہتِ گلِ فردوس آ گئی

ابرو نہیں ہے چشمِ مروت نہاد پر
یوں لکھ دیا ہے صانعِ قدرت نے صاد پر
دیدار اس کا فرض عین ہے خوش اعتقاد پر
قرباں ہے صبح و شام بیاض و سواد پر
سادہ نگیں حدیدہ کا دُرِ نجف میں ہے
پتلی نہ جانیو دُرِ مکنوں صدف میں ہے

اعجاز لب میں چشم میں سحرِ حلال ہے
تعریف کیا کریں کہ دہن بے مثال ہے
ٹھہرا لیا ہے نقطۂ فرضی دہن نہیں
تِل نہیں ہے چہرۂ یوسف کا خال ہے
تقسیم جزو لایتجزیٰ محال ہے
اسرارِ کردگار میں جائے سخن نہیں

شیریں لبوں کی مدح میں لب ناطقہ ہے بند
پھیکی جو بات ہو وہ زباں کو نہیں پسند
نے قند میں یہ لطف نہ شاخِ نبات میں
لائے گا ہر سخن میں نمک یہ کہاں ہے قند
عالم ہے ان کے شورِ تکلّم سے بہرہ مند
صانع نے بھر دیا ہے مزا بات بات میں

بے مثل ہیں خوشا دُرِ دنداں کی آب و تاب
یوسف نے دیکھے تھے یہی اختر میانِ خواب
باتوں میں لب جو ہلتے ہیں اس خوش خصال کے
دُرِ عدن کو دیتے ہیں دنداں شکن جواب
طالع چمک گئے مہِ کنعاں ملا خطاب
ہیروں کی چھوٹ پڑتی ہے ٹکڑوں پہ لال کے

قربان رونقِ خط و رخسارِ سُرخ فام
والیل گرد سورۂ والشمس ہے تمام
تفسیر خط کی مصحفِ ایماں کے گرد ہے
یہ صبح ہے حلب کی تو گیسو ختن کی شام
گویا جنابِ خضر کا ظلمات ہے مقام
دیکھو ہجوم مورِ سلیماں کے گرد ہے

یہ خط نہیں ہے دفترِ قدرت نگار ہے
لاریب فیہ مصحفِ پروردگار ہے
مُنھ دیکھیے جس کو نور کا سورہ نہ یاد ہو
عنبر فشانیِ قلمِ مشک بار ہے
واضح یہ ہے کہ جلد سے خط آشکار ہے
تاریک شب میں پڑھ لے جو روشن سواد ہو

روشن اگر زمانہ ہے صبحِ گلو کا نور
نورِ خدا کا صاف گریباں سے ہے ظہور
بوسوں کو حوریں رہ گئیں ہیں ہونٹ چاٹ کے
دیکھے اگر تو شرم سے گردن جھکائے حور
پروانہ شمعِ حُسن پہ جس کے چراغِ طور
پریوں نے جان دی ہے گلے کاٹ کاٹ کے

شانے سپہرِ حُسن کے دو آفتاب ہیں
ساعد برائے تیغ و سپر انتخاب ہیں
اُلٹی ہے آستین جو حیدر کی شان سے
بازو مثالِ دستِ خدا لاجواب ہیں
ہاتھوں سے بادشاہ و گدا فیضیاب ہیں
اُنگلی ہوئی ہے تیغ یداللہ میان سے

ساعد میں زور وہ کہ زبردست زیر ہیں
لاکھوں پہ حملہ کرتے ہیں ایسے دلیر ہیں
زہرہ ہے ڈر سے آب کیومرث و گیو کا
ایذا میں باحواس ہیں فاقوں میں سیر ہیں
پنجے کا ان کے ذکر بھلا کیا کہ شیر ہیں
مُنھ پھر گیا ہے ان کے طمانچے سے دیو کا

طاقت بھی ان کے بازوؤں کا ایک نام ہے
اقبال ان کے گھر کا مدار المہام ہے
ہر دم قشونِ جاہ و حشم ساتھ رہتے ہیں
فوج ان کی شان و شوکت و اقبال جاہ ہے
ثابت قدم ہیں پر دمِ تیغ ان کی راہ ہے
فوجوں سے معرکے میں نشاں چھین لیتے ہیں
مر جائیں نامراد یہ ان کی مراد ہے
کہ ان کے آگے لشکرِ ابنِ زیاد ہے
دنیا ہو اک طرف تو یہ کچھ جانتے نہیں
رہتے ہیں سب جہاں کے زبردست زیر دست
دیکھا ہے شیرِ حق کی لڑائی کا بندوبست
روح الامیں پروں کو بچھاتے ہیں فرش پر
سینے کا آئینہ ہے کدورت سے پاک صاف
جرأت کا ان کی قاف سے شہرہ ہے تا بقاف
دعویٰ نہ ہو جسے یہ اسے ڈکتے نہیں
اب کس طرح ثباتِ قدم کو کروں رقم
نعلین پائے حضرت عباسؑ کی قسم
ثابت ہوا کہ قابلِ شرح و بیاں نہیں
وصفِ سلاحِ جنگ میں اب لُٹ گئی ہے جاں
مضموں نئے تراش تو اے خنجرِ زباں
منزل ابھی ہے دور صفِ کارزار کی
یہ خود آہنی نہیں فرقِ جناب پر
ابر آ گیا ہے فرقِ رسالت مآب پر
سائے میں وہ جو آج سیدِ زمانہ ہے

زور ان کا خانہ زاد تہور غلام ہے
ان کے جلو میں فتح و ظفر صبح و شام ہے
نصرت کو ان کا غاشیہ بردار کہتے ہیں
مردانگی غلام جلالت سپاہ ہے
جرأت ہے ان کا خشم شجاعت نگاہ ہے
سید ہیں آن بان پہ یہ جان دیتے ہیں
ناشاد ہوئے جان تو دل ان کا شاد ہے
جویاں ہے کافروں کے یہ شوقِ جہاد ہے
اللہ و پنجتنؑ کے سوا مانتے نہیں
لشکر تباہ کر دیئے فوجوں کو دی شکست
آنکھ ان کی حق نما ہے نظر ان کی حق پرست
سر ان کے خاک پر ہیں نماز ان کی عرش پر
برعکس ان سے جو وہ خدا سے ہے برخلاف
سو سو صفوں کو صاف کیا ہے دمِ مصاف
تلوار جب چلی تو سپر رو کے ہوں نہیں
کاغذ پہ رک گیا ہے صداوت کے یہ قلم
شل جائے کوہ پر نہ اٹھیں گے جگہ سے ہم
خامے کا ذکر کیا ہے سیاہی رواں نہیں
اے ذہن آج ہے تری تیزی کا امتحاں
جوہر شناس بیٹھے ہیں اے تیغِ طبع یاں
رہ جائیو نہ تجھ کو قسم ذوالفقار کی
سرپوشِ نور ہے نہ رخِ آفتاب ہے
یا تاجِ خسروی ہے سرِ بوتراب پر
اقبال کے ہما کا یہیں آشیانہ ہے

مردم کو اس زرہ کی زیارت ضرور ہے
حلقوں میں جس کے حور کی پتلی کا نور ہے
موسیٰ کا ہے یہ قول کہ قندیلِ طور ہے
داؤد کہتے ہیں کہ یہ جوشن زبور ہے
کشافِ امرِ حق ہے بیاں اس سعید کا
ہاں ترجمہ ہے مصحفِ ربِ مجید کا

رکھتا نہیں کسی سے کدورت یہ خوش نہاد
الا عدوئے آلِ پیمبر سے ہے عناد
چار آئینہ ہے رحمت و انصاف و عدل و داد
بس پنجتن کا نام سپر ہے دمِ جہاد
بن جائے گا اماں کا حصار آئینہ یہی
جوشن یہی سپر یہی چار آئینہ یہی

پیشانی آئینہ رخِ جاں پرور آئینہ
دوش آئینہ ہے سینہ سرِ پیکر آئینہ
بر میں دل آئینہ جسدِ انور آئینہ
ہر آئینہ سے بہتر و خوشتر ہر آئینہ
بے عد و بے حساب و شمار آئینہ ہیں یاں
چار آئینہ کے بدلے ہزار آئینہ ہیں یاں

دستانہ ہے کہ تیغِ ید اللہ کا نیام
منھ میں کلائی شیر کی یہ ہے انھیں کا کام
قالبِ ظفر کا فتح کا گھر زور کا مقام
پنجے میں ہو جو تیغ تو قبضے میں روم و شام
دنیا میں کوئی ان سے نہ افضل نہ دین میں
قوت خدا کے ہاتھ کی ہے آستین میں

یہ شیر نیستانِ ولایت کے ببر ہیں
پنجے میں شیرِ حق کے ہے یہ وہ ہزبر ہیں
چپ جانیو نہ ان کو یہ مختارِ صبر ہیں
کڑکیں اگر تو برق ہیں گرجیں تو ابر ہیں
ربِ علا کا قہر انھیں کا جلال ہے
برق ان کی تیغ ہے تو گھٹا ان کی ڈھال ہے

روباہ دل ہے شیرِ ژیاں ان کے سامنے
لرزاں ہیں مثلِ بید جواں ان کے سامنے
پشّے سے کم ہیں پیلِ دماں ان کے سامنے
کھلتی نہیں کسی کی زباں ان کے سامنے
تن پرزے ہو کے خاک کے پیوند ہوتے ہیں
انساں تو کیا ہیں تیغوں کے دم بند ہوتے ہیں

ہے دوشِ صبحِ عید شبِ قدر ہے سپر
قدرت خدا کی یہ ہے ادھر شب ادھر سحر
اک ماہِ نو تو چار ستارے ہیں جلوہ گر
گویا دلہن بنی ہوئی ہے لیلیٰ ظفر
جو خوبیاں کہ چار آئینہ و سپر جھول میں
معشوق سبز رنگ کے دامن میں پھول ہیں

ہیں وصفِ تیغ میں سپر انداختہ زباں
لکنت کے حرف آتے ہیں لب پر دمِ بیاں
مضموں ہیں مثلِ برقِ جہندہ شرر فشاں
پیدا صریرِ کلک سے ہے شورِ الاماں
کیونکر کوئی لکھے جو مجالِ رقم نہ ہو
خامے کو خوف ہے کہ زباں پھر قلم نہ ہو

قد کتنا خوش نما ہے بدن کس قدر ہے گول
جوہر شناس ہے تو اسے موتیوں سے تول
مفتاحِ فتح ہے درِ نصرت کو اس سے کھول
وہ تیغ بے خراج صفاہاں ہے جس کا مول
اشراف کا بناؤ رئیسوں کی شان ہے
شاہوں کی آبرو ہے سپاہی کی جان ہے

دلسوز شعلہ خو شرر انداز جاں گداز
لشکر کش و شکست رساں و ظفر نواز
خونخوار کج اداؤ دل آزار و سرفراز
حاضر جواب تیز طبیعت زباں دراز
کج اس کی ہے پسند جہاں کو سبھی نہ ہو
معشوق پھر نہیں اگر اتنی کجی نہ ہو

پشتہ وہ اس کا اور وہ باریکیٔ خمیر
کس بل میں بے مثال اصالت میں بے نظیر
جنگ آزما خراج ستانندہ ملک گیر
گیتی نورد بادیہ پیما فلک مشیر
اس کا جلال خلق میں کس پر جلی نہیں
کوچہ وہ کون سا ہے جہاں پر چلی نہیں

چھوڑے اگر شعاع کی چلمن نہ آفتاب
کیا تاب ہے کہ لا سکے اس کے چمک کی تاب
آفت کا دم ہے قہر کی تیزی غضب کی آب
دشمن اسے جو رات کو دیکھے میانِ خواب
بھاگے ہزار وہ پہ نہ پاوے مفر کہیں
بستر پہ دھڑ کہیں ہو دمِ صبح سر کہیں

ہے گرچہ علم تیر میں قادر وہ ارجمند
لیکن کماں نہ ساتھ ہے نہ تیر و نہ کمند
تیغ و سپر ہے یا علمِ شاہِ سربلند
سب حربے دور کے ہیں بہادر کو ناپسند
کیا خوف ان کو نہر پہ گر روک ٹوک ہے
نیزہ نہیں جو پاس اک اس میں بھی نوک ہے

صدقے علم کے حضرت عباسؑ کے نثار
طوبیٰ شکوہ عرش تجمل فلک وقار
شمشادِ سبز پوش گلستانِ اقتدار
حمزہ کا اقتدار تو جعفر کا افتخار
جھکتا ہے جس سے عرش یہ پایہ اسی کا ہے
خلقِ خدا پہ دھوپ میں سایہ اسی کا ہے

دریا خجل تھا سبز پھریرے میں تھی وہ لہر
سبزہ بھی اس کے عشق میں کھائے ہوئے تھا زہر
دامن ہے بادبانِ جہازِ امامِ دہر
موجیں دکھا رہی ہیں بہشتِ بریں کی نہر
پنجے کا نور سبز پھریرے کے ساتھ ہے
طوبیٰ کی شاخِ سبز پہ مریم کا ہاتھ ہے

دامن وہ سبز او وہ پنجے کا اس کے نور
نکلا ہوا ہے قصرِ زمرد سے روئے حور
ذوق جنابِ خضر پہ روشن ہے شمع طور
بے شبہ وہ امام کے ہے نور کا ظہور
اس کا علم یہ ہے جو شہِ مشرقین ہے
گویا حسنؑ کے دوش پہ دستِ حسینؑ ہے

لکھتا ہے اب کمیت قلم سرعت سمند
آہو شکار شیر طبیعت وغا پسند
نازک مزاج خوش قد و طناز و سربلند
وہ پیش و پس وہ سم وہ کنوتی وہ جوڑ بند
اُتری تھی اک پری فرس تند خو نہ تھا
سرعت بھری ہوئی تھی رگوں میں لہو نہ تھا

تنہا ہے اس گروہ سے عباسؑ تشنہ لب
اور واں پرے جمائے ہیں سفاک بے سبب
تیغیں علم کئے ہے سپاہ وغا طلب
ڈھالوں سے اہل شام کی دن ہو گیا ہے شب
سرہنگ روم ورے ہیں وغا پر تلے ہوئے
ہیں دور تک نشانوں کے شقے کھلے ہوئے

کہتا تھا شمر آکے ہر اک پرے کے پاس
ہاں صفدران شام خبردار با حواس
مردوں کو معرکے میں نہیں چاہیے ہراس
بڑھنے نہ پائے حضرت عباسؑ حق شناس
لاکھوں ہو تم وہ ایک ہے پیاسے کو ٹوک لو
جانیں لڑا کے شیر کے حملے کو روک لو

بے رستمی کا وقت وغا کا مقام ہے
مردانگی نبرد میں مردوں کا کام ہے
عالم میں شور طنطنۂ فوج شام ہے
حیدرؑ کے اس نشاں کو مٹا دو تو نام ہے
ہاتھوں سے صبر کی بھی عناں چھوٹ جائے گی
مر جائیں گے حسینؑ کمر ٹوٹ جائے گی

پہونچی جو گوش شاہؑ میں یہ شمر کی صدا
اُٹھے تڑپ کے خاک سے حضرت برہنہ پا
چلائے آکے سامنے اے فوج اشقیا
کاٹو خدا کے واسطے پہلے مرا گلا
بولا نہیں میں کچھ جو بھرا گھر اُجڑ گیا
مر جاؤں گا ابھی جو یہ بھائی بچھڑ گیا

آفت میں مبتلا ہوں اسیر محن بھی ہوں
فاقہ بھی تین دن کا ہے تشنہ دہن بھی ہوں
بیکس بھی ہوں ضعیف بھی ہوں خستہ تن بھی ہوں
سید بھی ہوں غریب بھی ہوں بے وطن بھی ہوں
ناحق بڑھے ہو تیر کمانوں میں جوڑ کے
کیا ہاتھ آئے گا مرے بازو کو توڑ کے

مشہور کائنات میں ہے بھائیوں کا پیار
بچپن سے میں ہوں اس پہ فدا مجھ پہ یہ نثار
پہلو میں دل نہ ہو تو جگر کو کہاں قرار
مجھ سے جدا ہوا نہیں دم بھر یہ نامدار
جب سے خدا کے شیر نے چھوڑا جہان کو
پالا ہے میں نے گود میں اس نوجوان کو

بازو یہی ہے ہاتھ یہی تن کی جاں یہی
قوت یہی عصا یہی تاب و تواں یہی
بھائی یہی پسر یہی راحت نشاں یہی
خادم یہی شفیق یہی مہرباں یہی
پانی پلائے جب یہ بہشتی تو جیتے ہیں
ہم تو اسی جواں کے سہارے سے جیتے ہیں

دل کی جو تقویت ہے تو قوت جگر کی ہے … سینے کا ہے سرور ضیا چشم تر کی ہے
دولت کچھ ایک دن کی نہیں عمر بھر کی ہے … پیری کا آسرا ہے نشانی پدر کی ہے
کیوں کر نہ روؤں روح کا اور تن کا ساتھ ہے … طفلی کی الفتیں ہیں لڑکپن کا ساتھ ہے

ہم دونوں میں سے ایک پہ قربان ایک ہے … جان ایک ہے دل ایک ہے ایمان ایک ہے
جلدیں اگرچہ دو ہیں پہ قرآن ایک ہے … قالب جدا جدا ہیں مگر جان ایک ہے
جب روح کوچ کر گئی پھر تن میں دم کہاں … بے جاں ہوا یہ جانِ برادر تو ہم کہاں

دنیا میں چھوٹے بھائی سے پیارا نہیں کوئی … دل کا سرور آنکھوں کا تارا نہیں کوئی
گر ہے تو یہ ہے اور سہارا نہیں کوئی … کہنے کو یوں ہیں سب پہ ہمارا نہیں کوئی
پوچھو اسی سے بھائی سے جس سے جدائی ہو … جب باپ ہو جہان میں پیدا تو بھائی ہو

رو کر جو مستغیث امام بحق ہوئے … غم سے کلیجے بھائیوں والوں کے شق ہوئے
جو صاحب حیا تھے وہ غرق عرق ہوئے … سن کر صدا حسینؑ کی عباسؑ فق ہوئے
برچھی لگی الم کی دل دردناک پر … نزدیک تھا کہ گر پڑیں گھوڑے سے خاک پر

گھبرا کے معرکے سے پھر آیا وہ خوش خرام … دیکھا کھڑے ہیں ہاتھوں سے تھامے کمر امام
گھوڑے سے کود کر یہ پکارا وہ نیک نام … آپ آئے کیا غضب یہ کیا اے فلک مقام
سر پر عمامہ کھنچے پیمبر کے واسطے … یہ اضطراب بندۂ احقر کے واسطے

پھیلائے شہ نے ہاتھ کہ آؤ گلے لگو … سینہ مرے جگر سے لگاؤ گلے لگو
بچھڑے ہیں ویرے نہ رلاؤ گلے لگو … لو تم بھی دستِ شوق بڑھاؤ گلے لگو
آنکھوں سے آنکھیں منہ سے منہ اور لب سے لب ملیں … اب کی جدا ہوئے تو خدا جانے کب ملیں

دو ایک جا رہیں یہ فلک کو نہیں پسند … دنیا میں ہجر کا کسے پہنچا نہیں گزند
دیکھا نہیں کہ ہو کبھی رستہ اجل کا بند … آتی ہے موت جب تو بچھڑتے ہیں بھائی بند
روئے جو مدتوں تو خوشی ایک دم رہے … تھوڑے دنوں نبیؐ و علیؑ بھی بہم رہے

وہ دل ہے داغ دار جو ہجراں نصیب ہے … کوئی بعید یار سے کوئی قریب ہے
اس باغ کا بھی رنگ عجیب و غریب ہے … اکثر چمن میں پھول نہیں عندلیب ہے
موسم کوئی نہیں چمن روزگار میں … لاکھوں ہیں گل کہ ٹوٹ گئے ہیں بہار میں

فرما کے یہ بہ شوق امامِ اُمم بڑھے
بس ڈبڈبائے آنکھوں کو وہ بحرِ غم بڑھے
دونوں پہ کوہ رنج و غم و یاس گر پڑے
بولے گلے لگا کے شہنشاہِ نامدار
لپٹے رہو ابھی کہ جگر کو نہیں قرار
تم کیا چلے کہ زخمِ جگر تازہ ہو گیا

زیرِ بغل تھے دستِ شہنشاہِ بحر و بر
حضرت کا روئے پاک تھا بھائی کے دوش پر
تھمتی تھی رقت ان کی نہ زہراؑ کے جائے کی
عباس رو کے کہتے تھے مولا نہ روئیے
صدمے سے بے قرار ہیں بابا نہ روئیے
پردے میں کچھ نہ آلِ نبیؐ کے خلل پڑے

دل تھا جو شہ کا فرطِ محبت سے بے قرار
بولے یہ کانپ کانپ کے عباسؑ باوقار
کیونکر کہوں کہ قابلِ لطفِ امام ہوں
رو کر کہا حسینؑ نے اے جانِ الوداع
بھائی تمہارے عزم کے قربان الوداع
بابا سے میری پیاس کی فریاد کیجیو

روتے ہوئے یہ کہہ کے چلے شاہِ دیں پناہ
ہم شکلِ مصطفےٰ کو پکارے بہ اشک و آہ
بھر لائے جو کہ کے ہم آئے تھے آپ سے
فرما کے یہ چڑھے فرسِ خوش خرام پر
چمکا فرس کہ برق گری ابرِ شام پر
بڑھ کر رجز پڑھا کہ پرے تھرتھرا گئے

عباسؑ اس طرف سے جھکا کر علم بڑھے
یہ سوئے سینہ اور وہ سوئے قدم بڑھے
گردن جھکا کے پاؤں پہ عباسؑ گر پڑے
اے میرے یادگارِ پدر میں ترے نثار
بھیا ملا دو چھاتی سے چھاتی پھر ایک بار
پھر آج ہم کو داغِ پدر تازہ ہو گیا

چھاتی سے سر لگائے تھے عباسؑ نامور
ہچکی لگی تھی اُن کو ادھر اور انھیں اُدھر
تھی دو طرف بلند صدا ہائے ہائے کی
صدقے غلام اے مرے آقا نہ روئیے
سر پیٹتی ہیں فاطمہ زہراؑ نہ روئیے
ایسا غضب نہ ہو کہ سکینہؑ نکل پڑے

فرمایا ہم کو گرد تو پھر لینے دو ایک بار
بندے ہوں لاکھ مجھ سے تو نعلین پر نثار
میں تو سکینہؑ جان کا ادنیٰ غلام ہوں
اچھا سدھارو اے مرے ذی شان الوداع
ہم بھی ہیں کوئی آن کے مہمان الوداع
کوثر پہ جائیو تو مجھے یاد کیجیو

تا دیر اس طرف رہی عباسؑ کی نگاہ
آنے دیا حضور کو یاں تم نے واہ واہ
بیٹا چچا نثار خبردار باپ سے
نعرہ تھا دم بہ دم کہ تصدق امامؑ پر
غصے سے ہاتھ شیر نے ڈالا حسام پر
خیبر کے سرکشوں کو علیؑ یاد آ گئے

اے رخش خامہ شوخیٔ جولاں گری دکھا
اے نطق سحر کار زباں آوری دکھا!
اے شہ سوار فوج سخن صفدری دکھا
اے زور طبع دبدبۂ حیدری دکھا!
سطریں بنیں ورق پہ صفیں کارزار کی
مصرع ہر اک دکھائے بُرش ذوالفقار کی

ہاں اے قلم سروں کی جدائی دکھا مجھے
خندق کی اور احد کی لڑائی دکھا مجھے
دریائے کشت و خوں کی ترائی دکھا مجھے
شمشیر مصطفےٰ کی صفائی دکھا مجھے
دل شق کرے صریر قلم کارزار میں
غل ہو کہ شیر گونج رہا ہے کچھار میں

نکلے وہ شعر طبع فصاحت شعار سے
فقرے تھے جس کے تیز کہیں ذوالفقار سے
نقطے تھے آب دار دُر آب دار سے
مضموں بُرش میں تیز تھے خنجر کی دھار سے
اعدا کے نظم و نسق کی صورت بدل گئی
تیغ دو دم عرب کے فصیحوں پہ چل گئی

نعرہ یہ تھا کہ ہم دُرِ دریائے نور ہیں
دُنیا کے جتنے عیب ہیں سب ہم سے دور ہیں
خیبر کشا کے قلب و جگر کے سرور ہیں
جرّار ہیں سخی ہیں ولی ہیں غیور ہیں
اپنا چلن کھُلا ہوا سب عاقلوں پہ ہے
اب تک ہماری حرب کا سکّہ دلوں پہ ہے

جب معرکے میں جم گئے ہیں پاؤں گاڑ کے
دم میں قدم اُکھاڑ دیے ہیں پہاڑ کے
روکی ہے تیغ کفر کی بستی اُجاڑ کے
پھینکا ہے گھر سے حق کے بتوں کو اکھاڑ کے
پڑھ کر درود فوج ملک مدح خواں ہوئی
جب ہم گئے تو کعبے کے اندر اذاں ہوئی

درپے ہمیں رہے رہِ حق کی تلاش کے
ٹکڑے تلک جلا دیے کافر کی لاش کے
چھوڑا نہ سر بدن پہ کسی بدمعاش کے
کاٹے ہیں نے ہاتھ ہر اک بت تراش کے
ناقوس کو اُٹھا کے زمیں پر پٹک دیا
آتش کدوں پہ تیغ کا پانی چھڑک دیا

جنگ آزما ہیں صف شکن و قلعہ گیر ہیں
صولت میں دبدبے میں عدیم النظیر ہیں
دُنیا کے بادشاہ ہیں گردوں سریر ہیں
اس اوج پہ حسینؑ کے در کے فقیر ہیں
رتبے پہ فخر ہے نہ شجاعت پہ ناز ہے
گر ہے تو بس غلامیٔ حضرت پہ ناز ہے

کیا کیا لڑے ہیں خیبر و بدر و تبوک میں
یہ ہاتھ پیاس میں نہ رکے ہیں نہ بھوک میں
شہرہ ہے اپنی جود و سخا کا ملوک میں
حاتم سے بھی سخی ہیں سوا ہم سلوک میں
بگڑے ہیں جب تو خون کے دریا بہائے ہیں
سر دے دیا ہے بات پہ جس وقت آ گئے ہیں

تب شمر نے کہا کہ فصاحت سے کیا حصول
بیعت انھیں تو صلح ہمیں بھی نہیں قبول
غازی پکارا او نجس او مرتد و جہول
لیجو نہ منہ سے نام جگر گوشۂ رسولؐ
سمجھا ہے کیا امام عراق و حجاز کو
گدی سے کھینچ لوں گا زبانِ دراز کو

تو کیا ہے اور کیا ہے تیرا وہ امیرِ شام
کرتے ہیں بادشاہ کہیں بیعتِ غلام
تو بھی نمک حرام ہے وہ بھی نمک حرام
او بے ادب یزید کہا اور کہا امام
دوزخ سے دور رہتے ہیں ساکن بہشت کے
کعبہ کبھی جھکا نہیں آگے کنشت کے

یہ کہہ کے دلیر نے تلوار میان سے
مسکن چھٹا ہمائے سعادت نشان سے
نکلی جو عندلیب ظفر آشیان سے
جھپکے شرارے پھول جھڑے آسمان سے
دکھلائی شکل قہر خدائے جلیل نے
آنکھوں پہ ڈر کے رکھ لئے پر جبرئیل نے

حملہ دلیر کا غضبِ کردگار تھا
گر سامنے تھا شیر تو وہ بھی شکار تھا
تلوار کوندتی تھی فرس بے قرار تھا
مقتل میں گرم معرکۂ کارزار تھا
بہتا تھا خوں بدن سے تو منہ زرد ہوتے تھے
تلوار کی ہوا سے بدن سرد ہوتے تھے

وہ تیغ جاں گداز جدھر چل کے رہ گئی
گردن عدو کی شمع صفت ڈھل کے رہ گئی
یہ غول بھن گیا تو وہ صف جل کے رہ گئی
بھاگا کوئی تو ہاتھ اجل مل کے رہ گئی
کہتی تھی تیغ مجھ سے کہاں بچ کے جائے گا
ٹھنڈا کروں گی میں تو جہنم جلائے گا

ہوش و حواس شمر سیہ رو اڑا دیے
دو دو کے ایک ہاتھ میں بازو اڑا دیے
راکب کے پاؤں گھوڑے کے زانو اڑا دیے
ڈال کسی نے آنکھ تو ابرو اڑا دیے
تھا نور چشم شیرِ الٰہی جلال میں
تیلی چھپی ہوئی تھی سیاہی کی ڈھال میں

بجلی سی جس پرے کی طرف آکے پھر گئی
ناگن تھی اک کہ فوج پہ لہرا کے پھر گئی
دم میں لہو زمین پہ برسا کے پھر گئی
اللہ رے منہ صفیں کی صفیں کھا کے پھر گئی
کاٹے جگر تو اور دلیری ہوئی اسے
سیروں لہو پیا پہ نہ سیری ہوئی اسے

غصہ تھا شیر کانپتے تھے بزدلوں کے دل
سینے میں ہو گئے تھے لہو قافلوں کے دل
لوہے کو اس کے مان گئے جاہلوں کے دل
کیا چال تھی کہ لوٹتے تھے بسملوں کے دل
تھی ماہِ نو یہ پھرتی تھی بجلی بنی ہوئی
چمکی تو زخمیوں کے لئے چاندنی ہوئی

لرزاں ہر ایک بانیِ بیداد و جور تھا
رُخ زرد تھے سپاہ کا کچھ رنگ اور تھا
کشتوں کے پشتے اور سروں کے پہاڑ تھے

گر اس طرف بڑھا کسی بے دادگر کا ہاتھ
رُکتا نہ تھا علیِ ولی کے پسر کا ہاتھ

ہنستی تھی موت آنکھ جو پڑتی تھی زین پر
تیغیں سپر کے ساتھ کٹیں خود سر کے ساتھ
ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھہرا پسر کے ساتھ
بھاگے شریر خلعت و منصب کو چھوڑ کر

گرتی تھی برق تیغ جو ہر پل اِدھر اُدھر
شبدیز تھا کہ پھر رہی تھی کل اِدھر اُدھر
ہر جا تنوں کے ڈھیر سروں سے بلند تھے

سرہنگ شام ٹھوکریں کھا کھا کے مر گئے
کتنے جواں سموں کے تلے آ کے مر گئے
ہل چل نے استخوانِ بدن چور کر دیے

بھڑکا دی آگ صاعقۂ شعلہ ریز نے
پگھلا انھیں سمند کی ہر جست و خیز نے
ترکش نہ تھے درست نہ ثابت کمان تھی

تھرا رہا تھا خون سے مینائے لاجورد
تھا دن بھی زرد دھوپ بھی زرد اور زمیں بھی زرد
اک تیرگی غبار سے تھی چشمِ مہر میں

تھا الاماں کا شور پریشاں تھے اہلِ شر
ماتھے علم رگڑتے تھے جھک جھک کے خاک پر
دانتوں میں جس ہراس سے تھی ہر جوان کے

لشکر تھا بے حواس تباہی کا طور تھا
نیزوں کا تھا نہ اُوج نہ ڈھالوں کا دور تھا
فوجیں کٹی ہوئی تھیں محلے اُجاڑ تھے

بالائے تن رہا نہ اِدھر نہ اُدھر کا ہاتھ
دو ہو کے گر پڑا جسے مارا کمر کا ہاتھ

آدھا فرس پہ جسم تھا آدھا زمین پر
سینہ کمر کے ساتھ کٹا دل جگر کے ساتھ
اور معرکے میں چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
روحیں روانہ ہو گئیں قالب کو چھوڑ کر

سمٹے ہوئے تھے ڈھالوں کے بادل اِدھر اُدھر
بھاگڑ تھی قلبِ فوج میں ہل چل اِدھر اُدھر
بھاگیں کہاں گریز کے کوچے تو بند تھے

جو بچ گئے اِدھر سے اُدھر جا کے مر گئے
پس پس کے سُرمہ ہو گئے ٹکرا کے مر گئے
بیٹوں نے پاؤں باپ کی چھاتی پہ دھر دیے

چن کر صفوں کو صاف کیا تیغ تیز نے
گیتی اُلٹ دی ابنِ علیؑ کی ستیز نے
تیغوں میں دم رہے تھے نہ لشکر میں جان تھی

ہلتے تھے کوہ کانپتا تھا وادیِ نبرد
خورشید چھپ گیا یہ اُٹھی کربلا میں گرد
ٹاپو پڑے ہوئے تھے محیطِ سپہر میں

تیغوں کے پیچھے ڈر کے چھپی تھی ہر اک سپر
پرچم نے بال کھولے تھے فریادیوں نے سر
چادر ہلا رہے تھے پھریرے نشان کے

مصروف تھے جہاد میں عباسؑ باوفا
ناگاہ آئی خیمے کی ڈیوڑھی سے یہ صدا
اب کیا سکینہؑ پیاسی ہی مرجائے اے چچا
کب تک لڑو گے فوج سے بس ہو چکی وغا
سوکھے ہوئے لبوں پہ مری جان آئی ہے
اے نورِ چشمِ ساقیٔ کوثر دہائی ہے

جلدی خدا کے واسطے دریا پہ جائیے
قربان جاؤں بھر کے مری مشک لائیے
پھنکتا ہے سینہ آگ جگر کی بجھائیے
اچھے مرے چچا مجھے پانی پلائیے
اب رحم کیجئے مری دو دن کی پیاس پر
جیتی ہوں اب تک آپ کے آنے کی آس پر

اعدا کو بار بار نہ جھنجلا کے دیکھئے
صدقے گئی فرات کو اب جا کے دیکھئے
کانٹے مری زبان کے اب آکے دیکھئے
رونے کو شاہِ بیکس و تنہا کے دیکھئے
صدمہ فراق کا ہے دلِ دردناک پر
جلد آئیے حسینؑ تڑپتے ہیں خاک پر

عباسؑ نے سنی جو یہ آواز ناگہاں
بے اختیار آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
کاندھے پہ رکھ کے شیر نے شمشیرِ خونچکاں
رخ جانبِ فرات کیا پھیر کر عناں
دیکھی جو نہر دل نہ رہا اختیار میں
گھوڑا اڑا کے شیر سے آئے کچھار میں

گرمی میں تھے جو غرقِ عرق سر سے تا بپا
سردی سے اس ترائی کے جان آگئی ذرا
دریا سے ٹھنڈی ٹھنڈی جو آنے لگی ہوا
صدمہ ہوا کہ دھوپ میں ہیں شاہِ کربلا
دل ہو گیا کباب مصیبت پہ شاہؑ کی
عباسؑ نامدار نے اک سرد آہ کی

دو دن سے بے زباں پہ جو تھا آب و دانہ بند
دریا کو ہنہنا کے لگا دیکھنے سمند
ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند
چمکارتے تھے حضرت عباسؑ ارجمند
تڑپاتا تھا جگر کو جو شورِ آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا منہ سوار کا

چمکارتے تھے حضرت عباسؑ نیک نام
بس اتنا مضطرب نہ ہو اے اسپِ تیز گام
گر تو ہے تشنہ کام تو ہم بھی ہیں تشنہ کام
پیاسا ہے ذوالجناح شہنشاہِ خاص و عام
اٹھتا ہے شور گریہ محمدؐ کے آل سے
آگاہ کیا نہیں ہے سکینہؑ کے حال سے!

عباسؑ نے کہا جو یہ بچوں کا حالِ زار
گردن ہلا کے رہ گیا اسپِ وفا شعار
جب نہرِ علقمہ پہ در آیا وہ نامدار
پانی سے تھوتھنی کو اٹھاتا تھا بار بار
جاں بازیٔ سمند پہ غازی نے رو دیا
غازی کے منہ کو دیکھ کے تازی نے رو دیا

دریا سے بھر چکا وہ بہشتی جو مشکِ آب
تو مشک لے چلا جگر و جانِ بوتراب
گر مشک تا خیام شہِ نیک خو گئی
یہ شور سُن کے گھاٹ پہ اُمڈی سپاہِ شام
تولے تھے پہلواں تبر و خنجر و حُسام
اب پاس آبرو کا ہے جانوں کا غم نہیں

تیغِ دو دم کو تول کے غازی نے دی صدا
پہلے نہ رُک سکے تو بھلا اب کہیں گے کیا
دیکھیں تو ہاں پرے کو جمائے کھڑے رہو
یہ سُن کے جوڑنے لگے حلقوں میں وہ خدنگ
لپکا جدھر زبانۂ شمشیرِ شعلہ رنگ
حیرت تمام فوج کو تھی اس کے کاٹ پر

تا نصف راہ نہر سے لڑتا گیا وہ شیر
تکتے تھے سوئے خیمۂ شہ مُنھ کو پھیر پھیر
پھر پھر کے تیغ چلتی تھی اُس دیں پناہ کی
نزدیک سے نہ کرتا تھا حربہ کوئی شریر
تھے ایک جان کے لیے دشمن جوان و پیر
منظورِ ظلم سخت تھا ہر بد خصال کو

اک تشنہ کام لاکھوں میں کس کس کو دے جواب
کہتا تھا ہاتھ اُٹھانے کی مجھ میں نہیں ہے تاب
پروا نہ تھی جو بازوؤں پر تیر کھاتے تھے
برچھی سے چھِد گیا کبھی دل اور جگر کبھی
چھاتی تلے تھی مشک کبھی دوش پر کبھی
رہوار پر سنبھلتے تھے جب جھوم جھوم کے

چلّایا فوج کو عمرِ خانماں خراب
سادات پر بس اب نہ کبھی ہوں گے فتحیاب
یہ جان لو کہ جان گئی آبرو گئی
پہلے سے بھی زیادہ ہوا کچھ ہجومِ عام
غل تھا کہ ہاں نکلنے نہ پائے یہ تشنہ کام
عباسؑ نامور نہیں یا آج ہم نہیں

مجھ کو نہ دور جانیو اے لشکرِ جفا
یہ گھاٹ تیغ کا ہے خبردار اک ذرا
روکو تو برچھیوں سے ہم آئے کھڑے رہو
یاں بادیا ترائی میں تھا صورتِ نہنگ
پانی میں ڈوبنے لگے ناری کہاں کی جنگ
برسا دی آگ تیغ کے پانی نے گھاٹ پر

تودے کہیں سروں کے کہیں تھے تنوں کے ڈھیر
دم لے لیا کہیں کبھی جھپٹے مثالِ شیر
پر ہائے کم نہ ہوتی تھی کثرت سپاہ کی
پہلو سے تیر چلتے تھے اور سامنے سے تیر
برچھے تھے گرد بیچ میں تھا وہ مہِ منیر
پتھر شقی لگاتے تھے حیدرؑ کے لال کو

شل ہو گیا تھا بازوئے فرزندِ بوتراب
لڑنے میں فکر تھی کہ نہ ضائع ہو مشکِ آب
لیکن سپر سے مشکِ سکینہؑ بچاتے تھے
اک شیر سے اِدھر کبھی جھپٹے اُدھر کبھی
سینہ کبھی تھا مشک کے اوپر سپر کبھی
روتے تھے بازوؤں کو علیؑ چوم چوم کے

تکتے تھے مسکرا کے سوئے آسماں کبھی
لگتا تھا تن پہ تیر کبھی اور سناں کبھی
گھوڑے کو جب بڑھاتے تھے رانوں میں داب کے
چھینٹیں لہو کی اڑ کے جو پڑتی تھیں مشک پر
یہ پاس تھا کہ تیغوں سے ٹکڑے ہو میرا سر
اقبال بادشاہ زمین و زماں رہے

واحیف وادریغ تمنائے جاں نثار
اور یاں کمیں پہ تھا ابن ورقائے نابکار
آفت پڑی نصیبِ سکینہؑ الٹ گیا
اک ہاتھ سے سنبھالے تھا مشکیزہ و علم
گھوڑے پہ سیدھے ہوتے تھے گاہے تو گاہ خم
تیغا کسی کا شیر کے شانے پہ پھر پڑا

کٹ کے گرا تھا بازوئے غازی جو زمیں پر
بے دیں یہ چاہتے تھے کہ لیں تیغ شعلہ ور
صدقے ہوا اس ابنِ خدیوِ ذوالفقار کے
بے دست یاں ہوا جو وہ مہرو حسینؑ کا
غل تھا کہ خالی اب ہوا پہلو حسینؑ کا
ہاں نوبتیں بجاؤ ظفر یاب ہم ہوئے

گو ہاتھ کٹ گئے تھے مگر کچھ نہ تھا ہراس
غم تھا کہ گر پڑا علمِ شاہِ حق شناس
آنکھیں لہو تھیں رخ سے جلال آشکار تھا
تھکا کے راہوار کو بڑھتے تھے واں سے جب
اس پر بھی بڑھ چلا تھا وہ بے دست تشنہ لب
صدمے سے زرد چہرۂ پُر نور ہو گیا

ہونٹوں پہ پھیر لیتے تھے سوکھی زباں کبھی
جھکتے تھے خود فرس سے کبھی اور نشاں کبھی
قدموں سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے
دامن سے پوچھتے تھے علم دار نامور
شقہ مگر علم کا نہ ہووے لہو سے تر
دنیا میں میں رہوں نہ رہوں یہ نشاں رہے

جھکتے تھے بار بار سنبھلتے تھے بار بار
ماری شقی نے دوش پہ ایک تیغ آبدار
لڑتے تھے جس سے ہائے وہی ہاتھ کٹ گیا
بہتا تھا خون ضعف کبھی بڑھتا تھا دمبدم
فریاد الغیاث ستم پر ہوا ستم
وہ ہاتھ بھی بدن سے جدا ہو کے گر پڑا

تلوار ادھر لٹک رہی تھی اور ہاتھ ادھر
قبضہ نہ چھوڑتا تھا کٹے ہاتھ کو مگر
چھیدے علم کی نوک سے دل پانچ چار کے
واں تھرتھرا کے رہ گیا بازو حسینؑ کا
گھائل ہوا برادرِ خوش رو حسینؑ کا
گویا علیؑ کے دستِ مبارک قلم ہوئے

دانتوں سے جھک کے مشک کو پکڑا اڑا دیا
یہ رعب تھا کہ ڈر سے نہ آتا تھا کوئی پاس
مشکیزہ تھا کہ شیر کے منہ میں شکار تھا
چھاتی پہ نیزے رکھ کے انھیں روکتے تھے سب
مارا کسی نے فرق پہ اک گرز ہے غضب
ضربت لگی کہ کاسۂ سر چور ہو گیا

ہر چند پھٹ گیا تھا سرِ دلبرِ علیؑ
اپنا نہ کچھ خیال تھا پیاسوں کی فکر تھی
آنکھوں سے بہہ کے اشک بصد یاس گر پڑے
آئی صدائے شیرِ الٰہی یہ ایک بار
ہے یہ ترے لئے مری گودی میں بے قرار
ہونٹوں پہ دم بہ دم ہے صدا یا حسینؑ کی
جس دم سُنا حسینؑ نے یہ نوحۂ پدر
گر کر اُٹھے سنبھل کے گرے شاہ بحر و بر
واحسرتا جوان برادر بچھڑ گیا
زینبؑ نے دی صدا کہ میں قربان کیا ہوا
ہے ہے کا شور اہلِ حرم میں بپا ہوا
گھبرا کے بنتِ شاہِ مدینہ نکل پڑی
دریا پہ سر برہنہ شہِ بحر و بر چلے
اکبرؑ سنبھالے باپ کو با چشمِ تر چلے
صدمہ ہے ضربِ غم سے دل پاش پاش پر
صورت یہ شاہ کی ہے کہ زلفوں پہ خاک ہے
سوکھے لبوں پہ نالۂ روحی فداک ہے
دستِ لیسار بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
جب پاؤں کانپتے تھے تو کہتے تھے رو کے شاہ
دریا نہ اتنا دور تھا اے میرے رشکِ ماہ
ہے دور یاں سے یا مرا بھائیؑ قریب ہے
القصہ لائے باپ کو اکبرؑ ترائی میں
پانی جو بوئے خونِ برادر ترائی میں
گویا کھتی عمر ہاتھ جیسے جوڑتے ہوئے

تسمہ نہ چھوڑا مشک کا دانتوں سے اب بھی
ہرنے پہ سر ٹیک دیا جب مشک چھد گئی
پانی گرا تو گھوڑے سے عباسؑ گر پڑے
شبیرؑ آشکار ہوا تجھ پہ جاں نثار
عاشق کو ہے ترے ترے آنے کا انتظار
آنکھیں تری طرف ہیں مرے نورِ عین کی
ٹپکا عمامۂ سرِ اقدس کو خاک پر
چلائے ہاتھ اکبرِ مہرو کا تھام کر
تھا مو ہیں کہ بندِ کمر کا اُکھڑ گیا
چلائے اے بہن مرا عاشق جدا ہوا
زہراؑ نے دی صدا کہ بڑا حادثہ ہوا
حضرت بڑھے نہ تھے کہ سکینہؑ نکل پڑی
صدمہ یہ تھا کہ ہاتھوں سے پکڑے کمر چلے
یہ بھی چلے اُدھر شہِ والا جدھر چلے
رونے کو بھائیؑ جاتا ہے بھائیؑ کی لاش پر
آلودۂ غبارِ الم روئے پاک ہے
اورتا کمر قبا کا گریبان چاک ہے
شہؑ کو جھکے ہوئے علی اکبرؑ سنبھالے ہیں
طاقت بدن کی لے گئے عباسؑ آہ آہ
رستہ غلط کیا ہے کہ کچھ بڑھ گئی ہے راہ
کہتے ہیں وہ حضور ترائی قریب ہے
زخمی ملا وہ شیر دلاور ترائی میں
لاشے کے پاس گر پڑے سرورؑ ترائی میں
دیکھا اُسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے

منھ رکھ کے منھ پہ بھائی کے بھائی نے دی صدا
اے شیر اے دلیر یہ بیکس ترے فدا
کیوں تتلیاں پھراتے ہو بھائی یہ کیا کیا
عباسؑ میں حسینؑ ہوں دیکھو مجھے ذرا
میرا ابھی حلق خشک ہے خنجر کے واسطے
بھائی کو چھوڑے جاتے ہو دم بھر کے واسطے

ٹھیرو اعنانِ توسنِ عمرِ رواں نہ لو!
ساتھی تھکا ہوا ہے رہِ کارواں نہ لو!
کروٹ کراہ کر مرے آرامِ جاں نہ لو!
لگتی ہے چوٹ دل پہ مرے ہچکیاں نہ لو!
مر جاؤں گا میں ساتھ اگر چھوٹ جائے گا
بھائی مرا تو رشتۂ جاں ٹوٹ جائے گا

بولے یہ آنکھ کھول کے عباسِ نامدار
آقا ہزار جانِ گرامی ترے نثار
یہ موت زندگی ہے زہے فخر و افتخار
نکلے جو گل کے سامنے بلبل کی جانِ زار
دیدار دیکھنے میں نہ آتا تو موت تھی
پروانہ شمع کو جو نہ پاتا تو موت تھی

زانوئے پاک نورِ خدا اور سرِ حقیر
عالم کا بادشاہ کہاں اور کہاں فقیر
ذرّے کو مہر کر دیا اے آسماں سریر
تکیہ کسی کو بھی یہ ملا ہے دمِ اخیر
پایا یہ اوج ماں کی نہ بابا کی گود میں
معراج مل گئی شہِ والا کی گود میں

رحمت نے رُخ کیا مری جانب حضور آئے
لے کر رسولؐ جامِ شرابِ طہور آئے
روشن ہو کیوں نہ چشم جو خالق کا نور آئے
ایسا نہ ہو سرور جو بالیں پہ حور آئے
عشاق مر بھی جاتے ہیں زخمی بھی ہوتے ہیں
میں اب تو تندرست ہوں کیوں آپ روتے ہیں

مولا کھڑے ہیں سامنے محبوبِ ذوالجلال
یہ رو رہے ہیں شیرِ الٰہی بصد ملال
استادہ ہیں یہ حضرتِ شبرؑ نکو خصال
یہ فاطمہؑ ہیں پہلو میں بکھرائے سر کے بال
تنہا نہیں حضور بھلا کیوں ہراس ہے
جن کا غلام میں ہوں وہ سب میرے پاس ہیں

شہ نے کہا کہ لینے کو آئے ہیں تم کو سب
عباسؑ چھوڑ جاؤ گے اب ہم کو ہے غضب
سر خاک پر پٹک کے یہ بولا وہ جاں بلب
اے جانِ فاطمہؑ جگرِ سیدِ عرب
کس کس کو رو کے کہ یہ اعدا کے ریلے ہیں
صدمہ بڑا یہی ہے کہ حضرت اکیلے ہیں

راحت کی راہ ہے سفرِ گلشنِ ارم
صدمہ مگر ہے روح پہ اے قبلۂ اُمم
اب تک تو کب کے مر گئے ہوتے تڑپ کے ہم
اُلفت یہ آپ کی ہے کہ اٹکا ہوا ہے دم
دنیا سے کوچ کرنے کو جی چاہتا نہیں
اے بھائی جان مرنے کو جی چاہتا نہیں

یہ کہہ کے چپ ہوئے تھے کہ اُٹھا جگر میں درد
لیں کروٹیں تو بھر گئی زخموں میں رن کی گرد
دنیا سے انتقال علمدار ہو گیا
بھائی کے آگے بھائی تڑپ کے جو مر گیا
خنجر الم کا دل سے جگر تک اُتر گیا
لیتے تھے بوسے جھک کے تنِ پاش پاش کے

جھک کر پکارتے تھے کہ بھیا صدا سناؤ
زینبؑ تمہیں بلاتی ہیں خیمے کے در پہ جاؤ
باتوں میں پیار کی کہیں تم سے گلا نہ ہو
کیا ہے جو آنکھ بند کئے ہو حیا سے تم
اکثر ہمیں بچاتے تھے لُو میں ہوا سے تم
ہے دوپہر کا وقت برادر یہ دھوپ ہے

اکبرؑ نے رو کے عرض یہ کی اے شہِ زماں
لے چلئے گھر میں لاشِ علمدار نوجواں
دریا پہ تشنگی سے کہیں بنتِ علیؑ نہ آئے
سینے سے کی حسینؑ نے اک آہ دل خراش
اچھا بتاؤ تم کہ میں کیوں کر اُٹھاؤں لاش
کیوں کر کہوں کہ لاشۂ عم گھر میں لے چلو

اکبرؑ نے جب علم کو اُٹھایا بہ درد و آہ
ہاتھوں سے سر کو پیٹ کے کہنے لگے یہ شاہ
ہے جس طرح زمانہ میں اندوہ غم کا ساتھ
اکبرؑ نے عرض کی کہ چلیں اب شہِ زماں
واں بھی مرے لئے وہی ہونا ہے جو یہاں
اُٹھے نہ تھے حسینؑ برادر کو چھوڑ کر

رخسارِ سرخ سرخ جو تھے ہو گئے وہ زرد
منہ رکھ کے شہ کے پاؤں پہ کھینچی اک آہِ سرد
سردارِ فوج بیکس و ناچار ہو گیا
صدمہ غضب کا سبطِ نبیؐ پہ گزر گیا
چلاتے تھے کہ شیر ہمارا کدھر گیا
اُٹھ اُٹھ کے گرد پھرتے تھے بھائی کی لاش کے

سر رکھ لو میرے زانو پہ گردن ذرا اُٹھاؤ
کب سے بلک رہی ہے سکینہ کو دیکھ آؤ
دریا پہ سو گئے ہو سکینہؑ خفا نہ ہو
کیا کچھ خفا ہو سبطِ رسولِ خدا سے تم
ہم اَٹ گئے ہیں گرد تو جھاڑو قبا سے تم
سایا کرو علم کا مرے سر پہ دھوپ ہے

رونے سے اب ملیں گے نہ حضرت کے بھائی جاں
ایسا نہ ہو نکل پڑیں خیمے سے بی بیاں
فضہ کو ساتھ لے کے سکینہؑ چلی نہ آئے
فرمایا ان کے بدلے ہمیں موت آئے کاش
سر چار پارہ ہاتھ جدا جسم پاش پاش
میت کے بدلے مشک و علم گھر میں لے چلو

رونے لگے پکار کے حالت ہوئی تباہ
باندھو کمر میں مشک بھی اے میرے رشکِ ماہ
اب حشر تک رہا یوں ہی مشک و علم کا ساتھ
رو کر امامِ دیں نے کہا جائیں اب کہاں
اپنا بھی گھر ہے اب وہی بھائی ہے جہاں
رکھا پسر نے پاؤں پہ سر ہاتھ جوڑ کر

ناچار اُٹھ کے واں سے امامِ اُمم چلے
اکبرؑ تو آگے لے کے وہ مشک و علم چلے
جنگل میں شورِ نالہ و فریاد و آہ تھا
فضہ کھڑی تھی خیمے کے باہر جو بے خبر
پردہ اُلٹ کے خیمے کا بولی وہ نوحہ گر
اکبرؑ علم لئے ہیں علیؑ کا نشاں نہیں

ناگاہ سب کو دور سے آیا نظر نشاں
گویا کہ تھا شبیہہ علم سر بسر نشاں
چھپ جاتا تھا پھریرے میں یوں کانپ کانپ کے
سمجھے یہ سب کہ بازوئے عباسؑ کٹ گئے
بچوں کے ننھے ننھے جگر غم سے پھٹ گئے
ہر دل پہ برقِ رنج و غم و یاس گر پڑی

اکبرؑ علم کو خیمے کے اندر جھکا کے لائے
چلاتے تھے کہ بھائی کو بھائی کہاں ہے ہائے
چھینا اجل نے ہم سے ہمارے دلیر کو
لپٹی تو تھی علم سے سکینہؑ جگر فگار
پرچم پہ یوں لچکتا تھا پنجہ وہ بار بار
تصویرِ حسرت و الم و یاس بن گیا

زیرِ علم تھا زوجۂ عباسؑ کا یہ حال
چلاتی تھی کہ اے اسدِ کبریا کے لال
جاتا ہے یوں جہاں سے کوئی آنکھ موڑ کے
مر جائے گی کنیز جو صاحب جدا رہے
ہیں آپ جس جگہ وہیں لونڈی بھی آ رہے
بیٹوں کا قرب چاہتی ہوں نہ عزیز کا

فرمایا لو کریم نگہبان ہم چلے
سر ننگے پیچھے سرورِ عالی ہمم چلے
حضرتؑ کے پیچھے اسپِ علمدارِ شاہ تھا
حضرتؑ کو اُس نے دُور سے دیکھا پھر کر
سیدانیو اُٹھو علم آتا ہے خوں میں تر
کوتل فرس تو آتا ہے وہ نوجواں نہیں

تھا خاک سے بھرا ہوا وہ جلوہ گر نشاں
ڈوبا تھا خوں سے پنجۂ پُرنور دُرفشاں
روتا ہے جس طرح کوئی منھ ڈھانپ ڈھانپ کے
سیدانیوں کے غم سے لہو اور گھٹ گئے
رنگ اُڑ گئے رخوں سے کلیجے اُلٹ گئے
بچوں سمیت زوجۂ عباسؑ گر پڑی

سر اپنا پیٹتے ہوئے گھر میں حسینؑ آئے
عاشق نے ساتھ چھوڑ دیا ہائے ہائے ہائے
لو بی بیو ترائی میں رو آئے شیر کو
ہے ہے علیؑ کے لال کی رانڈوں میں تھی پکار
سر پیٹے جس طرح کوئی مظلوم سوگوار
رایت بھی نخلِ ماتمِ عباسؑ بن گیا

ماتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے ہوئے تھے بال
میں سر کو پیٹتی ہوں تمہیں کچھ نہیں خیال
مسکن کیا ترائی میں لونڈی کو چھوڑ کے
وہ کیجئے کہ خلق میں ذکرِ وفا رہے
تھوڑی سی جا مرے لئے پائیں یا رہے
صاحب کے پائنتی ہو سرہانا کنیز کا

دریا کی ٹھنڈی ہوا تم کو بھا گئی
جاگے تمام رات کے تھے نیند آ گئی
صورت تمہیں عروسِ شہادت دکھا گئی
کیا خوش نصیب تھی کہ اجل تم کو پا گئی
ہم تیرہ بخت ہجر کی راتوں میں روئیں گے
جاگے نصیب قبر کے آپ اُس میں سوئیں گے

صاحب پُکارتی ہے یہ لونڈی ادھر تو آؤ
دامن قبا کا رکھ کے کمر میں علم اُٹھاؤ
صورت کوئی پناہ کی میرے لئے بتاؤ
دُنیا تو اب اُجڑ گئی والی مجھے بلاؤ
جب تم نہ ہو تو موت ہمارا علاج ہے
صاحب کے ہاتھ ہاتھ پکڑنے کی لاج ہے

فرمایئے اُٹھا آج کی شب تک ہمارا پیار
اُٹھ اُٹھ کے دیکھتے تھے مرے مُنھ کو بار بار
میں کہتی تھی کہ سو رہو اک آن میں نثار
کہتے تھے رو کے اب یہی صحبت ہے یادگار
فرقت میں وصل کی سحر و شام پھر کہاں
سونا تو حشر تک ہے یہ آرام پھر کہاں

میں دل میں کہتی تھی کہ خوشامد کا کیا سبب
کیا تھی خبر کہ صبح کو بچھڑو گے بے غضب
صاحب میں دونوں ہاتھوں کو لو جوڑتی ہوں اب
تم جس جگہ گئے ہو مجھے بھی کرو طلب
چھوڑو نہ اُس کو جس کا کوئی آسرا نہیں
صاحب کے سلسلے میں کوئی بے وفا نہیں

یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی وہ جگر فگار
زینبؑ نے شاہِ دیں سے کہا رو کے زار زار
وارث کے غم میں ہوتا ہے یہ حال میں نثار
لے جایئے علم کو اب اے شاہِ نامدار
ماتم میں اور کوئی مصیبت گزر نہ جائے
ڈر ہے مجھے کہ زوجۂ عباسؑ مر نہ جائے

زینبؑ سے رو کے کہنے لگے سرورِ زمن
لے کر نشاں کو جائے کہاں بیکس و بے وطن
اب تو نہ فوج ہے نہ علمدار صف شکن
گھر لٹ گیا علم کو بڑھاؤ بس اے بہن
لو یہ نشانِ شہ ولدل سوار لو
پٹکا علم سے کھول لو پنجہ اُتار لو

جس دم سُنا علم کے بڑھانے کا سب نے نام
سر اُٹھ کے پیٹنے لگیں سیدانیاں تمام
رایت پٹا کے خاک پہ کہنے لگے امامؑ
بس الوداع اے علمِ سیدِ انام
پیاسے گلے کو خنجرِ خوں خوار چاہیئے
بس اب مجھے علم نہ علمدار چاہیئے

پرخوں علم کے پاس تھے عباسؑ کے پسر
تکمے کھلے تھے کُرتوں کے تھراتے تھے جگر
ماں نے جو طوق اتارے تھے اور کانوں کے گہر
سہما ہوا تھا ایک تو اک پیٹتا تھا سر
زلفوں پہ گرد تھی تو رخوں پر غبار تھا
چہروں سے دردِ بے پدری آشکار تھا

چھوٹا یہ شہ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا
بابا ہمارے گھر میں کب آئیں گے اے چچا
آیا علم پر اُن کے نہ آنے کی وجہ کیا
چھوٹے سے رو کے تب یہ بڑے بھائی نے کہا
اماں کی مانگ اُجڑ گئی صدمے گزر گئے
بھیا تمھیں خبر نہیں بابا تو مر گئے

دوڑا یہ سُن کے نہر کی جانب وہ بے پدر
رو کے پکارے شاہ کہ بیٹا چلے کدھر
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر
بابا کی لاش اُٹھانے کو جاتے ہیں نہر پر
میت نہ اُٹھ سکے گی تو خالی نہ آئیں گے
دامن میں ہم کٹے ہوئے ہاتھوں کو لائیں گے

بس اے انیسؔ بس کہ دعا کا ہے یہ مقام
ہو مغفرت خلیق کی یا ربِ ذوالکرام
مدّاح آلِ پاکِ نبیؐ تھا وہ خوش کلام
یا رب اُسی بزرگ کا یہ فیض ہے تمام
بندہ وہ کون سا ہے کہ جو بے قصور ہے
گر بخش دے تو کیا تری رحمت سے دور ہے

رباعی

ہے فصلِ عزا جدا جدا مجلس ہے
گھر گھر ماتم ہے جابجا مجلس ہے
ماشاء اللہ چشم بد دور انیسؔ
کیا مجمع مومنین ہے؟ کیا مجلس ہے؟

مرثیہ ۱۲
بند ۱۶۲

جب رن میں سربلند علیؑ کا علم ہوا
فوجِ خدا پہ سایۂ ابرِ کرم ہوا
چرخِ زبرجدی پئے تسلیم خم ہوا
پنجے پہ سات بار تصدق حشم ہوا
دیکھا نہ تھا علم جو کبھی اس نمود کا
دونوں طرف کی فوج میں غل تھا درود کا

وہ شان اُس علم کی وہ عباسؑ کا جلال
نخلِ زمردی کے تلے تھا علیؑ کا لال
پنجے پہ جان دیتی تھیں پریوں کا تھا یہ حال
غل تھا کہ دوشِ حور پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
ہر لہر آب دار تھی کوثر کی موج سے
طوبیٰ بھی دب گیا تھا پھریرے کے اوج سے

تھا پنجتنؑ کا نور جو پنجے پہ جلوہ گر
اعمیٰ کی پتلیوں میں بھی تھا روشنی کا گھر
ذرے نثار کرتے تھے اُٹھ اُٹھ کے اپنا زر
تکتے تھے فوق سے تو ملک تحت سے بشر
اللہ ری چمک علمِ بوتراب کی
تارِ نظر بنا تھا کرن آفتاب کی

قربانِ احتشامِ علم دارِ نامور
رُخ پر جلالت شہِ مرداں تھی سربسر
چہرہ تو آفتاب سا اور شیر سی نظر
قبضے میں تیغ بر میں زرہ دوش پر سپر
چھایا تھا رعب لشکرِ ابنِ زیاد پر
غل تھا چڑھے ہیں شیرِ الٰہی جہاد پر

وہ اوج وہ جلال وہ اقبال وہ حشم
وہ نور وہ شکوہ وہ توقیر وہ کرم
پنجے کی وہ چمک وہ سرافرازیٔ علم
گرتی تھی برقِ فوجِ مخالف پہ دم بدم
کیا رفعتِ نشان سعادت نشان تھی
سائے میں جس نشان کے طوبیٰ کی شان تھی

پنجہ اُٹھا کے ہاتھ یہ کہتا تھا بار بار
عالم میں پنجتنؑ کی بزرگی ہے آشکار
یہ شش جہت انھیں کے قدم سے ہے برقرار
کیوں ہفتہ دوست ہوتے ہو اے قوم نابکار
آٹھوں بہشت ملتے ہیں مولاؑ کے نام سے
بیعت کرو حسین علیہ السلام سے

غرفوں سے جھانک جھانک کے بولی ہر ایک حور
صلِّ علیٰ علم کی چمک ہے کہ برقِ طور
یارب رہے نگاہِ بد اس کی ضیا سے دور
پنجہ ہے یہ کہ ایک جگہ پنجتنؑ کا نور
جلوے ہیں سب محمدؐ و حیدرؑ کی شان کے
قربان اس جواں کے نثار اس نشان کے

آگے کبھی نہ دیکھی تھی اس حسن کی سپاہ
دنیا بھی خوبیوں کا مرقع ہے واہ واہ
دیکھیں کسے کسے کہ ہے ایک ایک رشکِ ماہ
جاتی ہے جس کے رخ پہ تو پھرتی نہیں نگاہ
دیکھو انھیں قسموں سے ہے رونق زمین کو
چن کر حسینؑ لائے ہیں کس کس حسیںؑ کو

شہرہ بہت تھا حسن میں کنعاں کے ماہ کا
قصہ سنا ہوا ہے زلیخا کی چاہ کا
یاں آفتاب کو نہیں یارا نگاہ کا
یوسف ہے ایک ایک جواں اس سپاہ کا
سنتے تھے ہم کہ عالمِ ایجاد زشت ہے
ایسے چمن کھلے ہیں تو دنیا بہشت ہے

ہم شکلِ مصطفےٰ اکا ہے کیا حسن کیا جمال
صبحِ جبیں ہے اور شبِ گیسو ہے بے مثال
یہ لب یہ خط یہ چشم یہ ابرو یہ رخ یہ خال
یاقوت و مشک و نرگس و نجم و مہ و ہلال
اک گل پہ یاں ہزار طرح کی بہار ہے
چہرہ نہ کہیے قدرتِ پروردگار ہے

لختِ دلِ حسنؑ بھی ہے کس مرتبہ حسیں
جس کے چراغِ حسن سے روشن ہے سب زمیں
یہ زلفِ مشک بیز یہ آئینۂ جبیں
سرمایۂ خطا و ختن کائناتِ چیں
رخ کی بلائیں لیتی ہیں پریاں کھڑی ہوئی
سہرے کی ہر لڑی سے ہیں آنکھیں لڑی ہوئی

نامِ خدا ہیں عونؑ و محمدؑ بھی کیا شکیل
اک مہرِ بے نظیر ہے اک بدرِ بے عدیل
افروختہ ہیں رخ یہ شجاعت کی ہے دلیل
ہمت بڑی ہے گو کہ ہیں عمریں ابھی قلیل
نسلِ علیؑ ہیں جنگ و جدل پر تلے ہوئے
دونوں کے نیمچوں کے ہیں ڈورے کھلے ہوئے

عباسؑ نامور بھی عجب سج کا ہے جواں
نازاں ہے جس کے دوش منوّر پہ خود نشاں
حمزہؑ کا رعب صولتِ جعفرؑ علیؑ کی شاں
ہاشم کا دل حسینؑ کا بازو حسنؑ کی جاں
کیوں کر نہ عشق ہو شہِ گردوں جناب کو
حاصل ہیں سیکڑوں شرف اس آفتاب کو

اُس مہر کو تو دیکھیے ذرّے ہیں جس کے سب
سرتاجِ آسمان و زمیں نورِ عرشِ رب
ابرِ کرم خدیوِ عجم خسروِ عرب
عالی ہمم امامِ امم شاہِ تشنہ لب
جنباں زبانِ خشک ہے ذکرِ الٰہ میں
گویا کھڑے ہیں ختمِ رسل رزم گاہ میں

کیا فوج تھی حسینؑ کی اس فوج کے نثار
ایک ایک آبروئے عرب فخرِ روزگار
جرار و دیں پناہ نمودار و نامدار
لڑکوں میں سبزہ رنگ کوئی کوئی گلعذار
فوجیں کوئی سماتی تھیں ان کی نگاہ میں
وہ سب پلے تھے بیشۂ شیرِ الٰہ میں

ایک ایک مُلکِ جرأت و ہمت کا بادشاہ
آنکھیں غزالِ رشک، مگر شیر کی نگاہ
دیکھا تو دل کو توڑ کے برچھی نکل گئی
وہ اشتیاقِ جنگ میں لڑکوں کے ولولے
چہرے وہ آفتاب سے وہ چاند سے گلے
اک اک رسولؐ حق کی لحد کا چراغ تھا

اکبرؑ سے عرض کرتے تھے سینہ سپر کیے
گر آج مر گئے تو قیامت تلک جئے
آقا کے آگے لطف ہے تیغ آزمائی کا
بچپن پہ خادمانِ اولوالعزم کے نہ جائیے
تن تن کے روکیں برچھیاں ہنس ہنس کے زخم کھائیں
جھپکے پلک کسی سے تو آنکھیں نکالیے

کہتے تھے مسکرا کے یہ زینبؑ کے دونوں لال
ہر وقت چاہیے مددِ شیرِ ذوالجلال
اُتری ہے تیغ جن کے لئے وہ دلیر ہیں
یہ چپکے جو کرتے تھے باہم وہ گلعذار
پاس آکے عرض کرتے تھے عباسؑ نامدار
جرأت ٹپک رہی ہے ہر اک کے کلام سے

یہ سن یہ زور شور یہ عمریں یہ آن بان
باتیں رجز سے کم نہیں اللہ رے خوش بیان
کس دبدبے سے کاندھوں پہ نیزے سنبھالے ہیں
زینبؑ کے لاڈلوں کی طرف دیکھیے حضور
رُخ پر جلال شیرِ خدا کا ہے سب ظہور
دونوں میں صاف حیدرؑ و جعفرؑ کے طور ہیں

کیواں خدم سپہر حشم عرش بارگاہ
وہ رعب چتونوں میں کہ اللہ کی پناہ
ابرو ذرا جو ہل گئے تلوار چل گئی
بیتاب تھے کہ دیکھیے تلوار کب چلے
سب فاطمہؑ کی بیٹیوں کی گود کے پلے
جس پر علیؑ نے کی تھی ریاضت وہ باغ تھا

یہ نیمچے نہ لیویں گے دم بے لہو پیے
صدقے ہوں اس قدم پہ یہ سر ہیں اسی لئے
آج آپ دیکھیے گا تماشا لڑائی کا
جب چاہیں معرکے میں ہمیں آپ آزمائیں
بجلی گرے تو منہ پہ جھجک کر سپر نہ لائیں
بڑھ کر ہٹیں جو پاؤں تو سر کاٹ ڈالیے

کھلتے ہیں خود دلیروں کے جوہر دمِ جدال
نعرے ابھی کریں تو ہے عرصۂ قتال
سب ہم کو جانتے ہیں کہ شیروں کے شیر ہیں
شبیرؑ دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
سنتے ہیں آپ کہتے ہیں جو کچھ یہ جاں نثار
یہ نیمچے رکیں گے بھلا فوجِ شام سے

یہ بھولے بھولے منہ یہ جواں مردی یہ شان
چلتی ہے ذوالفقارِ علیؑ کی طرح زبان
گویا چلن لڑائی کا سب دیکھے بھالے ہیں
مثلِ عرق ٹپکتا ہے پیشانیوں سے نور
پرتو گلوں کا ہے کہ چمکتی ہے برقِ طور
اللہ کی پناہ یہ تیور ہی اور ہیں

یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اُس طرف
تیروں نے رخ کیا سوئے ابنِ شہِ نجف
تھا بس کہ شوقِ جنگ ہر اک رشکِ ماہ کو
غصے سے آفتاب ہوئے مہوشوں کے رنگ
تن تن کے برچھیاں جو سنبھالیں برائے جنگ
پاسِ ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی
تھتا ہوا بڑھا کوئی قبضے کو چوم کے
بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے
نامرد جو ہیں آنکھ چُراتے ہیں مرد سے
دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی
چتون کسی کی شورِ دہل سے بگڑ گئی
نکلا کوئی سمند کو زانو میں داب کے
بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے
اک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
سُنتے ہی یہ کلامِ جوانانِ نامور
کہتے تھے پیچھے لئے وہ غیرتِ قمر
سرکے نہ پھیر دغا ہیں جو بڑھ کے قدم گڑے
عباسؑ شہ سے کہتے تھے بپھرے ہوئے ہیں شیر
دو دن کی بھوک پیاس ہے یہ زندگی سے سیر
پاسِ ادب سے غیظ کو ٹالے ہوئے ہیں یہ
کس کو ہٹائے کس کو سنبھالے یہ جاں نثار
ہے مصلحت کہ دیجئے اب اذنِ کارزار
برہم ہیں سرکشی پہ سوارانِ شام کی

مشکل کشا کی فوج نے باندھی ادھر بھی صف
سینوں کو غازیوں نے ادھر کر دیا ہدف
جوش آ گیا وغا کا حسینی سپاہ کو
فوجوں پہ جا پڑیں یہ دلوں کو ہوئی اُمنگ
بے چین ہو گئے فرسِ ابلق و سرنگ
پٹڑی ہر اک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی
بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے
ٹکڑے اُڑائیں گے عمر و شمرِ شوم کے
دونوں کو چار کر کے پھریں گے نبرد سے
بل کھا کے رُخ پہ زلف کسی کی اکڑ گئی
مُنھ سُرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی
غصے سے رہ گیا کوئی ہونٹوں کو چاب کے
نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے
لاشوں سے چل کے پاٹ دو نہرِ فرات کو
لڑ کے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کر
یا ربّ شکست کوفیوں کو دے ہمیں ظفر
جا کر درِ یزید پہ اپنا علم گڑے
تیر اس طرف سے آتے ہیں اب کس لئے ہو دیر
مولا غلام سے نہیں رُکنے کے یہ دلیر
شیرِ خدا کی گود کے پالے ہوئے ہیں یہ
مرنے پہ ایک دل ہیں بہتّر وفا شعار
ایسا نہ ہو کہ جا پڑیں لشکر پہ ایک بار
اکبرؑ کی بات مانتے ہیں نہ غلام کی

جب روکتا ہوں میں انھیں لے آسماں سر پہ
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ شریر
کس قہر کی نظر سے لعینوں کو تکتے ہیں
اک اک جری کو نشۂ جرات کا جوش ہے
ہر صف میں یا علیؑ و ولی کا خروش ہے
مشتاق ہیں وہ پیاس میں تیغوں کے گھاٹ کے

حسرت سے کی سوئے رفقا شاہؑ نے نظر
فرمایا شہؑ نے ہم بھی ہیں آمادۂ سفر
یہ راہِ حق ہے جو قدم آگے بڑھائے گا
مژدہ یہ سن کے شاد ہوئے غازیانِ دیں
جب نعرہ زن ہوئے صفتِ شیرِ خشمگیں
برپا تھا شورِ حشر دلیروں کی حرب سے

اللہ رے جہادِ حبیب و زہیرِ قین
جب مر گئے وہ عاشقِ سلطانِ مشرقین
یوں جا کے روئے اُن کے تنِ پاش پاش پر
خالی ہوا قدیم رفیقوں کا جب پرا
کٹنے لگا عزیزوں کا بھی جب چمن ہرا
لڑکے جو یک بیک کئی ہاتھوں سے کھو گئے

تھی قہرِ حق عقیل کے پوتوں کی کارزار
عزت عرب کی کر گئے جعفرؑ کے یادگار
فتح و ظفر تھی مثلِ علیؑ اختیار میں
نکلے برادرانِ علمدارِ صف شکن
بے سر تھے مورچوں میں جوانانِ پیل تن
آنکھوں میں پھر رہی تھی چمک ذوالفقار کی

کہتے ہیں کیوں امام کی جانب لگائے تیر
ہنگامِ جنگ خیر کے بچے ہوں گوشہ گیر
بچوں کو ہے یہ غیظ کہ آنسو ٹپکتے ہیں
عالم ہے بے خودی کا نہ مرنے کا ہوش ہے
کہتے ہیں بار بار کہ سر بارِ دوش ہے
ڈر ہے کہ مر نہ جائیں گلے کاٹ کاٹ کے

بولے حبیب نذر کو حاضر ہیں سب کے سر
اچھا بڑھے جہاد کو ایک ایک نامور
دربارِ مصطفےٰؐ میں وہی پہلے جائے گا
اک اک دلیر جانے لگا سوئے فوجِ کیں
تھرائے آسماں کے طبق ہل گئی زمیں
فوجیں تو کیا جہاں تہ و بالا تھا ضرب سے

گویا بپا تھا معرکۂ خندق و حنین
مقتل میں پیٹتے ہوئے دوڑے گئے حسینؑ
جس طرح بھائی روتا ہے بھائی کی لاش پر
کانپا سپہر شہ نے دمِ سرد یوں بھرا
گر روئے آپ ہاتھ جگر پر کبھی دھرا
ٹکڑے حسنؑ کی طرح کلیجے کے ہو گئے

شمشیرِ حیدری کا نمونہ تھے جن کے وار
تھے تین چار شیر کہ جھپٹے سوئے شکار
پنجے میں تھا وہی جسے تاکا ہزار میں
دکھلا دیے علیؑ کی لڑائی کے سب چلن
لاشوں پہ لاشیں گرتی تھیں چڑھتا تھا رن پہ رن
عباسؑ داد دیتے تھے ایک ایک وار کی

تھا چھوٹے بھائیوں کے لیے مضطرب جو دل
نعرہ یہ تھا کہ شیر ہے ماں کا تمہیں بحل
یہ وقت آبرو ہے بڑی جد و کد کرو
الٹو پرّوں کو اور صفوں کو بچھا کے آؤ
جب باگ اٹھاؤ فوج کے اس پار جا کے آؤ
ہاں صفدرو نشاں رہے فوج شام کا

رو کر حسینؑ کہتے تھے بھائی سے دم بہ دم
جینے نہ دے گا آہ ہمیں بھائیوں کا غم
اب باپ کی جگہ شہ عالی مقام ہیں

بے جاں ہوئے جو راہ خدا میں وہ شیر نر
ماتم میں تھے کہ موت نے لوٹا حسنؑ کا گھر
سب چل بسے نبیؐ و علیؑ پاس رہ گئے

آیا نظر جو لاشۂ نوشاہ نیک خو
کی غیظ کی نظر طرف لشکر عدو
نکلی یہ بات جوش بکا میں زبان سے

بچپن سے ہم سے یہ نہ ہوئے تھے کبھی جدا
طفلی کا ساتھ چھوٹ گیا وا مصیبتا
حسرت یہ ہے کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو

شہؑ نے کہا کہ سچ ہے یہ ایسا ہی ہے الم
بازو کا ٹوٹنا اجل آنے سے کیا ہے کم
تازہ تھا غم پدر کا خوشی دل سے فوت تھی

بھائی کے بعد ان سے ملی لذت حیات
خالی نہ پائی مہر و مروت سے کوئی بات
صدمے بھلائے دل سے حسنؑ کی جدائی کے

گر شہ کے پاس تھے کبھی لشکر کے متصل
شیر و کہیں نہ ہاتھ بدن گو ہے مضمحل

ہاں بھائیو امام کی اپنے مدد کرو
ساحل کے پاس خون کا دریا بہا کے آؤ
یا مر کے آؤ یا انھیں رن سے بھگا کے آؤ
بیٹوں کو پاس چاہیے بابا کے نام کا

دولت پدر کی لٹتی ہے اور دیکھتے ہیں ہم
عباسؑ عرض کرتے تھے اے قبلۂ امم
صدقے نہ کس طرح ہوں کہ ہم سب غلام ہیں

حضرت ضعیف ہو گئے خم ہو گئی کمر
اک دم میں قتل ہو گئے دونوں جواں پسر
شہ دو تن میں اکبرؑ و عباسؑ رہ گئے

اکبرؑ کی چشم تر سے ٹپکنے لگا لہو
پہلو سے آئے روتے ہوئے شہؑ کے روبرو
قاسمؑ کے ساتھ جائیں گے ہم بھی جہان سے

سوئے تو ایک فرش پہ کھیلے تو ایک جا
مر جائے ایسا بھائی تو جینے کا کیا مزا
پہلو میں ابن عم کے ہماری بھی لاش ہو

خالق جہاں میں بھائی کا بھائی کو دے نہ غم
مر مر کے غم میں بھائی حسنؑ کے جیے ہیں ہم
عباسِ نامدار نہ ہوتے تو موت تھی

بیکس کے غم گسار تھے یہ یا خدا کی ذات
سویا جو میں تو ان کو کٹی جاگنے میں رات
رونے نہیں دیا مجھے ماتم میں بھائی کے

ہے ان کے اتحاد کا سب سے جُدا مزا
ملتا ہے ان کی بات میں ہر دم نیا مزا
قائم رکھے خدا کہ علیؑ کے نشان ہیں
قوت جگر کی تم ہو تو یہ بازوؤں کا زور
ہوتا ہے زخمِ دل پہ نمک آنسوؤں کا شور
تم پہلوؤں میں تھے جو یہ بیکس سنبھل گیا
بس دیکھ کر نہال ہوئے گلشنِ جہاں
اُٹھ جائے جلد خلق سے یہ پیرِ ناتواں
عمریں بھی ہیں قلیل کچھ ایسے مسن نہیں
ان سے نشاں علیؑ کا ہے تم سے ہمارا نام
میت کے دفن کا بھی مناسب ہے اہتمام
تربت پہ تم سے گُل ہوں تو دل باغ باغ ہو
کیجو نہ ذکرِ ہجر یہ صدمہ ہے دل خراش
ہوگا یہ جسم ظلم کی تیغوں سے پاش پاش
رونے کو کوئی دوست نہ یاور سرہانے ہو
اکبرؑ نے سُن کے باپ سے یہ اشکِ خوں بہائے
ہے زندگی یہی کہ ہمیں پہلے موت آئے
دیتے ہیں جان اہلِ وفا نام کے لئے
بس گر پڑا یہ کہہ کے قدم پر وہ باوفا
قاسمؑ کا ذکر کرتے تھے ہم شکلِ مصطفےٰ
ہم تم تو ساتھ گلشنِ ہستی سے جائیں گے
اُٹھیے قدم سے آپ کی اُلفت کے میں نثار
آنکھیں قدم پہ مل کے یہ بولا وہ نامدار
ایسا نہ ہو خجل ہوں رسالت مآبؐ سے

بیٹے کا لطف بھائی کا خط باپ کا مزا
اوجھل یہ آنکھوں سے ہوں تو جینے کا کیا مزا
مالک یہی ہیں گھر کے یہی تن کی جان ہیں
بچھڑا جو ایک دم میں تو پھر ہیں کنارِ گور
جب پتلیاں نہ ہوئیں تو چشمِ بشر ہے کور
پھر خاک ہے جسم سے جب دم نکل گیا
گزرے بہارِ عمر کے دن آ گئی خزاں
پھولو پھلو جیو کہ ابھی تم ہو نوجواں
دونوں کا ہے شباب یہ مرنے کے دن نہیں
گھر لٹ گیا نبیؐ کا جو دونوں ہوئے تمام
مرنے کے بعد کوئی تو آئے ہمارے کام
اندھیر ہے جو قبر پہ بے چراغ ہو
پھر جلد کرو کفن و گور کی تلاش
وہ شخص چاہیے کہ اُٹھائیں ہماری لاش
فرزند یا بھتیجی ہو برادر سرہانے ہو
عباسؑ بول اُٹھے نہ خدا وہ گھڑی دکھائے
خاک اُس غلام پر کہ جو آقا کی لاش اُٹھائے
پائے ہیں کیا یہ ہاتھ اسی کام کے لئے
جھک کر کہا حسینؑ نے بھائی یہ کیا کیا
باتیں تو ان سے تھیں تمہیں کیوں غیظ آ گیا
اچھا ہماری لاش کو اکبرؑ اُٹھائیں گے
غصے میں بھول جاتے ہو بھیا ہمارا پیار
بے اذنِ جنگ سر نہ اُٹھائے گا خاکسار
پہلے مروں گا اکبرؑ عالی جناب سے

صدقہ علیؑ کی روح کا اکبرؑ کو رو گئے
نور نگاہ بانوئے بے پر کو رو گئے
پہلے رضا ملے تو بہت نیک نام ہوں
شہ نے کہا کہ سر تو قدم سے اٹھائیے
فرقت میں ہم جئیں کہ مریں خیر جائیے
زوجہ کو پیٹتے ہوئے سر دیکھ لیجئے

عباسؑ شہ کے گرد پھرے اٹھ کے سات بار
بولا یہ پیکِ شاطرِ فوجِ ستم شعار
خود دیکھ کر یہ حال پھرا ہوں میں راہ سے
بڑھتے آگے ہاتھوں سے تھامے کمر امام
تیغوں سے گھاٹ روک لو آیا وہ نیک نام
دیکھو بچے رہو کہ لڑائی ہے شیر سے

دل ہل گئے سپاہ کے سنتے ہی یہ خبر
ہل چل میں اس طرف کے پرے ہو گئے ادھر
پیچھے ہٹیں صفیں کہ تلاطم عیاں ہوا
ٹوٹے وہ مورچے جو بندھے تھے پئے جدال
اللہ رے ہیبت خلعتِ شیرِ ذوالجلال
منھ زرد ہو کے رہ گیا ہر نوجوان کا

تھا شش جہت میں غل کہ ہے روزِ انقلاب
اس شیر پر نہ ہوگی کوئی فوج فتح یاب
حملہ غضب ہے بازوئے شاہِ حجاز کا
ڈر سے ہوا تھی ایک طرف گرد اک طرف
سمٹے ہوئے تھے کوفے کے نامرد اک طرف
بھاگے تھے نیزہ باز لڑائی کو چھوڑ کے

دے کر قسم شبیہ پیمبر کو رو گئے
اے آفتاب دیں مہ انور کو رو گئے
آقا یہ شاہزادہ ہے اور میں غلام ہوں
لیجئے رضائے حرب نہ آنسو بہائیے
اپنی سکینہؑ جان سے جا کر مل آئیے
بچوں کو اور ایک نظر دیکھ لیجئے

بھائی کو گھر میں لے کے چلے شاہ ذی وقار
لو اذنِ جنگ پا چکے عباسؑ نامدار
ملنے گئے ہیں خیمے میں ناموسِ شاہ سے
نعرہ یہ دم بدم تھا کہ اب ہم ہوئے تمام
اب معرکہ ہے قہر کا اے ساکنانِ شام
چھوٹے گی مشکلوں میں ترائی دلیر سے

کانپے مثالِ بید جوانانِ پُر جگر
ساحل سے ہٹ کے نہر پکاری کہ الحذر
دریا جو باڑھ پر تھا وہ الٹا رواں ہوا
برچھی گری زمیں پہ کسی کی کسی کی ڈھال
کانپی زمیں کھڑے ہوئے روئیں تنوں کے بال
دشتِ نبرد کھیت بنا زعفران کا

الٹے گا اب زمیں کا ورق ابن بوتراب
بس اب بنائے عالمِ امکاں ہوئی خراب
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمیں کے جہاز کا
بھرتے تھے خیبری بھی دمِ سرد اک طرف
تھے روسیاہ شام کے سب زرد اک طرف
ضیغم نکل گئے تھے ترائی کو چھوڑ کے

تھی ابتری سپاہِ ضلالت شعار میں
اس صف میں تھی وہ صف یہ قطار اُس قطار میں
سو بار جو لڑے تھے اکیلے ہزار میں
وہ جائے امن ڈھونڈتے تھے کارزار میں
چہرے تھے زرد خوف سے حیدرؑ کے لال کے
نامرد منھ چھپاتے تھے گھونگھٹ میں ڈھال کے

سرگردہائے فوجِ مخالف تھے بے حواس
کچھ شمر کے قریب تھے کچھ تھے عمر کے پاس
سب کا یہ قول تھا کہ ہوئی زندگی سے یاس
ضربِ علیؑ ہے ضربِ علمدارِ حق شناس
طاقت سے ہیں بھرے ہوئے بازو دلیر کے
خیبر کشا کا زور ہے پنجے میں شیر کے

اس فوج میں تو ہے یہ تزلزل یہ انتشار
ہتھیار ادھر لگاتے ہیں عباسؑ نامدار
مضطر ہیں بی بیاں شہِ والا ہیں بے قرار
بھائی کے منھ کو دیکھ کے روتے ہیں بار بار
بیٹا کھڑا ہے چاک گریباں کئے ہوئے
روتی ہے سوکھی مشک سکینہؑ لئے ہوئے

منھ دیکھتی ہے باپ کا جب وہ بچشمِ تر
کہتے ہیں یہ اشارے سے سلطانِ بحر و بر
تکتا ہے باپ تم کو سکینہؑ نہیں خبر
جانے نہ دو چچا کو ہمیں چاہتی ہو گر
آنسو بہا بہا کے نہ پانی کا نام لو
دامن قبا کا ننھے سے ہاتھوں سے تھام لو

بھائی کے اضطراب میں زینبؑ کا ہے یہ حال
ڈھلکی ہوئی ہے سر سے ردا اور کھلے ہیں بال
عباسؑ سے یہ کہتی ہے رو کر بصد ملال
چھوڑو نہ شہ کو اے اسدِ کبریا کے لال
کیا کہتے ہو سکینہؑ سے منھ موڑ موڑ کے
بھیا کدھر چلے مرے بھائیؑ کو چھوڑ کے

دیکھو تو حالِ سبطِ رسولِ فلک اساس
بیٹی کا غم بھتیجے کا ماتم ہجومِ یاس
ہے کثرتِ سپاہ میں تنہا وہ حق شناس
قربان جاؤں تم تو رہو بے وطن کے پاس
عاشق ہو دلبرِ اسدِ ذوالجلال کے
بازو قوی تمہیں سے ہیں زہراؑ کے لال کے

عباسؑ کہتے ہیں کہ نہ جاؤں تو کیا کروں
کیوں کر نہ حق امامِ زماں کا ادا کروں
اُلٹوں صفیں ہزاروں سے تنہا وغا کروں
یہ سر ہے اس لئے کہ قدم پر فدا کروں
پہونچا ہے فیض سیدِ خوش خو کے ہاتھ سے
دنیا میں کچھ تو کام ہو بازو کے ہاتھ سے

رخصت طلب ہے شاہؑ سے اکبرؑ سا لالہ فام
شہزادہ مرنے جائے سلامت رہے غلام
للہ رو کے یہ نہ کہو اب اے خواہرِ امام
وہ امر کیجئے کہ بڑھے جس سے میرا نام
بے کس ہوں ساتھ ماں نہیں سر پہ پدر نہیں
میں آپ کا غلام تو ہوں گو پسر نہیں

باتیں یہ سُن کے روتی ہیں زینبؑ جھکائے سر
چہرہ تو فق ہے گود میں ہے چاند سا پسر
موقع نہ رونے کا ہے نہ بول سکتی ہے
کہتی ہے رو کے بانوئے عالم سے بار بار
ہے لونڈیوں کے باب میں بی بی کو اختیار
کہیے جو رونے کی کوئی ان سے راہ ہو

اکبرؑ کا واسطہ کوئی تدبیر کیجیے
کچھ دل کو ہو قرار وہ تقریر کیجیے
اک دل ہے میرا اور کئی غم کے تیر ہیں
عباسؑ دیکھتے ہیں جو زوجہ کا اضطراب
روتے ہیں خود مگر یہ اشارا ہے بار بار
آؤ ادب ہے دلبرِ زہرؑا کے سامنے

کھولا ہے گوندھتے بالوں کو صاحبؑ کیا کیا
خیر النسا کے لال پہ ہوتے ہیں ہم فدا
ایذا میں صبر صاحبِ ہمت کا کام ہے
لو پونچھ ڈالو آنسوؤں کو بہرِ ذوالجلال
میری مفارقت کا نہ کیجو کبھی خیال
غم چاہیے نہ آہ و بکا چاہیے تمہیں

صدقے ہیں بنتِ فاطمہ پہ جیسے تم غلام
کیا اشک خوں بہا کے بگاڑو گی میرا کام
پوچھیں حضور گر کہ تمہیں کیا قبول ہے
دیکھو کہ گھر میں اور بھی رانڈیں ہیں تین چار
رہ جائے بات امر وہ کرتے ہیں ہوشیار
سو ایسے تفرقے ہوئے ہیں ایک آن میں

بیقرار سی ہے زوجۂ عباسؑ نامور
مانع ہے شرم روتی ہے منہ پھیر پھیر کر
حضرت کے منہ کو نرگسی آنکھوں سے تکتی ہے
ہم کو تباہ کرتے ہیں عباسؑ نامدار
کچھ آپ بولتی نہیں اس وقت میں نثار
اب عن قریب ہے کہ مرا گھر تباہ ہو

امداد بہرِ حضرتِ شبیرؑ کیجیے
ٹیکا وہ باندھتے ہیں نہ تاخیر کیجیے
بی بی میں کیا کروں مرے بچے صغیر ہیں
ہوتا ہے تیرِ غم جگرِ ناتواں کے پار
شوہر کے غم میں یوں کوئی ہوتا ہے بے قرار
روتی ہیں لونڈیاں کہیں آقا کے سامنے

پیٹو نہ سر کو روتا ہے فرزند مرتضا
شادی کا ہے مقام کہ ماتم کی ہے یہ جا
میری بھی آبرو ہے تمہارا بھی نام ہے
دیکھو زیادہ رونے سے ہوگا ہمیں ملال
قائم تمہارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال
شہؑ کی سلامتی کی دعا چاہیے تمہیں

دیکھو نہ روتے دیکھ لیں تم کو کہیں امامؑ
ہم ہاتھ جوڑتے ہیں یہ ہے صبر کا مقام
صاحب یہ کہیو تم کہ رنڈاپا قبول ہے
آداب شہؑ سے چپ ہیں نہیں کوئی بے قرار
دنیا ہے بے ثبات زمانہ ہے بے مدار
صاحب سدا کوئی بھی جیا ہے جہان میں

قاسمؑ کو دیکھو جانبِ اکبرؑ کرو نگاہ
گزری جو شب تو صبح کو گھر ہو گیا تباہ
دشمن کو بھی دکھائے نہ اللہ ایسا بیاہ
کیا صابرہ ہے دخترِ شبیرؑ واہ واہ
سہتی ہیں یوں جہاں میں جفا رانڈ ہونے کی
آواز بھی بھلا کوئی سنتا ہے رونے کی

آفت میں صبر کرتی ہیں اس طرح بی بیاں
ہوتا ہے صابروں کا مصیبت میں امتحاں
جل جائے دل مگر نہ اٹھے آہ کا دھواں
اُف کیجیو نہ منہ سے جو پہنچے لبوں پہ جاں
بے چارہ ہے کہ وقت پہ کیا کام کر گئی
چھوٹی بہو علیؑ کی بڑا نام کر گئی

شوہر نے یہ کلام کئے جب بچشمِ تر
چپ ہو گئیں وہ صاحبِ ہمت جھکا کے سر
ہتھیار سج کے حضرتِ عباسؑ نامور
آئے قریبِ لختِ دلِ سیّد البشر
صدمے سے رنگِ سبطِ نبی زرد ہو گیا
کانپے یہ دست و پا کہ بدن سرد ہو گیا

جوں جوں قریب آتے تھے عباسؑ نامور
بیتاب تھے حسینؑ سنبھالے ہوئے جگر
کہتے تھے اضطراب میں جھک کر اِدھر اُدھر
جینے نہ دے گا آہ ہمیں صدمۂ کمر
ہے زیست تلخ فاطمہؑ کے نورِ عین کو
زینبؑ کہاں ہو آ کے سنبھالو حسینؑ کو

سب گھر کی بی بیوں کو کہو میرے پاس آئیں
بانوؑ کہاں ہیں زوجۂ عباسؑ کو بلائیں
گودی میں تشنہ کام سکینہؑ کو جلد لائیں
کوچ اب جہاں سے ہے ہمیں سب آ کے دیکھ جائیں
یہ نوجواں سنبھالے گا جس دم مروں گا میں
عباسؑ سے ہر اک کی سفارش کروں گا میں

یہ سُن کے ساری بی بیاں آئیں بحالِ زار
بولے قدم پہ جھک کے یہ عباسؑ نامدار
اے آفتابِ عالمیاں نورِ کردگار
ہل من مبارز کا اُدھر غل ہے بار بار
ہیں ذرہ پروری کے چلن آفتاب میں
آقا یہ دیر کس لئے خادم کے باب میں

لڑکوں نے معرکے میں کئے اپنے اپنے نام
کیا میں غلامِ خاص نہیں یا شہِ امام
ایسا دن اور بھی کوئی ہوئے گا یا امامؑ
کس کام کا جو آج نہ کام آئے گا غلام
مشکل ہے ایسے وقت میں رُکنا دلیر کا
آخر پسر ہوں شیرِ الٰہی کے شیر کا

ہوتا جو سب سے پہلے فدا خادم اے جناب
خوش ہوتی خاکسار سے روحِ ابوتراب
اب ہوں ہر اک کے آگے خجالت سے آب آب
زہراؑ سے بھی حجاب ہے شبرؑ سے بھی حجاب
اب بھی نہ تیغ و تیر اگر تن پہ کھاؤں گا
مولاؑ بتائیے کسے پھر منہ دکھاؤں گا

ساتھ آپ کے سہوں گا نہ گر قتل کی جفا — مجھ سے رسولِ پاک خوشی ہوں گے یا خفا
بیزار کیا نہ ہو گا دلِ شاہِ قل کفا — پھر فاطمہؑ کہیں گی مجھے صاحبِ وفا؟
مرنے کا حظ نہ جینے کا مطلق مزا رہا — انساں کی آبرو نہ رہی جب تو کیا رہا

پالا ہے مجھ کو یا شہِ دلگیر آپ نے — کی ہے ہمیشہ پیار سے تقریر آپ نے
بندھوائی ہے کمر پہ یہ شمشیر آپ نے — بخشی ہے سب میں عزت و توقیر آپ نے
وقتِ مدد ہے آج بھی امداد کیجئے — بندہ سمجھ کے اب مجھے آزاد کیجئے

گردن ہلا کے شہ نے کہا آہ کیا کروں — مشکل ہے سخت اے مرے اللہ کیا کروں
جینے نہ دے گا یہ غمِ جانکاہ کیا کروں — چھٹتا ہے اب برادرِ ذی جاہ کیا کروں
دم بھر کی زندگی مجھے دشوار ہو گئی — سب تو خفا تھے موت بھی بیزار ہو گئی

غازی نے رکھ دیا قدمِ شاہؑ دیں پہ سر — بولے گلے لگا کے شہنشاہِ بحر و بر
اے تن کی جان اے سببِ قوتِ جگر — یوں ہے خوشی تو خیر جہاں سے کرو سفر
بھائی نہ ہو تو بھائی کی مٹی خراب ہے — اچھا تمہارا کوچ مرا پا تراب ہے

روتا ہوا جھکا پئے تسلیم وہ جری — سب روئے مشک دوشِ مبارک پہ جب دھری
اک آہِ سرد زوجۂ عباسؑ نے بھری — صدمے سے رنگ زرد تھا اور تن میں تھرتھری
سر سے ردا بھی دوش تلک آ کے گر پڑی — بانو کے پاس خاک پہ غش کھا کے گر پڑی

نکلا وہ شیر خیمے سے باہر علم لئے — مجرے کو آئی فتح سپاہ حشم لئے
جرأت نے بڑھ کے بوسۂ تیغِ دو دم لئے — نصرت نے چومے ہاتھ ظفر نے قدم لئے
خورشید کا جلال نگاہوں سے گر گیا — اقبال سر کے گرد ہما بن کے پھر گیا

آیا سجا ہوا وہ براقِ سمند سیر — تھا خود فلک پہ اڑنے کو تیار مثلِ طیر
ہوتا تھا اس کے ڈر سے غزالوں کا حال غیر — الحق سیاہ شتر اے روکے تو یہ بہ خیر
صرصر قدم کی گرد کو پاتی نہیں کبھی — ڈھونڈھے بشر پری نظر آتی نہیں کبھی

وہ زیبِ زین زین کی وہ ساز وہ پھبن — زیور سے جیسے ہوتی ہے آراستہ دلہن
چشمِ سیاہ دیدۂ آہو پہ طعنہ زن — سرعت یہ تھی کہ بھولتے تھے چوکڑی ہرن
جادو تھا معجزہ تھا پری تھا طلسم تھا — پاکھر نہ تھی زرہ میں تہمتن کا جسم تھا

رکھا قدم رکاب میں حیدرؑ کے لال نے
بخشی جو صدرِ زیں کو ضیا خوش جمال نے
کس ناز سے وہ رشکِ غزالِ ختن چلا
خوشبو سے ارضِ پاک ریاضِ جناں بنی
جلوے سے راہِ دشتِ بلا کہکشاں بنی
سم بدر تھے تو نعل بھی چاروں ہلال تھے
وہ دبدبہ وہ سطوتِ شاہانہ وہ شباب
وہ رعبِ حق کہ شیر کا زہرہ ہو آب آب
صورت میں سارے طور خدا کے ولی کے ہیں
پہونچے جو دشتِ کیں میں اُڑاتے ہوئے فرس
دیکھیں صفیں جمی جو چپ و راست پیش و پس
روکے گا جو وہ موت کے پنجے میں آئے گا
بولے یہ بڑھ کے فوجِ مخالف کے پہلواں
یاں سب ہیں روم و شام کے جنگ آزما جواں
بودے نہیں ہیں کچھ جو نگہباں ہیں گھاٹ کے
سنتے ہی یہ جلال میں آیا علیؑ کا لال
یہ مورچے ہیں کیا ہیں جن کا ہو کچھ خیال
بھاگو گے پھینک پھینک کے تیغیں لڑائی سے
روکے ہمیں نکل کے جو طاقت کسی میں ہو
گرمائے رخش کو جو حرارت کسی میں ہو
ڈوہاتھ میں علیؑ کے لیے جار یار ہیں
تم کیا پہاڑ بیچ میں گر ہو تو ٹال دیں
مہلت نہ ایک کو دمِ جنگ و جدال دیں
منھ دیکھتے رہیں جو نگہباں ہیں گھاٹ کے

نعلینِ پاک کو فخر سے چوما ہلال نے
دُم کو چنور کیا فرسِ بے مثال نے
طاؤس تھا کہ سیر کو سوئے چمن چلا
گرد اُڑ کے غازۂ رُخِ لیلیٰ وشاں بنی
ذرے بنے نجوم زمیں آسماں بنی
نقشِ سمِ فرس سے ہزاروں ہلال تھے
تھرا رہا تھا جس کی جلالت سے آفتاب
صولت میں فرد و نخبۂ جرات میں انتخاب
شوکت پکارتی ہے کہ بیٹے علیؑ کے ہیں
گھوڑے کو ہاتھ اُٹھا کے یہ آواز دی کہ بس
نعرہ کیا کہ نہر پہ جانے کی ہے ہوس
ہٹ جاؤ سب کہ شیر ترائی میں جائے گا
دیکھا نہیں کبھی کہ ہٹے لشکرِ گراں
ہاں آئیے تو کھینچ کے تیغِ شرر فشاں
سر پھینک دیں گے نہر میں خنجر سے کاٹ کے
نعرہ کیا کہ تم ہمیں روکو گے کیا مجال
اک دم میں چیونٹیوں کی طرح ہوں گے پائمال
لو مرد ہو تو اب نہ سرکنا ترائی سے
لے تیغ میان سے جو شجاعت کسی میں ہو
آئے جو حرب و ضرب کی قدرت کسی میں ہو
دریا نہیں کہ رُک گیا ہم ذوالفقار ہیں
شیروں کو ہم ترائی سے باہر نکال دیں
پانی تو کیا ہے آگ میں گھوڑے کو ڈال دیں
لے جائیں گھر پہ تیغ سے دریا کو کاٹ کے

سرکش ہیں سب ہماری زبردستیوں سے زیر
دادا شجاع باپ جواں مرد ہم دلیر
جب رن پڑا ہے کر دیے ہیں زخمیوں کے ڈھیر
لائے ہیں جا کے آگ سے پانی خدا کے شیر
عفریت بھاگتے ہیں وہ چوٹیں ہماری ہیں
بیر الالم میں کود کے تلواریں ماری ہیں

جرات جلو میں رہتی ہے نصرت رکاب میں
سر کاٹے ہیں پیر کے تیغوں کی آب میں
لکھے ہوئے ہیں شیروں کے حملے کتاب میں
فصلیں ہیں اپنے زور کی خیبر کے باب میں
ناصر ہیں بارگاہ فلک بارگاہ کے
دفتر اُلٹ دیے ہیں عرب کی سپاہ کے

بے مشک کے بھرے ہمیں آتا ہے چین کب
گرمی میں پیاس سے کئی بچے ہیں تشنہ لب
اصغر کو گودیوں میں تڑپتے کٹی ہے شب
کیا وقت ہے حسینؑ کے بچوں پہ ہے غضب
لالے پڑے ہوئے ہیں سکینہؑ کی جان کے
کانٹے مجھے دکھائے ہیں سوکھی زبان کے

عبرت کی یہ جگہ ہے کہ ہم اور سوال آب
سقے بنے ہیں دیکھ کے بچوں کا اضطراب
اس مشک نے کیا ہمیں عقبیٰ میں کامیاب
اللہ ری آبرو کہ بہشتی ملا خطاب
شہؑ سے نشان فوج پیمبرؐ بھی مل گیا
طوبیٰ کے ساتھ چشمۂ کوثر بھی مل گیا

یہ ذکر تھا کہ فوج کی جانب سے تیر آئے
نیزے اُٹھا کے شیر کے مُنہ پر شریر آئے
یہ بھی جھپٹ کے مثل شہِ قلعہ گیر آئے
گیتی ہلی غضب میں جناب امیر آئے
گھوڑا اڑا پروں کو سواروں کے توڑ کے
بیکل صفوں پہ سیف بھی کاٹھی کو چھوڑ کے

آمد تھی تیغ کی کہ اجل کا پیام تھا
یہ صف اخیر تھی وہ رسالہ تمام تھا
بجلی سا ہر جگہ فرس تیز گام تھا
ششدر تھی موت چار طرف قتل عام تھا
اس غول پر کبھی تھی کبھی اُس قطار پر
پڑتا تھا ایک تیغ کا سایا ہزار پر

وہ تیغ کی چمک وہ تڑپ راہوار کی
رفرف کی اک شبیہ تو اک ذوالفقار کی
شوکت سوار میں شہِ دلدل سوار کی
حملوں میں شان سب اسد کردگار کی
چتون وہی غضب وہی بے باکیاں وہی
پھرتی وہی جھپٹ وہی چالاکیاں وہی

توڑا وہ مورچہ یہ صف اُلٹی ادھر پھرے
تلوار خوں میں آب پسینے میں تر پھرے
یوں خاک پر گرا کے لعینوں کے سر پھرے
جیسے شکار کھیلے ہوئے شیر نر پھرے
تھی قہر کی نگاہ غضب کا جلال تھا
آنکھیں بھی سُرخ سُرخ تھیں چہرہ بھی لال تھا

منھ پھر گئے سپاہ کے جس سمت رُخ کیا
یاں سے وہاں گئے اُسے مارا اُسے لیا
باقی رہے ہزار میں سو دس میں اک جیا
اللہ رے دم لہو پہ لہو تیغ نے پیا
اس پر بھی تشنگی میں نہ تسکیں ذری ہوئی
گویا تھی آگ پیٹ میں اُس کے بھری ہوئی

بے شک تھا ان کا ہاتھ امیرِ عرب کا ہاتھ
پہونچا وغا میں سو طرف اک تشنہ لب کا ہاتھ
آئی اجل اُٹھا جو کسی بے ادب کا ہاتھ
شیرِ خدا کے شیر نے مارا غضب کا ہاتھ
بازو پہ آئی تیغِ دو دم شانہ کاٹ کے
پہنچے کو بھی قلم کیا دستانہ کاٹ کے

چلتا تھا مثلِ برق یمین و یسار ہاتھ
ڈر ڈر کے جوڑتے تھے ضلالت شعار ہاتھ
ان کی نہ ایک چوٹ نہ اُن کے ہزار ہاتھ
کافی تھے سب کو تیغِ دو دستی کے چار ہاتھ
آوازِ شش جہت میں تکبیر و بزن کی تھی
اللہ کا کرم تھا مدد پنجتن کی تھی

نعرہ جدا صدائے تکبیر و بدہ جدا
گوشے کماں کے دور تھے گوشوں سے زہ جدا
بکتر جُدا زمین پہ ٹکڑے زرہ جُدا
تیروں کو دیکھئے تو گرہ سے گرہ جُدا
اللہ رے فرق گردن و سر بھی بہم نہ تھے
کشتوں کا ذکر کیا ہے کہ تیغوں میں دم نہ تھے

جس کی طرف نظر دمِ جنگ و جدل پھری
کچھ ہٹ کے تیغ سے اُسی جانب اجل پھری
رہوار یوں پھرا کہ اشارے میں کل پھری
تلوار بھی گلوں کی طرف برمحل پھری
ایسے جری سے کس کو مجالِ مصاف تھی
یوں پھر کے صف کی صف کو جو دیکھا تو صاف تھی

چل پھر کے کاٹتی تھی وہ تلوار ہاتھ پاؤں
ڈر سے بڑھا نہ سکتے تھے خونخوار ہاتھ پاؤں
سر بچ گیا تو ہو گئے بیکار ہاتھ پاؤں
چمکی گری تو آٹھ ہوئے چار ہاتھ پاؤں
چلائی روحِ تیغ پھر آئی نکل چلو
بولی اجل اب اُٹھ کے تو پنجوں کے بل چلو

نیزے اُدھر قلم تو اِدھر برچھیاں قلم
ترکش دو نیم ٹکڑے کمانیں نشاں قلم
ہر ہاتھ میں قلم کی طرح استخواں قلم
منھ تیغ کا خراب سناں کی زباں قلم
جب سن سے سر پہ آئی کسی بدخصال کے
گویا سموم چل گئی پھولوں پہ ڈھال کے

کی جس نے سرکشی وہیں فتنہ فرو ہوا
ظالم ہزار میں تھا جو بچتا وہ دو ہوا
افشاں لہو سے شیر کا دستِ نکو ہوا
ٹھنڈا وہی تھا جنگ پہ سرگرم جو ہوا
تھا خاتمہ سپاہِ جہنم مقام کا
شعلے بجھائے دیتا تھا پانی حسام کا

وہ تیغ کھول دیتی تھی لوہے کا بھی حصار | تھا اس کے ہاتھ سے دلِ چار آئینہ فگار
عاری تھیں منھ پہ تیغوں کے ایسے پڑے تھے وار | خود اپنے سر پٹکتے تھے گر گر کے بار بار
پانی وہ زہر تھا کہ پیا اور فنا ہوا | ہے آج تک زرہ کا کلیجہ چھنا ہوا

مغفر نہ سر کے پاس نہ خنجر کمر کے پاس | بیٹے کے پاس باپ نہ بیٹا پدر کے پاس
قبضے کے پاس تیغ نہ دستہ تبر کے پاس | کڑیاں زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس
نیزے نہ تھے سناں پہ نہ پرچم نشان پر | پیکاں نہ تیر پہ تھا نہ چلّہ کمان پر

نے وہ علم سیاہ نہ وہ رو سیاہ تھے | تیغ و سپر بھی پاس نہ تھی بے پناہ تھے
بے سر تھے وہ جو فوج میں صاحب کلاہ تھے | سب چھاؤنی اُجاڑ محلے تباہ تھے
دکھلا دیا تھا خالقِ اکبر کے قہر کو | گویا غنیم لوٹتا پھرتا تھا شہر کو

بولی سپر سے تیغ کہ تجھ میں پناہ ہے | اُس نے کہا کہ بھاگ زمانہ سیاہ ہے
ہر جا یہ تیغِ شعلہ فشاں سدِّ راہ ہے | اس معرکہ میں کوہ بھی گر ہو تو کاہ ہے
جنات ڈر کے ہاتھوں سے منھ ڈھانپتے ہیں آج | میں کیا ہوں جبرئیل کے پر کانپتے ہیں آج

ڈر ڈر کے پچھلے پاؤں سپاہِ لعیں ہٹی | یہ صف سوئے یسار وہ سوئے یمیں ہٹی
بھیجے جبالِ نہر کہیں سے کہیں ہٹی | دہشت سے آسماں ہوا اونچا زمیں ہٹی
بھاگڑ پڑی کہ ایک سے اک آگے بڑھ گیا | دریا لہو کا کشتیِ گردوں پہ چڑھ گیا

اللہ ری جنگِ شیرِ سلیمانِ کربلا | چیونٹی بھی مورچوں میں نہ تھی آدمی تو کیا
پہونچے ترائی میں تو یہ اعدا کو دی صدا | کیوں اب یہ نہر کس کی ہے اے قومِ اشقیا
اک دم میں ہم شکست ہزاروں کو دیتے ہیں | دیکھو اسد ترائی کو یوں چھین لیتے ہیں

رستے کھلے ہوئے ہیں کہاں ہے وہ بند و بست | کس نے یہ روم و شام کی فوجوں کو دی شکست
کیا ہو گئے ترائی سے وہ سب ہوا پرست | کیوں سربلند کون ہے اس وقت کون پست؟
فوجوں میں یوں کسی نے بھی گھوڑے اڑائے ہیں | دیکھو تو ہم کہاں سے کہاں لڑ کے آئے ہیں

دنیا جو اک طرف ہو تو ہم پر ظفر نہ پائے | فاقوں میں شیر بھی جو مقابل ہو منھ کی کھائے
کس کو بدے سے جوہرِ تیغِ علی دکھائے | اب کچھ الم نہیں اجل آئے کہ جان جائے
بس ہم نے گھاٹ چھین لیا مشک بھر چکے | شیروں نے جو زباں سے کہا تھا وہ کر چکے

لب تشنہ تین دن سے ہیں اور ہے فرات پاس
پر نہیں ہے بغیرِ شہِ آسماں اساس
آقا کی تشنگی پہ جگر چاک چاک ہے
فرما کے یہ سمند کو ڈالا فرات میں
دریا دل ایسا کون ہوا کائنات میں
سیراب جب تلک کہ شہِ بحر و بر نہ ہوں
گرمی سے تشنگی میں کلیجہ تھا آب آب
آجاتے تھے قریب جو ساغر بکف حباب
عباس! آبرو میں ابھی فرق آئے گا
دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ نیک نام
یوں ڈوب کر نکلتا تھا وہ آسماں مقام
موجیں تھیں رو دنیل کی فوجوں کا دل نہ تھا
چلتی تھی بڑھ کے چار طرف تیغِ برق دم
دامن سے لگ کے ہاتھ اُٹھتا تھا دم بدم
اُڑ اُڑ کے برچھیوں جو اُترتا تھا کھیت میں
جب مشک کی طرف کوئی آتا تھا بن کے تیر
چلا رہا تھا شمرِ جفا پیشہ و شریر
رُخ اس جری کا خیمے کی جانب سے موڑ دو
سُن کر زباں درازیِ شمرِ ستم شعار
تلواریں سیکڑوں تھیں ہزاروں تھے نیزہ دار
تنہا سنبھالے مشک و علم یا وغا کرے
مشہور ہے کہ ایک پہ بھاری ہیں دو بشر
کھائے اُدھر سے زخم جو کی اس طرف نظر
جب دم لیا تو سینے پہ سو تیر چل گئے

چاہیں ابھی تو ہاتھ بڑھا کر بجھائیں پیاس
مرتے ہیں آبرو پہ جوانانِ حق شناس
بے اُن کے آبِ خضر بھی ہووے تو خاک ہے
گویا خضر اُتر گئے آبِ حیات میں
تسمہ پکڑ کے مشک بھری ایک بات میں
منظور تھا کہ ہاتھ بھی پانی سے تر نہ ہوں
تڑپا رہا تھا قلب کو موجوں کا پیچ و تاب
کہتا تھا مُنھ کو پھیر کے وہ آسماں جناب
پانی پیا تو نامِ وفا ڈوب جائے گا
اُمڈی سیہ گھٹا کی طرح سب سپاہِ ظلم
ظاہر ہو جیسے ابر میں چھپ کر مہِ تمام
پر واہ رے حواس کہ ابرو پہ بل نہ تھا
کاندھے پہ مشکِ آب تھی پنجے میں تھا علم
کرتا تھا جا بجا تگ و دو اسپِ خوش قدم
گھوڑے کے چاروں پاؤں درآتے تھے ریت میں
کہتے تھے یا حفیظ کبھی گاہ یا قدیر
جانے نہ پائے لختِ دلِ شاہِ قلعہ گیر
ہاں برچھیوں سے شیر کے سینے کو توڑ دو
عباس مثلِ شیر جھپٹتے تھے بار بار
توڑی یہ صف اگر تو جمی دوسری قطار
بلوہ ہو ساری فوج کا جس پر وہ کیا کرے
درپے تھے اک جوان کے دو لاکھ اہلِ شر
کس کس کا وار رد کریں دیکھیں کدھر کدھر
پہلو کو توڑ توڑ کے نیزے نکل گئے

سینہ سپر تھا مشک پہ روکے ہوئے تھے ڈھال
کہتا تھا ڈگمگا کے فرس پر وہ خوش خصال
جا پہونچوں مشک لے کے جو تھوڑی بھی راہ ہو
سمجھے تھے کہ ٹوٹ پڑا لشکرِ کثیر
آکر لگا میانِ دو ابرو جو ایک تیر
چھوٹی جو باگ پاؤں فرس کے بھی رک گئے

اب یاں تو خاتمہ ہے سنو اس طرف کا حال
غم سے کمر جھکی ہوئی رخ زرد جی نڈھال
گر کر اٹھے تڑپ کے ادھر سے اُدھر گئے
فریاد کر کے دل کبھی تھاما جگر کبھی
گھبرا کے پیارے بھائی کی پوچھی خبر کبھی
کی آہ سامنے کبھی زہراؑ کی جائی کے

فرماتے تھے کراہ کے اکبرؑ سے بار بار
کیسا یہ درد ہے کہ جگر کو نہیں قرار
واحسرتا کہ بے کس و بے یار ہو گئے
چلاتے تھے کہ جانِ برادر بس اب پھر آؤ
بھیا خدا کے واسطے اب برچھیاں نہ کھاؤ
پیاری تمہاری ننھے سے ہاتھوں کو ملتی ہے

حضرت تو پیٹتے ہیں یہ کہہ کر بصد ملال
ڈیوڑھی میں اہل بیت ہیں سب کھولے سر کے بال
لب اُن کے اودے اودے ہیں منہ گورے گورے ہیں
کہتے ہیں سب لبوں پہ زبانوں کو پھیر کر
حضرت سے پوچھتی ہے سکینہؑ بچشمِ تر
کیا میں سفر کروں گی جہاں سے تب آئیں گے

اٹھنے میں بھی حسینؑ کے بچوں کا تھا خیال
فرزند کو سنبھالئے یا شیر ذوالجلال
ایسا نہ ہو کہ پیاسوں کی کشتی تباہ ہو
بس چور ہو گیا پسرِ شاہِ قلعہ گیر
توڑا گیا علیؑ ولی کا مہِ منیر
پھیلا کے ہاتھ مشکِ سکینہؑ پہ جھک گئے

ڈیوڑھی پہ ننگے سر ہے رسولِ خدا کا لال
یہ کرب ہے کہ ہوتا ہے جو وقتِ انتقال
جب آہ کی تو سب نے یہ جانا کہ مر گئے
پکڑی طناب خیمے کی گر اور کر کبھی
روئے پسر کے دوش پہ رکھ رکھ کے سر کبھی
رو کر کبھی لپٹ گئے بیٹے سے بھائی کے

شانے دباؤ اے علی اکبرؑ پدر نثار
بازو کا زور لے گئے عباسؑ نامدار
سر کس سے پیٹیں ہاتھ تو بیکار ہو گئے
پہونچا ہے دم لبوں پہ بھی آکے دیکھ جاؤ
عباسؑ ہم اخیر ہیں تشریف جلد لاؤ
لو تم کو ڈھونڈھنے کو سکینہؑ نکلتی ہے

خیمے میں غش ہے زوجۂ عباسؑ خوش خصال
پردے سے منہ نکالے ہیں اطفالِ خرد سال
آنکھوں میں اشک ہاتھوں میں خالی کٹورے ہیں
اب پانی لے کے آتے ہیں عباسؑ نامور
میرے چچا کب آئیں گے یا شاہِ بحر و بر
بہلاتے ہیں حسینؑ کہ بی بی اب آئیں گے

گھیرے ہیں اُن کو لاکھ ستمگار ہائے ہائے
وہ کہتی ہے میں پانی سے گزری نہ مشک آئے
مانگو دُعا کہ بھائی کو میرے خدا بچائے
ہے ہے بس اب چچا کو مرے کوئی پھیر لائے
رکھے خدا جہاں میں علیؑ کی نشانی کو
میں کیا کروں گی آگ لگے ایسے پانی کو

یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے اُدھر
چلائے بڑھ کے فوج سے دو چار اہلِ شر
تڑپے زمیں پہ گر کے شہنشاہِ بحر و بر
حضرت کہاں ہیں مر گئے عباسؑ نامور
کیا کیا چلی ہیں تیغوں پہ تیغیں لڑائی میں
وہ زخم کھائے شیر پڑا ہے ترائی میں

افشاں ہے سر کے خون کی چھینٹوں سے سب نشاں
نام آوروں نے آج مٹایا عجب نشاں
عباسؑ کانپ جاتے تھے جھکتا تھا جب نشاں
کیوں ہے حسینؑ کون اُٹھائے گا اب نشاں
لاش اُن کی پائمال ہوئی زخم پھٹ گئے
جن میں علیؑ کا زور تھا وہ ہاتھ کٹ گئے

آئی صدا یہ نہر کی جانب سے ایک بار
تن سے نکل کے آنکھوں میں اٹکی ہے جانِ زار
آقا تمام ہوتا ہے یہ عبدِ جاں نثار
اب ہے فقط حضور کے آنے کا انتظار
بابا کے ساتھ خلد سے تشریف لائی ہیں
حضرت کی والدہ مرے لینے کو آئی ہیں

شہ دوڑ کر پکارے کہ آتا ہوں بھائی جان
طاقت بدن میں اب نہیں پاتا ہوں بھائی جان
گھر لُٹ گیا ہے خاک اُڑاتا ہوں بھائی جان
اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھاتا ہوں بھائی جان
دستِ شکستہ بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
بھیّا ہمیں تو اکبرؑ مہ رو سنبھالے ہیں

دیکھا جو دور سے بنتِ علیؑ نے یہ شہ کا حال
چلائی کون قتل ہوا اے علیؑ کے لال
ڈیوڑھی سے نکل چند قدم کھولے سر کے بال
مڑ کر کہا حسینؑ نے عباسؑ خوش خصال
دریا پہ فوجِ شام نے مارا دلیر کو
زینبؑ اجل نے چھین لیا میرے شیر کو

خورشیدِ مشرقین زمانے سے اُٹھ گیا
وہ عاشقِ حسینؑ زمانے سے اُٹھ گیا
حیدرؑ کا نورِ عین زمانے سے اُٹھ گیا
زینبؑ ہمارا چین زمانے سے اُٹھ گیا
آتا نہیں قرار دلِ بے قرار کو
دریا پہ رونے جاتے ہیں خدمت گزار کو

اکبرؑ کو ہاتھ اُٹھا کے پکاری وہ سوگوار
ماتم جوان بھائی کا ہے تم پہ میں نثار
ہے ہے حسینؑ ہو گئے بے یار و غمگسار
اکبرؑ خدا کے واسطے بابا سے ہوشیار
گرنے لگیں تو حیدرِؑ صفدر کا نام لو
بیٹا پدر کے ہاتھوں کو مضبوط تھام لو

اکبرؑ پدر کو نہر پہ تھامے ہوئے جو لائے
غلطاں لہو میں بازوئے سرور کے ہاتھ پائے
چلائے شاہ لاش کدھر ہے کوئی بتائے
فرق آگیا ہماری بصارت میں ہائے ہائے
رونے لگے لگا کے تنِ پاش پاش کو
اکبرؑ ہمیں دکھا دو برادر کی لاش کو

اکبرؑ نے شہؑ کے ہاتھ کو پکڑا بصد بکا
رکھا چچا کے سینے پہ اور رو کے یہ کہا
لیجے یہی ہے لاش علمدارِ باوفا
چلائے جھک کے لاش پہ سلطانِ کربلا
ٹوٹی ہوئی کمر ہے سنبھالو حسینؑ کو
بھیا ذرا گلے سے لگا لو حسینؑ کو

عباسؑ ہاتھ کٹ گئے شانوں سے ہے غضب
ریتی پہ دو طرف یہ تمہارا لہو ہے سب
لوٹا ہمیں رسولؐ کی امت نے بے سبب
بھیا ہماری جان نکلتی ہے تن سے اب
مرجائیں گے جلادو ہمیں منھ سے بول کر
دو باتیں کرلو بھائی سے آنکھوں کو کھول کر

کیوں خاک پر دھرے ہو یہ رخسار خوں میں تر
آؤ ہم اپنے زانو پہ رکھیں تمہارا سر
لیتے ہو کیوں کراہ کے کروٹ ادھر ادھر
ثابت ہوا کہ جلد ہے دنیا سے اب سفر
ہے ہے دلیلِ مرگ ہے لکنت زبان کی
ہچکی نہیں یہ جسم سے رخصت ہے جان کی

غش میں سنی جو گریۂ شبیرؑ کی صدا
چونکے تڑپ کے حضرتِ عباسؑ باوفا
آہستہ کی یہ عرض کہ اے سبطِ مصطفیٰ
اس پیار کے نثار اس الطاف کے فدا
زیبا ہے نکلے جان اگر پیشوائی کو
گویا رسولؐ آئے ہیں مشکل کشائی کو

یہ کہہ کے روئے شہ کی طرف کی نظر بغور
جھک کر پکارے شاہ کہ بھیا کہو کچھ اور
تڑپا قدم پہ شہؑ کے وہ مقتولِ ظلم و جور
لیں ہچکیاں بگڑنے لگے تیوروں کے طور
پتھرا کے چشمِ اشک فشاں بند ہوگئی
تھرائے دونوں ہونٹھ زباں بند ہوگئی

قدموں کو کھینچ کر جو کراہا وہ نیک نام
گودی میں لے کے پاؤں دبانے لگے امام
آقا سے جاں کنی میں نہ کچھ کر سکے کلام
تھرائی لاش مرگئے عباسؑ تشنہ کام
گردن پھری ہوئی سوئے سبطِ نبی رہی
سوکھی زبان دانتوں کے نیچے دبی رہی

ہاں روؤ مومنو یہ بکا کا مقام ہے
تم ہیں شریکِ روحِ رسولِ انام ہے
اب رخصتِ حسین علیہ السلام ہے
تاریخ آٹھویں ہے محرم تمام ہے
موت آئی تو شریکِ عزا کون ہوئے گا
جو سال بھر جئے گا وہ پھر شہؑ کو روئے گا

آگے تمہارے مرتے جو عباسؑ باوفا ۔۔۔ پرسا نہ دیتے سبطِ رسولِ خدا کو کیا
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہِ کربلا ۔۔۔ زہراؑ ابھی ننگے سر ہیں قیامت کرو بپا
سمجھو شریکِ بزم شہِ مشرقین کو ۔۔۔ دے لو جوان بھائی کا پرسا حسینؑ کو
پیٹو سروں کو ہوتا ہے اب مرثیہ تمام ۔۔۔ لپٹو ضریحِ پاک سے کہہ کہہ کے یا امامؑ
رخصت طلب ہے باپ سے اکبرؑ سا لالہ فام ۔۔۔ خاموش ہیں حسینؑ نہیں کرتے کچھ کلام
مقتولِ ظلم و جور ہے اب جانِ فاطمہؑ ۔۔۔ ہوتا ہے پنجتنؑ کا کوئی دم میں خاتمہ
بس اے انیسؔ روک لے اب خامے کی عناں ۔۔۔ یہ غم ہے جاں گزا نہ کبھی ہوئے گا بیاں
آنکھوں سے سامعین کی بھی ہیں اشکِ خوں رواں ۔۔۔ خالق سے عرض کر کہ اے خلاقِ انس و جاں
آنکھوں سے مس کروں میں مزارِ بتولؑ کو ۔۔۔ دکھلا دے جلد مرقدِ سبطِ رسولؑ کو

رباعی

دل سے دنیا کے ولولے جاتے ہیں ۔۔۔ اک آن میں طوبیٰ کے تلے جاتے ہیں
ہے راہِ بہشت کتنی ہموار انیسؔ ۔۔۔ بند آنکھیں کئے لوگ چلے جاتے ہیں

رباعی

جس شخص کو عقبیٰ کی طلبگاری ہے ۔۔۔ دنیا سے ہمیشہ اسے بیزاری ہے
اک چشم میں کس طرح سمائیں دو نور ۔۔۔ غافل! یہ خواب ہے وہ بیداری ہے

۱۳ مرثیہ

بند ۱۱۲

عباسؑ علیؑ قبلۂ ارباب وفا ہے
خورشید سپہر کرم و لطف و عطا ہے
ثابت قدم جادۂ تسلیم و رضا ہے
شمشیر خدا ہے خلف شیر خدا ہے
کس شوق سے صدقے ہوا فرزند نبیؐ کے
قربان علمدار حسینؑ ابن علیؑ کے

سقائے حرم نام ہے اُس شیر ژیاں کا
دل غم سے بھر آئے نہ کیوں ہر پیر و جواں کا
یہ چاہ تھی کوثر کی یہ شائق تھا جناں کا
قطرہ نہ بہشتی نے پیا آب رواں کا
تھے پیاس سے لب خشک پہ دریائے سخا تھا
وہ کر گیا دنیا میں جو کچھ حق وفا تھا

اللہ رے اقبال زہے عزت و توقیر
ارشاد کریں قوت بازوئے شبیرؑ
سرتا بہ قدم حیدرؑ کرار کی تصویر
ضرغام وغا حامیٔ دیں صاحب شمشیر
پیدا ہے شجاعت رخ گلفام سے اُس کے
شیروں کے جگر کانپتے ہیں نام سے اُس کے

کیا حسن ہے کیا رعب ہے کیا شیر جواں ہے
کیا زور ہے کیا دبدبہ کیا شوکت و شاں ہے
صناعیٔ حق اس کے سراپا سے عیاں ہے
ہر عضو کی خوبی پہ لطافت نگراں ہے
شیون ہے بپا تعزیہ داروں کے مکاں میں
ذکر قد و قامت سے قیامت ہے جہاں میں

اللہ نے بخشی ہے عجب نام کو تاثیر
شیعوں کی پناہ اور عدو کے لیے شمشیر
وہ مشکل لاحل جو نہ حل ہو کسی تدبیر
یا حضرت عباسؑ کہا پھر نہیں تاخیر
اعجاز و کرامت اسے کہیے تو بجا ہے
بے دست ہے اور مشکل علیؑ عقدہ کشا ہے

عین اس کا وہ چشمہ ہے کہ فیض اُس سے ہوا عام
یہ علم کا آغاز ہے اور شرع کا انجام
بائے برکت اور الف اول اسلام
ہے سین سعادت پہ اسی نام کا انجام
یہ اسم مقدس تو سعید ازلی ہے
اعلیٰ ہو نہ کیوں کر کہ شریک اس کا علیؑ ہے

شیران جہاں اس کے ہتوڑے ہیں روباہ
رتبہ ہے بلند ایسا کہ افلاک ہیں کوتاہ
زور ایسا کہ ہے کوہ گراں مثل پر کاہ
رعب ایسا کہ ہوتا ہے یقین اسد اللہ
حسن ایسا کہ خورشید کا منہ زرد ہوا ہے
یوسفؑ کا بھی بازار یہاں سرد ہوا ہے

سادات ہے اور شیرِ الٰہی کا پسر ہے
تیغ اس کی کلیدِ درِ اقبال و ظفر ہے
یاور ہو تو ایسا ہو جو صفدر ہو تو ایسا

جس طرح محمدؐ پہ فدا رہتے تھے حیدرؑ
حضرتؐ کو بھی پیارے تھے یہ بیٹوں کے برابر
فرماتے تھے جان و تنِ شبیرؑ ہے عباسؑ
فرماتے تھے حضرت تو انھیں قوتِ بازو
حیدر سے مشابہ تھا سراپا جو وہ گل رو
کہتے تھے نشانی ہے یہ احمدؐ کے وصی کی

کرتے تھے شہِ دیں پہ فدا جانِ گرامی
سرو چمنِ دیں کے ہوئے عشق میں نامی
پروانۂ شمعِ رخِ شاہِ شہدا تھے

جس دن سے مدینے سے چلے سیدِ ابرار
راتوں کو بھی مانندِ قمر رہتے تھے بیدار
عاشق تھے زبس دوشِ محمدؐ کے مکیں کے
فرماتے تھے یہ بارگہِ شاہِ امم ہے
اس گھر کا ادب فرض ہے جب تک مرا دم ہے
یہ احمدِ مختار کے پیاروں کا مکاں ہے

جب متصلِ ماریہ پہونچے شہِ ابرار
باگ اس نے جو پکڑی تھی تو پیدل تھا علمدار
تھراتے تھے یہ غیظ تھا عباسؑ علی کو
شہ کہتے تھے شفقت سے چڑھو گھوڑے پہ بھائی
کہتے تھے گوارا نہیں حضرت کی جدائی
آقا مرا جب راکبِ دوشِ نبویؐ ہو

جرار ہے ہنگامِ وغا لاکھ پہ ور ہے
اور آپ شہِ دیں کی حفاظت کی سپر ہے
عاشق ہو تو ایسا ہو برادر ہو تو ایسا

ان کو بھی اسی طرح سے تھا عشقِ برادر
جوں سایہ نہ قدموں سے جدا ہوتے تھے دم بھر
قوت ہے مری اور مری شمشیر ہے عباسؑ
اور کہتے تھے یہ ہوں میں غلامِ شہِ خوشخو
جب دیکھتے تھے شاہ تو بھر لاتے تھے آنسو
یہ میرے مرقع میں ہے تصویر علیؑ کی

اللہ نے کی ان پہ محبت کی تمامی
گردن میں تھا قمری کی طرح طوقِ غلامی
بلبل کی طرح سے گلِ زہراؑ پہ فدا تھے

عباسؑ نے کھولے نہ کمر سے کبھی ہتھیار
اور خیمے کے چوگرد پھرا کرتے تھے ہشیار
اس پردے میں ہوتے تھے تصدق شہِ دیں کے
کیا رتبہ میں کچھ خانۂ کعبہ سے یہ کم ہے
گرداوریِ خیمہ نہیں طوفِ حرم ہے
یہ عرشِ معلےٰ کے ستاروں کا مکاں ہے

اور حرؑ دلاور سے ہوئی راہ میں تکرار
اک ہاتھ میں تھی شہ کی رکاب ایک میں تلوار
حضرت کے قریب آنے نہ دیتے تھے کسی کو
پیدل ہوئے کس واسطے کیا جی میں ہے آئی
ان قدموں سے ملتا چلے آنکھوں کو فدائی
کیونکر نہ جلو میں مجھے چلنے کی خوشی ہو

میدانِ شہادت میں جو وارد ہوئے سرورؑ — واں گھاٹ پہ اترا ہوا تھا شام کا لشکر
برپا ہوئے ریتی پہ خیامِ شہِ صفدر — پانی نہ کبھی دن ہوا پیاسوں کو میسر
عباسؑ کو پانی کے نہ ملنے کا الم تھا — بھائی کی بھی تھی فکر سکینہؑ کا بھی غم تھا

جب روزِ دہم رن میں صف آرا ہوئے اعدا — عباس علیؑ نے بھی پرا فوج کا باندھا
پیغام یہ شہؑ نے پسرِ سعد کو بھیجا — لشکر سے جدا ہو کے ادھر چند قدم آ
ہمراہ کسی کو نہ وہاں لاؤں گا میں بھی — کچھ کہنا ہے تنہا ترے پاس آؤں گا میں بھی

سن کر یہ سخن شاہ کا وہ فوج سے نکلا — ساتھ اس کے غلام ایک تھا اور ایک تھا بیٹا
تنہا چلے پاس اس کے ادھر سے شہِ والا — فرمایا مرے ساتھ کوئی آئے نہ اصلا
پر بھائی کی تنہائی سے گھبراتے تھے عباسؑ — سائے کی طرح پیچھے چلے جاتے تھے عباسؑ

اکبرؑ بھی تھے ہمراہِ شہنشاہِ خوش اوقات — مڑ کر کہا حضرت نے کہ کیوں آتے ہو تم ساتھ
تب جوڑ کے ہاتھوں کو یہ اکبرؑ نے کہی بات — اس کا بھی پسر ساتھ ہے اے قبلۂ حاجات
ہم ساتھ نہ کیوں کر ہوں کہ حضرت کے خلف ہیں — باطل کی طرف وہ ہے تو ہم حق کی طرف ہیں

عباسؑ سے فرمانے لگے سبطِ پیمبرؐ — تم ٹھہرو یہیں میں ابھی آتا ہوں برادر
کی عرض علمدارؑ نے تب قدموں پہ گر کر — اس کا بھی تو ہے ساتھ غلام اے شہِ صفدر
کس طرح چلو میں یہ ہوا خواہ نہ ہوئے — حضرت کا غلام آپ کے ہمراہ نہ ہوئے

الفت پہ علمدار کی روئے شہِؑ ابرار — فرمایا کہ تنہائی مری تجھ پہ ہے دشوار
اس وقت کہاں ہوئے گا تو اے مرے غمخوار — جب ذبح کرے گا مجھے خنجر سے جفاکار
یہ جسم مرا ظلم کے تیروں سے چھنے گا — تلواریں چلیں گی تو سپر کون بنے گا

فرما کے یہ پیشِ عمر سعد گئے شاہ — سمجھایا بہت اس کو پہ سمجھا نہ وہ گمراہ
حجت ہوئی اتمام پھرے سیدِ ذی جاہ — تیر آنے لگے لشکرِ کفار سے ناگاہ
روکیں سپریں چہروں پہ انصارِ جری نے — اور سینہ سپر کر دیا عباسؑ علی نے

بازارِ اجل گرم تھا چلنے لگی تلوار — مارے گئے مولاؑ کے رفیقانِ وفادار
پھر شہ کے یگانے ہوئے سر دینے پہ تیار — چھپنے لگا تلواروں سے زہراؑ کا وہ گلزار
بے جاں ہوا دولھا بھی جو میدانِ ستم میں — اک حشر تھا کبراؑ کے رنڈاپے کا حرم میں

روتے تھے کھڑے خیمے کے در پر شہ ابرار / اور لپٹا تھا شبیرؑ کے قدموں سے علمدار
تھی عرض یہی اے خلفِ احمدِؐ مختار / ہے اب تو غلام آپ سے رخصت کا طلبگار
سب فوج گئی جانبِ کوثر مرے مولاؑ / اب دیکھیے خادم کے بھی جوہر مرے مولاؑ

شہؑ کہتے تھے مجھ پر ہے عیاں تیری شجاعت / لیکن یہ نہ ہوگا یہ نہ ہوگا کسی صورت
اللہ ری سردار و علمدار کی اُلفت / وہ روکتے تھے اور یہ کرتے تھے سماجت
تھا شہؑ کا یہ مطلب کہ نہ بھائی سے جُدا ہوں / اور اُن کو تمنا تھی کہ آقا پہ فدا ہوں

لپٹاتے تھے چھاتی سے انھیں سبطِ پیمبرؐ / یہ جوڑے ہوئے ہاتھوں کو جھکتے تھے قدم پر
فرماتے تھے شہؑ ہم کو رُلاؤ نہ برادر / لو جاؤ نہ روکیں گے جو مرضی ہے سو بہتر
قاسمؑ کی طرح داغ تمہارا بھی سہیں گے / اب مُنھ سے بجز شکرِ خدا کچھ نہ کہیں گے

کہتے تو کہا یہ۔ یہ ہوا صدمۂ جاں کاہ / فرمایا تڑپ کر کہ کمر ٹوٹ گئی آہ
ڈیوڑھی پہ لگے پیٹنے آکر حرمِ شاہ / غل سُن کے یہ بولے پسرِ سعد کے ہمراہ
منگواتو خبر خیمۂ شاہِ شہدا کی / یہ غل ہے کہ ہلتی ہے زمیں کرب و بلا کی

دو بھانجے اور ایک بھتیجہ ہوا بے سر / اس طرح مگر روئے نہیں سبطِ پیمبرؐ
کیا درد ہے اس وقت کہ بیتاب ہیں سرورؑ / آہوں کی صدایاں چلی آتی ہے مکرر
رونے میں کئی بار دمِ سرد بھرا ہے / تو سُن تو کہ فریاد میں کیا درد بھرا ہے

ہنس کر پسرِ سعدِ ستمگار یہ بولا / فاقہ تھا کئی دن سے کوئی مرگیا ہوگا
سب بچوں میں شبیرؑ سکینہؑ کے ہیں شیدا / سُنتا ہوں کہ تھا پیاس سے ہونٹوں پہ دم اس کا
دُنیا سے وہ مظلومہ سفر کر گئی ہوگی / رونے کا یہ غل ہے تو وہی مر گئی ہوگی

تب کہنے لگا شمرِ لعیں یہ نہیں زنہار / ہے صابر و شاکر پسرِ احمدِؐ مختار
آتی ہے صدا ہائے برادر کی جو ہر بار / ہوتا ہے جدا سبطِ پیمبرؐ سے علمدار
بے وجہ نہیں خیمے میں یہ رونے کا غل ہے / معشوق سے عاشق کے جدا ہونے کا غل ہے

اک لڑکی جو کہتی ہے بصد نالہ و افغاں / فریاد ہے میں پیاس سے مرتی ہوں چچاجان
بھر لادو مری مشک کو دریا سے میں قرباں / بیٹی شہِ بیکس کی سکینہؑ ہے وہ ناداں
عباسؑ پہ گر کوہِ ستم آج گرے گا / بے مشک بھرے نہر سے خالی نہ پھرے گا

یہ ذکر تھا جو فوج میں غل ہو گیا اک بار   گھوڑے کو اڑاتا ہوا آتا ہے علمدار
کاندھے پہ تو ہے مشک و علم ہاتھ میں تلوار   آمد میں ہے اک دبدبۂ حیدرِ کرار
جب تیغ کھنچی تہلکہ لشکر میں پڑے گا   کس کا یہ کلیجہ ہے کہ جو اس سے لڑے گا

نورِ رخِ عباسؑ سے صحرا ہوا روشن   خورشید نظر آیا چراغِ تہہِ دامن
میدانِ بلاخیز ہوا وادیِ ایمن   ہیبت بھی پر ایسی تھی کہ تھرا گئے دشمن
اللہ نے بخشا تھا عجب رعب نظر کو   تھا آنکھ ملانے کا نہ مقدور بشر کو

بولا کوئی کیا صاحبِ حشمت ہے یہ غازی   سر دفترِ اربابِ شجاعت ہے یہ غازی
لختِ جگرِ شاہِ ولایت ہے یہ غازی   فوجِ شہِ ابرار کی زینت ہے یہ غازی
آفاق میں یہ جاہ و حشم کس کے لئے ہے   لائق یہ علم کے ہے علم اس کے لئے ہے

جعفر کی طرح ولولۂ تیغ زنی ہے   ہم شوکتِ حمزہ یہ شجاعت کا دھنی ہے
جوں شیرِ خدا قوتِ خیبر شکنی ہے   مظلومیِ شبیر ہے خلقِ حسنی ہے
اجلالِ محمد رخِ زیبا سے عیاں ہے   سب شان بزرگوں کی سراپا سے عیاں ہے

اس کے قد و قامت کا نہیں دہر میں ثانی   پائی یہ کہاں سرو گلستاں نے روانی
شاداب ہے کس حسن سے گلزارِ جوانی   شیریں سخنی گلبدنی غنچہ دہانی
شوق اس کی قدم بوسی کا ہے چرخِ بریں کو   کیا دیکھتا ہے رشک سے جھک جھک کے زمیں کو

کیا دوش، اک پہ ہے اوجِ علمِ شاہ   جنت کی ہوا اس کے پھریرے کی ہوا خواہ
پنجہ سے تجلی یہ بہ خورشید و رخِ ماہ   اللہ کا لفظ اس سے عیاں ہوتا ہے واللہ
دیکھو تو حشم بازوئے شاہِ شہدا کا   سایہ سرِ پرنور پہ ہے دستِ خدا کا

نور سرِ پرنور سے ہے خود منور   چار آئینہ کو دیکھ کے حیرت میں ہے لشکر
کیا ہاتھوں میں زیبندہ ہے دستانۂ حیدر   کڑیاں ہیں زرہ کی کہ ہیں شمشیر کے جوہر
قبضہ میں قضا جس کے کماں دوش پہ ایسی   شمشیر کا دم بند ہو جس سے سپر ایسی

نیزہ وہ کہ چار آئینۂ فولاد کا توڑے   مر جائے عدو تیر کماں میں جو یہ جوڑے
وہ تیغ کہ دشمن سے کبھی منھ کو نہ موڑے   پکڑے اجل اس کو یہ سسکتا جسے چھوڑے
گھوڑا وہ کہ بجلی کی تڑپ گرد ہوئی ہے   یہ گرم روی ہے کہ ہوا سرد ہوئی ہے

تب شمر سے بولا عمرِ سعدِ بد اختر عباسؑ کے تو رعب سے تھراتا ہے لشکر
نزدیک ہے اٹھ جائیں قدم فوج کے یکسر اس غازی سے کر صلح تو ہے جنگ سے بہتر
تلوار چلی گر تو خدا جانئے کیا ہو کچھ فکر کر ایسی کہ یہ بھائی سے جدا ہو

اس نحس نے کی سعد کے بیٹے سے یہ تکرار حاکم ہے ترے حکم سے مجھ کو نہیں انکار
ظاہر ہے وفاداریِ عباسِ علمدار یہ بات نہ مانے گا نہ مانے گا وہ زنہار
خوں اس کا پسینہ پہ شہِ دیں کے گرے گا ہو جائے گا ٹکڑے پہ نہ بھائی سے پھرے گا

ہیں اہلِ وفا لختِ دلِ حیدرِ صفدر دُنیا کا نہ لالچ ہے انھیں نہ طمعِ زر
ان کے نہ ڈگیں پاؤں اگر تن سے کٹے سر یہ صفتِ الٰہی ہیں وفا ان کا ہے جوہر
ساونت ہیں نورِ نظرِ شاہِ نجف ہیں یہ جس کے طرفدار ہیں بس اُس کی طرف ہیں

یہ کہہ کے وہ مکار چلا سوئے علمدار اور غیظ سے یاں سُرخ ہوا روئے علمدار
غصے سے کھڑے ہو گئے سب موئے علمدار بل کھانے لگے گیسوئے خوشبوئے علمدار
ابرو پہ تو بل آ گیا شمشیر کی صورت دیکھا طرفِ شمرِ لعیں شیر کی صورت

شعلے کی طرح کانپ گیا ڈر سے وہ ناری پیچھے بھی ہٹا اور بڑھا بھی کئی باری
دہشت میں یہ تقریر زباں سے ہوئی جاری حاکم نے مجھے بھیجا ہے اے عاشقِ باری
غصے کی نہ باتیں نہ لڑائی کے سخن ہیں سُن لیجئے حضرت کی بھلائی کے سخن ہیں

فرمایا علمدار نے کہ کیا ہے وہ پیغام تب دستِ ادب جوڑ کے بولا یہ وہ خودکام
کرتے ہیں عبث آپ لڑائی کا سرانجام حضرت کے تو ہے نام کی عاشق سپہِ شام
مشتاق ملاقات کے سب چھوٹے بڑے ہیں واں ہاتھوں میں نذریں لئے سردار کھڑے ہیں

چلئے مرے ہمراہ ادھر کو تو ہے بہتر واں آپ کی خاطر ہے علمداریِ لشکر
سالاری ہے یاں لاکھ جوانوں کی مقرر نکلا ہوا ہے کشتیوں میں خلعتِ پُرزر
جاگیر بھی ہاتھ آئے گی راحت بھی ملے گی دولت بھی مدینے کی حکومت بھی ملے گی

کیوں آپ اٹھاتے ہیں اُدھر پیاس کی ایذا افسوس کرے ایسا جواں فاقے پہ فاقا
واں پانی بھی موجود ہے کھانا بھی مہیا حاکم تمہیں لشکر کے تئیں مالکِ دریا
زنہار نہیں بغض و حسد اور کسی سے ہم کو تو عداوت ہے حسینؑ ابن علی سے

فرزندوں کو گر آپ کے ہے تشنہ دہانی
شبیرؑ کی منظور نہیں پیاس بجھانی
احمدؐ سے نہ حیدرؑ سے نہ زہراؑ سے ڈریں گے
اور دل ہے سکینہؑ کی۔ اگر پیاس پہ بیتاب
زینبؑ کی ردا چھینیں گے اور لیویں گے اسباب
رسی سے بندھا عابدِؑ بیمار چلے گا

عباسؑ نے جس دم یہ سنی شمر کی تقریر
سرتا بہ قدم کانپ گیا عاشقِ شبیرؑ
میں عاشقِ شبیرؑ ہوں میں اہلِ وفا ہوں
اس تفرقہ سازی کا مزا تجھ کو دکھا دوں
جوں حرفِ غلط دفترِ عالم سے مٹا دوں
واقف نہیں کیا رتبہ سے اولادِ علیؑ کے

تو کیا ہے جفا کار تری فوج ہے کیا مال
اک جان دو قالب ہوں میں اور سفِ فاطمہؑ کا لال
مر کر بھی شہِ دیں میں مری جان رہے گی
روشن ہو مرا نام مجھے شمعِ امامت
ہو بادشہِ یثرب و بطحا کی شہادت
تحقیر ہے یہ منصب و جاگیر نہیں ہے

خلعت ترا کیا چیز ہے او ظالمِ بے پیر
مختار ہیں کوثر کے ہماری ہے یہ توقیر
کچھ حشمتِ ظاہر کی ہمیں چاہ نہیں ہے
مجھ کو تو نہ ہے بھوک نہ ہے تشنہ دہانی
آبِ دمِ شمشیر کی جب ہو گی روانی
دریا کی طرف تیغ پکڑ کر جو جھکیں گے

لے آئیے اُن کو وہ ہیں شوق سے پانی
خلق اُن کا ہے اور خنجرِ بُرّاں کی روانی
پیاسا پسرِ فاطمہؑ کو ذبح کریں گے
شبیرؑ کے بعد اس کو بھی کر دیویں گے سیرآب
پر آپ کی زوجہ کا بھلا دیں گے نہ آداب
حضرت کا پسر گھوڑے پہ اسوار چلے گا

معلوم ہوا یہ کہ کلیجے پہ لگا تیر
فرمایا زباں بند کر او ظالمِ بے پیر
سر تن سے جدا ہو پہ نہ بھائی سے جُدا ہوں
ہے شرط کہ شمشیر کے شعلے سے جلا دوں
اک حملے میں کیوں شام کے لشکر کو بھگا دوں؟
ظالم مرے منہ پر یہ سخن بے ادبی کے

لوں باگ جو گھوڑے کی تو کر دوں ابھی پامال
آقا سے جدائی ہیں مرِ دن بھی ہے اشکال
بھائی پہ مری روح بھی قربان رہے گی
بے سر ہوں وہ اور ہنوں میں سرداری خلعت کا
تب مجھ کو ملے شہرِ مدینہ کی حکومت
پھر خاک ہے دُنیا میں جو شبیرؑ نہیں ہے

یاں حلۂ فردوس ہے اور دامنِ شبیرؑ
منصب ہے غلامیِ شہ اور خلد ہے جاگیر
واں دولتِ دُنیا ہے تو یاں دولتِ دیں ہے
غم یہ ہے کہ پیاسا ہے ید اللہ کا جانی
پی لیویں گے ہم بازوؤں کے زور سے پانی
جل تھل ہزاروں کے نہ روکے سے رکیں گے

شہزادۂ عالم تو پیادہ چلے دن بھر
بیٹا مرا اسوار چلے گھوڑے کے اوپر
زہرا کی بہو بیٹیاں لوٹے میں کھلے سر
زوجہ مری پردے میں ہو اوڑھے ہوئے چادر
آقا کا نہ دوں ساتھ میں ایسا تو نہیں ہوں
زینبؑ کی وہ لونڈی میں غلامِ شہِ دیں ہوں

فرزندِ گرامی مرا اکبرؑ پہ تصدق
چھوٹا مرا بیٹا علی اصغرؑ پہ تصدق
زوجہ مری شبیرؑ کی خواہر پہ تصدق
سارا مرا گھر فاطمہؑ کے گھر پہ تصدق
تو جانِ گرامی سرِ شبیرؑ کے صدقے
عباسِ علیؑ دخترِ شبیرؑ کے صدقے

واں شمر و علمدار میں ہوتی تھی یہ تقریر
یاں خیمے کی ڈیوڑھی پہ کھڑے تھے شہِ دلگیر
خیمے کے قریب آن کے اک ظالمِ بے پیر
چلایا کہ لو ٹوٹ گئے بازوئے شبیرؑ
اس فوج میں فرزندِ امیرِ نجف آیا
عباسؑ علمدار ہماری طرف آیا

اکبرؑ سے یہ بولا پسرِ مخبرِ صادق
کاذب ہیں جفاکار ہیں مفسد ہیں فاسق
یہ بات نہیں رتبۂ عباسؑ کے لائق
وہ ہے مرا شیدا مرا یاور مرا عاشق
بھائی سے کنارا کبھی بھائی نہ کرے گا
عباسِ علیؑ مجھ سے برائی نہ کرے گا

ناموسِ نبیؐ میں بھی یہ چرچا ہوا اک بار
زینبؑ نے کہا یہ تو نہ مانوں گی میں زنہار
کہنے لگی تب زوجۂ عباسِ علمدار
کیا ماجرا ہے بی بیو مجھ سے کرو اظہار
ہے دیر سے اک شور بپا لشکرِ کیں میں
وارث مرا کیا قید ہوا لشکرِ کیں میں

بولی یہ سکینہ کہ چچی تم سے کہوں کیا
روتے ہیں کمر پکڑے ہوئے ہاتھوں سے بابا
اور کہتے ہیں آپس میں خوشی ہو کے یہ اعدا
عباسؑ ملا ہم سے شہِ دیں ہوئے تنہا
اس صدمے سے ننھا سا کلیجہ مرا شق ہے
میں پیاس بھی بھولی ہوں یہ عمو کا قلق ہے

چپکے سے سکینہؑ نے کہا جب یہ بصد یاس
غرقِ عرقِ شرم ہوئی زوجۂ عباسؑ
گھبرائی ہوئی خیمے کی ڈیوڑھی کے گئی پاس
اور سوچ کے کہتی تھی کہ بیجا ہے یہ وسواس
تو تو شہِ والا کی انیس ہے تو فقط ہے
عباسؑ پھریں شہ سے نہ مانوں گی غلط ہے

میں روتی تھی شب کو تو یہ سمجھاتے تھے ہر بار
تم لونڈی ہو اور میں ہوں غلامِ شہِ ابرار
سردار یہ کل ہوگا تصدق یہ علمدار
کچھ اپنے رنڈاپے کا نہ غم کیجیو زنہار
فدیہ ہوں میں اس کا جو محمدؐ کا خلف ہے
میری بھی سعادت ہے تمہارا بھی شرف ہے

بھائی کو وہ پیارے ہیں انھیں بھائی ہے پیارا
یہ ننگ علمدار کو ہوگا نہ گوارا
لیکن فلک اس طرح سے گرتے نہیں دیکھا
اس سوچ میں پھرتی تھی سراسیمہ و مضطر
رخ زرد تھا دل کانپتا تھا سینہ کے اندر
یارب نہ سنوں میں کہ جدا ہو گئے عباسؑ
بھیجوں کسے رن میں جو مفصل خبر آئے
شمر ستم آرا کی نہ امید بر آئے
کھل جائے کہ عاشق تھا شہ ہر دو سرا کا
آخر کہا بیٹے سے کہ واری ادھر آؤ
تم شیر کے فرزند ہو میدان میں جاؤ
تھے پانی کو دریا کے کنارے گئے عباسؑ
غیرت سے موئی جاتی ہوں میں بیکس و ناچار
صدقے گئی کہیو مری جانب سے بہ تکرار
وہ تفرقہ انداز ہے مردودِ خدا ہے
کچھ پانی کے لانے کی کرو نہر سے تدبیر
گہوارے میں دم توڑتا ہے اصغرؑ بے شیر
تم صاحبِ شمشیر ہو فرزندِ علیؑ ہو
یہ سنتے ہی نوبادۂ عباسؑ دلاور
ماں کہتی چلی پیچھے کہ جلد آئیو دلبر
عباسؑ کی ہے خیر عبث روتی ہو بی بی
تھا در پہ ہجوم حرم احمدؐ مختار
کہتا تھا وہ معصوم لئے ہاتھ میں تلوار
بابا تو مرے ہوئیں گے سرورؑ پہ تصدق

عاشق کبھی معشوق سے کرتے ہیں کنارا
قسمت ہی الٹ جائے تو اس کا نہیں چارا
بھائی کو کبھی بھائی سے پھرتے نہیں دیکھا
اس کا بھی نہ تھا ہوش کہ کب گر گئی چادر
دھڑکا تھا کہ اب کیا کہیں گے آن کے شوہر
یہ غل ہو کہ بھائی پہ فدا ہو گئے عباسؑ
کیا وجہ جو گھر میں نہ شہ بحر و بر آئے
آپ آئیں و یا مشک و علم خوں میں تر آئے
شہرا ہو جہاں میں مرے والی کی وفا کا
باندھو کمر اور جنگ کے ہتھیار لگاؤ
بیتاب ہوں اے لال خبر باپ کی لاؤ
دیکھ آؤ تو لڑتے ہیں کہ مارے گئے عباسؑ
کہتے ہیں عدو پھر گیا بھائی سے علمدار
کیا قہر ہے تم شمر سے کیوں کرتے ہو گفتار
شبیرؑ کے دشمن سے علاقہ ہمیں کیا ہے
حالت ہے سکینہؑ کی بہت پیاس سے تغیر
کیا مشورہ ہے جنگ میں کیوں کرتے ہو تاخیر
وہ کام کرو فاطمہؑ کی جس میں خوشی ہو
خیمے سے چلا ہنسلیاں پہنے ہوئے باہر
گھبرا کے یہ کہتی چلی شبیرؑ کی خواہر
بچے کو بھلا ہاتھ سے کیوں کھوتی ہو بی بی
نوڑائے تھی سر زوجۂ عباسؑ علمدار
کیوں روکا ہے جانے دو سوئے لشکر کفار
ہو جاؤں گا میں بھی علی اصغرؑ پہ تصدق

رکھتے ہیں مرے باپ پہ تہمت یہ ستمگر
دکھلاؤں گا ان کو میں وفاداری کا جوہر
ہم اہلِ مروت ہیں وفا ختم ہے ہم پر
آنکھوں میں بھرے اشک وہ کرتا تھا یہ تقریر
منہ چوم کے فرماتی تھی یہ بانوئے دلگیر
گھر میں چلو کیوں غصے سے تھراتے ہو پیارے
تہمت کوئی کرسکتا ہے بابا پہ تمہارے
پھر جائے گا وہ بھائی پہ جو جان کو وارے
عباسؑ کا رتبہ شہِ دلگیر سے پوچھو
کیا ہوتا ہے کہنے دو اگر کہتے ہیں گمراہ
یاں ذکر یہ تھا اور ادھر رو رہے تھے شاہ
و غیظ میں فرزندِ امیرِ عرب آیا
یہ غل جو سنا زوجۂ عباسؑ نے اک بار
پردے سے لگی دیکھنے رن کو وہ دل افگار
سب نے کہا لو دیکھو دغا ہے کہ وفا ہے
میداں میں چمکتی ہے یہ کس شیر کی شمشیر
اس وقت نہیں کرتے خوشی ظالم بے پیر
چھوڑی ہے علمداری تو وہ اوج کہاں ہے
یہ کہتی تھی اور اشک تھے رخسار پہ جاری
پھر سبطِ پیمبر کو یہ ڈیوڑھی سے پکاری
عباسؑ کے ہاتھوں کی صفائی کو تو دیکھو
تھا مجھ کو تردد کہ ہوئی جنگ میں کیوں دیر
دشمن سے ملی آنکھ تو رکتے نہیں پھر شیر
اب مٹ گئے دھبے کہ وفا کرتے ہیں عباسؑ

اس جھوٹ کی دیتا ہوں سزا میں انھیں جاکر
پوتے ہیں علیؑ کے ہمیں مرنے کا نہیں ڈر
سر کاٹ کے رکھ دیتے ہیں آقا کے قدم پر
لیتی تھی بلائیں شہِ مظلومؑ کی ہمشیر
صدقے تری جرأت کے میں اے صاحبِ شمشیر
رکتے نہیں جب غیظ میں تم آتے ہو پیارے
یہ مکر و فریب اہلِ شقاوت کے ہیں سارے
بس غصے کو جانے دو کدھر دھیان ہے پیارے
قدر ان کی وفاداری کی شبیرؑ سے پوچھو
تم بچے ہو واری ابھی میداں کی نہ لو راہ
ناگاہ ہوا شور میانِ صفِ جنگاہ
تلوار علمدار نے کھینچی غضب آیا
سرخی سی ہوئی چاند سے چہرے پہ نمودار
دیکھا کہ علمدار سے چل رہی تلوار
بھائی کو علمدار نے چھوڑا تو یہ کیا ہے
کس کا ہے یہ نعرہ کہ نثارِ سرِ شبیرؑ
بخشا کیے منصب کیے دی خلعت و جاگیر
سردار گیا فوج کا پھر فوج کہاں ہے
ساتھ اس کے حرم کرتے تھے سب گریہ و زاری
کس شان سے لڑتا ہے غلام آپ کا واری
لاکھوں سے اکیلے کی لڑائی کو تو دیکھو
حضرت نے کیا منع کہ اعدا نے لیا گھیر
کیا وجہ جو عباسؑ نے کھینچی نہیں شمشیر
جو حق ہے غلامی کا ادا کرتے ہیں عباسؑ

کیا آپ کی اُلفت ہے اس اُلفت کے میں قرباں
لڑنے میں بھی جاری ہے زباں سے یہی ہر آں
لاکھوں میں وہ تنہا ہیں یہ نوڈی ہے قلق میں
شہ بولے دعا کرتا ہے سینے میں مرا دل
صادق ہے محبت میں وفاداری میں کامل
بھائی کا مرے ذکرِ وفا کرتی ہیں زہراؑ
محبوب خدا ہیں ترے شوہر کے ثنا خواں
فرماتے ہیں رو رو کر میں عباسؑ کے قرباں
عباسؑ سے سب ساکنِ افلاک خوش ہیں
کس سے کہوں اس غم سے جو صدمے دل پہ
وہ لڑتا ہے چلتے ہیں جگر پر مرے خنجر
دو روز کی اس بھوک کے اس پیاس کے صدقے
اُس نے کہا یہ منہ سے نہ فرمائیے شاہا
کچھ اپنے رنڈاپے کا مجھے غم نہیں مولا
دُنیا میں رہیں آپ سلامت یہ دُعا ہے
یاں ذکر یہ تھا اور اُدھر فوج سے لڑتا
چو گرد سے سب فوج ستمگر ہوئی اک جا
تلواریں چمکتی تھیں علم سُرخ کھلے تھے
جس وقت کہ شبدیز کو غازی نے اڑایا
جس جس پہ پڑا تیغِ علمدارؑ کا سایا
وہ فرق پہ چمکی کہ اجل سر پہ کھڑی تھی
اعدا کے تو رُخ مڑ گئے اور تیغوں کی دھاریں
کٹتے تھے ستمگر کسے روکیں کسے ماریں
ہنگام وغا شیر کو ٹوکا ہے کسی نے

بیٹے کا خیال ان کو نہ اس غم سے مرا دھیان
نقشِ قدمِ شہ پہ تصدق ہے مری جاں
صدقے گئی کچھ کیجے دعا بھائی کے حق میں
آساں کرے اللہ مرے بھائی کی مشکل
کس شوق سے طے کرتا ہے یہ عشق کی منزل
سر کھولے ہوئے اس کی دعا کرتی ہیں زہراؑ
ہیں اُس کی شجاعت کے معترف شہِ مرداں
اور جعفر و حمزہ بھی ہیں شرمندۂ احساں
راضی ہے خدا پنجتنؑ پاک خوشی ہیں
افسوس بچھڑتا ہے برادر سے برادر
بھائی کی محبت پہ فدا سبطِ پیمبرؐ
شبیرؑ وفاداریِ عباسؑ کے صدقے
عباسؑ غلام آپ کا آپ اُس کے ہیں آقا
بانوؑ کو سہاگن رکھے حق ہے یہ تمنا
عباسؑ سے تو ہوئی تصدق تو بجا ہے
پہونچا پسرِ شیرِ الٰہی لبِ دریا
سقائے سکینہؑ نے لئے گھاٹ کو روکا
دو لاکھ جواں ایک سے لڑنے کو تُلے تھے
بجلی سا تڑپ کر صفِ اعدا میں در آیا
آکر ملک الموت نے بے سر اسے پایا
دریا کا کسے ہوش تھا جانوں کی پڑی تھی
سب ٹوٹ گئیں برچھیوں والوں کی قطاریں
قابو میں چڑھے اپنے تو سر تن سے اُتاریں
گرتی ہوئی بجلی کو بھی روکا ہے کسی نے؟

تانے ہوئے نیزوں کو سوارانِ جفا کار
جوڑے ہوئے تیروں کو کمانوں میں کماندار
تلواریں اُٹھی ہاتھوں میں کھینچے ہوئے خونخوار
صف برچھیوں والوں کی بھی خونریزی کو تیار
غل تھا کہ علمدارِ حسینؑ آنے نہ پائے
سقائے حرم نہر تلک جانے نہ پائے

عباسؑ پکارے کہ ہم آتے ہیں خبردار
رہوار کی اب باگ اُٹھاتے ہیں خبردار
جنگِ اسداللہ دکھاتے ہیں خبردار
پانی کے لئے نہر پہ جاتے ہیں خبردار
ہاں دیکھیں ذرا تیغِ شرر دم کو تو روکو
دریا کو تو روکا ہے بھلا ہم کو تو روکو!

پانی تھی عجب ہاتھ نے غازی کے صفائی
بس صاف تھی وہ جو کہ تہِ تیغ صف آئی
اعدا کو نظر ضربتِ شاہِ نجف آئی
جوں سیل فنا پھر نہ رکی جس طرف آئی
شعلہ تھی شرارہ تھی قیامت تھی بلا تھی
شمشیر تھی یا برق تھی یا قہرِ خدا تھی

جوں موج گریزاں ہوئی فوجِ ستم آرا
اعدا نے کیا گھاٹ سے دریا کے کنارا
وہ ڈوب مرے جن کو نہ تھا جنگ کا یارا
سرداروں کو چُن چُن کے علمدار نے مارا
اک دم میں نہ پیدل نہ سواروں کا پرا تھا
خالی تھیں صفیں دشتِ ستم خوں سے بھرا تھا

سقائے سکینہؑ کو جو دریا نظر آیا
جوں شیر ترائی سے وہ پانی میں در آیا
سمجھی یہ ہر اک ماہیِ دریا قمر آیا
یا شمسِ فلک بامِ فلک سے اتر آیا
ہوتی تھی چکا چوند یہ لہروں میں جھلک تھی
دریا کے حبابوں میں ستاروں کی چمک تھی

اللہ رے عکسِ رُخِ عباسؑ کا سایا
دریا میں ملا آن کے اک حُسن کا دریا
حیرانی سے پانی ہوا آئینے کا تختا
قطرہ ہر اک اس بحر کا تھا گوہرِ یکتا
پر تشنگیِ شاہ سے مغموم تھے عباس
بھیگے نہر میں اور پانی سے محروم تھے عباس

چھوڑ آئے تھے بن پانی سکینہؑ کو جو بیتاب
خود پیاسے رہے اور کیا مشک کو سیراب
دریا سے چلا جس گھڑی وہ گوہرِ نایاب
گرد آ گئی پھر فوجِ ستم صورتِ گرداب
نہ تیر نہ شمشیر کے پھل نے اُسے روکا
اعدا سے نہ رکتا پہ اجل نے اُسے روکا

کیا کیا نہ لڑے مشک کو کیا کیا نہ بچایا
گہ چھاتی تلے زیرِ سپر گاہ چھپایا
جھک کر کبھی دامانِ زرہ دامن پہ اُٹھایا
وہ تیر لگا سینے پہ جو مشک پہ آیا
پانی کے لئے خون میں تر ہو گئے عباس
تلوار جب آئی تو سپر ہو گئے عباس

حفظِ علمِ شاہ بھی مشکیزے کا بھی دھیاں
یہ ایک اِدھر لاکھ اُدھر دشمنِ ایماں
مجروح تھا سر تیروں سے چھاتی بھی چھنی تھی
مشکیزے کو لے نکلا تھا اژدہر کے وہ منھ
تلواروں کے وار اس پہ کئے پا کے جو قابو
ہمت کے سبب سنبھلے رہے خانۂ زیں پر
پانی جو بہا مشک سے آنسو ہوئے جاری
رن میں دُہلِ فتح بجانے لگے ناری
بھائی کا جو صدمہ دلِ مضطر نے اُٹھایا
چلائی یہ زینبؑ کہ غضب ہو گیا لوگو
عباسؑ کی زوجہ نے کہا پیٹ کے سر کو
اب بیچ ہے کہ حضرت سے جدا ہو گیا بھائی
دریا کی طرف پیٹتے روتے چلے سرورؑ
جاتے تھے کہ باپ کی تھامے ہوئے اکبرؑ
ہر گام پہ گر پڑتے تھے یہ زور گھٹا تھا
ناگاہ علمدار کا لاشہ نظر آیا
آلودۂ خوں چہرۂ زیبا نظر آیا
عاشق مرے تو ہو گیا شبیرؑ کے صدقے
یہ کہہ کے گرے لاش پہ اور روئے لپٹ کر
عباسؑ نے کھولے نہ مگر دیدۂ انور
کیا شرم ہے کیوں آنکھیں نہیں کھولتے بھائی
آہستہ سے کہنے لگا وہ شہ کا فدائی
اور دوسرے اس شرم سے ہے آنکھ چرائی
شہ بولے تو کھولو میں ان آنکھوں پہ فدا ہوں

دونوں کو بچانا بھی لڑائی کا بھی ساماں
تشنہ بھی گرسنہ بھی کئی دن کے وہ ذیشاں
اس پر بھی وہی زور وہی صف شکنی تھی
پر گھات میں لپٹے چلے آتے تھے جفاجو
ہیہات کہ شانوں سے قلم ہو گئے بازو
جب مشک چھدی گر پڑے عباسؑ زمیں پر
چلا کے کہا ہائے سکینہؑ کی باری
سُن کر کہا حضرت نے کمر ٹوٹی ہماری
غش کھا کے گرے تھے مگر اکبرؑ نے اُٹھایا
بھائی کے الم میں نہ جئیں گے شہِ خوش خو
بیوہ ہوئی پرسا مرے وارث کا مجھے دو
لو صاحبو بھائی پہ فدا ہو گیا بھائی
تھا وردِ زباں ہائے اخی ہائے برادر!
ریتی میں عجب حال سے پہونچے شہِ صفدر
عمامہ نہ تھا سر پہ۔ گریبان پھٹا تھا
اک بھائی کو اک بھائی تڑپتا نظر آیا
چلائے کہ ہے ہے مجھے یہ کیا نظر آیا
شبیرؑ تری خوں بھری تصویر کے صدقے
چومے کبھی شانے کبھی منھ رکھ دیا منھ پہ
سر زانو پہ تب لے کے یہ کہنے لگے سرورؑ
ہم روتے ہیں تم منھ سے نہیں بولتے بھائی
ہمراہ سکینہؑ تو نہیں آپ کے آئی
کچھ شہ کی باتوں سے کھلے نہ ہونٹ بھائی
لے ساتھ سکینہؑ ہے نہیں تم سے خفا ہوں

یہ سنتے ہی عباسؑ نے آنکھوں کو کیا وا
پھر شہ سے کہا سوئے علم کر کے اشارا
رخصت ہے ہماری کہ کوئی دم میں مریں گے
اکبرؑ کے حوالے اسے کیجیے تو ہے بہتر
عباسؑ سے کہنے لگے شبیرؑ یہ رو کر
سر کٹ کے سرِ نیزہ علم ہوئیں گے بھائی

رونے لگے یہ کہہ کے شہِ یثرب و بطحا
کیا دیکھتے ہیں پھیر کے منھ کو شہِ والا
لب خشک ہیں رخ گردِ یتیمی سے اٹا ہے
اس بچے کو گھبرا کے یہ شبیرؑ پکارے
عباسؑ نے کی عرض کہ میں صدقے تمہارے
روتا تھا یہ جب گود میں مادر کی دیا تھا

سر پیٹتا ہاتھوں سے وہ معصوم جو پہنچا
ہر چند چھڑاتے تھے اسے سیدِ والا
کہتا تھا پسر صدقے یہ کیا حال ہے بابا
ہاتھوں میں اٹھا لیتا ہوں میں نوں کٹے ہاتھ
رستی ہے ذرا اٹھیے تو اے قبلۂ حاجات
پانی نہ ملا گھر میں نہ میں جاؤں گا بیٹا

تم رو رو کے ہم کو نہ کڑھاؤ مرے دلبر
سمجھائیو سر پیٹ کے روئیں گی جو مادر
جو گزری ہے مجھ پر وہ سنا دیجیو بیٹا
یہ کہہ کے عجب درد سے عباسؑ نے کی آہ
بیٹا تو لگا پیٹنے اور رونے لگے شاہؑ
مصروفِ بکا روحِ شہِ عقدہ کشا تھی

سوئے پسرِ فاطمہؑ کس پیار سے دیکھا
اس اپنی امانت کو اٹھا لیجیے آقا
اب حشر کے دن پھر اسے کاندھے پہ دھریں گے
لائق ہے علمداری کے ہمشکلِ پیمبرؐ
اب مجھ کو علم چاہیے دنیا میں نہ لشکر
دنیا میں علم ہوگا نہ ہم ہوئیں گے بھائی

جو آئی یہ آواز کہ ہے ہے مرے بابا
سر ننگے چلا آتا ہے عباسؑ کا بیٹا
ڈرتا ہے۔ کرتے کا گریبان پھٹا ہے
کیوں چھوڑ کے مادر کو چلے آئے ہو پیارے
پھر دیکھ لیں آنے دو اسے پاس ہمارے
چلتے ہوئے میں نے اسے کم پیار کیا تھا

عباسِ علی کے تنِ مجروح سے لپٹا
لیکن نہ جدا ہوتا تھا بابا سے وہ بچا
گھر میں چلو اماں کا برا حال ہے بابا
اور آپ کو تھامے چلیں گے شاہِ خوش اوقات
عباسؑ نے تب بیٹے سے رو کر یہ کہی بات
منھ اپنا سکینہؑ کو نہ دکھلاؤں گا بیٹا

گو میں نہیں شبیرؑ سا آقا تو ہے سر پہ
اور حال مرا پوچھے جو شبیرؑ کی دختر
تیروں سے چھدی مشک دکھا دیجیو بیٹا
جان ہو گئی تن سے سفری آہ کے ہمراہ
ہمشکلِ پیمبرؐ نے کیا نالۂ جاں کاہ
لاشے کے قریب گریۂ زہراؑ کی صدا تھی

خاموش انیسؔ اب کہ نہیں طاقتِ گفتار
آقا تو مرا آپ سا ہو کس کا مددگار
کر عرض کہ یا حضرت عباس علمدار
اور ہوئے غلام ایسی مصیبت میں گرفتار
خادم کا جو مطلب ہے وہ اب جلد روا ہو
تم عقدہ کشا ہو پسرِ عقدہ کشا ہو

سلام

ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے
اُڑ گیا جب رنگ رُخ سے استخواں پیدا ہوئے

علم خالق کا خزانہ ہے میان کاف و نون
ایک کُن کہنے سے یہ کون و مکاں پیدا ہوئے

ہاتھ خالی آئی لاشوں پر شہیدوں کے نسیم
پھول بھی اس فصل میں ایسے گراں پیدا ہوئے

نوبت جمشید و دارا و سکندر اب کہاں
خاک تک چھانی نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے

ضبط دیکھو سب کی سُن لی پر نہ اپنی کچھ کہی
اس زباں دانی پہ گویا بے زباں پیدا ہوئے

جان دی حُر نے تو حضرت نے دیا باغِ ارم
میہماں ایسے "نہ ایسے میزباں پیدا ہوئے

بود و نابود علی اصغر کا کیا کیجئے بیاں
بے زباں دُنیا سے اُٹھے۔ بے زباں پیدا ہوئے

دیکھ کر لاشوں کو حضرت کہتے تھے "واغربتا!
موت لے آئی کہاں ان کو" کہاں پیدا ہوئے

احتیاط جسم کیا انجام کو سوچو انیسؔ
خاک ہونے کو یہ مشتِ استخواں پیدا ہوئے

مرثیہ ۱۴

بند ۱۲۱

کیا بحر ہے وہ بحر کنارا نہیں جس کا
کیا رنج ہے وہ رنج کہ یارا نہیں جس کا
کیا دکھ ہے قلق دل کو گوارا نہیں جس کا
کس تیغ کا ہے زخم کہ چارا نہیں جس کا
صابر بھی تڑپتے ہیں وہ کیا رنج والم ہے
اک داغ ہے اولاد کا اک بھائی کا غم ہے

دشمن سے بھی دنیا میں برادر نہ جدا ہو
لشکر کی جو زینت ہو وہ صفدر نہ جدا ہو
جاں تن سے نکل جائے پہ دلبر نہ جدا ہو
وابستہ ہو دم جس سے وہ دم بھر نہ جدا ہو
دولت ہے بڑی بیٹے کا اور بھائی کا جینا
انساں کے لئے موت ہے تنہائی کا جینا

بیکار ہے وہ ہاتھ کہ بازو نہیں جس کا
کیا صبر کرے قلب پہ قابو نہیں جس کا
کون اس کا ہے پھر زینتِ پہلو نہیں جس کا
ہستی کا چمن خار ہے گل رو نہیں جس کا
جب صرصرِ خزاں گلشنِ اولاد کو دیکھے
برچھی اسے لگتی ہے جو شمشاد کو دیکھے

ہر غم سے زمانے میں فزوں تر ہیں یہ دو غم
سو داغ کے سو غم کے برابر ہیں یہ دو غم
کٹتا ہے جگر جس سے وہ خنجر ہیں یہ دو غم
موت اس کی ہے جس شخص کے دل پر ہیں یہ دو غم
سب دکھ ہوں پہ خالق یہ جدائی نہ دکھائے
داغ اپنا کسی بھائی کو بھائی نہ دکھائے

ہوتا ہے بہت نیک پسر باپ کو پیارا
پیری کا عصا گھر کا چراغ آنکھ کا تارا
کر دیتا ہے یہ داغ کلیجے کو دوپارا
بھائی ہے مگر زیست کا بھائی کی سہارا
مر جائے پسر تو ہے پھر امید پسر کی
بھائی نہ جدا ہو کہ نشانی ہے پدر کی

جس شخص پہ یہ رنج والم ہو وہی جانے
دل جس کا تہِ تیغِ دو دم ہو : : جانے
تیغوں سے چمن جس کا قلم ہو وہی جانے
جس دردرسیدہ کو یہ غم ہو وہی جانے
مظلوم سے باعثِ نفسِ سرد کا پوچھو
گر پوچھو تو بس سے مزا درد کا پوچھو

حضرت نے یہ دو داغ سہے دل پہ برابر
اک فرقتِ عباسؑ اور اک رحلتِ اکبرؑ
بھائی بھی وہ بھائی کہ جو تھا ثانیِ حیدرؑ
فرزند وہ فرزند کہ تصویرِ پیمبرؐ
آنکھوں سے نہاں چاہنے والے ہوئے دونوں
مقتول جواں گود کے پالے ہوئے دونوں

بھائی کو وہ اب نہر پہ روئیں کہ پسر کو
توڑا ہے علمدار کے ماتم نے کمر کو
فوجِ غم و اندوہ میں شبیرؑ گھرے ہیں
دو آفتیں بالائے سر آئی ہیں غضب ہے
دو برچھیاں اک دل پہ در آئی ہیں غضب ہے
جینا غمِ جاں کاہ میں مشکل ہے بشر کا
ہیں خاک نشیں زیرِ علم حضرتِ شبیرؑ
وارث کو سنبھالے ہوئے ہے بانوئے دلگیر
فرماتے ہیں صدمے ہیں بڑے بھائی کے غم کے
تقدیر نے بھائی کو مرے ہاتھ سے کھویا
وہ شیر ترائی میں مجھے چھوڑ کے سویا
ہے داغ بڑے بھائی کے مرجانے کا مجھ کو
عاشق مرے بچپن کا سدھارا میں نہ روؤں
آنکھوں سے نہاں ہوگیا تارا میں نہ روؤں
پھٹ جائے جگر جس کا وہ بے پر نہیں روتا
مرتا میں تو کیا مجھ کو نہ روتا مرا بھائی
ماتم میں مرے جان کو کھوتا مرا بھائی
خوں اس کا بہا چشم کو پر نم نہ کروں میں
منھ رونے کو ڈھانپو صفِ ماتم کو بچھاؤ
بھابی سے کہو زیرِ علم رونے کو آؤ
اب منھ سے نکلتا ہے کلیجہ مرا پھٹ کر
غش ہوگئے کہہ کر یہ سخن حضرتِ شبیرؑ
قربان گئی دیکھ کے حال آپ کا تغیر
تصویر سی پاس آپ کے حیرت میں کھڑی ہے

ٹوٹے ہوئے بازو کو سنبھالیں کہ جگر کو
چھوڑا ہے جواں بیٹے نے پیری میں پدر کو
اک جان پہ دو کوہِ الم ساتھ گرے ہیں
دو تیغیں جگر تک اتر آئی ہیں غضب ہے
دو پیاروں کی لاشیں نظر آئی ہیں غضب ہے
پتھر کا کلیجہ تو نہیں دل ہے بشر کا
اور سامنے ہے خوں میں بھری بیٹے کی تصویر
جب پیٹتے ہیں ہاتھ پکڑ لیتی ہے ہمشیر
للہ تڑپنے دو ہمیں گردِ علم کے
رونے دو کہ جی بھر کے ابھی میں نہیں رویا
سر پر سے مرے آج علیؑ اٹھ گئے گویا
کیوں روکتی ہو چین نہیں آنے کا مجھ کو
اعدا نے مرے شیر کو مارا میں نہ روؤں
لٹا گیا لشکر مرا سارا میں نہ روؤں
کیا بھائی کے ماتم میں برادر نہیں روتا
جیتا جو مرے مرنے میں ہوتا مرا بھائی
پہلو میں مری لاش کے سوتا مرا بھائی
ہے ہے یہ غم ایسا ہے کہ ماتم نہ کروں میں
پرسا مجھے دو بین کرو خاک اڑاؤ
مجھ تک کوئی عباسؑ کے فرزند کو لاؤ
روئے گا حسینؑ اپنے بھتیجے سے لپٹ کر
ہوش آیا تو چپکے سے یہ کہنے لگی ہمشیر
فرزند کو رو سکتی نہیں بانوئے دلگیر
تنہا علی اکبرؑ کی مرے لاش پڑی ہے

دل ماں کا ہے کس طرح کلیجے کو سنبھالے
پر اب تو اسے آپ کے جینے کے ہیں لالے
سمجھی ہے بے جا نہیں واللہ بجا ہے
عباسؑ کو روتے ہیں جو آپ اے شہِ ابرار
فرزند کے لاشے کو بھی دیکھا نہیں زنہار
کہتی ہے غش آتے ہیں شہِ جن و بشر کو

بانو کی طرف دیکھ کے کہنے لگے سرور
کلثومؑ کے ہمراہ اُٹھیں زینبؑ مضطر
حضرت نے کہا اب مرے دلبند کو رو لو!
آغوش میں لو لاش جواں بیٹے کی بانو
ہو جائے گی اب شکل نہاں بیٹے کی بانو
کس پیاس میں تنہا یہ ہزاروں سے لڑے ہیں

دل کھول کے رو لو کہ یہ اولاد کا غم ہے
مظلوم کا ماتم ہے یہ بے کس کا الم ہے
کیوں کر انھیں یہ تشنہ دہاں باپ نہ روئے
مجبور ہے ان سے پدر بے کس و بے پر
لے جائیں کہاں لاشۂ ہمشکل پیمبرؐ
تابوت بھی اُٹھوا نہیں سکتا پدر اُن کا

یہ کہتے ہی حضرت پہ جو رقت ہوئی طاری
فرزند کا مُنھ کھول کے بانو یہ پکاری
رونے بھی نہ دیتے تھے سو جی کھوتے ہیں شبیرؑ
بس سو چکے اُٹھو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
کیا ہو گیا تم کو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
غفلت تمھیں ایسی ہے کہ کروٹ نہیں لیتے

مر جائے وہ اٹھارہ برس تک جسے پالے
کہتی ہے خدا کو کہو زہراؑ کی بچالے
وارث کا غم اولاد کے ماتم سے سوا ہے
بے تاب ہے بسمل کی طرح وہ جگر افگار
ہے لب پہ یہی ہائے علمدار علمدار
تھامو انھیں لوگو میں نہ روؤں گی پسر کو

لے آئے کوئی زیرِ علم لاشۂ اکبرؑ
نزدیک علم لا کے رکھی لاش زمیں پر
عباسؑ کو بس رو چکیں فرزند کو روؤ
پھر پاؤ گی تصویر کہاں بیٹے کی بانو
بس آخری رخصت ہے یہ ماں بیٹے کی بانو
کس شان سے چھاتی پہ سناں کھائے پڑے ہیں

بانو تمھیں روحِ علی اکبرؑ کی قسم ہے
ہم بھی انھیں رو لیں کہ وقفہ کوئی دم ہے
دادی سے کہیں گے ہمیں ماں باپ نہ روئے
دو روز کے پیاسے مرے گھر سے گئے اکبرؑ
سامان کفن کا ہے نہ ہے قبر میسر
کس عالمِ غربت میں ہوا ہے سفر اُن کا

مُنھ رکھ دیا چھاتی پہ پسر کے کئی باری
اُٹھتے نہیں تم باپ کے سمجھانے کو واری
صدقے گئی تم سوتے ہو اور روتے ہیں شبیرؑ
آواز مجھے دو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
ہے ہے مرے کم گو علی اکبرؑ علی اکبرؑ
نیند آج یہ کیسی ہے کہ کروٹ نہیں لیتے

بیٹا علی اکبرؑ مجھے ماں کہہ کے پکارو
ہتھیار سجو باپ کے ہمراہ سدھارو
واری میں پریشاں ہوں گیسو تو سنوارو
مر جائے گی ماں ہاتھ تو سینے سے اُتارو
دن ڈھل گیا اب کون یہ سونے کا محل ہے
یہ نیند جوانی کی ہے یا خوابِ اجل ہے

صدقے گئی تمھیں نہیں شاید مرا رونا
بازو میں ہلاتی ہوں خفا مجھ سے نہ ہونا
اُٹھو تو بچھا دوے یہ ماں نرم بچھونا
اب چونکو میں صدقے گئی پھر چین سے سونا
ہے فرش کی جا خاک تنِ زار کے نیچے
تکیہ تو دھرو چاند سے رخسار کے نیچے

ایسی تو نہ غافل تھی کبھی نیند تمہاری
گر ہوتا تھا کوئی تو چونک اُٹھتے تھے واری
اب سوتے ہو اور گرد ہے یہ گریہ و زاری
کیوں کر تمھیں چونکائے یہ ماں درد کی ماری
پردیس میں برباد مجھے کر گئے بیٹا
معلوم یہ ہوتا ہے کہ تم مر گئے بیٹا

اب گھر میں مرے کس کی دُلھن آئے گی اکبرؑ
ماں بیاہ کا جوڑا کسے پہنائے گی اکبرؑ
تصویر یہ اب آنکھوں سے چھپ جائے گی اکبرؑ
زہراؑ کی بہو تم کو کہاں پائے گی اکبرؑ
معلوم نہ تھا یہ کہ جواں ہو کے مرو گے
چھوڑا ہمیں اب قبر کو آباد کرو گے

کیا شکل یہ اے غنچہ دہاں ماں کو دکھائی
نکلی ہوئی ہونٹوں پہ زباں ماں کو دکھائی
تم نے نہ دُلھن اے مری جاں ماں کو دکھائی
ایامِ بہاری میں خزاں ماں کو دکھائی
دادی کی ملاقات کے شائق ہوئے بیٹا
موت آ گئی جب بیاہ کے لائق ہوئے بیٹا

اب سو گئے مٹی کے تلے اے علی اکبرؑ
اماں کی مرادوں کے چلے اے علی اکبرؑ
دُنیا میں نہ پھولے نہ پھلے اے علی اکبرؑ
سبزے کے نکلتے ہی چلے اے علی اکبرؑ
برچھی لگی یہ نخلِ تمنا میں پھل آیا
خط بھی نہ بھرا تھا کہ پیامِ اجل آیا

ہے ہے مرے ارمان بھرے پیاس کے مارے
ہے ہے مری پیری کے عصا آنکھ کے تارے
اس دارِ فنا سے مری جاں تم تو سدھارے
اب کون اُٹھائے گا جنازے کو ہمارے
ساتھ اپنے مرا زیست کا لیتے گئے واری
ہے ہے مجھے مٹی بھی نہ دیتے گئے واری

یاں حشر بپا تھا کہ پکارے کئی خوں خوار
ہیں دیر سے مقتل میں صفیں فوج کی تیار
بس رو چکے اب جنگ کو آئیں شہِ ابرار
ہو جائے نہ بے پردگیِ عترتِ اطہار
گر روکتی ہیں بی بیاں زہراؑ کے پسر کو
ہم آ کے وہیں کاٹیں گے شبیرؑ کے سر کو

اُٹھے یہ صدا سُن کے شہِ صابر و شاکر
زینبؑ سے کہا لاؤ بہن خلعتِ آخر
بانوؑ کو سُنایا کہ خدا حافظ و ناصر
بیٹی سے کہا ہوتا ہے رخصت یہ مسافر
اب دیر کا موقع نہیں حاکم کی طلب ہے
نامحرم اگر خیمے میں آئے تو غضب ہے

کفّار ہیں وہ بے ادبی ان سے نہیں دور
بے آلِ محمدؐ کی تباہی انھیں منظور
یاں آنے کا لے نام کسی کا تھا یہ مقدور
عباسؑ کے مرجانے سے ہم ہوگئے مجبور
سُنتا یہ سخن صاحبِ شمشیر ہمارا
جو چاہیں کہیں قتل ہوا شیر ہمارا

ہر بی بی کا رنگ اُڑ گیا سنتے ہی یہ تقریر
ثابت ہوا سب پر کہ چلے مرنے کو شبیرؑ
سر پیٹ کے ہاتھوں سے گری خاک پہ ہمشیر
اکبرؑ کا بھی غم بھول گئیں بانوئے دلگیر
گودی سے رکھا خاک پہ دلبند کا لاشہ
سر ننگے اُٹھیں چھوڑ کے فرزند کا لاشہ

گر کر قدمِ شہ پہ کہا اے شہِ عالی
سر پر مرے کیسی یہ بلا چرخ نے ڈالی
کی موت نے لونڈی کی بھری گود تو خالی
چھوڑو نہ مجھے اے مرے آقا مرے والی
وارث شہِ والا کے سوا کوئی نہیں ہے
میں غیر ہوں اس گھر میں مرا کوئی نہیں ہے

اک بار جو تکلیف اسیری کی اُٹھائی
تقدیر مری گھر میں علیؑ کے مجھے لائی
زہراؑ کی بہو جانتی ہے ساری خدائی
جس دن سے ہوا وصل نہ دیکھی تھی جدائی
ان قدموں سے چھوٹی تو کدھر جائے گی بانوؑ
اب کی جو ہوئی قید تو مرجائے گی بانوؑ

بچوں کا ہے ساتھ اے مرے سیّدِ بحر و بر
اک لال ہے بیمار تو اک رانڈ ہے دختر
فرقت میں سکینہؑ کو قرار آئے گا کیوں کر
اس چاند سی چھاتی پہ وہ سونے کی ہے خوگر
ناداں ہے مچل کر تو سنبھلنے کی نہیں یہ
صدقے گئی لونڈی سے تو پلنے کی نہیں یہ

حضرت نے کہا سب کا مددگار خدا ہے
حمد اور پرستش کا سزاوار خدا ہے
ہم لوگ تو مجبور ہیں مختار خدا ہے
چھن جائے ردا سر سے تو ستار خدا ہے
اولادِ علیؑ عقدہ کشائی کے لئے ہے
یہ قید تو اُمت کی رہائی کے لئے ہے

میں کون ہوں جس کے لیے یہ گریہ و زاری
مظلوم غریب الغربا بندۂ باری
یہ فیض اسی کا تھا مرے ہاتھ سے جاری
وارث وہی مالک وہی عزت کا تمہاری
عورت کا رنڈاپا بھی گزر جاتا ہے صاحب
شوہر کے لئے کیا کوئی مرجاتا ہے صاحب

دنیا میں اسیری کی بلا سخت ہے ہر چند
مرجاتے ہیں جو چھوڑ کے اپنے زن و فرزند
کر دیتا ہے آسان ہر اک رنج و محن کو
کیا عمر تھی فرزندوں کی جب اٹھ گئے بھائی
قاسمؑ کو کوئی روک سکا جب اجل آئی
شادی نہیں رہتی ہے سدا غم نہیں رہتا
سجادؑ ہو کبرا ہو سکینہؑ ہو کہ صغرا
ہوگا وہی جو جس کے مقدر میں ہے لکھا
جلدی ہیں وصیت کے سخن ہو نہیں سکتے
جیتا ہے ہمیشہ کوئی اس دارِ محن میں
ہے آج بہار اور خزاں کل ہے چمن میں
ہر شام کو دلہن ہیں چراغِ سحری ہیں
جاری ہے سدا حکمِ تغیر و بجال
گھر ہوتا ہے آباد کوئی اور کوئی خالی
آباد کوئی ہوتا ہے لٹ جاتا ہے کوئی
اس باغ میں بے زر ہے کوئی اور کوئی زردار
آزاد ہے گر سرو تو قمری ہے گرفتار
اشکوں سے رخِ گل کو سدا دھوتی ہے شبنم
شادی ہے کسی شخص کو غم کھاتا ہے کوئی
آتا ہے جہاں میں کوئی اور جاتا ہے کوئی
گر غور سے دیکھا تو بھروسا نہیں دم کا
گر تختۂ تابوت ہے گر مسندِ شاہی
بس خیر ہے جب تک کہ رہے فضلِ الٰہی
سلطان بھی کفن کے لئے محتاج ہوئے ہیں

لازم ہے رہو سلسلۂ صبر کی پابند
چلتے نہیں کیا خلق میں ان لوگوں کے دلبند
کچھ دور نہیں دیکھ لو اولادِ حسنؑ کو
پروان چڑھے پرورش اس لطف سے پائی
وہ آج لٹی چھوڑ گئے تھے جو کمائی
دنیا کا کبھی ایک سا عالم نہیں رہتا
بندے ہیں سب اس کے وہی مختار ہے سب کا
ہمشکلِ نبیؐ مر گئے تب ہم نے کیا کیا
فرزند جواں مر گیا ہم رو نہیں سکتے
یہ روح ہے مہماں کوئی دن خانۂ تن میں
ہم سے بہت ایسے ہیں کہ سوتے ہیں کفن میں
ہر صبح کو دلہن آتے ہیں اور دلہن سفری ہیں
موہوم ہے جاہ و حشم ملک و مال
ہو جاتی ہے عورت کوئی بے وارث و والی
پھنستا ہے کوئی قید میں چھٹ جاتا ہے کوئی
صحت سے کوئی صورتِ نرگس کوئی بیمار
گل ہیں جو چمن میں کسی جا گہ تو کہیں خار
غنچے تو ہنسے دیتے ہیں اور روتی ہے شبنم
خلعت کوئی پاتا ہے کفن پاتا ہے کوئی
کھلتا ہے کوئی پھول تو مرجھاتا ہے کوئی
دنیا بھی مرقع ہے عجب شادی و غم کا
اک آتا ہے دنیا میں تو اک جاتا ہے راہی
کچھ بن نہیں پڑتا ہے جو آتی ہے تباہی
لاکھوں گھر اسی طرح سے تاراج ہوئے ہیں

آرام کی جا گہ نہیں یہ غم کدۂ دہر
ویراں وہ نظر آتے ہیں آباد تھے جو شہر
زندہ ہے اگر آج بھروسا نہیں کل کا
ٹھہرائے نہ کس طرح مسافر کا تنِ زار
وہ جرم کی پرسش وہ نکیرین کی گفتار
غفلت ہے اسے موت کا دھڑکا نہیں جس کو
کام آئیں گے تربت میں نہ ازواج نہ اطفال
وہ کیا ہیں کہ جو ساتھ نہ چھوڑیں گے بہر حال
ہمدرد بجز بے کسی و یاس نہ ہوگا
سب جیتے ہی جی تک ہیں برادر ہوں کہ فرزند
کیا رشتہ پھر اُس سے جو ہوا خاک کا پیوند
کیا قبر میں ہوئے گا خبر آہ نہیں ہے
فرماکے یہ شبیرؑ کو رقت بہت آئی
اک غل جو ہوا لٹتی ہے زہراؑ کی کمائی
سمجھا کے ہر اک رانڈ کو آقا نکل آئے
دو گام چلے تھے کہ ہوئی تیروں کی بوچھار
فرزند کے لاشے سے یہ بولے شہِ ابرار
عادی ہیں لڑکپن سے ہم اس رنج و محن کے
یہ کہتے ہوئے لاش کو مقتل میں جو لائے
چلائے کہ ہے گرم زمیں اے مرے جائے
فرمایا کہ لایا ہوں چھڑا کر اسے ماں سے
برباد نہ کیجو یہ بضاعت ہے ہماری
اے ارضِ مقدس یہ امانت ہے ہماری
تربت کی جگہ چاہیئے بے جان کی خاطر

گھر سینکڑوں ڈوبے ہیں یہ دریا ہے وہ پُر قہر
شیرینیٔ دنیا ہے مسافر کے لئے زہر
چکھے گا ہر اک ذائقہ تلخیٔ اجل کا
نہ راحلہ نہ زاد نہ رہبر نہ مددگار
وہ قبر کی وحشت وہ غریبی وہ شبِ تار
درپیش ہے وہ راہ کہ دیکھا نہیں جس کو
نے ملک نہ جاگیر نہ منصب نہ زر و مال
اعمال ہیں اعمال ہیں اعمال ہیں اعمال
سوئیں گے لحد میں تو کوئی پاس نہ ہوگا
ہر شخص پہ کھل جائے گا جب آنکھ ہوئی بند
پر ہم سے تو پہلے ہی جُدا ہو گئے دلبند
زندہ ہیں ابھی اور کوئی ہمراہ نہیں ہے
گردان کے دامانِ قبا لاش اُٹھائی
غش ہو گئی مخدومۂ کونین کی جائی
لاشہ لئے باہر شہِ والا نکل آئے
میت پہ بھی پیکانِ ستم لگ گئے دو چار
ورنہ نہیں عمو کا ملا اے مرے دلدار
مارے تھے یونہی تیر جنازے پہ حسنؑ کے
میت کو رکھا خاک پہ اور اشک بہائے
بتلاؤ پدر کون سی جا تم کو سلائے
اے خاک خبردار رہے راحتِ جاں سے
راحت اسے دیجو کہ یہ راحت ہے ہماری
اٹھارہ (۱۸) برس کی یہی دولت ہے ہماری
خاطر سے مری کیجو مہمان کی خاطر

سب گھر ترا ہو جائے گا اس چاند سے روشن
بن جائے گا صحرائے بلا وادیِ ایمن
لُوں چلتی ہے اس صوب میں یاں غش ہے یہ تن
اے دشتِ پُر آشوب اُٹھا دے اسے دامن
شیریں سخن و گل بدن و غنچہ دہن ہے
لازم ہے ترحم کہ یہ محتاجِ کفن ہے

ہاتھ آئے گا ایسا نہ تجھے پھر گہرِ پاک
رشتے میں یہ اس کے ہے جو ہے سیدِ لولاک
رتبے کو ترے دیکھ کے جھک جائیں گے افلاک
اب آنکھوں پہ رکھیں گے ملائک تجھے اے خاک
اعجازِ مسیحا کے نظر آئیں گے تجھ سے
بیمار زمانے کے شفا پائیں گے تجھ سے

شبیر کے سینے کا مکیں تجھ کو ملا ہے
فرزندِ شہِ عرش نشیں تجھ کو ملا ہے
اے خاک عجب دُرِّ ثمیں تجھ کو ملا ہے
خاتم کا سلیماں کے نگیں تجھ کو ملا ہے
جیتا اے قسمت نے اندھیرا مرے گھر میں
رونق ترے گھر میں ہے اندھیرا مرے گھر میں

سُن سُن کے یہ پُر درد کلامِ شہِ ابرار
کہتے ہیں کہ مقتل کی زمیں ہل گئی اک بار
پیدا ہوئی آواز کہ اے خلق کے سردار
لال آپ کا یاں سوئے رہے طالعِ بیدار
یوں رکھوں گی آرام سے اس نورِ نظر کو
ماں چھاتی پہ جس طرح سلاتی ہے پسر کو

ہے فخر کی جا آپ کا لال اور مرا گھر
مولا کبھی بے چین نہ ہوں گے علی اکبرؑ
ہے ہے صدفِ قبر کہاں اور یہ گوہر
اب تک تو اُلٹ جاتی میں یا سبطِ پیمبرؐ
لیتی عوض اس قتل کا بیداد گروں سے
جبریلِ امیں نے مجھے روکا ہے پروں سے

گر جاتی تو دنیا میں کبھی آئے گا یہ دن
زنہار نہ پانی پہ کبھی ہوتی میں ساکن
حیدر ہوئے اگر مرے ہر امر کے ضامن
ہے ہے نہ اس آفت کی خبر تھی مجھے لیکن
زہرا کا پسر پانی سے محروم رہے گا
خوں مجھ پہ محمدؐ کے نواسے کا بہے گا

سب جانتے ہیں نوحؑ کی اُمت کی تباہی
طوفان ہوا اعدا جو اللہ سے چاہی
سب دیتے ہیں حضرت کی غریبی پہ گواہی
مجبور ہوں میں اے پسرِ شیرِ الٰہی
برباد یہ ناری ہوں تو کچھ دور نہیں ہے
ثابت ہوا حضرت ہی کو منظور نہیں ہے

کروٹ میں اگر لوں تو ابھی زلزلہ آجائے
شق ہوں تو ابھی مجھ میں یہ سب فوج سما جائے
ایک ایک کو ہر غار دہن کھول کے کھا جائے
اعدا کا پرا قعرِ جہنم میں چلا جائے
طوقِ آتشِ سوزاں کے ہوں اور ان کے گلے ہوں
قاروں کا خزانہ تو ہوا اور یہ تلے ہوں

حضرت نے کہا بندہ پہ ہے فضلِ الٰہی
میری نہ فقیری نہ کسی اور کی شاہی
مہلت ابھی دے تو انھیں گو بے ادبی کی
یہ کہہ کے فرس تک گئے غمگین و الم ناک
حضرت سے کہا اے پسرِ سیدِ لولاک
تن روح سے خالی ہوں بن خاک سے بھر جائیں

۱ بھر کر نفسِ سرد یہ بولے شہِ ذی جاہ
ان ناریوں نے خاک کیا گھر کو مرے آہ
مشکل نہیں کچھ سہل ہے سب راہِ خدا میں
یہ کہہ کے ہوئے جلوہ نما خانۂ زیں پر
پرتو سے بچھی چادرِ مہتاب زمیں پر
جبریل و سرافیل سپرداری کو آئے

ہمت یہ پکاری کہ زہے عزم زہے شاں
چلائے علیؑ واہ یہ جرأت ہے مری جاں
گھوڑے پہ شہادت کے ہو تم تو تگ و دو میں
پیشانیٔ پُر نور سے تھا رن میں اُجالا
ابرو ہیں کہ سر تیز سروہی کا ہے بالا
دیکھے سے نہ کیوں ہوش اُڑیں اہلِ حسد کے

جلتے رہیں کیوں کر نہ بہ دخور سحر و شام
خال اور خطِ شبّیر وہ دانہ ہے تو یہ دام
بینی کو تو دیکھو کہ عجب شوکت و شاں ہے
یک جا جو مناسب تھے دو مردمِ بیمار
اک شاخ سے یا دو گلِ بادام ہیں اظہار
خوشبوئے گلستانِ ارم اس میں بھری ہے

سب حکم میں ہیں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
ہاں ہاں مجھے منظور نہیں ان کی تباہی
وہ نوحؑ کی اُمت تھی یہ اُمت ہے نبیؐ کی
کچھ عرض کو تب آئی ہوا اُڑنے لگی خاک
ہو حکم تو اس فوج کا قصہ ہی کروں پاک
آندھی ابھی یوں آئے کہ ٹکرا کے یہ مر جائیں

پانی یہ نہ دیں میں تو ہوں ان سب کا ہوا خواہ
برباد ہو اُمت یہ گوارا نہیں واللہ
کھائیں گے ہمیں برچھیاں اس گرم ہوا میں
خاتم پہ نگیں جیسے ہو اور نقش نگیں پر
بوسہ دیا نصرت نے رکابِ شہِ دیں پر
اقبال و حشم غاشیہ داری کو آئے

ہاں ابنِ یداللہ ترے ہاتھ ہے میداں
زہراؑ نے صدا دی تری تنہائی کے قرباں
محبوبِ خدا ساتھ ہیں سر ننگے جلو میں
رُخ اور خطِ رخسار یہ مہتاب وہ ہالا
پلکیں نہیں جھپکیں یہ ہے لشکر تہ و بالا
آنکھیں تو ہیں آہو کی یہ تیور ہیں اسد کے

ہے حسن کی آتش سے بھبوکا رُخِ گلفام
ہے سب دلِ عالم کی اسیری کا سرانجام
شبیر کے یہ حسن کے لشکر کا نشاں ہے
صانع نے اُٹھائی ہے عجب نور کی دیوار
یا یہ الفِ ماہِ دو ہفتہ ہے نمودار
گویا ورقِ زر پہ کلی گل کی دھری ہے

آتی ہے ثنائے دُرِ دنداں جو زباں پر تقریر کے رشتے میں پروتا ہوں میں گوہر
ہیرے کے نگیں ان سے ہوں کس طرح برابر یہ بحرِ شرافت کے ہیں موتی تو وہ پتھر
ہنسنے میں جو پڑتا ہے عکس ان کا فلک پر بجلی بھی تڑپ جاتی ہے دانتوں کی چمک پر

دل کونسا گردن کی صفا پر نہیں قرباں مہتاب کو ہے جس کے گلے ملنے کا ارماں
گویا کہ ہلالِ شبِ اوّل ہے گریباں شانوں سے نشانِ اسدِ حق ہے نمایاں
حیراں ہے نظر دوشِ مبارک پہ کماں ہے یا قوس میں خورشیدِ جہاں تاب نہاں ہے

ہیں بازوئے شبیرؑ کہ شاخِ شجرِ حُسن پڑتی ہے سدا نور پہ جن کے نظرِ حُسن
گھر حُسن کا سینہ ہے تو شانے ہیں درِ حُسن طالع ہے کفِ دست سے مہرِ سحرِ حُسن
ان ہاتھوں سے ہم دست کفِ حور نہیں ہے خورشید کے پنجے میں بھی یہ نور نہیں ہے

شمشاد سے بالا قدِ بالائے مبارک درپیش ہے اب وصفِ قدم ہائے مبارک
تعویذِ شفا نقش کفِ پائے مبارک جس جا گزر ان کا ہو وہ ہے جائے مبارک
واں آتے ہیں سجدے کو ملک عرشِ بریں کے احساں یہ انھیں پاؤں کے ہیں سرِ زمیں کے

جب ظہر تلک لُٹ گئی سرکارِ حسینی راہی سوئے جنت ہوئے انصارِ حسینی
خالی رفقا سے ہوا دربارِ حسینی مارا گیا دریا پہ علمدارِ حسینی
نہ مونس و یاور نہ مددگار تھا کوئی ہمراہ نہ پیدل تھا نہ اسوار تھا کوئی

اس وقت بھی مولا پہ عجب شوکت و شاں تھی تصویرِ غم و درد سراپا سے عیاں تھی
مُنھ زرد تھے نیلے تھے لب اور خشک زباں تھی تھرائے ہوئے ہاتھوں میں گھوڑے کی عناں تھی
نسبت ہے مہِ نو سے قدِ راست کے خم کو آنکھوں سے رکابوں نے سنبھالا ہے قدم کو

لپٹے تھے جو لاشے سے پسر کے کئی باری خونِ علی اکبرؑ سے قبا سُرخ تھی ساری
تھا گھوڑے پہ اس رنگ سے وہ عاشقِ باری جس طرح سے جائے کسی دولھا کی سواری
معلوم یہ ہوتا تھا کہ بچھڑے ہیں دولھن سے آجاتی تھی پھولوں کی مہک صاف بدن سے

افروختہ تھا چہرۂ نورانیِ شبیرؑ روشن تھی رُخِ مہر سے پیشانیِ شبیرؑ
زلفوں سے نمایاں تھی پریشانیِ شبیرؑ تھراتے تھے سب سُن کے رجز خوانیِ شبیرؑ
نعرہ تھا کہ میں نام و نشانِ ابّ و جد ہوں روباہ ہیں سب میں اسدِ حق کا اسد ہوں

دو نور کے دریا جو ملاقی ہوئے اک بار
وہ شمس و قمر عرش خدا کے ہیں جو سیار
روشن ہے شرف خلق پہ جن دونوں کے گھر کا
وہ نخل کہ جس نخل کی ہے اصل نبوت
وہ نخل کہ جس نخل کی شاخیں ہیں امامت
میوہ بھی اُسی کا ہوں اُسی کا گلِ تر ہوں

ہیں عطرِ گلِ سرسبد باغِ جہاں ہوں
کاذب نہیں میں مخبرِ صادق کی زباں ہوں
سب کے لئے رحمت ہوں عنایت ہوں خدا کی
زہرا مری مادر ہے مرا باپ علیؑ ہے
فرزند ید اللہ شجاعِ ازلی ہے
کیا منہ ہے جو وار اس کا رکے فوجِ ستم سے

دعویٰ ہو جسے تیغِ شرربار کو روکے
ہاں بڑھ کے کوئی ڈھال پہ تلوار کو روکے
گردوں پہ نہ ٹھہرے گی زمیں سے نہ رکے گی
لو تیغِ شرربار نکلتی ہے خبردار
لو زہر یہ ناگن اب اُگلتی ہے خبردار
بخشا نہ اثر میری کسی بات نے تم کو

یہ سنتے ہی لشکر تو ہوا سب تہ و بالا
کاٹھی سے کھنچی تیغ کہ لہرا گیا کالا
کاٹا جسے پھر کب اُسے یارائے سخن ہے
یہ کاٹ کے ہر صف کو نکل جائے گی من سے
زہر اس کا چڑھے گا تو نہ اُترے گا بدن سے
زور اس سے کسی کا تہِ گردوں نہ چلے گا

پیدا کیا اللہ نے مجھ سا دُرِ شہوار
ہیں جن کی ضیا سے مہ و خور مطلعِ انوار
میں اخترِ تابندہ ہوں اُن شمس و قمر کا
وہ نخل کہ جس نخل کی ہے فرع ولایت
وہ نخل کہ جس نخل کے سایے میں ہے جنت
شیعہ مرے برگ اس کے ہیں میں اس کا ثمر ہوں

پانی ہو دلِ سنگ وہ اعجاز بیاں ہوں
کوثر کا تو مختار ہوں پر تشنہ دہاں ہوں
کھوؤ نہ مجھے تم میں امانت ہوں خدا کی
احمدؐ کا بھی وہ دوست خدا کا بھی ولی ہے
یہ تیغ وہ ہے جو سرِ مرحب پہ چلی ہے
جبریل کے پر جلتے ہیں اس برقِ دو دم سے

ضربِ خلفِ حیدرِ کرار کو روکے
بجلی کو وہ روکے جو مرے وار کو روکے
تم کیا ہو پر روح الامیں سے نہ رکے گی
لو ضرب مری فوج پہ چلتی ہے خبردار
لو تیغِ علیؑ رنگ بدلتی ہے خبردار
سنبھلو کہ لیا مرگِ مفاجات نے تم کو

اور آپ نے قبضے پہ ادھر ہاتھ کو ڈالا
غل تھا کہ وہ منہ ناگ نے باہر نکالا
دیکھو کہ زبانیں تو ہیں دو ایک دہن ہے
لشکر پہ خزاں لائے گی جوہر کے چمن سے
اژدر سے نکلتے ہیں شرر اس کے دہن سے
جس دم یہ چلے گی کوئی افسوں نہ چلے گا

صحرا میں تلاطم ہوا دریا میں پڑا شور
ڈر سے جو اُڑے کبک تو جنگل سے اُٹھے مور
آمد میں بہادر کی شجاعت کے چلن تھے
ناگاہ بیاباں میں لگی برق چمکنے
دہشت سے دلیروں کی لگی آنکھ جھپکنے
پڑنے لگی اعدا پہ جو ضربت شہِ دیں کی
بجلی کی تڑپ اسپ تگاور نے دکھائی
اور آنکھ ہر اک فرد کو جوہر نے دکھائی

تیر ایک طرف تیر فگن ایک طرف تھے
چمکی صفتِ برق جو شمشیر سرانداز
گوشے میں چھپا ہم کے ہر خانہ بر انداز
گھبرا گئے چلّے کدھر اور تیر کہاں کے
تھے موت کے حلقے میں کماں دار نظر بند
نیزے کا کوئی باندھتا تھا پڑھ کے اگر بند

سب بند کھلے ناخنِ شمشیرِ قضا سے
جانوں کا ابھی زخم نہ زنہار کھلا تھا
ہر زخم کا مُنھ صورتِ سوفار کھلا تھا
زخم اُن کو نہ بس تیغِ شرر دم کے لگے تھے
سب فوج کو نظروں میں نہ بس تول لیا تھا
تلوار نے بھاگے ہوؤں کو رول لیا تھا

خونِ تنِ اعدا سے زمیں لال ہوئی تھی
کیا تاب جو کشتے کی کوئی لاش اُٹھائے
کیا مُنھ تھا جو کوئی سرِ پرخاش اُٹھائے
آنکھوں میں چکا چوند تھی اُس برق دو سرے

جب شور سے بہرام کی تھرّانے لگی گور
صفدر کے قدم بڑھتے ہی اعدا کا گھٹا زور
نے شیر ترائی میں نہ جنگل میں ہرن تھے
روکا سپرِ مہر کو چہرے پہ فلک نے
دیکھا زرہِ جسم کو تھرّا کے سمک نے
خم ہو گئی لنگر سے کمر گاوِ زمیں کی
تصویرِ اجل تیغِ دو پیکر نے دکھائی
قوت اسد اللہ کی سرور نے دکھائی

سر ایک طرف جمع تھے تن ایک طرف تھے
اندازِ وفا بھول گئے سب قدر انداز
رُخ پھر گئے بھاگے صفتِ تیرِ در انداز
خود اہلِ خطا پھنس گئے حلقوں میں کماں کے
تیروں کا یہ عالم تھا کہ تھے طائرِ پربند
وا کرتا تھا ہر بند کو حیدرؔ کا جگر بند

باقی کوئی رہتی ہے گرہ عقدہ کشا سے
سر بک رہے تھے موت کا بازار کھلا تھا
دروازہ اجل کا پئے کفار کھلا تھا
ناری سبھی رستے پہ جہنم کے لگے تھے
گویا پئے چو رنگ انھیں مول لیا تھا
صفدر نے درِ فتح و ظفر کھول لیا تھا

تلوار کلیدِ درِ اقبال ہوئی تھی
پُرزے ہوں وہ خود جو تنِ صد پاش اُٹھائے
کس طرح نظر مہر پہ خفاش اُٹھائے
مُنھ ڈھانپا تھا ہر ایک سیہ رو نے سپر سے

پنہاں تھے زرہ میں جو سیہ کاروں کے اندام
یوں کاٹ کے کڑیوں کو نکل آتی تھی صمصام
وہ تیغ زرہ پوشوں کی کیا فوج پہ ٹھیرے
جس وقت چمکتی تھی وہ پرکالۂ آتش
ہر غول میں گردن کو جھکا لیتے تھے سرکش
ہشیار صدا دیتے تھے جاگو اجل آئی

چار آئنہ کو آٹھ جو کر دیتی تھی تلوار
تھا شور کہ صابون میں رکتا ہے کہیں تار
آفاق میں ثانی نہیں اس برقِ دوسر کا
گہ غرب کی جانب تو سوئے شرق کبھی تھی
گہ زیرِ فرس اور بسرِ فرق کبھی تھی
بے دست ستمگاروں کے دستے نظر آئے

تھا چار طرف شام کے لشکر میں تلاطم
برپا تھا عجب فوجِ ستمگر میں تلاطم
تھا شور کہ لشکر کی بھی کثرت میں کمی ہے
رُخ پھر گئے سب کے تہ و بالا ہوا لشکر
انبار ہیں کشتوں کے صفیں ہو گئیں بے سر
پردہ نہ کبھی فاش کیا اُمتِ بد کا

سو بار لعینوں نے کیا قتل کا آہنگ
شکوہ نہ کیا جب دُرِ دنداں پہ لگا سنگ
حضرت میں بھی خو بوئے شہنشاہِ عرب ہے
حضرت نے یہ ارشاد کیا روک کے تلوار
تنہا میں کئی لاکھ ترے ساتھ ستمگار
ہاں ظلم رسولوں پہ بھی ہر چند ہوا ہے

صاف اُن کے عیاں ہوتے تھے معنی دو دوام
جس طرح سے ماہی کو نہ ہو دام میں آرام
دریا پہ گرے برق تو کیا موج پہ ٹھیرے
ہو جاتے تھے چار آئنہ والے بھی مشوش
اک ہوش میں رہتا تھا تو ہو جاتے تھے بیہوش
ہر صف میں یہ تھا شور کہ بھاگو اجل آئی

ششدر تھا کوئی اور کوئی حیراں کوئی ناچار
سر خاک پہ برساتی ہے یہ برقِ شرربار
شمشیر تو یہ ہاتھ ید اللہ کے پسر کا
اور خاک میں دنبالہ تلک غرق کبھی تھی
پانی تھی کبھی ابر کبھی برق کبھی تھی
ہر ضرب میں سر تن سے برستے نظر آئے

آندھی سے اُٹھے جیسے سمندر میں تلاطم
واں بحر میں ہلچل تھی ادھر رن میں تلاطم
ٹوٹی ہوئی کشتی کہیں پانی میں تھمی ہے
گھبرا کے پکارا پسرِ سعدِ ستمگر
اب رحم کا ہنگام ہے یا سبطِ پیمبر
مشہور ہے عالم میں کرم آپ کے جد کا

اُس رحمتِ حق نے کبھی اس طرح کی جنگ
گردن میں ردا ڈال کے کھینچا نہ ہوئے تنگ
کھلتا نہیں اس غیظ کا کیا آج سبب ہے
انصاف کر انصاف کر اے ظالمِ غدار
اُمت نے دیئے ہیں کسی مرسل کو یہ آزار
پانی تو کسی پر نہیں یوں بند ہوا ہے

بے دست ہوا کس کا مرا بھائی سا بھائی — چھاتی پہ سناں کس کے جواں بیٹے نے کھائی
غربت میں لٹی کون سے مرسل کی کمائی — اک دن میں ہوئی کس کے بھرے گھر کی صفائی
یوں باغ کٹا خنجر و شمشیر سے کس کا — شش ماہہ پسر قتل ہوا تیرے کس کا
اس ظلم پہ کچھ حرف نہیں منھ سے نکالا — میرا ہی تھا یہ کام کہ غصے کو سنبھالا
لڑتا میں تو تھا کون سرا روکنے والا؟ — اک حملے میں تھا دفتر عالم تہ و بالا
ہوتا ابھی نازل غضب اس لشکر کیں پر — ہوتی یہ زمیں چرخ پہ اور چرخ زمیں پر
کہتے ہیں جسے غیظ وہ اب تک نہیں آیا — جو حکم خدا تھا سو بجا اس کو میں لایا
ان ہاتھوں نے کب زور ید اللہ دکھایا — ڈرتا ہے عبث جنگ سے لے ہاتھ اٹھایا

چپ چاپ رہے اس کا بھی کہ مظلوم نے جاں دی — طالب جو اماں کا ہے تو لے تجھ کو اماں دی
روکوں نہ ابھی ہاتھ کو تھا دل میں یہ میرے — دشمن ہے مگر رحم کیا حال پہ تیرے
لے فوج سے کہہ دے کہ پھر آکر مجھے گھیرے — قاتل کو بلا جلد چھری حلق پہ پھیرے
جرأت کو تو دیکھا پسر شیر خدا کی — مظلومی بھی اب دیکھ غریب الغربا کی
کیا حلم ہے کیا صبر نثار شہ دلگیر — خوں پونچھ کے مولا نے رکھی میاں میں شمشیر
خوش ہو کے پھر دوڑے بھاگے ہوئے بے پیر — پہلو پہ چلیں برچھیاں چھاتی پہ لگے تیر
کپڑے ہوئے سب سرخ شہ تشنہ گلو کے — ہر زخم سے چھٹنے لگے فوارے لہو کے

تیروں کے جہاں زخم تھے واں پڑتی تھی تلوار — تلوار کے زخموں پہ لگے برچھیوں کے وار
تھے برچھیوں کے زخم سے پیکان ستم پار — باہم تھے بدن پر لب زخم اور لب سوفار
دھاریں تھیں لہو کی رخ پاک شہ دیں پر — پیوست ہوئے تھے کئی تیر اک جبیں پر
جن انگلیوں سے خلق کی تھی عقدہ کشائی — کٹ کٹ کے انھیں ہو گئی ہاتھوں سے جدائی
خوں سے نظر آتی تھی کف دست حنائی — گلدستۂ فردوس تھی مجروح کلائی
تھے بازوؤں پر زخم جو شمشیر عدو کے — ڈوبی ہوئی تھیں چھلیاں دریا میں لہو کے
پہلو پہ لگاتا تھا جو نیزہ کوئی بے پیر — دل تھام کے جھکتے تھے فرس پر شہ دلگیر
غل ہوتا تھا لو گرتے ہیں اب خاک پہ شبیر — سرپیٹ کے پردے سے نکل آتی تھی ہمشیر
گھبرا کے ہر اک گام پہ گرتی تھی سکینہ — بسمل کی طرح لوٹتی پھرتی تھی سکینہ

کہتی تھی یہ ماں کرتے کے دامن کو پکڑ کر ۔۔۔ للہ نہ جا رن میں نہ جا اے مری دلبر
ننھے سے اُٹھا ہاتھ یہ کہتی تھی وہ دختر ۔۔۔ تم دیکھو تو ہے ہے یہ ستم ہوتا ہے کس پر
کیوں روکتی ہو تیغ و تبر کھانے دو مجھ کو ۔۔۔ رہوار سے گرتے ہیں پدر جانے دو مجھ کو

اس خوں میں بھری چاند سی صورت پہ میں واری ۔۔۔ بھولی نہیں اس دم بھی انھیں یاد ہماری
سر پیٹ کے کرتی ہوں جو میں گریہ و زاری ۔۔۔ مُڑ مُڑ کے ادھر دیکھ چکے ہیں کئی باری
نرغہ ہے لعینوں کا ادھر آ نہیں سکتے ۔۔۔ مجھ تک مرے مظلوم پدر آ نہیں سکتے

بابا تو ہمیں پیارے چھاتی پہ سُلائیں ۔۔۔ ہم ایسے بُرے وقت میں پاس ان کے نہ جائیں
اب دل کو یہ اُمید نہیں ہے کہ وہ آئیں ۔۔۔ اماں مجھے لے آنے دو بابا کی بلائیں
رہوار سے گر کر شہِ والا نہ ملیں گے ۔۔۔ جیتے ہیں ابھی پھر مرے بابا نہ ملیں گے

ماں کہتی تھی واں تیر ستم چلتے ہیں واری ۔۔۔ سادات کے بچوں کے بھی دشمن ہیں یہ ناری
کہتی تھی مچل کر بھی وہ پیاس کی ماری ۔۔۔ جانے دو مجھے جان نہیں باپ سے پیاری
اس وقت اگر روکو گی مجھ خستہ جگر کو ۔۔۔ اچھا میں تمہیں لوگوں سے پھر لوں گی پدر کو

دیکھو مجھے روکو گے تو پچھتاؤ گے لوگو ۔۔۔ پھر لال کو زہراؑ کے کہاں پاؤ گے لوگو
گر ذبح ہوئے وہ تو کدھر جاؤ گے لوگو ۔۔۔ کیا داغ یتیمی مجھے دکھلاؤ گے لوگو
فریاد مری سُن کے تڑپ جائیں گے بابا ۔۔۔ زخمی بھی جو ہوں گے تو چلے آئیں گے بابا

پردے سے کئی بار تڑپ کر نکل آئی ۔۔۔ چھوڑی نہ مگر ہاتھ سے مادر نے کلائی
شبیرؑ کو چلائی وہ دے دے کے دہائی ۔۔۔ کچھ بس نہیں مجبور ہے یہ آپ کی جائی
یہ قافلہ میدان میں جانے نہیں دیتا ۔۔۔ بابا کوئی تم تک ہمیں آنے نہیں دیتا

روئے یہ صدا بیٹی کی سُن کر شہِ ذی جاہ ۔۔۔ نزدیک تھا خیمے پہ نہ جانے کی ملی راہ
اک تیر سہ شعبہ جو لگا سینے پہ ناگاہ ۔۔۔ گھوڑے سے گرا خاک پہ فرزند ید اللہ
تھا دھیان کہ دل لیویں اگر آئے سکینہؑ ۔۔۔ بھر کر نفس سرد کہا ہائے سکینہؑ

اس دم نہ سکینہؑ کو رہا ضبط کا یارا ۔۔۔ چلائی کہ اماں مجھے بابا نے پکارا
دیکھو تو کہ اس وقت بھی ہے دھیان ہمارا ۔۔۔ اک دم مری فرقت نہیں بابا کو گوارا
گرتے ہوئے ہاتھوں سے جگر تھام لیا ہے ۔۔۔ کس درد سے بابا نے مرا نام لیا ہے

یہ کہہ کے لگی دیکھنے پردے کو اٹھا کر | دیکھی وہ قیامت کہ نہ دیکھے کوئی دختر
تھا سینۂ اقدس پہ لعیں حلق پہ خنجر | اُمّت کی دُعا مانگتے تھے سبطِ پیمبرؐ
چلّائی سکینہؑ کہ جگر پھٹتا ہے امّاں | ہے ہے مرے بابا کا گلا کٹتا ہے امّاں
یاں رہ گئی سر پیٹتی وہ بے کس و مضطر | واں کٹ گیا شمشیرِ ستم سے سرِ سرورؑ
خاموش انیسؔ اب کہ چھری چلتی ہے دل پر | تا حشر نہ کم ہوگا غمِ سبطِ پیمبرؐ
جب تک کہ زمیں پر فلکِ پیر رہے گا | ہر گھر میں یونہی ماتمِ شبیرؑ رہے گا

رباعی

ہشیار! کہ وقت ساز و برگ آیا ہے
ہنگام یخ و برف و تگرگ آیا ہے
محتاج عصا ہوئے تو پیری نے کہا
چلئے! اب چوبدارِ مرگ آیا ہے

رباعی

اک ایک قدم لغزشِ مستانہ ہے
گلزارِ بہشت اپنا میخانہ ہے
سرمست ہیں محبتِ ساقیِ کوثر سے
آنکھیں شیشے ہیں، قلب پیمانہ ہے

رباعی

خامشی میں یاں لذتِ گویائی ہے
آنکھیں جو ہیں بند عین بینائی ہے
نہ دوست کا جھگڑا ہے نہ دشمن کا فساد
مرقد بھی عجب گوشۂ تنہائی ہے

۱۵ مرثیہ بند ۴۲

اے مومنو مرنے کے لئے جاتے ہیں اکبر
مادر سے جدا ہونے کا غم کھاتے ہیں اکبر
سوکھے ہوئے لب باپ کو دکھلاتے ہیں اکبر
شہ روتے ہیں سر پاؤں پہ ہنوڑاتے ہیں اکبر
کچھ بن نہیں آتا ہے شہِ جن و بشر کو
گہ دیکھتے ہیں بانو کو اور گاہ پسر کو

دشوار ہے مشکل پسر کی جدائی
فرماتے ہیں پہلے مجھے کیوں موت نہ آئی
بانو کی یہ اٹھارہ برس کی ہے کمائی
حسرت بھی کوئی اس کی نکلنے نہیں پائی
بیٹے علی اکبر سے یہ ناشاد مرے گی
کس طرح جو اں بیٹے کو ماں صبر کرے گی

ہے داغ عجب یہ فلکِ پیر دکھاتا
بابا سے برابر کے پسر کو ہے چھڑاتا
ہے شاہ کی پیری کا عصا ہاتھ سے جاتا
اک عمر کی دولت پہ زوال آج ہے آتا
گرتا ہے فلک غم کا شہِ جن و بشر پر
خاموش ہیں اور برچھیاں چلتی ہیں جگر پر

لب خشک ہیں تر اشکوں سے آنکھیں ہیں بھی پُرنم
قاسم کی جدائی کا قلق بھائی کا ماتم
بانو کا جدا رنج ہے بیٹی کا جدا غم
ہیں سخت تردد میں شہنشاہِ دو عالم
بیٹے سے بچھڑنا ہے مصیبت یہ بڑی ہے
اک جان عجب طرح کی آفت میں پڑی ہے

اکبر کی یہ ہے عرض کہ میداں کی رضا دو
رستہ مجھے فردوس کے جانے کا بتا دو
بابا مری الفت کو بس اب دل سے اٹھا دو
اماں سے بھی رخصت ہمیں مرنے کی دلا دو
کٹوائے گا سر رن میں غلام آپ سے پہلے
زندہ ہے وہ بیٹا جو مرے باپ سے پہلے

اب لطف ہے کیا جینے کا سب کٹ چکا لشکر
کام آئے پھوپھی زاد و چچا زاد برادر
عباس علمدار گئے جانبِ کوثر
نام اپنا ہو روشن جو کٹے شمع صفت سر
بعد اب نہ مرے آہ و بکا کیجیے بابا
اکبر کو بھی امت پہ فدا کیجیے بابا

ہے میرے سوا کون جو ہو آپ پہ قرباں
عابد بھی سو بیمار ہے اصغر ہے سو ناداں
فرماتے ہیں حضرت کہ نہ ہوگا کسی عنواں
اے جان پدر پہلے ہمیں ہونے دو بے جاں
جب لاش مری رن سے اٹھا لیجیو بیٹا
پھر شوق سے مرنے کے لئے جائیو بیٹا

بیکس کی رفاقت کو نہ چھوڑو مرے جانی
گو پیاس بہت ہے تجھے اے یوسفِ ثانی
بابا سے جدا ہونا گوارا نہ کرو تم
اس واسطے پالا تھا تجھے اے مرے دلدار
دم آنکھوں میں جب آئے تو دیکھیں ترا دیدار
مختار ہو گھر بار کے عاقل ہو جواں ہو
ماں باپ کا مرنا تو ہے میراث مری جاں
ہونے کا نہ مجھ کو یہ گوارا کسی عنواں
تم جیتے رہو روح مری شاد رہے گی
سُن کر یہ سخن شاہ کا رونے لگے اکبر
میں زندہ رہوں آپ چھپے تیغوں پہ کٹ کے
حضرت کی جدائی کا نہیں داغ سہوں گا
کہنے لگے سُن کر یہ سخن سیّدِ ابرار
پھر گرنے لگا باپ کے قدموں پہ وہ دلدار
فرمایا کہ رُلواؤ نہ مجھ سوختہ جاں کو
بانو بھی کھڑی دور سے سنتی تھی یہ تقریر
کیا ذکر ہوا کرتے ہو کیا ہوتی ہے تدبیر
آتی ہے خزاں باغ اُجڑتا ہے ہمارا
میں چاہتا ہوں لال رہے تیرا سلامت
مجھ سے تو یہ رو کے نہیں جاتے کسی صورت
کیونکر کہوں میں ایسی کمائی کو مٹا دو
بانو نے کہا آپ کی کیا امر میں ہو مرضی
پیارے علی اکبر ہیں تو اُمت بھی ہو پیاری
منظور ہے سر اپنا تہِ تیغ دھروں میں

پیری میں اُٹھے گا نہ ترا داغ جوانی
ہم نے بھی تو ڈھونڈا روز سے پایا نہیں پانی
کوثر کے لیے ہم سے کنارا نہ کرو تم
مظلوم پدر کے دمِ آخر ہو مددگار
مرجائیں تو تم قبر کرو باپ کی تیار
فرزند پیمبر کے تمھیں فاتحہ خواں ہو
سو باپ تو جیتا رہے فرزند ہو بے جاں
مرنے کو تمھیں جانے دوں اکبر سوئے میداں
اور بانو کے مغموم بھی آباد رہے گی
کی عرض کہ فریاد ہے یا سبطِ پیمبر
اے قبلۂ دیں ہو یہ گوارا مجھے کیونکر
صدقے نہ ہوا گر تو کہیں کا نہ رہوں گا
بیٹا تری تقریر سے ہم ہو گئے لاچار
بیٹا کے گلے سے شہِ والا نے کیا پیار
اچھا جو یہی مرضی ہے تو راضی کرو ماں کو
تب رو کے لگی کہنے کہ اے حضرتِ شبیر
شہ نے کہا بے آس یہی کرتی ہے تقدیر
فرزند جواں ہم سے بچھڑتا ہے ہمارا
بانو تری دولت یہ مگر آتی ہے آفت
اب تم سے طلب کرتے ہیں یہ مرنے کی رخصت
تم چاہو رضا دو انھیں چاہے نہ رضا دو
حضرت نے کہا جس میں ہو اُمت کی بھلائی
صدقے کیا جانی کو محبت ہو یہ اُن کی
میدان میں پہلے علی اکبر ہو سے مردوں میں

سن کر یہ سخن رونے لگی بانوئے ناشاد
دوڑو دارے لوگو مرا گھر ہوتا ہے برباد
تدبیر کرو کچھ مرا گھر لٹتا ہے لوگو!
سر در سے مرا راج ہے اکبر سے ہے اقبال
بیٹے کو جو رخصت دوں تو ہے دل کا عجب حال
اس طرح کمر غم سے اکھڑ جائے گی میری
رو کر کہا اکبر نے کہ اے مادر غمخوار
اب دودھ ہمیں بخشو کہ ہیں مرنے پہ تیار
لو کچھ اپنی بچانے کا نہ ساماں کرو اماں
بانو نے کہا صبر تو آتا نہیں واری
مرجاؤں گی اے لال میں فرقت میں تمہاری
پوری کوئی حسرت تو نکالوں علی اکبر
اکبر نے کہا اس سے ہو کیا فائدہ اماں
اٹھ جائیں گے ہم خلق سے ناشاد دلہا
نہ جوڑا نہ سہرا نہ دولھن چاہیے مجھ کو
لاشے کو اٹھانے کا جو ساماں ہو میسر
یاد آؤں گا جس وقت تو رونا یہی کہہ کر
باندھی ہے کمر گلشن ہستی کے سفر پر
کہہ کر یہ سخن ماں کو کیا آخری مجرا
روتا ہوا ہمشکل نبی خیمے سے نکلا
فرقت تری قسمت مجھے دکھلاتی ہے بیٹا
اکبر سوئے جنگاہ چلے چڑھ کے رہوار
تھا مستعد جنگ زبس لشکر کفار
تھے روکتے اس فوج کے ریلے علی اکبر

چلائی کہ لٹتی ہوں میں فریاد ہے فریاد
مرجاؤں تو ہوں قید غم و رنج سے آزاد
پردیس میں مادر سے پسر چھٹتا ہے لوگو!
وہ فاطمہ کا لال ہے یہ بانو کا ہے لال
اور روکوں تو زہرا کا چمن ہوتا ہے پامال
یہ مانگ دیا کوکھ اجڑ جائے گی میری
مانگو یہ دعا زندہ رہیں سید ابرار
اس پیاس میں ہیں جام شہادت کے طلبگار
زہرا کے پسر پہ ہمیں قرباں کرو اماں
تم نے تو چھری ماں کے کلیجے پہ ہے ماری
خیر اب یہی مطلب ہے تو منگواؤ سواری
آؤ تمہیں دولھا تو بنا لوں علی اکبر
غم ہوگا زیادہ تمہیں یہ دیکھ کے اماں!
بہتر تو یہ ہے چاک کرو میرا گریباں
اب گوشۂ قبر اور کفن چاہیے مجھ کو
سہرا مرے تابوت پہ تم باندھیو مادر
ہے ہے مرے ناشاد و پر ارماں علی اکبر
بس ہے یہی شادی کہ تصدق ہوں پدر پر
ناموس محمد میں قیامت ہوئی برپا
شہ نے کہا اے لال خدا کو تمہیں سونپا
تم جاتے نہیں جان چلی جاتی ہے بیٹا
اور رہ گئے دل تھام کے در پہ شہ ابرار
میداں میں پہونچا تھا کہ چلنے لگی تلوار
لڑتے تھے ہزاروں سے اکیلے علی اکبر

تھے غول زرہ پوشوں کے کھینچے ہوئے شمشیر
تانے ہوئے نیزوں کو بس پشت تھے بے پیر
دکھلا دیا تھا جنگ شہنشاہ نجف کو

واں معرکہ آرا تھے جناب علی اکبر
غل ہوتا جو میداں میں تو کہتے تھے تڑپ کر
تو صبر عطا کر کہ نہ فریاد کروں میں

یارب علی اکبر یہ ہے بچپن سے مرا پیار
اٹھارہ برس پالا ہے الفت سے ہوں ناچار
تیغوں سے بچاتا نہیں میں اپنے جگر کو

تھی شہ کی وہ شکل اور تھا یہ بانو کا نقشا
کہتی تھی کہ اے بیبیو اب میں کروں کیا
فرزند مرا گھر گیا ہے فوج ستم میں

پردے سے اٹھا کر کبھی سر در کو سناتی
ہے مامتا کی آنچ کلیجے کو جلاتی
زندہ علی اکبر کو میں پھر پاؤں گی صاحب

فضہ سے یہ کہتی تھی کہ میداں کی طرف جا
کہیو کہ چلو خیمے میں یاں حشر ہے برپا
صدمہ نہ جدائی کا اٹھا مر گئی بانو!

یہ حشر تھا جو رن سے صدا آئی یہ ناگاہ
اکبر کی صدا سنتے ہی دوڑے شہ ذی جاہ
گھبرائے ہوئے چاروں طرف پھرتے تھے شبیر

دل پکڑے ہوئے ہاتھوں سے گہ بیٹھ جاتے
اعدا کو کبھی ہاتھ اٹھا کر یہ سناتے
دریا میں جو لاشے کو بہایا ہو تو کہہ دو

پڑتے تھے کمین گاہ سے باراں کی طرح تیر
اور بیچ میں تھے تیغ بکف اکبر دلگیر
جب کرتے تھے حملہ تو الٹ دیتے تھے صف کو

روتے تھے کھڑے سبط نبی خیمے کے در پر
اے بار خدا اٹھتی ہے تصویر پیمبر
بھولوں علی اکبر کو تجھے یاد کروں میں

سو آگے مرے برچھیاں کھاتا ہے یہ دلدار
ہے مرگ جواں بیٹے کی شبیر پہ دشوار
کرتا ہوں فدا نانا کی امت پہ پسر کو

روتی تھی کھڑی تھامے ہوئے خیمے کا پردا
آنکھوں سے ہے کچھ اب تو دکھائی نہیں دیتا
اب منہ سے نکلتا ہے کلیجا کوئی دم میں

اب خیمے سے سر ننگے ہوں میں بھی چلی آتی
کچھ ایسا قلق ہے کہ پھٹی جاتی ہے چھاتی
بیٹا نہیں ملنے کا تو مر جاؤں گی صاحب

احسان ترا ہوئے گا اکبر کو بلا لا
مادر کو اٹھا لوگے تو پھر آن کے لڑنا
جلدی چلو دنیا سے سفر کر گئی بانو!

گھوڑے سے بسر گر پڑا جلد آئیے یا شاہ
مقتل میں نظر آیا نہ وہ چودھویں کا ماہ
بسمل کی طرح اٹھتے تھے اور گرتے تھے شبیر

روتے ہوئے جوں ابر کبھی واں سے پھر آتے
کیا نعش ہے لاشہ نہیں اکبر کا بتاتے
اس چاند کو مٹی میں چھپایا ہو تو کہہ دو

جو لاش نظر آتی تھی کہتے تھے یہ جھک کر
آتی نہ صدا کچھ تو یہ فرماتے تھے رو کر
صورت نظر آنے کی نہیں نورِ نظر کی
حضرت کے رُلانے کو عدو کہتے تھے ہنس کر
تن ٹکڑے ہوئے تیغوں سے خنجر سے کٹا سر
بیٹا تو نہ دو راہِ بقا ہاتھ لگے گا

شہ کہتے تھے بیٹے کا پتا مجھ کو بتا دو
جلتا ہے کلیجہ اُسے چھاتی سے لگا دو
اور کو بھی اک عشق ہے اس نورِ نظر سے
اکبر کا پتہ جب کہ کسی نے نہ بتایا
فرزند کو جنگل میں تڑپتا ہوا پایا
اٹھارہ برس بعد ہمیں چھوڑتے ہو آہ

بیٹا میں مرا جاتا ہوں آواز سناؤ
برچھی کا کہاں زخم لگا مجھ کو بتاؤ
بچپن میں پھرا ہوں میں کاندھے پہ بٹھا کر
آغوش میں یہ کہہ کے جو اکبر کو اٹھایا
تب کو لگے چھاتی یہ شہِ دیں نے سنایا
لو مجھے اُمت نے محمد کی دغا سے

اکبر نے سُنی غش میں جو یہ باپ کی زاری
رو کر کہا بابا ہے کہ رخصت ہے ہماری
گھبرا کو سکینہ کو برادر کو نہ دیکھا
یاں آتے ہیں بیٹے کو مرے خلد سے حیدر
دادی مری پہلو میں کھڑی پیٹتی ہیں سر
ہیں گرد مری لاش کے روحیں شہدا کی

قربان میں گر تم ہو تو ہو، و علی اکبر
آنکھوں سے بصارت بھی گئی وائے مقدر
کاہے کو بتائے گا کوئی لاش پسر کی
یا شاہ کے ڈھونڈتے جو مر گئے اکبر
مُردے کا تفحص ہے عبث یا شہ صفدر
لاشے پہ جو بیٹھو گے تو کیا ہاتھ لگے گا

سید ہوں دعا دوں گا میں لاشہ بھی دکھا دو
اب یوسفِ گم گشتہ کو بابا سے ملا دو
بیٹا نہ ملے گا تو نکل آئے گی گھر سے
سمجھا کو چلا حیدرِ کرار کا جایا
چلائے کہ کیا حال ہے بیٹا پدر آیا
بیٹا پڑے اس خاک پہ دم توڑتے ہو آہ

ہم آئے گلے ملنے کو ہاتھوں کو اٹھاؤ
گر اُٹھ نہیں سکتے تو مری گود میں آؤ
لے جاؤں گا اب لاش کو چھاتی سے لگا کر
اور زخم کلیجے کا پسر کے نظر آیا
یہ حال ہے فرزند کا فریاد خدایا
کاٹا ہے کلیجے کو مرے تیغِ جفا سے

بیتابئ خنجر پہ آنسو ہوئے جاری
سینے کے نہیں زخم کلیجے پہ ہے کاری
افسوس کہ مرتے ہوئے مادر کو نہ دیکھا
کس پیار سے دیتے ہیں مجھے ساغرِ کوثر
اور شور ہے حوروں میں کہ ہے ہے علی اکبر
آتی ہے صدا گھر یہ محبوبِ خدا کی

یہ کہتے تھے جو درد اٹھا چھاتی میں ناگاہ
آغوش میں بابا کے تڑپنے لگا وہ ماہ
اک آہ کی اور گلشنِ فردوس کی لی راہ
چلّائے کلیجے کو پکڑ کر شہِ ذی جاہ
لب تشنہ جہاں سے سوئے کوثر گئے بیٹا
یہ باپ تو جیتا رہا تم مر گئے بیٹا!

اے لال کہاں سے تمہیں اب ڈھونڈ کے لاؤں
بتلاؤ تو کس منہ سے میں اب خیمے میں جاؤں
پوچھے تمہیں بانو تو میں کیا اس کو بتاؤں
مرنے کی خبر بیٹے کی کیا ماں کو سناؤں
ماتم میں ہمیں اپنے رلایا علی اکبر
تم نے مرا لاشہ نہ اٹھایا علی اکبر

خاموش ہوئے اب کہ ہوئی شدت زاری
خالق کے بھی آنسو ہیں غم شاہ میں جاری
رو رو کے دعا مانگ کہ اے ایزد باری
کر رحم کہ مجھ پہ الم و رنج ہے طاری
میں واسطہ دیتا ہوں حسینؑ ابنِ علیؑ کا
محتاج نہ کیجو مجھے دنیا میں کسی کا

رباعی

کس دن مضمونِ نو کا نقشا اترا
پُر دردِ معانی کا نہ چہرا اترا
ممبر سے ہم اترے نئے مضموں پڑھ کر
ان کے لئے گویا منّ و سلوا اترا

رباعی

کاشانہ جگر نہ دل نہ چہرا اترا
کس بحر میں بے خوف و خطر جا اترا
ساحل پہ نہ جس کے ٹھہرے یاروں کے قدم
دو ہاتھ لگا کے میں وہ دریا اترا

۱۶ مرثیہ
بند ۴۰

ہم صورتِ محبوبِ خدا تھے علی اکبر
شوکت میں شہِ عقدہ کشا تھے علی اکبر
شبیر کی پیری کے عصا تھے علی اکبر
اور بانو کی آنکھوں کی ضیا تھے علی اکبر
جلوہ رُخِ پُر نور پہ تھا نورِ نبیؑ کا
روشن تھا گھر اس ماہ سے زہراؑ و علیؑ کا

محبوبِ دلِ خلق ہے شبیر کا جانی
سب ایک زباں تھے کہ یہ ہے یوسفِ ثانی
جن لوگوں نے دیکھی تھی محمدؐ کی جوانی
کہتے تھے زہے خامۂ قدرت کی روانی
ایسا تو حسیں غرب سے تا شرق نہیں ہے
احمدؐ میں اور اس میں سرِ مو فرق نہیں ہے

کیا حُسن ہے دیکھو تو رُخِ پاک کی توقیر
نے ماہ میں یہ ضو ہے نہ یہ مہر میں تنویر
نازاں نہ ہو کیونکر قلمِ صانعِ تقدیر
کھینچی ہے محمدؐ سے شہنشاہ کی تصویر
جن و ملک و حور میں افسانہ ہے اس کا
نورِ رُخِ خورشید بھی پروانہ ہے اس کا

اس طرح کا محبوب پسر جس کو خدا دے
کیونکر وہ پدر بیٹے کو مرنے کی رضا دے
کس طرح سے اس دولتِ اولاد لٹا دے
یہ آگ جو بھڑکے تو کلیجے کو جلا دے
فرزندِ جواں کوئی بشر کھو نہیں سکتا
یہ صبر بجز ابنِ علیؑ ہو نہیں سکتا

اٹھارہ برس رنج اُٹھا کر جسے پالیں
کس طرح سے داغ اس کی جوانی کا اٹھا لیں
بس ہووے تو آپ اس کے عوض برچھیاں کھا لیں
ناچار ہیں کس طرح کلیجے کو سنبھالیں
واں رحم دلِ فوجِ جفا جو میں نہیں ہے
یاں دل کا یہ عالم ہے کہ قابو میں نہیں ہے

فرزند کا منھ دیکھ کے فرماتے ہیں سرورؑ
عباس نہیں مر گئے ہم مر گئے اکبر
دشمن کو بھی یہ داغ دکھائے نہ مقدر
پہونچا گئے بھائی کو لبِ گور برادر
بابا کے عوض عترتِ حیدر کو سنبھالو
ہم مرنے کو جاتے ہیں تم اب گھر کو سنبھالو

کہتا ہے پسر آپ سے کیونکر نہ جدا ہوں
حضرت پہ تصدق ہوں سب اولادِ شہ خدا ہوں
مشہور ہوں ہم صورتِ محبوبِ خدا ہوں
رخصت مجھے دیجے کہ شریکِ شہدا ہوں
گھر جانے کو فرمایئے اس دم نہ پسر سے
جب آپ نہ ہوں گھر میں تو کیا کام ہے گھر سے

شہ نے کہا کس طرح کہوں مرنے کو جاؤ

اے لال رضا مرنے کی مادر سے تو لاؤ

پوچھا بھی ہے دونوں سے جو مرنے کو چلے ہو

یہ سن کے گئے خیمے میں روتے ہوئے اکبر

رنگ اڑ گیا بیتاب ہوئی شاہ کی خواہر

کیا ظلم ہوا ایسا جو یوں روتے ہو بیٹا

اکبر نے کہا روؤں نہ کیونکر غضب آیا

سر دینے کو جاتا ہے ید اللہ کا پیارا

فرماتے ہیں میداں کی اجازت نہ ملے گی

ماں سمجھی کہ میری ہی طرف ہے یہ اشارا

بھیجوں تو مجھے بے اجل اس داغ نے مارا

کیونکر کوئی کوہ غم ہجراں کا اٹھائے

یہ ذکر تھا جو خیمے میں آئے شہ عالم

شہ نے کہا باقی کوئی مونس ہے نہ ہمدم

ہم شکل نبی بعد مرے تھامے گا گھر کو

ہے شادی اکبر کا نہایت تمہیں ارماں

نوشاہ بنے گا جو مرے بعد یہ ذی شاں

جس وقت قدم مسند شاہی پہ دھریں گے

اس لال کی جس وقت دلھن بیاہ کے لانا

میری بھی طرف سے اسے چھاتی سے لگانا

جب آن کے وہ گھٹنیوں تربت پہ چلے گا

یہ سن کے جگر ہو گیا اکبر کا دوپارا

رخصت مجھے بابا سے دلا دیجے خدارا

جس طرح ہو اس کام میں کد کیجیے اماں

میں آنکھوں سے دیکھا کروں تم برچھیاں کھاؤ

زینب کو تو راضی کرو آنسو نہ بہاؤ

رخصت تمہیں دے کون کہ نازوں کے پلے ہو

ناموس رسول عربی ہو گئے مضطر

بانو نے کہا خیر تو ہے اے مرے دلبر

ان آنکھوں کے ماں صدقے ہو کیوں روتے ہو بیٹا

اب اٹھتا ہے سر پر سے مرے باپ کا سایا

کیں منتیں پر اذن وغا میں نے نہ پایا

بے مرضی مادر تجھے رخصت نہ ملے گی

پردے میں طلب کرتا ہے رخصت مرا پیارا

روکوں تو جدائی نہیں حضرت کی گوارا

ان دونوں سے پہلے مجھے اللہ اٹھا لے

بس دوڑ کے قدموں پہ گری بانوئے پرغم

روکو نہ کہ اب جاتے ہیں مرنے کے لئے ہم

میں چھوڑ چلا ہوں علی اکبر سے پسر کو

جاؤ جو وطن میں تو کرو بیاہ کا ساماں

ہوویں گے نہ ہم رنج مگر ہوئے گی قرباں

اکبر کو یقیں ہے کہ ہمیں یاد کریں گے

بانو یہ ہے یاد ہمیں بھول نہ جانا

پیدا ہو تو مرقد پہ ہمارے اسے لانا

ان چھوٹے سے تلوؤں سے حسین آنکھیں ملے گا

مادر سے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو اشارا

ان باتوں کے سننے کا مجھے اب نہیں یارا

فرزند کی مشکل میں مدد کیجیے اماں

ماں کانپ گئی بی بیاں رونے لگیں ساری
گھبرا کے بھی زینب کے بھی آنسو ہوئے جاری
بانو نے کہا شہ سے یہ لونڈی گئی واری
اکبر نہیں جینے کے جدائی میں تمھاری
رخصت انھیں کیوں دیتے نہیں سوچتے کیا ہو
کچھ ان کی ہے تقصیر کہ لونڈی سے خفا ہو

تم جیتے سلامت تو میں بیاہ ان کا رچاتی
اور باندھ کے سہرا انھیں نوشاہ بناتی
کس چاہ سے چھوٹی سی دولھن بیاہ کے لاتی
واللہ اب اس ذکر سے شق ہوتی ہے چھاتی
وہ کیجے جو ہے قصد مرے راحت جاں کا
جب آپ نہ ہوں کیسی خوشی بیاہ کہاں کا

اب تو یہ خوشی ہے کہ یہ کام آپ کے آئیں
حضرت کی حفاظت کریں اور برچھیاں کھائیں
صاحب کے پسینے پہ لہو اپنا گرائیں
تو بخشیں جو کچھ دودھ بھی سر دینے کو جائیں
رو رو کے کئی بار مرے پاؤں پڑے تھے
یہ دیر سے مرنے پہ کمر باندھے کھڑے تھے

یہ سنتے ہی قدموں پہ گرے اکبر ذی جاہ
چھاتی سے لگا بیٹے کو فرمانے لگے شاہ
بابا یہ ہے دشوار جدائی تری واللہ
خیر اب یہی مرضی ہے تو میدان کی لو راہ
عرصہ نہیں کچھ زیست سے گھبراتے ہیں ہم بھی
تم آگے چلو پیچھے چلے آتے ہیں ہم بھی

یہ کہہ کے جو فرزند سے روئے شہ مظلوم
خیمے میں جواں بیٹے کی رخصت کی ہوئی دھوم
کہنے لگے ہمشکل نبی شہ کے قدم چوم
رکھے گا دم نزع نہ دیدار سے محروم
ماں بولی ہمیں شکل دکھاؤ گے نہ اکبر
صدقے گئی کیا گھر میں پھر آؤ گے نہ اکبر

گھبرا کے کہا بیٹے کے دامن کو پکڑ کر
پھر آنے کا وعدہ تو کرو لے مرے دلبر
بانو سے یہ کہنے لگے رو کر علی اکبر
مہلت جو اجل دے تو پھر آجاویں گے مادر
دانستہ عزیزوں کو بھلاتا نہیں کوئی
واں جانا ہے جب جا کے پھر آتا نہیں کوئی

شہ روتے رہے بانو بھی کرتی رہی زاری
میداں میں پہونچی علی اکبرؑ کی سواری
مقتل کی زمیں حسن سے روشن ہوئی ساری
اک نور جو چمکا متحیر ہوئے ناری
ثابت ہوا اس کو رخ روشن کی چمک سے
خورشید زمیں پر اتر آیا ہے فلک سے

میداں میں یہ غل تھا کہ صدا شاہ کی آئی
اب دلبر زہرا کا بھتیجا ہے نہ بھائی
بانی تھا یہ بیٹا تو ہوئی اس سے جدائی
یاد مجھے دیتا نہیں آنکھوں سے دکھائی
ہمشکل پیمبر ہے یہ دلبند ہے میرا
اٹھارہ برس کا یہیں فرزند ہے میرا

اے ظالمو یہ ہے مری پیری کا سہارا
بانو کا بھی پیارا ہے یہ میرا بھی ہے پیارا
قدموں پہ گرو اس کے اگر پاسِ ادب ہے
ہو صاحبِ اولاد تو نیزے نہ سنبھالو
بیٹوں کی قسم ہے تمہیں اے برچھیوں والو
بے کس ہے تمہیں اور تو کیا دیوے گا شبیرؑ
یہ ذکر تھا رن میں جو قیامت ہوئی برپا
تلواریں چمکنے لگیں مینہ تیروں کا برسا
غل تھا کہ کبھی ایسی لڑائی نہیں دیکھی
لاکھوں میں عجب شان سے لڑتا تھا وہ صفدر
گھوڑے سے اُتر لاشوں میں چھپتے تھے ستمگر
بیٹے کی صدا جس گھڑی سُن پاتے تھے شبیرؑ
تا دیر تو سنتے رہے تلواروں کی جھنکار
لشکر میں ستم گاروں کے یہ غل ہوا اک بار
لو سیدِ مظلوم کے دلدار کو مارا
یہ سنتے ہی گھبرا کے گرے خاک پہ شبیرؑ
اُٹھے جو سنبھل کر تو یہ کرنے لگے تقریر
یاں لُٹ گئے آباد ہم آئے تھے وطن سے
تنہا ہوئے آخر نہ رہا کوئی سہارا
پیری میں کیا جسم کی قوت نے کنارا
مشکل میں مدد باپ کی کرتا علی اکبرؑ
یہ کہتے ہوئے آئے عجب حال سے رن میں
آنکھوں میں بھرے اشک زباں خشک دمِ سرد
پایا نہ کسی جا پہ جو اس رشکِ قمر کو

مر جاؤں گا میں جیتے جی گر اس کو بھی مارا
تصویر ہے اس کی جو پیمبرؐ ہے تمہارا
احمدؐ کی نشانی کا مٹانا تو غضب ہے
زخمی مرا دل ہوتا ہے اے برچھیوں والو!
اس داغ سے بابا کے کلیجے کو بچا لو
بچ جائے گا اکبرؑ تو دعا دیوے گا شبیرؑ
ہر سمت سے اکبرؑ پہ کیا فوج نے نرغا
اکبرؑ نے بھی لے نام علیؑ تیغ کو کھینچا
یہ تیغ کی بُرّش یہ صفائی نہیں دیکھی
دو چار ہی حملوں میں صفیں ہو گئیں بے سر
اک برق گری جس پہ پڑی ضربتِ اکبرؑ
سجدے کے لئے خاک پہ جھک جاتے تھے شبیرؑ
تکتے تھے پہ اکبرؑ نظر آتا تھا نہ زنہار
برچھی علی اکبرؑ کے کلیجے سے ہوئی پار
مارا اسے کیا احمدِ مختار کو مارا
واں چھاتی پہ برچھی لگی یاں دل پہ لگا تیر
تقدیر میں تھا داغِ پسر واہ ری تقدیر
بیٹے کو اسی واسطے لائے تھے وطن سے
فریاد کہ اکبرؑ کو ستم گاروں نے مارا
تھا جس کا سہارا وہی دنیا سے سدھارا
ہم جیتے کوئی دن جو نہ مرتا علی اکبرؑ
لغزش جو قدم میں تھی تو رعشہ تھا بدن پر
جوں شیر ترائی میں کبھی اور کبھی بن میں
گھبرائے ہوئے ڈھونڈتے پھرتے تھے پسر کو

اتنے میں یہ پُر درد صدا دور سے آئی ؛
بیٹے نے انی برچھی کی چھاتی پہ ہے کھائی
غش طاری ہے آنکھوں کو بھی کھولا نہیں جاتا
آواز پسر سنتے ہی دوڑے شہ ذی شاں
لاشے سے لپٹ کر کہا بابا ترے قرباں
رخ زرد ہے سرتا بہ قدم خوں میں بھرے ہو
یہ سنتے ہی دم میں علی اکبرؑ کے دم آیا
مجروح سناں سینے کو بیٹے کے جو پایا
دلبند محمدؐ کے جگر بند کو مارا
اکبرؑ نے کہا صبر کرو اے شہ عالمؑ ؛
بندے کو تو کچھ مرگ جوانی کا نہیں غم
دشمن ہے مرا اک دشمن دیں آپ کی جاں کا
یہ کہتے ہی تیور علی اکبرؑ نے پھرائے
سر پیٹ کے شبیرؑ سخن لب پہ یہ لائے
کیا بولتے دنیا سے سفر کر گئے اکبرؑ
اس درد سے روتے تھے پسر کو شہ والا
لکھا ہے کہ جب مر گیا وہ گیسوؤں والا
تھا نور سے چہرے کے گماں بنت نبیؐ کا
تھے بال تو بکھرے ہوئے اور جسم میں رعشا
چلاتی تھی ملتے ہوئے ہاتھوں سے کلیجا
شادی بھی ہوئی تھی نہ مرے ماہ لقا کی
ہے ہے مرے پیارے مرے جانی علی اکبرؑ
ہے ہے نہ میسر ہوا پانی علی اکبرؑ
بن بیاہے تم اس دار فنا سے گئے واری

اے قبلۂ کونین بڑی دیر لگائی ؛
مل لیجے آ کر کہ ہے درپیش جدائی
یہ درد ہے سینے میں کہ بولا نہیں جاتا ؛
دیکھا کہ ہے فرزند جواں خون میں غلطاں
کیا حال ہے کھایا ہے کہاں زخم مری جاں
مجھ سے تو کہو چھاتی پہ کیوں ہاتھ دھرے ہو
بابا کی طرف پیار سے ہاتھوں کو بڑھایا
سر پیٹ کے چلایا کہ فریاد خدایا
اٹھارہ برس کے مرے فرزند کو مارا
ہم آپ کی آغوش میں جہاں سے گئے دم
افسوس کہ حضرت رہے بے مونس و ہمدم
تنہائی ہے اور سامنا دو لاکھ جواں کا
ہمراہ دم سرد کے آنسو نکل آئے
آغوش سے بابا کی چلے بانو کے جائے
سوکھی ہوئی دکھلا کے زباں مر گئے اکبرؑ
افلاک کو جنبش تھی زمیں تھی تہ و بالا
تقدیر نے اک بی بی کو خیمے سے نکالا
رفتار میں انداز تھا رفتار علیؑ کا
اشک آنکھوں میں اور [illegible]
مارا گیا اٹھارہ برس کا مرا بیٹا ؛
میں لٹ گئی اس بن میں دہائی ہے خدا کی
ہے ہے مرے نانا کی نشانی علی اکبرؑ
برباد ہوئی تیری جوانی علی اکبرؑ
پانی نہ ملا خلق سے پیاسے گئے واری

زینبؑ کی صدا سُن کے اٹھے سید ابرار
خیمے میں لے گئے با دیدۂ خوں بار
یہ جائے خموشی ہے اٹھی جگر افگار
حق سے یہ دعا مانگ کہ اے ایزدِ غفار
بر لا مری اُمید کو سرور کا تصدق
اکبرؑ کا تصدق، علی اصغرؑ کا تصدق

سلام

آ کے جو بزمِ عزا میں رو گئے
بخشی وہ فردِ عصیاں دھو گئے

یاد آیا دامنِ مادر کا چین
پاؤں پھیلا کر لحد میں سو گئے

اشک کیا نکلیں کڑے احوال پر
سنتے سنتے قلب پتھر ہو گئے

موت آتی ہے بجھتا الفراق
آج وعدے سب برابر ہو گئے

ہاتھ سے جاتا رہا نقدِ حیات
جان لے کر آئے بے جاں ہو گئے

عالمِ فانی میں کیا تم کو ملا
اور کچھ اپنی گرہ سے کھو گئے

راحت آبادِ عدم ہے خوب جا
پھر نہ آئے وہ جہاں سے جو گئے

ہتھکڑی اور بیڑیوں کو دیکھ کر
دست و پا عابدؑ کے ٹھنڈے ہو گئے

چھد گیا نخلِ گہر ناوک سے حلق
لعل سی جاں اپنی اصغرؑ کھو گئے

خون گردن سے جو نکلا گرم گرم
بھر کے آہِ سرد ٹھنڈے ہو گئے

آ کے تربت پر پکارے شاہِ دیں
ہائے آج اصغرؑ اکیلے ہو گئے

عالمِ پیری میں یہ غفلت انیسؔ
رات بھر جاگے سحر کو سو گئے

۱۷

مرثیہ
بند ۱۰۴

جس دم شرف اندوز شہادت ہوئے عباسؑ
آقا کے قدم چوم کے رخصت ہوئے عباسؑ
نعرہ جو نعروں سے چھپی شیر خدا کی
اکبر نے کہا جان پہ ہم تو جنس گئے
بازو میں گئے تیر داغ کا مرہم جیس گئے
بھائی کو نہ بھائی سے جدا کیجیو بیٹا
اس وقت ہے سینے میں کلیجہ تہ و بالا
زینت مرے لشکر کی مرے گھر کا اجالا
مرتے ہوئے جس وقت مجھے پیار کیا تھا
فرمایا تھا اس میری امانت سے خبردار
ہے یہ مرا شیدا مری راحت کا طلبگار
اب خلق میں ترسیں گے زیارت کو علیؑ کی
یہ قتل ہوئے اور نہ سکینہ کی بجھی پیاس
اس کو یہ توقع تھی کہ اب آتے ہیں عباسؑ
ماتم کا جو حق ہے وہ ادا ہو نہیں سکتا
پانی بھی بہا خوں بھی بہا جسم سے سارا
گھوڑے سے گرا خاک پہ ہے ہے مرا پیارا
اس بھائی پہ قربان نہ ہم ہو گئے ہے ہے
اس نے مرے بچوں کے لیے مشک اٹھائی
افسوس ہے پہلے نہ ہماری اجل آئی
عباسؑ کے مرتے ہی اجل پیش نظر ہے

غل تھا کہ نثار سر حضرت ہوئے عباسؑ
جعفر کی طرح داخل جنت ہوئے عباسؑ
صدمے سے کمر جھک گئی شاہ شہدا کی
بچنے نہیں دیوے گا یہ غم ہم تو جنس گئے
بے دم ہوئے عباسؑ اب اک دم تو جیس گئے
میری بھی یہیں قبر بنا دیجیو بیٹا
اس طرح کا ملتا ہے کوئی چاہنے والا
بھائی بھی وہ بھائی جسے آغوش میں پالا
بابا نے مرے ہاتھ میں ہاتھ اس کا دیا تھا
اے سعد کے ملتا ہے ایسا دُرِ شہوار
دنیا سے گیا ہائے علمدار خوش اطوار
ہم ہاتھوں سے کھو بیٹھے امانت کو علیؑ کی
ڈیوڑھی پہ کھڑی بہن کو تکتی ہے بصد یاس
سن پائے تو مر جائے گی وہ بیکس و بے آس
عباسؑ کو چلا کے بھی میں رو نہیں سکتا
جب کٹ گئے بازو بھی اس وقت پکارا
نیزہ مری چھاتی پہ نہ جلاد نے مارا
پہلے مرے بازو نہ قلم ہو گئے ہے ہے
دریا پہ گئی حیدر صفدر کی کمائی
ہم جیتے ہیں اور قتل ہوا شیر سا بھائی
بابا کو سنبھالو کہ ہمارا بھی سفر ہے

بچپن سے کبھی منھ مری خدمت سے نہ موڑا
اس عالم پیری میں کمر کو مری توڑا
کھیتی ہوئی پامال لٹا باغ علی کا
عاشق تھے برادر کا علم دیکھ نہ سکتے
تیغوں سے مرے ہاتھ قلم دیکھ نہ سکتے
کچھ رنج نہ تقدیر برادر میں لکھا تھا
کیا کیا نہ مرے امر میں کی شمر سے تقریر
سو بیٹے نثار قدم حضرت شبیر
سالک نے بھی چھوڑا ہے کہیں راہ خدا کو
عاشق کہیں معشوق سے کرتے ہیں کنارا
قمری کو بجز سرو چمن کون ہے پیارا
سر تن سے جدا ہو یہ یہ جانا نہ جدا ہو
کعبے کو کوئی چھوڑ کے جاتا ہے سوئے دیر
دوزخ میں چلے کوئی کہ جنت کی کرے سیر
کون اور مرا خلق میں بھائی سے سوا ہے
اے شمر امام ازلی ہے مرا آقا
سید ہے ولی ابن ولی ہے مرا آقا
منھ قبلۂ ایماں سے بھی موڑا ہے کسی نے
فرزند محمد ہے مرا مالک و مختار
کہہ دیں تو ابھی کود پڑوں آگ میں اک بار
رستم ہوں تو ان کا ہوں جو صفدر ہوں تو ان کا
عباس علی دل سوز میں یاد آ گئے کہاں ہائے
بے دست ہوا حیدر صفدر کا نشاں ہائے
اس زیست سے آ جائے اجل کاش ہماری

قدموں پہ جھکے گا کبھی ہاتھوں کو جوڑا
بتیس برس بعد ہمیں بھائی نے چھوڑا
تازہ ہوا پھر آج ہمیں آج علی کا
جو دیکھتے ہیں ہم وہ ستم دیکھ نہ سکتے
وہ ہم کو تہ تیغ دو دم دیکھ نہ سکتے
یہ داغ ہمارے بھی مقدر میں لکھا تھا
کس غصے سے کہتے تھے کہ او ظالم بے پیر
کیا مال ہے سالاری و سرداری و جاگیر
قبلے سے پھر آتا ہے رخ قبلہ نما کو
بلبل کو کبھی گل کی جدائی ہے گوارا
گردن سے کبھی طوق غلامی نہ اتارا
اندھیر ہے گر شمع سے پروانہ جدا ہو
ہوں قتل تو ہو جائے مرا خاتمہ بالخیر
منصف ہو عزیز اپنے کہاں اور کہاں غیر
یا حضرت شبیر ہیں یا شیر خدا ہے
لخت دل زہرا و علی ہے مرا آقا
شمع حرم لم یزلی ہے مرا آقا
آقا کو برے وقت میں چھوڑا ہے کسی نے
فرمائیں تو دریا میں ابھی ڈال دوں گھوڑا
گر حکم وغا دوں تو کروں لاکھوں سے پیکار
بندہ ہوں تو ان کا جو برادر ہوں تو ان کا
یوں مجھ سے چھٹا ہائے مرا مرتبہ داں ہائے
سوتا ہے ترائی میں مرا شیر جواں ہائے
عباس کے پہلو میں رہے لاش ہماری

یہ کہہ کے تڑپتے تھے ادھر سیدِ ابرار
تھا شور کہ دریا پہ ہوا قتل علمدار
اب وہ نہیں جس سے ہمیں اندیشۂ جاں تھا
اس سرو سے تھی رونقِ گلزارِ شجاعت
دکھلا گیا وہ شیر جو تھے کارِ شجاعت
سب یوں تو بہادر ہیں پہ یہ طور نہیں ہے

اب دیر ہے کیا گھیر کے شبیر کو مارو
جو بھاگ گئے ہیں عباس سے ان کو بھی پکارو
عباس کو مارا انھیں بے سر نہیں کرتے
فرزندِ محمد کا گلا کاٹنے جاؤ
ہاں قبر میں خاتونِ قیامت کو رُلاؤ
بے یار و مددگار شہنشاہِ اُمم ہیں

بہتر نہیں یہ لاف و گزاف اے سپہِ شام
پوتا ہوں علی کا علی اکبر ہے مرا نام
اک شیر سا ابھی صاحبِ شمشیر ہے باقی
گھبرا کے لگے دیکھنے منہ بیٹے کا شبیر
بہتر ہے مناسب ہے مرے قتل کی تدبیر
اک بھائی مرے ایک جسے سخت الم ہے

مظلوم کے فرزند ہو غصے میں نہ آؤ
یہ مشک و علم لے کے تم اب خیمے میں جاؤ
تیغوں سے نہ بابا کو بچانے کو اب آنا
اکبر تمہیں دنیا میں رکھے خالقِ اکبر
زینب نہیں خیمے سے نکلنے کی کھلے سر
جب شیر سے آؤ گے تو ہٹ جائیں گے اعدا

اور واں دہلِ فتح بجاتے تھے ستمگار
فرزندِ یداللہ کے بازو ہوئے بیکار
بس فوجِ حسینی میں یہی ایک جواں تھا
چہرے سے عیاں ہوتے تھے آثارِ شجاعت
اب سرد ہوئی گرمیِ بازارِ شجاعت
ویسا تو اولوالعزم کوئی اور نہیں ہے

ہاں ابنِ یداللہ کا سر تن سے اُتارو
بلکہ یہ چڑھائی کا یہی وقت ہے یارو
اب کھینچ کے تیغیں یہ ہمسر نہیں کرتے
شمعِ محمد شیرِ الٰہی کو بجھاؤ
روکے گا کوئی تم کو یہ خاطر میں نہ لاؤ
ہمشکلِ پیمبر نے پکارا ابھی ہم ہیں

کٹ جاؤ گے جس وقت چلے گی مری صمصام
تنہا نہیں مخدومۂ عالم کا گل اندام
اک شیر ہوا قتل تو اک شیر ہے باقی
فرمایا کہ کہنے دو جو کچھ کہتے ہیں بے پیر
رکھ دے گا حسین اپنا گلا خود تہِ شمشیر
عباس کے ماتم میں کسے جان کا غم ہے

بابا کے لیے آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ
گھر لٹنے نہ دو چادرِ زینب کو بچاؤ
آنا تو مری لاش اُٹھانے کو اب آنا
تم ہو گے تو بچ جائے گا لٹنے سے مرا گھر
غربت میں ہیں غسل و کفن ہوگا میسر
گھوڑے نہ مری لاش پہ دوڑائیں گے اعدا

تھرّا گئے سُن کر یہ سخن اکبرِؑ ذی جاہ
میں آپ پہ دیکھوں ستمِ لشکرِ گمراہ
حضرت کو قسم دیتا ہوں محبوبِ خدا کی
کس طرح غلام آپ کو یاں چھوڑ کے جائے
کٹوا کے گلا آپ زمانے سے گزر جائے
بے سر دیئے ممکن ہے کہ قدموں سے جدا ہوں

رخصت کا جو اکبرؑ نے سخن منہ سے نکالا
فق ہو گئے گویا کہ لگا قلب پہ بھالا
حالت ہوئی تغیر شہنشاہِ زمن کی
فرمایا تڑپ کر کہ یہ کیا کہتے ہو پیارے
جن سے مجھے قوت تھی وہ دنیا سے سدھارے
فرزند جواں باپ کی قوت کا سبب ہے

تصویرِ ید اللہ کو ان ہاتھوں سے کھویا
وہ قتل ہوا کیا ہمیں اب مر گئے گویا
اب جاتی ہے تصویرِ پیمبرؐ مرے گھر سے
امت پہ فدا کر چکے شبّرؑ کے پسر کو
اب بھائی کو روؤں کہ برادر کے پسر کو
مقتل میں مرے قتل کی باری نہیں آتی

حضرت کا سخن سن کے دل اکبرؑ کا بھر آیا
آداب سے سر پائے مبارک پہ جھکایا
خیمے کی طرف فوجِ ستم جاتی ہے بابا!
ایسا نہ ہو خیمے میں دھنسے لشکرِ ناری
عمّو کی تو داخل ہوئی جنت میں سواری
ایسے نہیں بچھڑے ہیں کہ پھر آن ملیں گے

کی عرض یہ بندے سے نہ فرمایئے یا شاہ!
اس دن کو زمانے میں نہ دکھلائے مجھے اللہ
اب مجھ کو رضا دیجئے میدانِ وغا کی
بچپن سے جو قدموں سے نہ چھوٹا وہ کدھر جائے
اٹھارہ برس تک جسے پالا ہے وہ مر جائے
غیر آپ پہ قربان ہوں اور ہم نہ فدا ہوں

صدمے سے ہوا شہ کا کلیجہ تہ و بالا
ہاتھوں سے کمر چھوڑ دی اور دل کو سنبھالا
کی آہ اک ایسی کہ زمیں ہل گئی رن کی
کیا تم بھی نہیں رہنے کے اب پاس ہمارے
بتلاؤ یہ مظلوم جئے کس کے سہارے
پیری کا عصا ہاتھ سے چھوٹا تو غضب ہے

جاگا ہوا راتوں کا اب آرام سے کھویا
جی بھر کے ابھی بھائی کو اپنے نہیں رویا
بھائی سے جدا ہو کے بچھڑتا ہوں پسر سے
گھیرے ہے اجل بانوئے بے پر کے پسر کو
سب چھوڑ چلے جاتے ہیں حیدرؑ کے پسر کو
سب مرتے ہیں اور موت ہماری نہیں آتی

خوں نابِ جگر نرگسی آنکھوں سے بہایا
کی عرض کہ حق سر پہ رکھے آپ کا سایا
رونے کی سکینہ کے صدا آتی ہے بابا!
ناموس کی عزت کو رکھے ایزدِ باری
اب تا بہ کجا لاش پہ یہ گریہ و زاری
محشر کے سوا اب نہ چچا جان ملیں گے

سنتا ہوں کہ خیمے میں غش آیا ہے پھوپی کو
اب چل کے کرو بین روئیں گے عباس علیؑ کو
دکھلائے خدا داغ نہ وارث کا کسی کو
عباسؑ کا پرسا ابھی دینا ہے بہن کو
پھوپی کا دم غش میں بھی بھرتی ہے سکینہ
اب دیکھئے بچتی ہے کہ مرتی ہے سکینہ

آگے ہوئے اکبرؑ علم و مشک کو لے کر
اور پکڑے کمر پیچھے چلے سبطِ پیمبرؐ
مڑ مڑ کے سوئے لاش یہ چلاتے تھے اکبرؑ
اللہ کو سونپا تھا ترے لاشے کو برادر
تم چاک گریباں کئے جاتے ہیں بھائی
اکبرؑ ہمیں خیمے میں لئے جاتے ہیں بھائی

تنہا ہیں تمہیں چھوڑ کے خیمے میں نہ جانا
شرمندہ ہوں بھاوج کو منہ اپنا نہ دکھانا
خنجر سے گلا میں بھی نہیں اپنا کٹاتا
روتی ہے سکینہؑ مجھے کچھ بن نہیں آتا
تم حشر کے دن سے یہ تلاطم نہیں بھائی
خیمے میں علم جاتا ہے اور تم نہیں بھائی

بتلاؤ سکینہ تمہیں پوچھے تو کہوں کیا
سمجھاؤں میں اس بی بی کو دوں کس کو دلاسا
خیمے میں جو ہے چاند سا فرزند تمہارا
کیا اس سے کہوں جب کہے کیا ہوگئے بابا!!
تم نہر سے کوثر کے کنارے گئے عباسؑ
میں کہہ نہیں سکنے کا کہ مارے گئے عباسؑ

ناگاہ صدا حیدرِ صفدر کی یہ آئی
میں پاس ہوں بیٹا نہیں تنہا ترا بھائی
مخدومۂ عالم نے یہ آواز سنائی
موجود ہے یاں احمدِ مختار کی جائی
سایہ تنِ بے دست پہ چادر کا کئے ہوں
میں لاشۂ عباسؑ کو گودی میں لئے ہوں

تم جاؤ کہ زینبؑ نہ کھلے سر نکل آئے
مارا گیا بھائی صفِ ماتم کو بچھائے
عباسؑ کے فرزند کو چھاتی سے لگائے
بیوہ ہوئی بھاوج اسے رنڈسالہ بٹھائے
اس سن میں وہ بوٹی کٹی غم کھاتی ہوں میں بھی
پرسا اسے دینے کے لئے آتی ہوں میں بھی

مادر کی صدا سن کے چلے خیمے کو سرور
یاں جمع تھے ڈیوڑھی پہ حرم کھولے ہوئے سر
غل پڑ گیا لو مشک و علم لاتے ہیں اکبرؑ
زینبؑ نے کہا کیا نہیں عباسِ دلاور
فضہ نے کہا ہاں وہ خوش اطوار نہیں ہے
سردار تو آتا ہے علمدار نہیں ہے

زینبؑ نے کہا دیکھ تو ہے بھائی کا کیا حال
وہ بولی کہ ہے خاک بسر فاطمہؑ کا لعل
صدمے سے کمر خم ہے اور آنکھوں پہ ہے رومال
چلاتے ہیں عباسؑ علمدار خوش اقبال
گرتے ہیں تو اٹھا نہیں جاتا ہے زمیں سے
اکبرؑ جو اٹھاتے ہیں تو اٹھتے ہیں زمیں سے

غصہ سے یہ سنتا تھا کہ بس پڑ گیا ماتم
سر پیٹتی خیمے میں گئی زینبؑ پرغم
عباسِ علمدار کی زوجہ میں نہ تھا دم
سب بی بیاں حلقے میں لیے تھیں اُسے باہم
وہ کہتی تھی وارث مرا کام آیا ہے لوگو!
میں کبھی رنڈاپے کا پیام آیا ہے لوگو!

روتے ہوئے اتنے میں امامِ اُمم آئے
پیچھے علی اکبرؑ لیے مشک و علم آئے
زینب سے کہا لو بہن اسبابِ غم آئے
لشکر کی جو رونق تھی اُسے کھو کے ہم آئے
پہونچا لبِ کوثر تو علمدار ہمارا
دُنیا میں نہیں کوئی بھی غم خوار ہمارا

گاڑا جو علم صحن میں غم چھا گیا سب پر
سب بی بیوں نے زیرِ علم کھول دیئے سر
دامانِ علم خون علمدار سے تھا تر
اک شور پڑا ہائے علمدار دلاور
سر پیٹ کے ہاتھوں سے بلکتی تھی سکینہ
تیروں سے چھدی مشک کو تکتی تھی سکینہ

صدمہ تھا عجب بی بیوں کی جانِ حزیں پر
چھائی تھی اداسی علمِ سرورِ دیں پر
جب خون پھریرے سے ٹپکتا تھا زمیں پر
گرتا تھا فلک غم کا شہِ عرش نشیں پر
پھاڑا تھا گریباں جو شہنشاہ اُمم نے
ماتم کے لیے ہاتھ نکالا تھا علم نے

ملتا تھا ہوا سے کبھی دامن کبھی پرچم
عباسؑ کی بو اس سے چلی آتی تھی پیہم
چلاتی تھی یوں زوجۂ عباسؑ بصد غم
ہے ہے مرے والی مرے مونس مرے ہمدم
صورت بھی سکینہ کو دکھاتے نہیں صاحب
گھر میں علم آیا ہے تم آتے نہیں صاحب

کیا خوش تھے کہ ہاتھ آئے علمداری لشکر
کہتی تھی یہ آنکھوں سے پھریرے کو لگا کر
صاحب مرے آقا پہ تصدق ہے مرا گھر
بھائی نے مجھے آج کیا ثانیٔ جعفر
ہے ہے شہِ والا کی کمر توڑ گئے تم
جنت میں سدھارے یہ علم چھوڑ گئے تم

گھبرا گیا غل سن کے یہ عباسؑ کا دلبر
رخ زرد تھا دل کانپتا تھا سینے میں تھر تھر
گردن میں تو تھیں ہنسلیاں اور کانوں میں گوہر
اس بھیڑ میں بابا کو لگا ڈھونڈھنے آکر
کہتا تھا کدھر مجھ سے نہاں ہیں مرے بابا
اماںؑ کیسے روتی ہیں کہاں ہیں مرے بابا

کہتی ہیں پھوپی کس کو کہ ہے ہے مرے بھائی
حضرت تو سلامت ہیں ہوئی کس سے جدائی
بکس میں ہے کوئی لاش ہے جس کی یہ نشانی
دریا پہ تو بابا نے بڑی دیر لگائی
جیتا ہے دل سینے میں گھبراتے ہیں اماں
بابا کی خبر لینے کو ہم جاتے ہیں اماں

تنہا پہ ہزاروں کی چڑھائی نہ ہوئی ہو
دریا پہ کہیں اُن سے لڑائی نہ ہوئی ہو
برباد ید اللہ کی کمائی نہ ہوئی ہو
بابا کے سر و تن میں جُدائی نہ ہوئی ہو
کیوں لا کے علم صحن میں گاڑا ہے چچا نے
کیوں اپنے گریبان کو پھاڑا ہے کسی نے

ماں بولی کہ تم کس لئے گھبراتے ہو واری
عباس کی میداں سے اب آئے گی سواری
وہ کہتا تھا کیونکر نہ کریں گریہ و زاری
ہے تن سے نکل جانے کو یہ جان ہماری
تنہا کبھی گھر میں شہِ والا نہیں آئے
یہ کیا کہ علم آیا ہے بابا نہیں آئے

کاندھے پہ جسے رکھ کے گئے تھے مرے بابا
اماں یہ وہی ہے علم سید والا
بو آتی ہے بابا کی تڑپتا ہے کلیجا
بتلاؤ تو یہ مشک سکینہ کی نہیں ہے
گر اُن پہ نہیں تیر چلے فوجِ عدو سے
یہ سبز علم سرخ ہوا کس کے لہو سے

یہ سنتے ہی سب بی بیوں نے شور مچایا
زینب نے اسے زیرِ علم لا کے بٹھایا
اور پھاڑ کے کُرتے کا گریباں یہ سنایا
عریاں کرو سر کو کہ اُٹھا باپ کا سایا
بیٹا کہ علمدار سفر کر گیا بیٹا!
ماں رانڈ ہوئی باپ ترا مر گیا بیٹا!

سر پیٹ کے ہاتھوں سے وہ معصوم پکارا
فرمایا ہے اعدا نے مرے باپ کو مارا
اب آس رکھیں کس کی رہا کون سہارا
جو پالنے والا تھا وہ دنیا سے سدھارا
اب بیکسی و غم کی گھٹا چھا گئی ہم پر
بچپن میں یتیمی میں بلا آ گئی ہم پر

بے جاں مرے بابا ہوئے وا حسرت و دردا
بن بھائی کے آقا ہوئے وا حسرت و دردا
ہم ہیں بے پدر کیا ہوئے وا حسرت و دردا
ہم بیکس و تنہا ہوئے وا حسرت و دردا
رونے کو نہ ہوگا تنِ صد پاش پہ کوئی
جل کر ہمیں قربان کرے لاش پہ کوئی

عمو تو مرے باپ کا لاشہ بھی نہ لائے
وہ چاند سی تصویر ہمیں کوئی دکھائے
دریا کی ترائی کی کوئی راہ بتائے
لاشے پہ پدر کے یہ پسر رونے کو جائے
تربت میں ابھی تو نہ گڑے ہو دیں گے بابا!
جلتی ہوئی ریتی پہ پڑے ہو دیں گے بابا!

معصوم کے اس بین سے برپا ہوا کہرام
یوں کہنے لگے بی بیوں سے اکبرِ گلفام
اب صبر کرو صبر یہ ہے صبر کا ہنگام
درپیش ہمیں بھی ہے شہادت کا سر انجام
پرسا مرا دے کے شہِ ابرار کو رونا
اب ساتھ ہمیں اور علمدار کو رونا

گھبرا کے یہ بانوئے دل افگار پکاری
اماں نہیں جینے کی یہ کیا کہتے ہو واری
اکبرؑ نے کہا جان نہیں باپ سے پیاری
اب قطع کریں آپ محبت کو ہماری
روکو گی اگر ہم کو تو ٹٹ جاؤ گی اماں
زہرا کے جگر بند سے چھٹ جاؤ گی اماں

ہے سبطِ پیمبرؐ پہ عجب صدمۂ جانکاہ
خود لے کے چلو مجھ کو حضورِ شہِ ذی جاہ
منت سے کرو عرض کہ اے ابنِ ید اللہ
بھیجو علی اکبرؑ کو میانِ صفِ جنگاہ
یاں صبح سے خاتونِ جناں روتی ہے اماں
اولاد اسی دن کے لئے ہوتی ہے اماں

بانو نے کہا مجھ کو نہ سمجھاؤ بلا لوں
کیونکر تری رخصت کا سخن منہ سے نکالوں
کھوؤں اسے اٹھارہ برس تک جسے پالوں
میں دل کو سنبھالوں کہ کلیجے کو سنبھالوں
ٹھہرو کہ دم اکھڑا ہوا سینے میں ٹھہر جائے
ایسی نہ کرو بات کہ مادر ابھی مر جائے

ممکن ہے کوئی دولت اولاد کو کھوئے
ماں جیتی رہے اور پسر قبر میں سوئے
اکبرؑ نے کہا حشر بپا خیمے میں ہوئے
تم روؤ نہ بیٹے کے لئے فاطمہ روئے
پر دل میں جو ٹھانی ہے وہ کر جائیں گے ہم بھی
بابا نہیں جینے کے تو مر جائیں گے ہم بھی

روکا جو ہیں سیدِ اکرمؐ کو بھی روکو
زاری نہ کرو دیدۂ پرنم کو بھی روکو
بخت دلِ مخدومۂ عالم کو بھی روکو
بابا کو اگر روک سکو ہم کو بھی روکو
یہ کہہ کے گرا قدموں پہ ہم شکلِ پیمبرؐ
مادر نے کہا خیر! سدھارو علی اکبرؑ

خوش ہو کے چلا خیمے سے بانو کا وہ دلبر
سب رہ گئے روتے حرمِ سیدِ ابرار
اعدا سے کہا جا کے کہ اے فرقۂ اشرار
بابا مرے شبیرؑ ہیں کونین کے مختار
جوہر جو ہیں ان میں وہ زمانے پہ عیاں ہیں
تیغ ان پہ نہ کھینچو کہ یہ خود سیفِ زباں ہیں

آفاق میں ہوتے نہ اگر پنجتنِ پاک
فرماتا ہے خالق، نہ زمیں ہوتی نہ افلاک
کس شخص کے نانا کا لقب ہے شہِ لولاک
جب نورِ خدا اٹھ گیا پھر کیا ہے بجز خاک
اللہ و محمدؐ کے جو پیارے ہیں تو یہ ہیں
بالائے زمیں عرش کے تارے ہیں تو یہ ہیں

سب خلق پہ احساں ہیں شہِ عرش نشیں کے
ناجی ہیں یہی کفر کے بانی ہیں یہی دیں کے
تلوار سے پر کاٹے ہیں جبریلِ امیں کے
چاہیں تو الٹ دیں ابھی طبقوں کو زمیں کے
بچپن سے ہیں اللہ کی سرکار کے مالک
کونین کے مختار ہیں تلوار کے مالک

وہ کون تھا شمشیر جسے عرش سے آئی
کفار کے لشکر پہ ظفر کس نے ہے پائی
کس سے ہوئی خیبر و خندق کی لڑائی
کس شخص نے ہے کفر کی بنیاد مٹائی
رائج ہوا دیں کس شہ ذی جاہ کے گھر سے
بُت کس نے نکلوا دیئے اللہ کے گھر سے
اصنام پرستی کو زبوں کر دیا کس نے
سر لات و عزیٰ کا نگوں کر دیا کس نے
اسلام کے رتبے کو فزوں کر دیا کس نے
شیروں کا جگر خوف سے خوں کر دیا کس نے
باطل کے سوا حق کا کہو نام کہاں تھا
یہ دین یہ آئین یہ اسلام کہاں تھا

یہ فیض اسی گھر سے ہوا خلق پہ جاری
لازم ہے عداوت تمہیں یا شکر گزاری
نازل نہ کہیں ہو غضب ایزد باری
چلتی ہے تو رکتی نہیں تلوار ہماری
ہم وہ ہیں کہ تنہا ہی ہزاروں سے لڑے ہیں
یہ صبر کے جوہر ہیں کہ خاموش کھڑے ہیں

سُن کر یہ سخن کہنے لگے ظلم کے بانی
مشہور ہے تم لوگوں کی اعجاز بیانی
بابا کے لئے کھوتے ہو کیوں اپنی جوانی
تم کیا لو، یہ ہم دیں گے نہ شبیر کو پانی
پانی نہ تمہیں دیں تو بڑی بے ادبی ہو
آتا ہے ہمیں رحم کہ ہم شکل نبیؐ ہو

اعدا سے یہ سُن کر وہ دلاور ہوا برہم
فرمایا کدھر دھیان ہے اے فرقۂ ظالم
بابا کو تو پانی نہ ملے اور پئیں ہم
اکبر کی جوانی ہے نثار شہ عالم
حضرت سے کبھی جان کو پیارا نہ کروں گا
جینے کے لئے ننگ گوارا نہ کروں گا

لو میاں سے لیتا ہوں میں تلوار خبردار
اب گرتی ہے یہ برق شرر بار خبردار
عرصہ نہیں چلتا ہے مرا وار خبردار
آیا میں، خبردار، خبردار، خبردار!
ان بازوؤں میں زور ہے خیبر شکنی کا
رد کے مجھے دعویٰ ہو جسے تیغ زنی کا

لشکر کی صفیں آگے نقیبوں نے جمائیں
دریائے بلا خیز کی موجیں نظر آئیں
اس طرح نہ سطریں کبھی صفحے میں سمائیں
تیغوں کی چمک تھی کبھی بالا کبھی پائیں
کثرت کے سبب سائے کو جا گہ نہ کہیں تھی
لشکر کی صفیں تھیں کہ زمیں چیں بہ جبیں تھی

یہ نازیوں سے گرم ہوا قتل کا میداں
ملبوس بدن پھینک کے تیغیں ہوئیں عریاں
گرمی سے نکالے تھے زباں خنجر براں
اور صورت اژدر تھیں سنانیں شرر افشاں
اٹھا تھا دھواں یہ کہ سیہ رنگ علم تھے
پھل برچھیوں کے آگ کے شعلوں سے نہ کم تھے

اطباق فلک گونجتے تھے فوج کے غل سے
غاروں کو جو کاوش تھی ید اللہ کے گل سے

ہر صف سے چلے تیر ستم تشنہ دہاں پر
برچھے بڑھے ستم گاروں نے بھالوں کو سنبھالا
تلوار کو اکبر نے کمر سے جو نکالا

غصے میں جو ابن خلف شاہ نجف تھا
لشکر میں در آئے علی اکبر صفت شیر
بے سر ہوئے سردار زبردست بھی زیر

چیدہ جو بہادر تھے وہ بے جاں ہوئے دم میں
یوں تیغ نے سرداریوں کے تن سے اتارے
تلوار تھی یا برق کے انداز تھے سارے

قبضے میں اسی صاحب جوہر کے قضا تھی
ایک ایک قدم پر سر اور لاش پہ تھی لاش
ٹھیرے نہ قدم ان کے جو تھے بر سر پرخاش
بجلی کی تڑپ فوج کو دکھلاتی تھی تلوار
حلقے میں اگر ان کے کماندار نے گھیرا
فرمایا کہ ہاں وار کوئی روکے تو میرا

مہلت نہ کسی کو ملی اس برق اجل سے
بجلی سا ہر اک صف سے نکل جاتا تھا گھوڑا
سر کٹ کے گرا جس کا اسے ٹاپ نے توڑا

اڑتا ہوا یوں فوج کے انبوہ سے نکلا
یہ صف ہوئی پامال تو اس صف میں در آیا
یاں سے جو گیا واں تو ادھر سے ادھر آیا
اڑنے میں جھپک گل کی تن صاف سے آئی

ٹھہرا تھا دل رعد کا آواز دہل سے
برگشتہ تھے ہم شکل شہنشاہ رسل سے
دو لاکھ جواں ٹوٹ پڑے ایک جواں پر
اور قبضے پہ ہاتھوں کو سواروں نے بھی ڈالا
دہشت سے ہوا عالم بالا تہ و بالا
العظمۃ للہ کا غل چار طرف تھا:
بجلی سی چلی شام کے بادل پہ جو شمشیر
لاشوں کے چپ و راست نظر آنے لگے ڈھیر
دس بیس صفیں بجھ گئیں میدان ستم میں
جس طرح اڑیں شعلۂ آتش کے شرارے
اک ضرب سے مرتا تھا تو دو حرف کے مارے
آئی وہ ادھر کو تو ادھر جان ہوا تھی
ہر وار پہ گردوں سے صدا آتی تھی شاباش
یوں چھپتے تھے جس طرح چھپے مہر سے خفاش
مند جاتی تھیں آنکھیں جو جاتی تھی تلوار
رخ واں سے جگر گوشۂ سرور نے جو پھیرا
مقتل میں ہوا ابر کی ڈھالوں سے اندھیرا
ہر شان کماں قطع ہوئی تیغ کے پھل سے
تھا سایۂ زلف علی اکبر نے کوڑا
ماتھے پہ لگے تیر پہ منھ اس نے نہ موڑا
معلوم ہوا کبک دری کوہ سے نکلا:
طاؤس خیال اس سے نہ سرعت میں آیا
نظروں سے چھپا گاہ تو گاہے نظر آیا
ہر غول میں غل تھا کہ پری قاف سے آئی

کیا عزم تھا اللہ رے جری واہ ری ہمت
ہو بخاو میں وہ شیرِ نیستانِ شجاعت
اعدا کو سنبھلنے کی بھی فرصت نہ ذرا دی
اُس صف سے کمانداروں پہ آیا جو پلٹ کر
صفدر نے کیا وار جو گھوڑے کو ڈپٹ کر
کچھ ہو نہ سکا جنگ میں ناوک فگنوں سے

سو صفت برق اچھل جاتی تھی تلوار
جل جاتا تھا جس غول پہ چل جاتی تھی تلوار
دل فوج کا جلتے ہوئے صحرا سے کم نہ تھا
اُس تیغ سے جو چار ہوا تھا وہ دوپارا
غل تھا کہ سوا بھاگنے کے اب نہیں چارا
عالم کے ڈبو دینے کا سامان کیا ہے

اکبر جو صفِ جنگ میں بڑھ بڑھ کے لڑے تھے
رعب اُن پہ چھایا تھا بہادر جو بڑے تھے
بازارِ سلاحِ حربی رن کی زمیں تھی ؛
دہشت سے نگوں تھے علم لشکرِ بے پیر
منھ موڑ کے جاری ہوئی ہر شام کی شمشیر
تیغیں کہیں سنگام زد و دشت نہاں تھیں

پہونچی جو چمک کر کسی ظالم کے سر تک
اللہ ری صفائی نہ ہوئی اُس کو خبر تک
کاٹی کمر اِس طرح سے دو کرکے زرہ کو
صف برچھیوں والوں کی لب نہر کھڑی تھی
سر کھولے ہوئے ڈیوڑھی پہ ماں غش میں پڑی تھی
یہ دردِ جگر تھا کہ نہ اٹھ سکتے تھے شبیرؑ

لڑنے میں نظر آئی جدھر تیروں کی کثرت
تلوار میں تھی برقِ جہاں سوز کی خصلت
معلوم ہوا آگ نیستاں میں لگا دی ؛
چلوں کو جفاکیش لگے کھینچنے ہٹ کر
نیزوں کی طرح تیر قلم بن گئے کٹ کر
قبضوں سے کمانیں تھیں جدا ہاتھ تنوں سے

گہ سر پہ کبھی زیرِ بغل جاتی تھی تلوار
ہر صف کو قلم کرکے نکل جاتی تھی تلوار
میدانِ ستم آگ کے دریا سے کم نہ تھا
اور بچ گیا جو اس کو ملی عمر دوبارا
صحرا میں چلو چھوڑ کے دریا کا کنارا
آبِ دمِ شمشیر نے طوفان کیا ہے

جانوں کو چھپائے ہوئے وہ دور کھڑے تھے
زندہ تھے مگر فوج کے مُردوں میں پڑے تھے
نیزہ کہیں، خنجر کہیں، تلوار کہیں تھی
تھا ہاتھ میں نیزوں کے بھی رعشہ صفتِ بید
گوشوں میں کہیں نیزے تھے ترکش میں کہیں تیر
ڈھالیں بھی سواروں کی پسِ پشت نہاں تھیں

بجلی سی پھری سر سے وہ گئی کاسۂ سر تک
یہ سر سے گئی سینے پہ سینے سے کمر تک
جس طرح کوئی کھول دے ناخن سے گرہ کو
چلتی تھی اِدھر تیغ اُدھر آنکھ لڑی تھی
فریاد کا تھا شور قیامت کی گھڑی تھی
دل تھامے ہوئے رن کی طرف تکتے تھے شبیرؑ

چلاتی تھی زینبؑ کہ مرا لعل کدھر ہے
دو روز کے فاقے سے ہے اور تشنہ جگر ہے
بچے پہ مرے لشکرِ کیں ٹوٹ پڑے گا

نکلا ہے دمِ صبح سے دن ڈھل گیا ہے
مظلوم پہ کیا وار کوئی چل گیا ہے
بکھرائے ہوئے بال چلی جاؤں گی رن میں

زینبؑ کی صدا سن کے اٹھی بانوئے ناشاد
چلتے ہیں مرے لعل پہ کیا نیزۂ بیداد
کیوں خاک پہ زینبؑ نے ردا پھینکی ہے سر سے
وہ غم سے جو مضطر ہیں تو گھبراتی ہوں میں بھی
وہ دردرسیدہ ہیں تو دکھ پاتی ہوں میں بھی
جس چیز پہ ہٹ کی ہے وہی پانے کے ٹلے ہیں

دیکھا یہ تلاطم تو پکارے شہِ والا
ہم نے بھی تو ہے اپنے کلیجے کو سنبھالا
میداں میں سواروں سے تو لڑ بھڑ کے پھرے جب
اتنے میں بجا طبل، پکارے ستم آرا
یہ سنتے ہی شہ کو نہ رہا ضبط کا یارا
دوڑے پہ نہ میدان نہ ڈیرا نظر آیا

سیماب سا سینے میں تڑپنے جو لگا دل
تھک کر کبھی بیٹھے کبھی اٹھے شہِ عادل
تھراتے ہوئے زخمیوں کی چال سے پہونچے
دو بی بیاں خیمے سے نکل آئیں کھلے سر
چلاتی تھی سر پیٹ کے ہاتھوں سے برابر
اک چاک گریباں تو اک خاک بسر تھی

لوگو علی اکبرؑ کی کسی کو بھی خبر ہے؟
اعدا میں کہیں گھر نہ گیا ہو مجھے ڈر ہے
اس دھوپ میں کب تک وہ ہزاروں سے لڑے گا
وقت اس کے تو آرام کا بھی ٹل گیا ہے
اب کھنچتی ہوں آہ جگر جل گیا ہے
میں اس کے عوض تیر و سناں کھاؤں گی رن میں

چلائی ارے بی بو کیسی ہے یہ فریاد
گھر کس کا لٹا کس کی کمائی ہوئی برباد
میں ساتھ چلوں گی جو نکلتی ہیں وہ گھر سے
اکبرؑ کی وہ عاشق ہیں تو شیدائی ہوں میں بھی
فرزند تو ان کا ہے مگر دائی ہوں میں بھی
چھاتی پہ مری سوئے ہیں گودی میں پلے ہیں

بانو بھی لڑتا ہے ترا گیسوؤں والا
آزردہ وہ ہوگا جو قدم گھر سے نکالا
سنتا ہوں کہ اب برچھیوں والوں میں گھرے ہیں
لو احمدِ مختار کے ہم شکل کو مارا
سر پیٹ کے چلائے کہ ہے ہے مرا پیارا!
دن تھا مگر اس وقت اندھیرا نظر آیا

گر گر کے کئی بار اٹھے صورتِ بسمل
برچھی تو لگی لعل کے خود ہو گئے گھائل
لاشِ علی اکبرؑ پہ عجب حال سے پہونچے
بکھرے ہوئے تھے بال نہ برقع تھا نہ چادر
ہے ہے علی اکبرؑ، علی اکبرؑ، علی اکبرؑ
شہ کو خبر اُن کی نہ انھیں شہ کی خبر تھی

ایک کہتی تھی صدقے ترے اے گیسوؤں والے
جینے کے جوانی میں نہیں پڑ گئے لالے
ہے ہے یہ قبا خون میں سب بھر گئی بیٹا

تھا تیری دلھن لانے کا اکبر مجھے ارماں
واری تری اس چاند سی چھاتی کے میں قرباں
لاشے پہ ترے اشکوں سے منھ دھونے کو آئی

تم مر گئے میں مر نہ گئی ساتھ تمہارے
تم بھی نہ رہے عون و محمد بھی سدھارے
آرام بہت کم مری قسمت میں لکھا تھا

مل کر کف افسوس پکارے شہ عالم
بانو نے کہا رو کے یہ ایسا نہیں ماتم
لے کو نہ ہم مشکل پیمبر سے نکلتے

ہے ہے مری بستی ہوئی تاراج لٹا گھر
لاشے سے پسر کے نہ جدا ہوئے گی مادر
سنسان مکاں ان کا نظر آئے گا مجھ کو

زینب نے کہا مجھ کو خبر کچھ نہیں یا شاہ
پہلو میں یہ کس بی بی کا ہے نالۂ جانکاہ
سمجھاتے ہیں کیا اب کہ سنائی نہیں دیتا

بانو سے کہا شاہ نے آنسو نہ بہاؤ
لو میری عبا اوڑھ کے چہرے کو چھپاؤ
لاتا ہوں میں اس صاحب اقبال کا لاشا

وہ گھر میں چلیں حکم شہ جن و بشر سے
ہم شکل نبی کھینچ کے اک آہ جگر سے
چھاتی سے لگا کر پسر ماہ جبیں کو

ایک کہتی تھی قربان مرے گود کے پالے
ٹھہرو کہ یہ ماں چھاتی سے برچھی کو نکالے
تم زخمی ہوئے کیا کہ پھوپھی مر گئی بیٹا

تقدیر نے بے آس کیا مجھ کو مری جاں
سہرا بھی نہ باندھا کہ ہوئے خون میں غلطاں
تم مجھ کو نہ روئے میں نہیں رونے آئی

ہے ہے مرے دلبر مرے جانی مرے پیارے
اب کون اٹھائے گا جنازے کو ہمارے
پیری میں یہ ماتم مری قسمت میں لکھا تھا

کیوں گھر سے نکل آئیں تم اے زینب پرغم
برچھی تو لگی لعل کو پردے میں رہیں ہم
دم تن سے نکلتا تو نہ ہم گھر سے نکلتے

یہ جیتے تو میں گھر سے نکل سکتی تھی باہر
بیٹھوں گی میں جب بن میں ہیں گے علی اکبر
اب گھر میں کوئی پھیر کے لے جاؤ نہ مجھ کو

کب نکلی ہوں کون آیا ہے گھر سے مرے ہمراہ
جیتے ہیں کہ دنیا سے گئے اکبر ذی جاہ
لاشہ مجھے اکبر کا دکھائی نہیں دیتا

مر جائے گی اب خاک سے زینب کو اٹھاؤ
تم کو علی اکبر کی قسم خیمے میں جاؤ
رکھ سکتا ہے یاں کوئی مرے لال کا لاشا

بیٹے شہ دیں گر کے ادھر لاش پسر سے
جنت کو روانہ ہوئے آغوش پدر سے
اس درد سے روئے کہ غش آیا شہ دیں کو

خاموش انیس آگے نہ کہہ لاش کا جانا
پہونچائے گا کوثر پہ یہ رونا یہ رلانا
افسوس کہ فرصت نہیں دیتا ہے زمانا
ہے ذاتِ خدا قادر و قیوم و توانا
رکھ اُس پہ نظر تنگ نہ ہو کثرتِ غم سے
مطلب ترے بر لائے گا وہ اپنے کرم سے

سلام

واجب الرحم تھے زنداں کے سزاوار نہ تھے
مُجرئی اہلِ حرم قابلِ بازار نہ تھے

شاہ فرماتے تھے ایسے ہیں ہمارے انصار
نانا صاحب کے بھی اس طرح کے انصار نہ تھے

شکر ہی شکر نکلتا تھا لہو کے بدلے
دہنِ زخمِ بدن دیدۂ خونبار نہ تھے

برچھیاں زخموں کی پہنے ہوئے تھے ابنِ حسنؑ
کیا ہوا پھولوں کے گردن میں اگر ہار نہ تھے

کہا صغرا نے کہ فرقت نے پدر کی مارا
آگئے اے صاحبو ہم ایسے تو بیمار نہ تھے

شہ کے دانتوں پہ چھڑی رکھ کے کہا ظالم نے
ہم نے اس طرح کے دیکھے دُرِ شہوار نہ تھے

کہا زہرا نے فلک میں نے ستایا تھا کسے
میرے بچے تو اس آفت کے سزاوار نہ تھے

گر مسیحِ دو جہاں کا ہوا افضال انیس
اچھے یوں ہو ہیں گے جیسے کبھی بیمار نہ تھے

۱۸ مرثیہ
بند ۱۰۶

جب فوج خدا قتل ہوئی راہِ خدا میں
غل آمدِ سرور کا ہوا اہلِ جفا میں
تھا حکم کہ کھووے نہ کوئی تیغ کمر سے
اب معرکہ آرائے وغا ہوئے گا وہ شیر
عالم کے زبردستوں کو کر دے گا وہی زیر
تنہا نہ سمجھنا خلفِ شاہِ نجف کو
غیظِ پسرِ فاطمہ ہے قہرِ الٰہی
آج اپنی شہادت جو نہ اُس غازی نے چاہی
بربادیِ اُمت اُسے منظور نہیں ہے
فرزند وہ اس کا ہے جو تھا قاتلِ کفار
شبیر بھی اقلیمِ شجاعت کا ہے مختار
دنیا میں کوئی اُس پہ ظفر پا نہیں سکتا
گو تین شب و روز سے لب تشنہ ہے شبیر
اک بولا کہ مظلوم ہے وہ بیکس و دلگیر
بازو تو شکستہ ہے برادر کے الم میں
فرزند کو جس وقت سے برچھی لگی کاری
جب ڈھونڈتے تھے لاش کو باگریہ و زاری
احوال یہ تھا ضعف سے فرزندِ علیؑ کا
جب تیر لگا تھا علی اصغر کے گلے پر
کم زور تھا ایسا پسرِ فاتحِ خیبر
اُس وقت عجب حال سے تھراتے تھے شبیر

کوئی نہ رہا شہ کے عزیز و رفقا میں
بڑھنے لگیں لشکر کی صفیں دشتِ وغا میں
لڑنا ہے ابھی فاتحِ خیبر کے پسر سے
قبضے میں ہے جس کے اسد اللہ کی شمشیر
ہشیار خبردار کہ آنے میں نہیں دیر
ہووے گا وہ برہم تو الٹ دے گا وہ صف کو
صابر کو جلال آ گیا تو پھر آئی تباہی
اک حملے میں بے سر ہیں یہ دو لاکھ سپاہی
مختارِ دو عالم ہے وہ مجبور نہیں ہے
خیبر میں چلی لاکھوں پہ جس شیر کی تلوار
ہے زور وہی اور وہی تیغِ شرربار
ہو سارا جہاں ایک تو بر آ نہیں سکتا
دکھلائے گا پر فاطمہ کے دودھ کی تاثیر
طاقت ہے کہاں اتنی کہ اب کھینچ سکے شمشیر
ٹکڑے ہے کلیجہ علی اکبرؑ کے الم میں
اس وقت سے اک ضعف ہے شبیرؑ پہ طاری
دیکھا تھا کہ رستے پہ گرے تھے کئی باری
لاشہ نہ اُٹھایا گیا ہم شکلِ نبیؐ کا
جوں بید کھڑے کانپتے تھے ضعف سے سرور
ہاتھوں سے گری پڑتی تھی لاشِ علی اصغرؑ
ہر گام پہ تیورا کے ٹھہر جاتے تھے شبیر

قتلِ پسرِ فاطمہ اب کچھ نہیں دشوار
ہمراہ نہ اکبر ہے نہ عباسِ علمدار

کیا لاکھوں سے بر آئے گا وہ بیکس و ناچار
جس کا نہ کوئی یار نہ مونس نہ مددگار

زخمی ہے جگر سبطِ رسولِ مدنی کا
اب بازوؤں میں زور کہاں تیغ زنی کا

ہاں تیروں کو چلّوں سے کمانوں کے ملا دو
اور چوکیاں دریا پہ سواروں کی اٹھا دو

باقی ہے لڑائی یہی اب جان لڑا دو
دنیا سے محمد کی نشانی کو مٹا دو

سب ٹوٹ پڑو مل کے اگر طالبِ زر ہو
شبیر ہوئے سر تو مہم جنگ کی سر ہو

اب جنگ میں کوشش کرو جانیں نہ چھپاؤ
شبیر کی آمد ہے بڑھے جلد جاؤ

مقتل میں لہو سبطِ پیمبر کا بہاؤ
حاکم کی خوشی کے لئے زہرا کو رلاؤ

شمشیر سے کاٹو سرِ فرزندِ نبی کو
گل کر دو چراغِ محمدِ مصطفوی کو

یہ ذکر تھا جو لایا خبر پیکِ صبا دم
خیمے سے برآمد ہوئے شاہنشہِ عالم

پوچھا عمرِ سعد نے کیا شور ہے اس دم
وہ بولا کہ ڈیوڑھی پہ ہے اک حشر کا عالم

سمجھاتے ہیں شہ گھر میں نہیں جاتی ہیں رانڈیں
سر کھولے ہوئے پیچھے چلی آتی ہیں رانڈیں

گھوڑے کی طرف بڑھتے ہیں جب سبطِ پیمبر
سیدانیاں قدموں سے لپٹ جاتی ہیں آکر

اور چھوٹی سی اک لڑکی ہے پہنے ہوئے گوہر
ہاتھوں سے نہیں چھوڑتی وہ دامنِ سرور

بہلاتے ہیں گودی میں بھی لے لیتے ہیں شبیر
پر جب وہ مچلتی ہے تو رو دیتے ہیں شبیر

شہ کہتے تھے ماں پاس رہو ہم بھی ہیں آتے
تم پیاسی ہو ہم پانی کے لینے کو ہیں جاتے

وہ کہتی ہے جی ڈرتا ہے اب پانی منگاتے
پانی ہی اگر لاتے تو عباس نہ لاتے

بس اب نہ رلاؤ ہمیں بہت رو چکی بابا
عمو کو تو پانی کے لئے کھو چکی بابا

بہلا کے اسے گھوڑے پہ جب چڑھنے لگے شاہ
کوئی نہ تھا جو تھامے رکابِ شہِ ذی جاہ

حسرت سے ادھر اور ادھر دیکھ کے کی آہ
خیمے سے عیاں ایک ضعیفہ ہوئی ناگاہ

زہرا سے نہ کچھ شانِ بزرگی میں وہ کم تھی
سر بال پریشاں تھے کمر ضعف سے خم تھی

چلاتی تھی اس طرح وہ گردوں کی ستائی
ٹھہرو کہ میں لینے کو رکاب آتی ہوں بھائی

افسوس ہے کس وقت میں ہوتی ہے جدائی
مرنے کو چلے آپ مجھے موت نہ آئی

صدمہ عجب اس دم ہے شہِ جن و بشر کو
رہوار بھی روتا ہے جھکائے ہوئے سر کو

اس بی بی نے جب پکڑی رکابِ شہِ ابرار
پٹی ہوئی گردن سے وہ کہتی تھی یہ ناچار
ہے وقتِ رفاقت یہ مصیبت کی گھڑی ہے

جاسوس نے جس وقت کہا ماجرا سارا
یک بار لعینوں نے نکل کر یہ پکارا
ہے آج محمدؐ کے نواسے سے لڑائی

ناگاہ ہوئے سرورِ ذی جاہ نمودار
اک نورِ الٰہی تھا سرِ راہ نمودار
کس دبدبے سے شام کے لشکر پہ چلے تھے

تھی فتح و ظفر پکڑے رکابِ شہِ ابرار
اقبال جو خادم تھا تو نصرت بھی نمودار
پہلو میں نواسے کے نبی خاک بسر تھے

چہرے سے ہویدا تھا جمالِ اسداللہ
بے مثل تھے عالم میں مثالِ اسداللہ
غربت بھی سخاوت بھی مروت بھی ادب بھی

پیشانی روشن سے خجل نورِ رخِ بدر
تھا مصدرِ الہام خدائے دو جہاں صدر
زخمی کیا وہ سینہ جو اک دشمنِ دیں نے

ابرو کی کمانوں کی نہ ہے قدر نہ شان
محرابِ عبادت میں پئے صاحبِ ایماں
جوہر سا ہر اک موئے سیہ پیشِ نگہ ہے

وہ دیدۂ حق بیں مئے وحدت سے ہیں سرشار
ہے عین خطا کہیے اگر نرگسِ بیمار
وہ نورِ خدا دیکھتے ہیں شام و سحر میں

تب فاطمہ کا لال ہوا گھوڑے پہ اسوار
اے گھوڑے محمدؐ کے نواسے سے خبردار
اسوار ترا راکبِ دوشِ نبوی ہے

ہونے لگے میدان میں صف آرا ستم آرا
ہشیار کہ آیا اسداللہ کا پیارا
دریا سے نہ ہٹنا کہ ہے پیاسے سے لڑائی

گویا کہ ہوئی قدرتِ اللہ نمودار
سب کہتے تھے ہوتا نہیں یوں ماہ نمودار
گویا کہ علیؑ غزوۂ خیبر پہ چلے تھے

آنکھوں سے لگاتے تھے ملائک سُمِ رہوار
اور فاطمہ کی روح تھی بیٹے کی جلودار
پر کھولے ہوئے حضرتِ جبریل پسر تھے

رحمت تھی نبی کی تو جلالِ اسداللہ
موجود تھے سب وصف کمالِ اسداللہ
صولت بھی شجاعت بھی ترحم بھی غضب بھی

رخ تھا سحرِ عید تو گیسو تھے شبِ قدر
سو اُس پہ چلے تیر یہ امت نے کیا غدر
تیر اک طرف اِک پاؤں دھرا شمرِ لعیں نے

ہر گوشے پہ جن کے ہے دلِ فاطمہ قرباں
کافر نے لیے تیغِ ہلالی سرِ میداں
تلوار کی آنکھوں پہ شجاعوں کی جگہ ہے

دن رات جو طاعت میں خدا کی رہے بیدار
آنکھوں کو چراتے ہیں وہاں آہوئے تاتار
دنیا کی سپیدی و سیاہی ہے نظر میں

وہ ریش مطہر وہ رخ حضرت شبیرؑ
وہ مصحف رخسار تھے صرف تبر و تیر
سی پارہ تھا ہر جزو پہ احوال تھا تن کا
وہ لب کہ جو شیرینی میں تھے قند سے بہتر
یاقوت کا کیا رتبہ جو ہو اُن سے برابر
وہ حمد الٰہی کا سزاوار کہاں ہے
یہ لب لب کوثر ہے لب نہر لبن ہے
دانتوں کو کہوں گر کہ ہر اک دُرِ عدن ہے
نہ پارۂ الماس نہ گوہر انھیں کہیے
اوصاف بیاں ہو نہیں سکتا ہے زباں سے
اعجاز ہے عیسےٰ کا عیاں اُس کے بیاں سے
بے آبی سے جو حال بہت تنگ ہوا ہے
بازو ہیں کہ شاخ شجر حسن و ضیا ہے
دونوں جو کف دست ہیں دریائے عطا ہیں
شرمندگی ہے بدر کو ناخن کی ضو سے
کیا لوح کا سینے کے قلم لکھ سکے اوصاف
کینے سے صدا صاف کدورت سے صدا صاف
گنجینۂ اسرار خدا اُس میں دھرا ہے
فاقوں میں بھی شکوے کا زباں پر نہیں کو
سنگ ستم و جور سے ہے شیشۂ دل چور
بے جاں علی اکبرؑ جو ہوا تیر ستم سے
کیا وصف ثبات قدم پاک کروں میں
ہٹتے نہیں جوں شمع اگر تن سے کٹے سر
گر چرخ پہ نقش قدم سرور دیں ہے

تھی سورۂ واللیل پہ والفجر کی تفسیر
جدول کے عوض اُس پہ کھنچے تھے خط شمشیر
شیرازہ کھلا جاتا تھا اجزائے بدن کا
چوما تھا جنھیں احمد مرسل نے مکرر
خاتون قیامت کا یہ لعل اور وہ تیور
ہو سرخ پہ شیرینی گفتار کہاں ہے
یاں کب دہن نطق کو یارائے سخن ہے
کہتی ہے طبیعت کہ یہ مضمون کٹھن ہے
شہ کو فلک حسن تو اختر انھیں کہیے
ہے کام اسے حمد خدا لے دو جہاں سے
برگ گل تر لائے نزاکت یہ کہاں سے
کانٹے ہیں پڑے پیاس سے یہ رنگ ہوا ہے
ساعد نہیں آئینۂ انوار خدا ہیں
اور انگلیاں مانند علی عقدہ کشا ہیں
اک اُس کا تراشا ہوا ناخن مہ نو ہے
مہتاب سے روشن ہے تو آئینہ سے شفاف
ہے خانۂ عدل و کرم و بخشش و الطاف
قرآں کی طرح علم الٰہی سے بھرا ہے
کھانے سے شکم خالی ہے اور خیر سے معمور
زخم دل اکبرؑ سے کلیجے میں ہے ناسور
مانند کماں خم ہے کمر بار الم سے
ہو کوہ ثبات قدمی میں کبھی ہمسر
ہو جاتے ہیں سرکش یہاں پامال سراسر
گردوں ابھی ساکن صفت رشک زمیں ہے

اعدا نے کہا ہم تمہیں پہچانتے ہیں خوب
ہے آج مگر قتل تمہارا ہمیں مطلوب
کچھ فاطمہ کے رونے کا وسواس نہیں ہے
حضرت نے کہا حق کے غضب سے نہیں ڈرتے
شہ نے کہا مہمانوں پہ صدمے ہیں گزرتے
سب نے کہا پانی سے نہ سیراب کریں گے
فرمانے لگے رو کے یہ ملعونوں سے حضرت
سیّد ہوں نبی زادہ ہوں دو اتنی اجازت
عزت رہے ناموس رسولِ عربی کی
گر ہوں تو میں حاکم کا تمہارے ہوں گنہگار
زہرا سے نہیں رتبے میں کم زینبِ ناچار
دیکھا نہیں جائے گا مرا قتل بہن سے
اعدا نے کہا واہ یہ بالعکس ہے گفتار
سر ننگے پھرائیں گے حرم کو سرِ دربار
کیا پائیں گے سر آپ کا گر ہاتھ لگے گا
سن کر یہ سخن شہ کے جبیں پر عرق آیا
منہ کرکے سوئے عالمِ بالا یہ سنایا
مجبور سمجھتے ہیں یہ فرزندِ نبی کو
فرما کے یہ کی شہ نے علم تیغ شرر ریز
غیظِ شہِ عالم ہوا اور رہوار کو مہمیز
تھا کوئی کیا روکے گا اس تیغِ دو سر کو
بڑھ کر یہ ہوئے اس طرح رجز خواں شہِ ذی قدر
بابا ہے مرا فاتحِ جنگِ احد و بدر
میں بھی اسدِ حق کی طرح قلعہ کشا ہوں

ہو انس کسے کے نواسے سے کہ خدا کا ہے جو محبوب
بچنے کے نہیں تم کسی صورت کسی اسلوب
ناموسِ نبی کا ہمیں کچھ پاس نہیں ہے
وہ بولے کہ ہاں خوفِ خدا بھی نہیں کرتے
پانی دو کہ بچے ہیں مرے پیاس سے مرتے
معصوم اگر تشنہ علی اصغرؑ سے مریں گے
منظور تمہیں آج ہے گر میری شہادت
ناموس کو میں سوئے مدینہ کروں رخصت
برباد نہ ہوں بیٹیاں زہراؑ و علیؑ کی
وہ بیکس و مجبور ہیں کیا ان سے سروکار
واللہ وہ کرتی ہے مجھے ماں کی طرح پیار
وہ نکلی تو زہرا نکل آئے گی کفن سے
لوٹیں گے پھر جائے اگر عترتِ اطہار
چادر سرِ زینب پہ نہ ہم چھوڑیں گے زنہار
ناموس کو لوٹیں گے تو زر ہاتھ لگے گا
تھرّانے لگا حیدرِ کرّار کا جایا
باقی کوئی حجت نہ رہی بارِ خدایا
اب میں بھی علم کرتا ہوں شمشیرِ علی کو
ہیبت سے لرزنے لگا میدانِ بلاخیز
چالاک تھا صرصر سے تو بجلی سے کہیں تیز
سر کو اکر جلال آیا محمدؐ کے پسر کو
اس تیغ سے کاٹوں گا ہزاروں کے سر و صدر
نانا ہے وہ انگشت سے شق جس نے کیا بدر
جوہر مرے دیکھو کہ میں شمشیرِ خدا ہوں

ہرچند کہ لاکھوں ہو تم اور میں تن تنہا
اور میں شب و روز کا بھوکا ہوں پیاسا
کیا لطف ہے اک پیاسے کو گر تیروں سے مارا
نکلے جسے تم سب میں شجاعت کا ہو دعویٰ
جرأت کو بھی ہمت کو بھی ضربت کو بھی دیکھو
اور فاطمہ کے دودھ کی طاقت کو بھی دیکھو

لکھا ہے اُدھر تھا ابن قحطبہ کوئی سردار
مرحب کی طرح سرکش و زور آور و جرار
اور چار ہزار اہل ستم کا تھا وہ سالار
شمشیر تھی اس کی دم اژدر دم پیکار
کینہ تھا اُسے سبطِ رسولِ عربی سے
مارا گیا تھا اُس کا پدر دستِ علی سے

کس غیظ سے آیا سرِ میدان وہ ستم گر
ڈوبا ہوا فولاد کے دریا میں سراسر
جوں دیدۂ افعی تھے عیاں خود کے باہر
سرخ آنکھیں بھرا منہ میں لہو دیو سا خودسر
فولادی سپر دوش میں چار آئینہ بر میں
اک تیغ کھنچی ہاتھ میں اک تیغ کمر میں

اسپ دو رکابہ بھی تومنی ہیکل و چالاک
نیزوں کو دھرے دوش پہ مرکب پہ غضبناک
زنجیروں سے باندھے کمر بغض کو سفاک
ابرو پہ تکبر سے گرہ خود سرِ بیباک
دو سو تھے زرہ پوش ستمگر کے جلو میں
اور بے کسی تھی سبطِ پیمبر کے جلو میں

گھوڑے سے یہ بولا پسر شاہ ولایت
فاقے پہ تو فاقہ ہے یہ ہے وقت رفاقت
ہاتھوں سے کہا آج دکھا دو ہمیں طاقت
قدموں سے کہا بڑھ کے نہ ہٹنا کسی صورت
ہم ہوں گے نہ دنیا میں یہ انصاف رہے گا
اس جنگ کا غل قاف سے تا قاف رہے گا

گھوڑے نے کہا جان ہے جب تک تو ہوں حاضر
طاقت نے کہا تو پشت پہ ہے اے شہ ذی جاہ
ہاتھوں سے صدا آئی کہ اے فاطمہ کے ماہ
ہم قوت خیبر شکنی رکھتے ہیں واللہ
قدموں نے کہا سر پہ جو آرے بھی چلیں گے
وہ کوہ گراں ہیں کہ کبھی ہم نہ ٹلیں گے

اتنے میں وہ نزدیک شہ بحر و بر آیا
اُس وقت تو غصے میں علی کا پسر آیا
اللہ کا دریائے غضب جوش پر آیا
رہوار بھی اک برق مجسم نظر آیا
شمشیر علی میان سے باہر نکل آئی
اعجاز سے خود تیغ وہ پیکر نکل آئی

نعرہ جو کیا شہ نے ہلا گنبد دوّار
طبقوں کو اراضی کے تزلزل ہوا اک بار
ہٹتے ہوئے شیر گریزاں سوئے کہسار
فرمایا کہ ہاں وار کر او ظالم غدار
گو فاقے سے ہوں زخمی ہوں اور تشنہ جگر ہوں
سبقت نہ کروں گا کہ میں حیدر کا پسر ہوں

یہ سنتے ہی بس تول کے نیزے کو وہ گمراہ
پہونچی تھی سناں متصل سینہ کہ ناگاہ
اس سیف کا تھا وار کہ سیفی کی دعا تھی
قبضے میں کماں لے کے بڑھا تب وہ جفاکار
تاکا تھا نشانہ کہ پکارے شہ ابرار

یہ کہتے ہی چھیڑا فرس گرم عناں کو
شمشیر کو پھر کھینچ کے لڑنے لگا ناری
اس عاشق باری پہ یہ غصہ ہوا طاری
اس پھرتی سے اس ظالم بدکیش پہ آئے
دیکھی طرف اس شاقی نے گھوڑے کو اڑایا
تیغ دو زباں کو شہ عالم نے اٹھایا
اس طرح چمک کر یہ چلی فرق لعیں پر
سر پر جو پڑی دو ہوئے خود و سر و گردن
جوشن سے جو اتری تو لیا زین کا دامن
قبضہ تو رہا دست جناب شہ دیں میں
فرزند محمد نے کیا نعرۂ تکبیر
تھا شور کہ زہرا کے یہ ہے دودھ کی تاثیر
قبضے میں اسی تیغ دو پیکر کے قضا ہے
لشکر کے نو وار کو حضرت نے جو مارا
اعدا پہ چلا خود اسد اللہ کا پیارا
ہر وار میں دونی تھی روش تیغ دو دم میں
کامل تھی زبس جوہر شجاعت میں وہ گلفام
جو کوئی قریب آیا رہ خواب عدم پہونچا
کیا لڑنے کو سکتا تھا ہر اک اہل حسد کو

اس طنطنے سے آیا کہ العظمۃ للہ
ترچھی چلی جوں صاعقہ شمشیر ید اللہ
ایک ایک گرہ نیزے کی دیکھی تو جدا تھی
چلّے سے پہ تعجیل ملایا لب سوفار
ہاں میں بھی جگر گوشۂ حیدر ہوں خبردار
نیزے سے اڑائے گئے جوں تیر کماں کو
حضرت کی سپر سے ہوئی تلوار بھی عاری
فرمایا خبردار کہ اب ہے مری باری
جس طرح کہ شہباز اجل صید پہ آئے
حضرت کا بھی رہوار وہاں برق سا آیا
سر تک وہ سپر ہاتھ سے لائے بھی نہ پایا
سب نے یہی جانا کہ گری برق زمیں پر
گردن سے گئی تا بہ کمر کاٹ کے جوشن
دامن سے چلی تیز تو دو ہو گیا توسن
اور تا سر دنبالہ در آئی وہ زمیں میں
تھرانے لگا خوف سے سب لشکر بے پیر
دیکھی تھی نہ ضرب ایسی نہ اس طرح کی شمشیر
اس ضرب کو اعجاز جو کہیے تو بجا ہے
لاکھوں میں نکلنے کا نہ تھا ایک کو یارا
کرنے لگیں روحیں قفس تن سے کنارا
جس صف پہ جھکے شاہ فنا ہو گئی دم میں
مثل الف وصل گرے جاتے تھے کفار
سالم تھا تو بے فاصلہ کٹ کے گرے چار
تقطیع کیا تیغ نے ہر سعد عدو قد کو

خود نور ہیں اور نور کی ہے جسم میں پوشاک
ہے جسم میں کیا ٹھیک قبائے شہِ لولاک
جیسا ہے بدن ویسی ہی پاکیزہ قبا ہے
ہے سایۂ حق خود جو سرِ دوشِ عالی
یہ سوچ کے مولا نے زرہ تن پہ نہ ڈالی
اک برق سی شمشیر فقط زیبِ کمر ہے

وہ وقتِ زوال اور وہ میدانِ تب و تاب
منہ خشک حرارت سے جگر سینے میں بیتاب
حسرت سے جدھر دیکھا ستمگر نظر آئے
صدقے تھی غریبی تو فدا بے کسی و یاس
قاسم کہیں اکبر تھے کہیں اور کہیں عباس
پر جانب دریا نہ نظر کرتے تھے شبیر

روتے تھے کبھی دیکھ کے لاشِ علی اکبر
جب دیکھتے تھے لاشۂ عباسِ دلاور
سب باغ تو پامال ہوا تین پہر میں
سینے میں تڑپتا ہے جو دل صورتِ بسمل
دشواری سے کٹتی ہے ذرا عشق کی منزل
گو یار مددگار ہر اک تجھ سے جدا ہے

کوئی نہیں ہوتا ہے بُرے وقت میں یاور
جز سایۂ الطافِ خدا کون ہے سرپر
جب حلق تہِ تیغِ جفا ہوئے گا میرا
بس اتنے میں حضرت پہ ہوا نرغۂ کفار
گھوڑے کو بڑھا کر یہ پکارے شہِ ابرار
تم خوں میں جسے بھرتے ہو جامہ ہے یہ کس کا

عمامۂ ید اللہ کا ہے زیبِ سرِ پاک
ہے گوشۂ فردوس بریں جس کا ہر اک چاک
یہ جامہ اسی تن کے لیے قطع ہوا ہے
اور شوقِ شہادت سے ہے رخسار پہ لالی
زخمِ تیر و تبر کی جاگہ رہے خالی
ہے دستِ علی پشت کے اوپر یہ پسر کے

سایہ نہ ٹھہرنے کو نہ پینے کو کہیں آب
نہ یار نہ ہمدرد نہ غمخوار نہ احباب
نیزے کہیں چمکے کہیں خنجر نظر آئے
سب دشت تھے اس وقت جو رہتے تھے سدا پاس
وہ دھوپ وہ بھوک اور کئی روز کی پیاس
خشکیدہ زباں شکر سے تر کرتے تھے شبیر

تکتے تھے بصد یاس کبھی لاشۂ اصغر
کہتے تھے کمر تھام کے تب ہائے برادر
اب آپ ہیں اور داغ بہتر ہیں جگر میں
فرماتے ہیں یہ صبر کا ہنگام ہے اے دل
گھبرا نہ کہ آساں ہوئی جاتی ہے یہ مشکل
لیکن نہ ہراساں ہو کہ بیکس کا خدا ہے

عباس کہاں اب ہیں کہاں ہیں علی اکبر
سب چھوڑ گئے ساتھ ہے لیکن طرفِ داور
اُس دم بھی مرے سر پہ خدا ہوئے گا میرا
تیروں کی تن پاک پہ پڑنے لگی تلوار
بتلاؤ کہ ہیں کون ہوں اے قوم جفا کار
تلوار یہ کس کی ہے عمامہ ہے یہ کس کا

ہر چند ردیف ایک کی تھا ایک ستمگر
تھے روبہ قفا وقت وغا سب وہ بد اختر
تن جس کا جلا نائرۂ تیغِ دو سر سے
بجلی کی طرح کوندتا تھا فوج میں جوہر
پے کرنے کی کیا کیا تگ و دو کرتے تھے کفار
مانند تصور کبھی یاں تھا کبھی واں تھا
باغی روش سبزہ ہوئے جاتے تھے پامال
رخ زرد تھے ڈر سے یہ سیہ کاروں کا تھا حال
شمشیر کے پھل سے ثمر تازہ ملے تھے
گرتی تھی چمک کر جو حسام شہ ذیشاں
ساکنان سماوات بھی تھے ششدر و حیراں
اللہ بچائے طبق ارض و سما کو
دیتے تھے محمد کی دہائی جو ستمگار
آئی یہ صدا احمد مختار کی اک بار
جانباز کوئی تجھ سا زمانے میں کہاں ہے
اب روک لے شمشیر کو اے میرے گل اندام
پیاسے ہو کئی دن کے شہادت کا پیو جام
بیٹھو تہ شمشیر یہ مرضی خدا ہے
سن کر یہ صدا شہ نے رکھی میان میں تلوار
بندے کو ہے خوشنودی مولا سے سروکار
امید ہے جب حلق تہ تیغ جفا ہو
زینب در خیمہ پہ یہ اس وقت پکاری
وقفہ نہ کرو بھاگ چلی فوج تو ساری
عرصہ نہیں پاتے ہیں لڑائی کوئی دم کو

جوں قافیہ پیچھے تھی مگر تیغ دو پیکر
ہو سکتا نہ تھا تیغ اجل سے کوئی باہر
وصل اُس کا رہا تا بہ ابد نارِ سقر سے
قطرات عرق جسم پہ تھے اختر سیار
اُس تک نہ پہنچ سکتا تھا وہم خطا کا
آنکھوں میں تو پھرتا تھا پہ نظروں سے نہاں تھا
سر گرتے تھے برگ خزاں دیدہ کی تمثال
تھا شور کہ سرسبز ہوا فاطمہ کا لال
اعدا پہ خزاں تھی یہ گل زخم کھلے تھے
تھی گاوزمیں زیر زمیں خوف سے لرزاں
جنات میں غل تھا کہ نہیں بچنے کی اب جاں
آج آیا ہے غصہ پسر شیر خدا کو
کیا رحم ہے تھم جاتے تھے اس دم شہ ابرار
میں تیری شجاعت کے فدا اے مرے دلدار
خود آج ثنا خواں ترا رب دو جہاں ہے
لازم ہے ترحم کہ یہ لیتے ہیں مرا نام
تا ہووے گنہگاروں کی بخشش کا سر انجام
اے عاشق صادق دم تسلیم و رضا ہے
کی عرض کہ امت پہ فدا ہے مرا گھر بار
کرتا ہوں وفا منھ سے کیا تھا جو کچھ اقرار
پیشانی تو سجدے میں ہو اور لب پہ دعا ہو
کیوں روک لی تلوار بہن ہو گئی واری
پھر آکے کہیں گھیر نہ لے لشکر ناری
صدقے گئی دم لینے نہ دو فوج ستم کو

گو فاقے سے ہو اور کئی دن کے ہو پیاسے
ماں کیسی پدر کیسا ہے کس کے ہو نواسے
جن لوگوں نے اکبرؑ کو مرے قتل کیا ہے
یہ وہ ہیں کہ برباد کیا فاطمہؑ کا گھر
عباسؑ کو پانی کے لیے خوں میں کیا تر
برچھی مرے اکبرؑ کو لگائی ہے انھیں نے
فرمانے لگے رو کے بہن سے شہِ ابرار
اک حملے میں جا ہوں تو فنا ہوں یہ خطاکار
زورِ اسد اللہ دکھایا نہیں جاتا
حیدرؑ کی شجاعت تو بہن میں نے دکھائی
غربت بھی تو میراث میں حیدرؑ کی ہے پائی
غل حوروں کے رونے کا ہے میدانِ ستم میں
اعدا نے سنی جب شہِ والا کی یہ تقریر
پھر آن کے تنہا سے مقابل ہوئے بے پیر
شہ کھاتے تھے تلواریں موئی جاتی تھی زینبؑ
چلاتی تھی لوگو مرے بھائی کو نہ مارو
للہ مجھے فاطمہؑ کے لال پہ وارو
ٹھہرو ابھی زخمی نہ کرو تیغ و تبر سے
صف باندھ کے یا کر لو تمھیں خیمے کا پردا
وارث بیچ کر دے جہاں جا بکل لاشا
صدمہ نہیں دنیا میں جدائی کے برابر
حضرت کی کوئی بات نہ سنتے تھے وہ ظالم
مر ضعف سے گرنے پہ جھکا جاتا تھا ہر دم
زخمی بھی سراپا ہیں حرارت بھی غضب ہے

یہ ارث شجاعت ہے ہمیں شیرِ خدا سے
لو خونِ عزیزان کا عوض اہلِ جفا سے
تم کرتے ہو رحم اُن پہ تعجب کی یہ جا ہے
یہ وہ ہیں کہ دولھا کو جنھوں نے کیا بے سر
مجروح کیا تیر سے حلقِ علی اصغرؑ
تصویرِ محمدؐ کی مٹائی ہے انھیں نے
لوٹے ہیں محمدؐ کی دوہائی یہ ستمگار
نانا کا شکر پاس ہے اے خواہرِ غمخوار
اب ہاتھ تو امت پہ اٹھایا نہیں جاتا
زندوں کو بہت یاد رہے گی یہ لڑائی
مظلومی بھی حق کو تو دکھائے یہ فدائی
سر کھولے ہوئے آتی ہیں اماں کوئی دم میں
ثابت ہوا اب جنگ نہیں کرنے کے شبیرؑ
بے خوف لگانے لگے تیغ و تبر و تیر
ہر وار پہ خیمے سے نکل آتی تھی زینبؑ
شبیرؑ کے بدلے مرا سر تن سے اتارو
شہ کہتے تھے عاشق یہ بہن ہے مری یارو
او جلد مجھے ہو لینے دو زینبؑ کی نظر سے
یا گھیرے ہوئے لے چلو مجھ کو لبِ دریا
یا دیکھے نہ سر کٹتے ہوئے دخترِ زہراؑ
شبیرؑ کی بھی لاش ہو بھائی کے برابر
ضربے تنِ اقدس پہ لگے جاتے تھے پیہم
نکلے تھے لبِ لعل یہ تھا پیاس کا عالم
ہر وار پہ ملعونوں سے پانی کی طلب ہے

وہ گرم ہوا جیٹھ کی وہ تشنہ دہانی
حلقہ کیے شمشیر بکف ظلم کے بانی
طاری تھا جو غش دوش محمدؐ کے مکیں پر
لکھا ہے کہ جس روز تھا یہ سانحہ درپیش
کیا دیکھتا ہے آنکھ اٹھا کر وہ جگر ریش
بے کس پہ ہیں شمشیر پہ شمشیر لگاتے

بے ساختہ رو رو کے لگا کہنے وہ بیداد
اس طرح کا ہوگا نہ کوئی بیکس و ناچار
یہ ظلم و ستم کون سے مذہب میں روا ہے
کافر کو بھی پانی تو پلاتے ہیں مسلماں
بیکس ہے یہ چہرے سے شرافت ہے نمایاں
زخمی اسے کرتے ہیں عدو تیغ و سناں سے

کیا صبر ہے اس طرح کا صابر نہیں دیکھا
ثابت قدم ایسا دم آخر نہیں دیکھا
کیا ظلم نہیں کون سی بیداد نہیں ہے
لیکے بھی ترے بندۂ مقبول ہیں مولا
جب تیغ ستم آتی ہے سر دیتے ہیں ہنوزا
چہرے پہ بشاشت ہے کہ ہنگام اجل ہے

یہ کہہ کے بصد درد بہت رویا وہ غمگیں
ساغر لیے ہاتھوں پہ گیا پیش شہ دیں
یہ دکھ نہیں پڑتا کسی محتاج و عشق پر
اے بندۂ بیکس ترا کیا جرم ہے بتلا
کیا تو نے عزیزوں کو ہے ان لوگوں کے مارا
مارا جو انھیں تو نے تو افسوس کی جا ہے

کچھ کہتے تھے اور منھ سے نکل جاتا تھا پانی
ہر ایک دل آزار ہر اک دشمن جانی
جھک جھک کے سنبھل بیٹھتے تھے خانۂ زیں پر
وارد ہوا اس دشت بلا میں کوئی درویش
اک زخمی کو گھیرے ہوئے ہیں لاکھ جفاکش
یہ کہتا ہے پانی دو، وہ ہیں تیر لگاتے

کس دکھ میں یہ بندہ ہے ترا اے مرے غفار
پانی بھی پلاتے نہیں ایسا ہے گنہ گار
کیوں قتل اسے کرتے ہیں کیا اس کی خطا ہے
یہ تو ترا بندہ ہے کوئی صاحب ایماں
ہیں سوکھے ہوئے ہونٹ ترے ذکر میں خنداں
جز شکر نکلتا نہیں کچھ اس کی زباں سے

کیا شکر ہے اس طرح کا شاکر نہیں دیکھا
آوارہ وطن ایسا مسافر نہیں دیکھا
کچھ اس کو ترے نام سوا یاد نہیں ہے
گھر لٹنے کا غم جس کو نہ سر کٹنے کا دھڑکا
اُف کرتے نہیں سینے پہ جب لگتا ہے نیزا
نیزے کو سمجھتے ہیں کہ یہ زیست کا پھل ہے

اور مشک سے شیر آب کیا کاسۂ چوبیں
کی عرض اسے پی لو کہ تا دل کو ہو تسکیں
دل ہوتا ہے ٹکڑے تری تشنہ دہنی پر
بے وجہ کوئی قتل کسی کو نہیں کرتا
کٹتے یہ وہی ہیں جو پڑے ہیں لب دریا
مہرو ہے کوئی ان میں کوئی ماہ لقا ہے

دریا کی ترائی میں جو سوتا ہے یہ مہرو
یہ تازہ جواں خوں میں بھرے جس کے ہیں گیسو

دولہا جو سناں کھائے یہ سوتا ہے زمیں پر
پھر دیکھ کے وہ لاشۂ اصغر یہ پکارا
اک بچے کا کس طرح ہوا قتل گوارا

جس وقت یہ دنیا سے سفر کر گیا ہو گا
درویش کے سن کر یہ سخن رونے لگے شاہ
فرمایا کہ تو حال سے میرے نہیں آگاہ

سب میرے یگانے ہیں یہ جن کا تجھے غم ہے
بے دست جو ہے نہر پہ وہ ہے مرا بھائی
یہ شیر کہ سینے پہ سناں جس نے ہے کھائی

وہ طفل جو ریتی پہ ستارا سا پڑا ہے
ناحق مرے پیاروں پہ چلی ظلم کی شمشیر
بے جرم مرے قتل پہ آمادہ ہیں بے پیر

جہاں پہ کسی نے ستم ایسا بھی کیا ہے
اے شخص تجھے رحم مرے حال پہ آیا
اجر اس کا خدا دے کہ بڑا رنج اٹھایا

اب خاک ہیں تو چشمے جو پانی سے بھرے ہوں
دنیا میں مجھے پانی کے پینے سے ہے انکار
حجت کے لیے پانی کا ان سے ہوں طلبگار

حیدر کی طرح تارک دنیائے دنی ہیں
مشکل کوئی تجھ پہ ہو تو آساں ابھی کر دیں
ہیں دل کے غنی سر کے جو سائل تو سر دیں

حق میں کوئی دشمن کے دعا بد نہیں کرتے

کرتا ہے قلم ایسے جری کے کوئی بازو
مارا اسے کیا صاحب اولاد نہ تھا تو

کچھ رحم نہ آیا تجھے اس ماہ جبیں پر
وہ سب تو لڑے ہوں گے جو تو نے اسے مارا
کیا ہوئے گا حال اس کا یہ جس کا ہے پیارا

جیتا رہا ہو گا کہ پدر مر گیا ہو گا
مقتل کی زمیں ہل گئی اس درد سے کہ آہ

کیا اپنی مصیبت کہوں اے بندۂ اللہ
یہ باغ مرا ہے کہ جو تیغوں سے قلم ہے
ٹوٹی ہے کمر اس سے ہوئی جب سے جدائی
مجھ باپ کی اٹھارہ برس کی ہے کمائی

چھوٹا ہے یہ بیٹا یہ ادھر اس کا بڑا ہے
سب قتل ہوئے باقی ہوں میں بیکس و دلگیر
کرتا ہوں ہدایت انہیں یہ ہے مری تقصیر

دو روز سے پانی نہیں بیٹے کو دیا ہے
اس وقت میں پانی تو مرے واسطے لایا
پانی مرے بچوں میں کسی نے نہیں پایا

کیونکر وہ پیئے جس کے پسر پیاسے مرے ہوں
واللہ میں ہوں کوثر و تسنیم کا مختار
احسان ہمیں منظور کسی کا نہیں زنہار

ظاہر میں ہیں محتاج مگر دل کے غنی ہیں
اس جام کو لے کہہ تو زر و مال سے بھر دیں
ہم وہ ہیں کہ قطرہ کوئی مانگے تو گہر دیں

فاقوں میں سوال فقرا رد نہیں کرتے

درویش سے یہ کہہ کے لیا پانی کا ساغر
دل پیاسی سکینہ کے لئے ہو گیا مضطر
آنکھوں سے بہے اشک رُخِ سرورِ دیں پر
پھر دستِ گدا میں وہ دیا کاسہ خالی
اللہ رے اعجازِ کفِ سرورِ عالی
حیرت ہوئی درویش کو اس لطف و کرم پر
کہتا تھا یہ آنکھوں سے لگا کر قدمِ شاہ
ہیں آپ وصی پاک ہیں پیغمبرِ ذی جاہ
بندے نے کسی میں یہ کرامت نہیں دیکھی
حضرت نے کہا نام سے میرے تجھے کیا کام
بیکس ہوں مسافر ہوں نہ راحت ہے نہ آرام
غربت کی جگہ منزلِ دُنیائے دنی ہے
کیا پوچھتا ہے قوم نبی کا ہوں نواسا
مادر وہ ہے کہتے ہیں جسے حضرتِ زہرا
ان میں سے ہر اک گلشنِ جنت کا مکیں ہے
کہنے لگا سر پیٹ کے ہاتھوں سے وہ دیندار
آقا تمھیں بندے نے نہ پہچانا تھا زنہار
تلوار مجھے دیجئے تا کہ جنگ ان سے کروں میں
رو رو کے یہ فرمانے لگے سرورِ ذی جاہ
تو قتل ہو منظور نہیں ہے مجھے واللہ
ہرگز نہ فراموش یہ احسان کریں گے
راضی ہو خدا تجھ سے کہ ہم تجھ سے ہوئے شاد
پر بھولیو مت پیاس ہماری یہ ہے یاد
رووے گا مری پیاس پہ جو بزمِ عزا میں

کہنے لگے حضرت سے سوئے لاشۂ اصغر
دیکھا طرفِ خیمہ کئی مرتبہ مڑ کر
اس پانی کو بس پھینک دیا رو دیے زمیں پر
اور خاک اٹھا تھوڑی سی اس جام میں ڈالی
لبریز تھے اس کاسے میں یاقوت و لالی
بس گر پڑا وہ دوڑ کے حضرت کے قدم پر
مولا مجھے نام اپنا بتا دیجئے للہ
کیا قوم ہے کس جا ہے وطن کیجئے آگاہ
واللہ یہ ہمت یہ سخاوت نہیں دیکھی
مظلوم مرا نام ہے سید ہے مرا نام
دنیا سے کوئی دم میں سفر کا ہے سرانجام
گھر قبر کا گوشہ ہے وطن بے وطنی ہے
اور مولد و مسکن ہے مرا یثرب و بطحا
بیٹا ہوں میں حیدر سے شہِ عقدہ کشا کا
مظلوم ہوں اب سر پہ مرے کوئی نہیں ہے
ہیں آپ حسین ابنِ علی یا شہِ ابرار
شہزادۂ کونین اور اس دکھ میں گرفتار
حضرت کے عوض تیغ و سناں کھا کے مروں میں
ہم اس پہ فدا ہیں جو ہمارا ہے ہوا خواہ
لے راہِ وطن جلد کہ ہم بھی ہیں سرِ راہ
ہم قبر میں مشکل تری آسان کریں گے
تربت میں کریں گے شبِ اول تری امداد
کیجو مری غربت پہ صدا نالہ و فریاد
لکھے گا اسے خالقِ اکبر شہدا میں

فرمانے سے حضرت کے وہ رخصت ہوا ناچار
میداں سے نہ نکلا تھا کہ پھر غل ہوا اک بار
دیکھا کہ تڑپتا ہے تنِ سیدِ ابرار
وہ کاٹنے لے جاتا ہے سر شمرِ ستمگار
مارا مرے بھائی کو یہ چلاتی ہے زینبؑ
سر پیٹتی خیمے سے چلی آتی ہے زینبؑ

زہراؑ کی صدا ہے کہ لٹی میری کمائی
مارا گیا شبیرؑ محمدؐ کی دوہائی
پانی کی مرے لال نے اک بوند نہ پائی
ہے ہے ہوئی بن بھائی کی زینبؑ بھی چلائی
دنیا مرے شبیرؑ سے خالی ہوئی ہے ہے
بانو مری بے وارث و والی ہوئی ہے ہے

ہے وقتِ دعا حق سے انیسؔ اب تو دعا کر
جو حاجتیں ان لوگوں کی ہیں ان کو روا کر
ان تعزیہ داروں پہ تو الطاف و عطا کر
مقروض جو مومن ہوں تو قرض ان کا ادا کر
محتاج نہ ہوں تیرے سوا اور کسی کے
اور حشر میں ہوں ساتھ حسینؑ ابنِ علیؑ کے

رُباعی

ظاہر وہی اُلفت کے اثر ہیں اب تک
قربانِ شہِ جن و بشر ہیں اب تک
ہوتے ہی علم آگے جب اُٹھتی ہے ضریح
عباسؑ علی سینہ سپر ہیں اب تک

رُباعی

جو شے ہے۔ فنا اسے بقا سمجھا ہے
جو چیز ہے کم اسے سوا سمجھا ہے
ہے بحرِ جہاں میں عمر مانندِ حباب
غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے؟

۱۹ مرثیہ بند ۱۲۴

جب دولتِ سرور پہ زوال آگیا رن میں
آنکھوں کا جو تھا نور وہ کھویا گیا رن میں
اس باپ کو سہرا بھی نہ اکبرؑ نے دکھایا
کس دکھ میں فلک نے علی اکبرؑ کو چھڑایا
قمری سے عجب سروِ چمن بر کو چھڑایا
یوں دم بھی کسی تازہ جواں نے نہیں توڑا

یوں باپ کی قسمت کو اُلٹتے نہیں دیکھا
یوں بڑھ کے کسی سرو کو گھٹتے نہیں دیکھا
نازوں کے دعاؤں کے مرادوں کے پلے تھے
بھیگیں جو مسیں اس نے کیا سجدۂ باری
سبزہ ہوا آغاز تو فرمایا کہ واری
شادی تھی کہ اب گھر میں دلھن لانے کے دن ہیں
گیسو ابھی منت کے بڑھائے تھے زماں نے

آئینہ بنایا جسے ربِ دوجہاں نے
توڑا نہیں ایسا گلِ شاداب کسی نے
افسوس نہ کچھ عمر نے اکبرؑ سے وفا کی
کیا دخل ہے بندے کو مشیت میں خدا کی
کچھ بس نہ چلا آگئے یوں موت کے بس میں
ہوتا ہے برابر کا پسر قوتِ بازو
ایسا پسرِ ماہ لقا صفدر و خوش خو
گرتے ہیں اُٹھا اُٹھ کے یہ ٹکڑے وہیں شبیرؑ

جس گل پہ تصدق تھے وہ مرجھا گیا رن میں
جینے کا جو باعث تھا وہ مارا گیا رن میں
پیری میں عجب داغ مقدر نے دکھایا
بے مہر نے کس ماہ سے اختر کو چھڑایا
کس فصل میں بلبل سے گلِ تر کو چھڑایا
یوں پھول کو بھی بادِ خزاں نے نہیں توڑا

اس طرح مقدر کو پلٹتے نہیں دیکھا
اس عمر کا پودا کوئی کٹتے نہیں دیکھا
واحسرت و دردا ابھی پھولے نہ پھلے تھے
یعنی مرے گلشن میں چلی بادِ بہاری
صد شکر کہ سرسبز ہوئی کشت ہماری
اس کی نہ خبر تھی کہ خزاں آنے کے دن ہیں
جو کوچ کیا خلق سے اس تازہ جواں نے

اس سینے کو زخمی کیا دشمن کی سناں نے
کمھلا گئے منھ اور نہ دیا آب کسی نے
پورے وہ جواں بھی نہ ہوئے تھے کہ قضا کی
ہاں کہتی تھی مجھ سے علی اکبرؑ نے دغا کی
پیدا ہوئے اور مرگئے اٹھارہ برس میں
آرامِ جگر راحتِ جاں زینتِ پہلو
مرجائے تو کیا دل پہ رہے باپ کے قابو
جیتے ہیں مگر غم سے لبِ گور ہیں شبیرؑ

اٹھتی ہے کبھی دل میں کبھی ہوک جگر میں
ہے درد کبھی سینے میں اور گاہ کمر میں
رن میں کبھی جاتے ہیں کبھی آتے ہیں گھر میں
ہے دن کا اجالا یہ اندھیرا ہے نظر میں
غل کرتے ہیں اعدا پہ سنائی نہیں دیتا
لاشہ علی اکبر کا دکھائی نہیں دیتا

یہ درد جگر ہے کہ سنبھلنے نہیں دیتا
یہ زور نقاہت ہے کہ چلنے نہیں دیتا
غم اور طرف دل کو بہلنے نہیں دیتا
رعشہ کف افسوس بھی ملنے نہیں دیتا
غم کون سا خرمن کے لئے برق نہیں ہے
پر صبر کی طاقت میں ذرا فرق نہیں ہے

آتی ہے صدا دل سے کہ طاقت نہیں مجھ میں
کہتا ہے جگر ضعف ہے قوت نہیں مجھ میں
ہر چشم ہے گریاں کہ بصارت نہیں مجھ میں
کہتی ہے کمر درد سے حالت نہیں مجھ میں
بے مہریٔ افلاک نے دل توڑ دیا ہے
شبیر کو سب ساتھیوں نے چھوڑ دیا ہے

پیری میں یہ اندوہ ضعیفی میں یہ دکھ درد
صدمے سے رخ پاک ہے کیسر کی طرح زرد
چہرہ جو مکدر ہے تو زلفیں بھی ہیں پُرگرد
تن کانپنے لگتا ہے جو بھرتے ہیں دم سرد
جس پھول کے عاشق تھے وہ گلشن میں نہیں ہے
یہ حال ہے گویا کہ لہو تن میں نہیں ہے

دل کا ہے تقاضا کہ تڑپنے کی رضا دو
کہتا ہے جگر خوں مرا آنکھوں سے بہا دو
سر کھینچا ہے نالوں نے کہ گردوں کو ہلا دو
شہ کہتے ہیں یاد اب علی اکبر کی بھلا دو
مختار کا جو حکم ہو یہ کچھ خبر نہیں ہے
اس زخم کا مرہم کوئی جز صبر نہیں ہے

جو اہل محبت ہیں بلا ان کے لئے ہے
صابر جو ہیں یہ درد دوا ان کے لئے ہے
مظلوم جو ہیں لطف خدا ان کے لئے ہے
ہر رنج میں اک تازہ مزا ان کے لئے ہے
سو دکھ ہوں تو ہوں محو ہیں الفت میں اسی کی
روتے ہیں تو روتے ہیں محبت میں اسی کی

اکبر تھا تو وہ کیا تھا اگر ہم ہیں تو کیا ہیں
سو ایسے جو بندے ہوں تو خالق پہ فدا ہیں
کچھ غم نہیں گر ہم سے جدا ہیں تو جدا ہیں
یہ کس کی عنایت ہے کہ راضی بہ رضا ہیں
غم تھا جو سر اس راہ میں فرزند نہ دیتا
کیا کرتے اگر وہ ہمیں دل بند نہ دیتا

فدیہ ہوا فرزند جواں شکر کی جا ہے
خوشنود ہے رب دو جہاں شکر کی جا ہے
لب پر نہیں فریاد و فغاں شکر کی جا ہے
گردن سے گیا بار گراں شکر کی جا ہے
جو ہم کو عطا کی تھی وہ دولت لئے پہونچی
فارغ ہوئے ہم اس کی امانت ہمیں پہونچی

اٹھارہ برس تک جو رہا پاس وہ دلدار
تھی یہ بھی عنایت کہ وہ ہے راحم و غفار
ہر حال میں بندے کو اطاعت ہے سزاوار
مجبور ہیں ہم اور وہ ہے قادر و مختار
اکبر سا جواں رشک قمر کس نے دیا تھا
وہ صبر بھی بخشے گا پسر جس نے دیا تھا

جینے کا یقیں رحلت عباس میں کب تھا
مر جانا برادر کا قیامت تھا غضب تھا
اللہ پہ روشن ہے جو کچھ دل پہ تعب تھا
تڑپے نہیں یہ کس کی عنایت کا سبب تھا
بہتر تھا ہمارے لیے تنہائی کا مرنا
سب سہل ہے جب دیکھ چکے بھائی کا مرنا

داخل ہوئی خیل شہدا میں مری اولاد
جو نیک کمائی ہے وہ ہوتی نہیں برباد
سب اس پہ فدا ہیں علی اکبر ہوں کہ سجاد
بندہ وہ ہے صاحب کی جو بھولے نہ کبھی یاد
طاعت تو ہے دشوار اطاعت تو نہ جائے
بیٹا تو گیا صبر کی دولت تو نہ جائے

رونے سے ملیں گر علی اکبر تو میں رو دوں
چھاتی سے لپٹ جائے وہ دلبر تو میں رو دوں
آباد جو ہو اجڑا ہوا گھر تو میں رو دوں
رونے سے یہ دولت ہو میسر تو میں رو دوں
پھر بچھڑے ہوئے لال کو پاتے نہیں دیکھا
دنیا سے گیا جو اسے آتے نہیں دیکھا

روئے جو مصیبت میں تو کیا ہوتا ہے اے دل
ہوتا ہے جو قسمت کا لکھا ہوتا ہے اے دل
ہر درد کا الفت میں مزا ہوتا ہے اے دل
صابر سے رضامند خدا ہوتا ہے اے دل
مطلب ترے یہ مرحلے طے کرکے ملیں گے
جیتے ہیں تو فرزند سے اب مر کے ملیں گے

باتیں تھیں ادھر شکر کی اور صبر و رضا کی
بندھتی تھیں صفیں رن میں ادھر اہل جفا کی
ناگاہ ہوئی خیمے میں اک دھوم بکا کی
سمجھے شہ مظلوم کہ اصغر نے قضا کی
فرمایا کہ یارب کہیں جلدی اجل آئے
تڑپا یہ دل زار کہ آنسو نکل آئے

ڈیوڑھی کے قریب آکے یہ شبیر پکارے
جیتے ہیں کہ اصغر سوئے فردوس سدھارے
فضہ نے کہا اے اسد اللہ کے پیارے
معصوم کا دم ہونٹوں پہ ہے پیاس کے مارے
سنبھلے ہیں کچھ اب پہلے تو گردن بھی ڈھلی تھی
جلد آئیے لونڈی تو بلانے کو چلی تھی

روتے ہوئے خیمے میں شہ بحر و بر آئے
خوش ہو کے سکینہ نے کہا لو پدر آئے
بانو کو جو شبیر اکیلے نظر آئے
چلائی کہ میداں سے نہ اکبر ادھر آئے
لونڈی نے بڑی دیر سے دیکھا نہیں ان کو
صاحب مرے لٹنے کی خبر کیا نہیں ان کو

کہہ دے کوئی مرتے ہیں علی اکبر گلفام
حضرت نے کہا ان سے کسی سے نہیں کچھ کام
ہم دارِ محن میں ہیں وہ گلزارِ جناں میں
سب قافلے والوں سے وہ منہ موڑ گئے ہیں
ہاتھوں کو دمِ نزع بھی وہ جوڑ گئے ہیں
اپنی بھی کوئی دم میں اجل آتی ہے صاحب

فرما کے یہ گہوارۂ اصغر پہ جھکے شاہ
خورشید لبِ بام نظر آیا جو وہ ماہ
چھائی ہوئی زردی تھی جو دلبند کے منہ پر
بل کھائے ہوئے ہاتھ جو تکیوں سے اٹھائے
رعشہ ہوا ہاتھوں کو قدم سرد جو پائے
کانٹے جو نظر آ گئے ننھی سی زباں میں

ننھے سے جو تکیے سے ڈھلی جاتی تھی گردن
نیلے تھے لبِ سرخ جو مثلِ گلِ سوسن
چھاتی میں دھڑکتا جو دل اس ماہ جبیں کا
دیکھی جو مسوڑھوں کی کبودی تو ہوئے زرد
وہ ہچکیاں لے لے کے جو بھرتا تھا دمِ سرد
پتلی جو پھری جاتی تھی اس غنچہ دہن کی

تھا نزع میں وہ غنچہ دہن پیاس کے مارے
چھاتی پہ کبھی ہاتھ دھرے گاہ اتارے
دم رکتا تھا سینے میں تو ڈھل پڑتے تھے آنسو
چلاتی تھی بکھرائے ہوئے بالوں کو مادر
فریاد ہے اے تختِ دلِ ساقیٔ کوثر
کیا ہو گیا اس صاحبِ اقبال کو میرے

لائیں جو کہیں سے انھیں پانی کا ملے جام
جاگے تھے کئی رات کے اب کرتے ہیں آرام
واماندوں کی لیتا ہے خبر کون جہاں میں
اس عالمِ غربت میں ہمیں چھوڑ گئے ہیں
تنہائی میں بابا کی کمر توڑ گئے ہیں
تنہا ہیں جواں کی بھی گزر جاتی ہے صاحب

دیکھا جو دم اکھڑا تو ہوا صدمۂ جانکاہ
رانڈوں کے جگر ہل گئے اس درد کی آہ
شبیر نے منہ رکھ دیا فرزند کے منہ پر
منہ رکھ دیا بوسے لیے آنکھوں سے لگائے
ڈوبی جو ملی نبض تو آنسو نکل آئے
اک درد کا نشتر تھا کہ ڈوبا رگِ جاں میں

دم بانکے کا رک جاتا تھا اور کانپتا تھا تن
روتے تھے لہو۔ زرد تھا شہ کا رخِ روشن
صدمے سے اکھڑتا تھا کلیجہ شہِ دیں کا
یہ روئے کہ تر ہو گیا شہ کا رخِ پُرگرد
اٹھتا تھا کلیجے میں شہِ دیں کے عجب درد
اندھیر تھا آنکھوں میں شہنشاہِ زمن کی

اینٹھی تھی زباں سوکھ کے آثار تھے سارے
منہ کھولتا تھا پیاس میں پانی کے اشارے
کھل جاتی تھیں آنکھیں تو نکل پڑتے تھے آنسو
دولت مری لٹتی ہے اجڑتا ہے مرا گھر
آنکھیں بھی جھپکتے نہیں اب تو علی اصغر
ہے ہے لیے جاتی ہے اجل لال کو میرے

گودی میں لیا شاہ نے گھبرا کے پسر کو
خیمے سے چلے لے کے جو اس نورِ نظر کو
سمجھی کہ یہ اب جا کے نہ پھر آئیں گے رن سے
اشک آنکھوں سے بہنے لگے دل غم سے بھر آیا
رقّت کا ہوا جوش کہ منہ کو جگر آیا
گہوارے پہ سر دھر کے جو غش کر گئی بانوؑ
سب بی بیاں چلّا کے یہ کرنے لگیں زاری
یا سبطِ نبیؐ تن سے چلی جان ہماری
صاحب مری آغوش کے پالے کو دکھا دو
حضرتؑ نے کہا شوق سے بے شیر کو دیکھو
بیتاب ہو کیوں اصغرِ دلگیر کو دیکھو
موت آج جواں کی ہے تو چارا نہیں صاحب
تم ماں ہو بڑے دکھ سے اسے تم نے ہے پالا
پر جان ہماری بھی ہے یہ گیسوؤں والا
خوشنود ہیں وہ عشق ہے اللہ سے جن کو
میں ان کو نہ لے جاؤں اگر ہے قلق اس
اب تو ہے تمہاری یہی اُمید یہی آس
لو چلتی ہے میداں میں ہوا سرد نہیں ہے
دھڑکا ہے کہ بے رحم کہیں تیر نہ ماریں
واں تیر ہیں میرے لیے تلواروں کی دھاریں
قاتل ہیں وہ اکبرؑ کے تو سجادؑ کے دشمن
نیزہ علی اکبرؑ کو مرے سامنے مارا
ہیں دشمنِ اولادِ علیؑ وہ ستم آرا
غم ہو کہ عبث لا کے جگر بند کو کھویا

لپٹا لیا خورشید نے چھاتی سے قمر کو
غش آنے لگا مادرِ تفتیدہ جگر کو
فرزند چلا کیا کہ چلی جان بدن سے
گہوارۂ بے شیر جو خالی نظر آیا
رنگ اڑنے لگا تیر کلیجے میں در آیا
ہر بی بی پہ ثابت یہ ہوا مر گئی بانوؑ
گھبرا کے اٹھی اور یہ حضرت کو پکاری
اک لحظہ ٹھہر جائیے میں آپ کے واری
اک بار پھر اس ہنسلیوں والے کو دکھا دو
لو آکے پھر اس چاند سی تصویر کو دیکھو
کیا صبر کیا ہے دلِ شبیرؑ کو دیکھو
کیا لال تمہارا ہمیں پیارا نہیں صاحب
ہے حق بہ طرف گو ہو کلیجہ تہ و بالا
ہر طرح مگر صبر کیا دل کو سنبھالا
اکبر کو فدا کر کے لیے جاتا ہوں ان کو
دوری علی اکبر سے ہوئی یہ تو ہیں پیاسے
اور اس کے سوا پانی کے ملنے کی بھی ہے یاس
وہ لوگ ہیں واں ہیچ جنھیں درد نہیں ہے
شرمندہ ہوں تم سے جو یہ کوثر کو سدھاریں
غل ہے کہ حسین آئیں تو سر تن سے اتاریں
ہیں مجھ سے زیادہ مری اولاد کے دشمن
پانی کو ترستا ہوا دنیا سے سدھارا
اس کو بھی کریں قتل تو کیا زور ہمارا
تم دل میں کہو آپ نے فرزند کو کھویا

برگشتہ ہے تقدیر مخالف ہے زمانا
سچ کہتی ہو تم ان کا مناسب نہیں جانا
دکھ درد رنڈاپے کا بھی سہہ لیجئو بانو!
لو گود میں فرزند کو اللہ نگہباں
بانو نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو یہ اس آن
یوں آپ جسے چاہیئے دے جایئے ان کو
میں بھی ہوں کنیز آپ کی یا حضرت شبیرؑ
بے تاب تھا دل کی ہو جو بے جا کوئی تقریر
فرزند کا غم ماں کے کلیجے کو چھری ہے
خنجر کے تلے جس کا جگر ہو وہی جانے
دکھ درد میں یوں جس کی بسر ہو وہی جانے
شب کٹتی ہے کس طرح سے دن ڈھلتا ہے کیونکر
پہلو میں ہو یا گود میں یا چھاتی پہ سوئے
پلتا ہے پسر ایک جواں عمر کو کھوئے
ماں چپ رہے اور گود سے جائے پسر اپنا
میں آپ کے صدقے مرے ماں باپ بھی قرباں
خوشنود ہوں لے جایئے ان کو سوئے میداں
ہاں صبر خدا دے یہ دعا کیجئو صاحب
شہ بولے یہ کیا کہتی ہو اے بانوئے دلگیر
دخل اس میں نہ میرا نہ تمہاری کوئی تقصیر
واجب ہمیں ہر حال میں خوشنودیٔ رب ہے
لو گود میں لے کر انھیں چھاتی سے لگاؤ
بھاری کوئی کرتا علی اصغر کو پنہاؤ
دولہا سا بناؤ کہ یہ پروان چڑھے گا

دشوار ہے اب جا کے مرا خیمے میں آنا
الفت ہے اگر ہم سے تو آنسو نہ بہانا
جو کہنا ہو اللہ سے کہہ لیجئو بانو!
ہر حال میں زینب کی اطاعت کا رہے دھیان
لونڈی سے خفا کچھ ہوئے میں آپ کے قربان
کب میں نے کہا تھا کہ نہ لے جایئے ان کو
ہر دکھ میں رضا جوئے خدا تابع تقدیر
ہیں آپ خطا پوش بحل کیجئے تقصیر
صدقے گئی یہ آتما کی آنچ بُری ہے
اس درد کی جس دل کو خبر ہو وہی جانے
آغوش میں جس ماں کی پسر ہو وہی جانے
پوچھے کوئی ماں سے کہ پسر پلتا ہے کیونکر
دھڑکا ہے کہ بچہ کہیں بے چین نہ ہووے
جس نے یہ اٹھائی ہو مصیبت وہ نہ روئے
صاحب کوئی لے آئے کہاں سے جگر اپنا
یہ خادمۂ خاص تو ہے تابع فرماں
کچھ میں نے کہا مر گئے جب اکبر ذی شاں
نام ان کا جو اب لوں تو گلا کیجئو صاحب
واللہ بدل تم سے رضامند ہے شبیرؑ
صاحب انھیں دریا پہ لیے جاتی ہے تقدیر
اکبر گئے جس جا وہیں ان کی بھی طلب ہے
بس صبر کرو اشک نہ آنکھوں سے بہاؤ
اکبر کے جو بچپن کا عمامہ ہو تو لاؤ
تم شکر کرو آج کہ دودھ اس کا بڑھے گا

یہ سن کے کہا ماں نے کہ آئے مرے پیارے
کرتے تھے جو بھاری وہ چھپائے اُتارے
جھک جھک کے جو فرزند کا منہ یاس سے دیکھا
مادر سے اشارا تھا کہ دنیا سے چلے ہم
گودی میں تمہاری چھ مہینے تو پلے ہم
کیوں روتی ہو کچھ رونے سے حاصل نہیں اماں
اک شور تھا اللہ نگہبان علی اصغر
پیارے علی اصغر مرے ذی شان علی اصغر
ہنستا تھا جو بھائی تو موئی جاتی تھیں بہنیں
بچے کو لئے گھر سے جو نکلے شہ والا
نکلا تھا کبھی گھر سے نہ وہ ہنسلیوں والا
روتا تھا تو چھاتی سے لگا لیتے تھے شبیر
یوں کہنے لگے دیکھ کے آپس میں ستمگر
بولا کوئی ہے زیر عبا مصحف داور
معلوم ہوا جنگ سے گھبراتے ہیں شبیر
بولا کوئی بے درد، نہیں یہ نہیں اصلا
سادات پہ اس دشت میں ہے تنگ افاقا
اشک آنکھوں میں ہیں چاک گریبان کئے ہیں
سن کر یہ کلام ان کا پکارے شہ عادل
میت ہے نہ قرآں ہے یہ اے فرقۂ جاہل
دیکھو مری مظلومی و اندوہ و قلق کو
یہ چھوٹا سا سید بھی ہے مہمان تمہارا
یہ فرش کی زینت ہے تو ہے عرش کا تارا
کچھ پانی کے بدلے تمہیں لینا ہو تو کہہ دو

سرمہ بھی دیا بال بھی سب سر کے سنوارے
رو کر کہا تو جاؤ میں قربان تمہارے
ماں کو علی اصغر نے عجب یاس سے دیکھا
افسوس کہ اس باغ میں پھولے نہ پھلے ہم
اب تشنہ دہن جاتے ہیں طوبیٰ کے تلے ہم
یہ دارِ محن رہنے کے قابل نہیں اماں
چلاتی تھیں پھوپھیاں مرے نادان علی اصغر
ماں کہتی تھی جاتے ہو میں قربان علی اصغر
منہ چھاتی پہ رکھے ہوئے چلاتی تھیں بہنیں
تھی دھوپ میں تیزی کہ ہرن ہوتا تھا کالا
دامانِ عبا چہرۂ فرزند پہ ڈالا
ہر گام پہ دامن سے ہوا دیتے تھے شبیر
یہ کیا ہے جو ہاتھوں پہ لئے ہیں شہ صفدر
تا صلح کریں ہم سے اسے بیچ میں دے کر
قرآں کو شفاعت کے لئے لاتے ہیں شبیر
ہے صابر و شاکر پسرِ حضرت زہراؑ
بے جان ہوا ہوگا کسی سیدانی کا بچا
میت کسی معصوم کی شبیر لئے ہیں
تم نہ تو محمد کے نہ قرآں کے ہو قائل
یہ مصحف ناطق کے گلے کی ہے حمائل
لے آیا ہوں زہرا کے صحیفے کے ورق کو
کیا تم کو ملے گا جو اسے پیاس نے مارا
میرا بھی جگر بند ہے ماں کا بھی ہے پیارا
دریا سے جو قطرہ کوئی دینا ہو تو کہہ دو

طالب ہو اگر زر کے تو زر لیجیو مجھ سے ۔۔۔ قطرے کے عوض لعل و گہر لیجیو مجھ سے
پانی دو لے خلد میں گھر لیجیو مجھ سے ۔۔۔ خالی ہو اگر نہر تو بھر لیجیو مجھ سے
معصوم ہے بے آب کبھی جی نہ سکے گا ۔۔۔ اک جام تو یہ تشنہ دہن پی نہ سکے گا
مارا جنھیں برچھی سے انھیں کا ہے یہ بھائی ۔۔۔ اٹھارہ برس کے تھے وہ جن کی اجل آئی
یہ لعل ہے میرا چھ مہینے کی کمائی ۔۔۔ مر جائے گی ماں گر ہوئی اس سے بھی جدائی
بہنوں کی یہ ہے جان تو پھوپھیوں کا جگر ہے ۔۔۔ مرجانے میں اس کے کئی جانوں کا ضرر ہے

میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ پانی مجھے لاؤ ۔۔۔ تم آپ لے آن کے چلو سے پلا دو
مرتا ہے یہ مرتے ہوئے بچے کو جلا دو ۔۔۔ للہ کلیجے کی مرے آگ بجھا دو
جب منہ مرا تکتا ہے یہ حسرت کی نظر سے ۔۔۔ اے ظالمو اٹھتا ہے دھواں میرے جگر سے
بجھتی نہیں جب آگ کلیجے میں لگی ہو ۔۔۔ جانے وہی اولاد خدا نے جسے دی ہو
سوچے وہ قضا جس کے جگر بند نے کی ہو ۔۔۔ انصاف کرے دل پہ چھری جس کے چلی ہو
غمگین ہو تو سوز نفس سرد کو سمجھے ۔۔۔ جس دل میں نہ ہو درد وہ کیا درد کو سمجھے

اولاد کی فرقت کوئی پوچھے مرے جی سے ۔۔۔ بیٹے کی محبت کوئی پوچھے مرے جی سے
یہ دکھ یہ مصیبت کوئی پوچھے مرے جی سے ۔۔۔ اس درد کی لذت کوئی پوچھے مرے جی سے
اک یاد الٰہی تو فراموش نہیں ہے ۔۔۔ یہ جوش ہے غم کا کہ مجھے ہوش نہیں ہے
میں خوب سمجھتا ہوں کہ ہو ظلم کے بانی ۔۔۔ یہ کیا ہے کہ پھر تم سے طلب کرتا ہوں پانی
جاں اپنی میں دیتا ہوں جو بچ جائے یہ جانی ۔۔۔ مر جاؤں میں پر اس کی بجھے تشنہ دہانی
جب سوئے عدم خلق سے منہ موڑ کے جاؤں ۔۔۔ حسرت ہے کہ دنیا میں اسے چھوڑ کے جاؤں

یہ کہہ کے اٹھایا رخ بے شیر سے دامن ۔۔۔ چہرے کی تجلی سے جہاں ہو گیا روشن
دیکھی جو وہیں چاند سی ڈھلکی ہوئی گردن ۔۔۔ کیا ذکر بھلا دوست کا رونے لگے دشمن
ہر چند کہ سب ظالم و جلاد تھے ان میں ۔۔۔ تھرا گئے جو صاحب اولاد تھے ان میں
سنی آہ کسی نے کوئی منہ پھیر کے رویا ۔۔۔ دامن کسی جلاد نے اشکوں سے بھگویا
ہر شخص کے اک تیر لگا قلب پہ گویا ۔۔۔ بولا کوئی ایمان بھی گیا دین بھی کھویا
یوں پھول کوئی دھوپ میں مرجھا نہیں جاتا ۔۔۔ بچے کا یہ عالم ہے کہ دیکھا نہیں جاتا

بولا کوئی کیا پانی کے دینے میں ضرر ہے
بولا کوئی بچہ ہے تو مرا دھیان کدھر ہے
پچھتائے گا کل آج جو پانی اسے دے گا

تب شمر پکارا کہ ہمیں رحم نہیں ہے
حضرت نے کہا یہ تو مرے دل کو یقیں ہے
بے صبر نہیں گو کہ گرفتار قلق ہوں

یہ سن کے بڑھا صف سے بنِ کاہلِ بے پیر
جوڑا ستم ایجادوں نے چلّے میں ادھر تیر
چلّاتے تھے پیہم کہ یہ کیا کرتا ہے ظالم

کب سنتا تھا فریاد کسی کی ستم آرا
ڈھلکی ہوئی گردن پہ لگا تیر قضا را
اشک آنکھوں سے شبنم کی طرح رخ پہ ڈھل آئے

گھبرا کے سری کو جو لگے کھینچنے سرور
تھرّانے لگے تھے سے وہ بازوئے انور
بیتابی میں شہ بیٹھ گئے خاک پہ ہٹ کر

ہاتھوں پہ جو مردہ لیے شبیر نے پایا
تھرّاتے ہوئے ہاتھوں پہ میت کو اٹھایا
محتاج نہ پانی کا نہ خواہاں ہوں مدد کا

شیعوں کے گناہوں سے مجھے ہے خطر و بیم
آئی یہ ندا ان پہ کسی کو نہیں تقدیم
گھبرا نہ انہیں اجرِ گراں مایہ ملے گا

تو بندۂ صابر ہے تو ہم صادق الاقرار
ناجی ہیں ترے دوست ہوں کیسے ہی گنہگار
شبیر نے غم کھا کے تجھے ہم شاد کریں گے

معصوم ہے مظلوم ہے اور تشنہ جگر ہے
دشمن اسے سمجھو کہ یہ دشمن کا پسر ہے
یہ طفل جواں ہو کے عوض باپ کا لے گا

یہ غنچہ دہن کیا علی اکبر سے حسیں ہے
اس فوج میں ایک ایک شقی دشمن دیں ہے
حجت نہ رہے کوئی کہ میں حجتِ حق ہوں

پیاسے علی اصغر کے ہوئی قتل کی تدبیر
چھاتی تلے بچے کو چھپانے لگے شبیر
بچے کو جو تاکا تو خطا کرتا ہے ظالم

اک تیر ستم تاک کے معصوم کو مارا
بس چونک پڑا سہم کے وہ باپ کا پیارا
ننھے سے انگوٹھے بھی دہن سے نکل آئے

سب خون سے کرتا بھی شلوکا بھی ہوا تر
ڈھیلے ہوئے ہاتھوں سے کڑے پھر گئے تیور
وہ غنچہ دہن مر گیا بابا سے لپٹ کر

آہ دلِ مظلوم نے گردوں کو ہلایا
کی عرض کہ اب تک تو میں صابر ہوں خدایا
طالب ہوں فقط مغفرتِ امتِ جد کا

ناموس پہ انہیں کے ہو تو اب اس کا بھی تقسیم
بخشا انہیں اے راہ بر جادۂ تسلیم
فردوس میں سب کو ترا ہمسایہ ملے گا

تو شافعِ امت ہے تو ہم راحم و غفار
مالک ہو جہنم کا تو فردوس کا مختار
شیعوں سے ترے خلد کو آباد کریں گے

سُن کر یہ صدا شاد ہوئے سبطِ پیمبرؐ
چھوٹے کو بڑے بھائی کے پہلو میں لٹا کر
بعد آپ کے ہم دشت میں پھر آج گھٹے ہیں
جنگل کے درندوں سے برادر کو بچانا
کوثر پہ جو پہونچو گے تو پیاس ان کی بجھانا
مثلِ گلِ تر پیاس سے مرجھائے ہوئے ہیں

فرزند کے لاشے سے یہ کہتے تھے ابھی شاہؑ
تولے ہوئے تیغوں کو بڑھا لشکرِ گمراہ
حربے کے لئے ہاتھ جو دو ایک کے اُٹھے
لاشوں کو پکارے کہ خدا حافظ و ناصر
طے جلد ہوئی جاتی ہے یہ منزلِ آخر
بلوہ یہ نہ دیکھا یہ صف آرائی نہ دیکھی

فرما کے یہ مرنے پہ کسا اور کمر کو
جلوہ دیا کرار کی شمشیرِ دوسر کو
جوہر تو ادھر برقِ شرربار میں چمکے
چھیڑا جو فرس کو اسد اللہ کے پسر نے
پہونچا دیا سر عرش پہ شمشیرِ دوسر نے
تھا ہوش نہ پریوں کو نہ انساں کو نہ جن کو

اللہ ری چمک صاعقۂ تیغِ دوسر کی
گھبرا کے ادھر ثور نے ماہی کو خبر کی
گردوں پہ تھمے مہر کو یہ تاب نہیں تھی
خورشید جو ڈر ڈر کے چھپا اور نکل آیا
منہ برق نے بھی خرمنِ گردوں سے نکالا
غل چار طرف تھا کہ گھرے قہرِ خدا میں

اصغرؑ کو لئے آئے سوئے لاشۂ اکبرؑ
چلائے کہ ہاتھ اپنا دھر دلبرِ انور
ہشیار کہ یہ پہلی پہل ماں سے چھٹے ہیں
گر روئیں تو بیٹا انھیں چھاتی سے لگانا
لیجو انھیں دادی کی جو تسلیم کو جانا
گردن نہ دکھے تیرِ ستم کھائے ہوئے ہیں

چلنے لگے پھر تیرِ ستم فوج سے ناگاہ
آزردہ ہوئی خاطرِ فرزندِ یداللہ
اک شیر سے شمشیرِ علیؑ ٹیک کے اُٹھے
اب مرنے کو جاتا ہے یہ مظلوم مسافر
دو لاکھ عدو جمع ہیں اک جان کی خاطر
افسوس کہ تم نے مری تنہائی نہ دیکھی

جولاں کیا اس دم فرسِ برق سیر کو
ہتوانس لیا حضرتِ حمزہؑ کی سپر کو
اک چار ستارے سے شبِ تار میں چمکے
مجرا کیا اقبال نے تسلیم ظفر نے
دکھلایا عروجِ شبِ معراج سپر نے
غل تھا کہ جہاں میں شبِ قدر آئی ہے دن کو

جبریل کو گردوں پہ ہوئی فکر سپر کی
بڑھنے لگے مولا تو زمیں کانپ گئی سر کی
ذرے تھے کہیں دھوپ کہیں چھاؤں کہیں تھی
گہ دھوپ تھی سائے پہ کبھی دھوپ پہ سایا
شمشیر کے شعلے کی کوئی تاب نہ لایا
آگ آب میں پنہاں ہوئی اور خاک ہوا میں

جب اوج دکھاتی تھی وہ تیغ دو دم اپنا
دانتوں میں پکڑتا تھا عطارد قلم اپنا
افعی بھی اُگل دیتے تھے ڈر ڈر کے سم اپنا
اژدر بھی پہاڑوں میں چھپاتے تھے دم اپنا
یوں بھاگتے تھے شیر کہ دم بھول گئے تھے
دہشت تھی کہ وحشت کو ہرن بھول گئے تھے

نوکوں سے دہلتی تھی زمیں کانپتا تھا رن
وہ تند نظر قہر کی وہ غیظ کی چتون
وہ تیزی شمشیر وہ چالاکی توسن
وہ عطر فشاں زلف سیہ وہ رخ روشن
غنچہ میں یہ بو بدر میں یہ نور کہاں ہے
سارا شب معراج محمد کا سماں ہے

شمشیر چمکنے میں یہ کرتی تھی اشارا
اک ضرب میں عنتر کو کیا میں نے دوپارا
وہ بحر فنا ہوں کہ نہیں جس کا کنارا
اے قوم مرے گھاٹ سے مشکل ہے اتارا
منھ پر کبھی افواج ستم چڑھ نہیں سکتی
دھارے سے مری کشتی تن بڑھ نہیں سکتی

دنیا میں کوئی صاحب جوہر نہیں مجھ سا
سر تیز کوئی دشنہ و خنجر نہیں مجھ سا
افعی نہیں مجھ سا کوئی اژدر نہیں مجھ سا
فولاد کے دریا کا شناور نہیں مجھ سا
بت توڑ دیے ہیں جو سوئے دیر گئی ہوں
خندق کو تو دو ہاتھ میں میں پیر گئی ہوں

خیبر کی لڑائی کی خبر کس کو نہیں ہے
اس قلعہ کشائی کی خبر کس کو نہیں ہے
اعدا کی دُہائی کی خبر کس کو نہیں ہے
اس منھ کی صفائی کی خبر کس کو نہیں ہے
بے فتح تشفی کبھی میری نہیں ہوتی
سیروں جو لہو پی لوں تو سیری نہیں ہوتی

اُس شیر کی شمشیر ہوں جو شیر خدا ہے
تلواروں سے عالم کی مرا کاٹ جدا ہے
قبضے میں اب اُس کے ہوں جو سلطان ہدیٰ ہے
تیغے کی جگہ نقش فنا مجھ پہ کھدا ہے
برسوں ہیں مرے زخم کا مرہم نہیں بھرتا
پیروں جو لہو میں تو کبھی دم نہیں بھرتا

گردوں سے جسے حق نے اتارا ہے وہ میں ہوں
جرّاروں کو جس تیغ نے مارا ہے وہ میں ہوں
جس سے جگر کفر دوپارا ہے وہ میں ہوں
دریا جو زمانے میں دودھارا ہے وہ میں ہوں
کفار کی لاشوں سے بیاباں کو بھرا ہے
اسلام کا گلشن مرے پانی سے ہرا ہے

پہچانتے تھے خوب پیمبر مرے جوہر
مخفی نہیں جبریل امیں پر مرے جوہر
کھولے ہیں یداللہ نے اکثر مرے جوہر
کفار نے دیکھے ہیں مکرر مرے جوہر
ہوں دشمن جاں جن بھی یہ سب جان گئے ہیں
جبریل بھی لوہے کو مرے مان گئے ہیں

لے قوم نکالے ہیں ابھی بت میں نے حرم سے
ایماں کے گلستاں میں ہے بے رونق ارم سے
تھا فکر کا رشتہ جسے تسبیح کیا ہے

دیکھو مجھے میں نفی عدو کے لیے لا ہوں
قصر تن اعدا کے لیے سیل فنا ہوں
ناگن میں نہ ہو گی کبھی جو لہر ہے مجھ میں
ناگاہ بڑھے شاہ چلی تیغ چمک کے
جنگل کی طرف دوڑ گئی آگ بھڑک کے

ہر سو کرۂ نار کا عالم نظر آیا
تیغ آئی چمک کر کہ قضا آئی سروں پر
لہراتی ہوئی سیل فنا آئی سروں پر
دم بھر میں نہ صف تھی نہ سواروں کا پرا تھا
جس صف پہ چمک کر وہ گئی ڈر گئے اعدا
بھاگڑ میں جدھر ششدر و مضطر گئے اعدا

مقتل میں سواروں پہ فرس لوٹ رہے تھے
اک برق چمکتی تھی صف فوج ستم پر
یوں کاٹ کے دکھانے کو جاتی تھی قلم پر
ہر شے کے اڑا دینے میں فیاض تھی شمشیر
سر گرتے تھے ہر بار زرہ پوش کے تن سے
ٹوٹی تھیں صفیں تیغ شہ قلعہ شکن سے

کیا رُکتے ڈھالوں پہ وہ تیغ دو زباں کو
گر ڈھال میں ڈوبی کبھی نیزے کی گرہ میں
مچھلی سی کبھی پیر گئی موج زرہ میں
جب کوند کے اٹھی اسے افلاک پہ دیکھا

اقبال سے حیدر کے محمد کے حشم سے
سب سیکھے ہیں سجدے میں پھیکا ہے ابھی خم سے
زنار کو ڈورے نے مرے کاٹ دیا ہے

کھاتی ہے جو دشمن کا کلیجہ وہ بلا ہوں
کافر کے لیے درد ہوں مومن کی دوا ہوں
چڑھ کر جو اترتا نہیں وہ زہر ہے مجھ میں
شعلے نے لیا لشکر ناری کو لپک کے
تھرانے لگے شیر پہاڑوں میں دبک کے

میدان بلا خیز جہنم نظر آیا
یا کھولے ہوئے منہ کو بلا آئی سروں پر
سر اڑتے ہیں جس جا وہ ہوا آئی شرر کی
اعدا کا لہو تیغ کی باچھوں میں بھرا تھا
بس خون میں سر تا بہ قدم بھر گئے اعدا
بجھ بجھ گئے پس پس گئے مر مر گئے اعدا

دو ایک پہ اور بار تیغ پہ دست ٹوٹ رہے تھے
بسمل بھی تڑپ جاتے تھے اس تیغ کے دم پر
جس طرح چلے تیز چھری نرم قلم پر
چار آئنہ قرطاس تھے مقراض تھی شمشیر
جوشن تن کفار میں بدتر تھے کفن سے
آتی تھی جو رن سے تو نکل جاتی تھی تن سے

رد کا ہے کبھی باغ کے پتوں نے خزاں کو
ترکش میں کبھی گاہ کماں میں کبھی زہ میں
اک تیغ سے تھا زلزلہ برپا کرہ مہ میں
دیواروں کو چار آئینے کی خاک پہ دیکھا

مقتل سے جری تیغ و سپر چھوڑ کے بھاگے
ہل چل تھی کہ بیٹوں کو پدر چھوڑ کے بھاگے
واں روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے
جیسے کوئی بھونچال میں گھر چھوڑ کے بھاگے
غل تھا کہ نماز اس کی پڑھو فرض یہی ہے
لے قوم اذا زلزلت الارض یہی ہے

رتی پہ تڑپتے ہوئے تن اس نے دکھائے
پھوٹے ہوئے زخموں کے چمن اس نے دکھائے
سو رنگ تہ چرخ کہن اس نے دکھائے
جلنے میں قیامت کے چلن اس نے دکھائے
خود آیۂ نصرت تھی ظفر کام تھا اس کا
مفتاح ظلمات جہاں نام تھا اس کا

کس غول پہ وہ صاعقہ کردار نہ چمکی
کس فرق پہ بجلی سی وہ خونخوار نہ چمکی
اس تیغ کے آگے کوئی تلوار نہ چمکی
تلوار تو کیا برق شرربار نہ چمکی
آنچ اس کی جلا دینے میں بجلی تھی قضا کی
کہتا تھا جہنم کہ پناہ اس سے خدا کی

تن سرد ہوئے گرم ہوا موت کا بازار
جاں تن پہ گراں جنگ میں تھی دوش پہ سر بار
جب صورت مقراض اٹھی تیغ شرربار
ابریشم خورشید مقرض ہوا ہر بار
تھراتا ہے مہر آج تلک چرخ بریں پر
ذرے یہ وہی ہیں جو چمکتے ہیں زمیں پر

اس تیغ سے تھی چار طرف مشتعل آتش
اعدا کا تن آتش جگر آتش تھا دل آتش
تھی لگ گئی بازار اجل سے خجل آتش
آتش پہ پرستی تھی پڑی منفعل آتش
ارزاں جنہیں شمشیر اجل دم نے خریدا
خود آگ کے مول اس کو جہنم نے خریدا

ہر صف کو چمک کر تہ و بالا کیا اس نے
لشکر کے اندھیرے کو اجالا کیا اس نے
کاسے کو ہر اک سر کے پیالا کیا اس نے
خود آگیا جب منہ پہ نوالا کیا اس نے
چار آئنہ کاٹا ہوئی حیرت کہ و مہ کو
کڑیاں نہ ملیں کھا گئی اس طرح زرہ کو

لشکر کو ادھر سطوت شاہی نے دبایا
گر گر کے سپاہی کو سپاہی نے دبایا
تلواروں کو شمشیر الٰہی نے دبایا
اٹھنے لگیں ڈھالیں تو سپاہی نے دبایا
نیزوں کے بھی سر خاک پہ وحشت سے جھکے تھے
کیا چلتیں کہ تلواروں کے دم آپ سے تھے

اس تیغ کے منہ پر کوئی جانباز نہ ٹھیرا
پلے پہ بھی جا کر قدر انداز نہ ٹھیرا
دہشت سے کوئی شعبدہ پرداز نہ ٹھیرا
اک جا قدم سحر فسوں ساز نہ ٹھیرا
کنجشک کی کیا قدر ہے شہباز کے آگے
جادو کہیں چل سکتا ہے اعجاز کے آگے

پھل اُڑ گئے اینٹھا ہوئے سب برچھیوں والے
دیکھے جو گُل زخم پڑے جان کے لالے
یہ رنگ لڑائی کا بدلتے نہیں دیکھا

جس صف پہ گئی زلزلہ برپا کیا اُس نے
گرما کے جو منھ جانبِ دریا کیا اُس نے
گردن پہ دمِ تیغِ اجل دم نظر آیا

تھا شور کہ اس تیغ کا پانی نہیں سم ہے
تاب اس کی نہیں جادۂ صحرائے عدم ہے
جنّات کو ڈر ہے اسی تیغِ دو زباں کا

تن تو شجرِ باغِ ستم کاٹ کے اُٹھی
مغفر پہ جو چمکی تو بھلم کاٹ کے اُٹھی
غل تھا یہ بلا وہ ہے کہ ٹالی نہیں جاتی

جب آگئی وہ تیغ کمانوں کے برابر
تھے توڑتے جو تیرِ سنانوں کے برابر
جا سکتے تھے گوشوں میں کہیں امن و اماں کے

تھی صورتِ سین اس لئے وہ صاحبِ توقیر
حلقہ تھا نہ پیکاں تھا نہ گوشہ تھا نہ زہ گیر
ثابت کسی سرکش کی نہ ترکش کی سری تھی

اللہ ری ہلچل کہ جدا ہو گئے یک بار
نیزے سے انی برچھی سے پھل تیر سے سوفار
سینے کی نہ دل کو نہ خبر دل کی جگر کو

کونین میں تھا شور ثنائے شہِ اکرم
آتی تھی یہ ہاتف کی صدا چرخ سے پیہم
کیوں کر نہ ہو تو کس کا گلِ اندام ہے شبیرؑ

شاخوں کی طرح صاف قلم ہو گئے بھالے
تھے ہر شجرِ قد کی جگہ خون سے نالے
یوں تیغِ خزاں کو کبھی چلتے نہیں دیکھا

ہر قصرِ بدن کو تہ و بالا کیا اُس نے
پانی کے نگہبانوں کو ٹھنڈا کیا اس نے
سوتے سے جو چونکے تو جہنم نظر آیا

دم بھر نہیں تھمتی ہے عجب طرح کا دم ہے
جو سر ہے وہ اس تیغ کی محراب میں خم ہے
جوہر نہ کہو دام ہے یہ طائرِ جاں کا

ہر نیزے کو مانندِ قلم کاٹ کے اُٹھی
بیرق کو نہ پایا تو علم کاٹ کے اُٹھی
گرتی ہے جب برق تو خالی نہیں جاتی

مقتولوں کے تودے ہوئے نشانوں کے برابر
وہ خاک پہ غلطاں تھے نشانوں کے برابر
موجود تھی مرکز کی طرح سر پہ کماں کے

اسبابِ شجاعت کی سر آمد تھی وہ شمشیر
کٹ جاتے تھے شل خطِ باطل الفِ تیر
بے چلّہ کماں جو تھی وہ نونِ نظری تھی

گردن سے تو سر جسم سے دم ہاتھ سے تلوار
ہاتھوں سے کمانیں تو کمانوں سے کماں دار
تلوار تلے چھوڑ گیا باپ پسر کو

کرتا تھا مباہات خداوندِ دو عالم
احسنت ہے اے اشرفِ ذرّیتِ آدم
اس پیاس میں یہ جنگ ترا کام ہے شبیرؑ

بولے شہِ والا کہ یہ سب لطفِ خدا ہے
نے زیست کی خواہش نہ تمنائے دعا ہے
کچھ منہ سے نہ شکوہ غمِ جانکاہ میں نکلے
یہ کہہ کے لعینوں کو پکارے شہِ ابرار
یہ عصر کا ہنگام ہے اے لشکرِ کفار
تلواروں میں سجدے کے لئے کود پڑیں گے
زینب نے سنی ڈیوڑھی سے جب شہ کی یہ تقریر
لاؤ صفِ ماتم کہ نہیں بچنے کے شبیر
عابد کو جگا دو سفر اب کرتے ہیں بھائی
اب گھر سے نکلتی ہوں میں اے بی بیو آؤ
سوتے ہیں کہاں باپ کے عاشق کو جگاؤ
فرزند مرے ماں جائے پہ ہے اہلِ جفا کا
گھبرا کے ادھر کھول دیئے بی بیوں نے سر
زخمی جو ہوا سر سے کمر تک تنِ اطہر
پانی کے بھی سائل نہ ہوئے برچھیاں کھائے
راوی نے یہ لکھا ہے کہ تھا چار گھڑی دن
تھے عرش کو تھامے ہوئے سب عرش کے ساکن
پہلو سے نہ بیٹے کے جدا ہوتی تھی زہرا ۱۴
جس صوت حسن سے شہِ دیں کہتے تھے تکبیر
لے جا بگڑو اہ تر ہو تری کون سی تقصیر
بھولے مجھے یہ محوِ عبادت ہوئے بیٹا
واں شمر سے بولا یہ پسرِ سعد جفا کار
سید کا یاور ہے کوئی اور نہ مددگار
بہتر ہے اگر جلد گلا تیغ سے کٹ جائے

میں کیا ہوں بھلا اور شجاعت مری کیا ہے
اب خنجرِ بے آب کا مشتاق گلا ہے
حسرت ہے کہ دم سجدۂ اللہ میں نکلے
لو آؤ کہ اب میان میں ہم رکھتے ہیں تلوار
قاتل سے کہو تیز کرے خنجرِ خونخوار
اکبر کی جوانی کی قسم اب نہ لڑیں گے
چلائی کہ لو رانڈ ہوئی بانوئے دلگیر
ہے ہے پسرِ فاطمہ نے روک لی شمشیر
خود شمرِ ستمگر کو طلب کرتے ہیں بھائی
لو فوج نے گھیرا مرے بھائی کو بچاؤ
سر کھول کے سب آئیں یتیموں کو بلاؤ
یہ وقت ہے ماں باپ کے بچوں کی دعا کا
حضرت پہ ادھر ٹوٹ پڑے لاکھ ستمگر
گھوڑے سے گرا خاک پہ فرزندِ پیمبر
قبلے کی طرف جھک گئے سجدے میں خدا کے
جس وقت جھکا سجدے میں وہ خلق کا محسن
مقتل میں کھڑے بیٹے پہ تھے مالکِ جن
سب خاک پہ گر پڑتے تھے جب روتی تھی زہرا ۱۴
ماں کہتی تھی صدقے تری آواز کے شبیر
ہے ہے ترے سینے میں گڑے جاتے ہیں سو تیر
بتلاؤ تو زینب سے بھی رخصت ہوئے بیٹا
سجدے میں بڑی دیر سے غش ہیں شہِ ابرار
کیا دیر ہے جا کھینچ کے اب خنجرِ خونخوار
زینب نہ کہیں آ کے برادر سے لپٹ جائے

تھراتا ہے دل شمر کا آنا کہوں کیونکر
اس سینے کا زانو سے دبانا کہوں کیونکر

بیکس ہوئے سب شیعہ امامِ دو جہاں کے
لے کر سرِ اقدس کو چلا شمرِ سیہ رو
یاں ٹوٹ پڑے لاشۂ بیکس پہ جفاجو
ہتھیاروں کے لینے کو لڑے مرتے تھے ظالم
بھاگا کوئی عمامۂ پُرخوں کو اُٹھا کے
کھینچا کسی بے رحم نے دامن کو عبا کے

مر کر بھی بڑے ظلم و ستم سہہ گئے شبیرؑ
ملبوسِ بدن لے گئے سب لوٹنے والے
پہلوئے مبارک میں گڑے رہ گئے بھالے
شبیرؑ کا سر نیزۂ خولی کی اَنی پر
اب تاب انیسؔ آگے سماعت کی نہیں
یارب مجھے دکھلا دے مزارِ شہِ بیکس
پاکیزہ و طاہر لحدِ پاک سے اٹھوں

اور فاطمہؑ کا خاک اُڑانا کہوں کیونکر
سیدؑ کا زباں خشک دکھانا کہوں کیونکر
کاٹا گیا بیٹے کا گلا سامنے ماں کے
وہ ہاتھ ستمگار کا اور ہائے وہ گیسو
لوٹے لگی پوشاکِ تنِ نجیۂ خوش خو
مظلوم کے لاشے پہ گرے پڑتے تھے ظالم
دستانے کوئی لے گیا شاہِ شہدا کے
ہاتھوں سے کوئی کھولتا تھا بندِ قبا کے
اُس دھوپ میں عریاں پڑے رہ گئے شبیرؑ
سینے سے مگر تیر کسی نے نہ نکالے
کیوں چرخ یہ حال اس کا جسے فاطمہؑ پالے
تُف دہر پہ اور خاک ہے دنیائے دنی پر
مقبولِ امامِ دو جہاں ہے یہ مسدس
مر کر مرا مدفن ہو وہی ارضِ مقدس
پہنے کفن اٹھوں تو اسی خاک سے اٹھوں

رُباعی

شہ کہتے تھے اللہ کا پیارا ہوں میں
عرشِ اعظم کا گوشوارا ہوں میں
سارے عالم میں روشنی ہے جس کی
اے لشکرِ شام وہ ستارا ہوں میں

۲۰ مرثیہ

بند ۱۵۱

یارب کسی کا باغِ تمنا خزاں نہ ہو
دنیا میں بے چراغ کوئی خانماں نہ ہو
ماں باپ سے جدا پسرِ نوجواں نہ ہو
چھٹ جائیں شب پہ فرقتِ آرامِ جاں نہ ہو
گر لاعلاج ہے تو کلیجے کا داغ ہے
بدتر وہ قبر سے ہے جو گھر بے چراغ ہے

دشمن کو بھی جہاں میں فراقِ پسر نہ ہو
ویراں کسی غریب کا آباد گھر نہ ہو
ہوں سب طرح کے درد پہ دردِ جگر نہ ہو
یارب کسی کو صدمۂ نورِ نظر نہ ہو
سچ ہے سلطنت جو ملے کائنات کی
بیٹا نہ ہو تو خاک ہے لذت حیات کی

یعقوب سے جو یوسفِ جانی گھر چھٹا
گیارہ پسر تو رہ گئے اک سیم بر چھٹا
راحت چھٹی الم میں ضعیفی میں گھر چھٹا
چلاتے تھے کہ ہائے پدر سے پسر چھٹا
مجروح تھا جو دل تو کلیجہ فگار تھا
راحت نہ رات کو تھی نہ دن کو قرار تھا

فرزند گرچہ کچھ نہیں آتا کسی کے کام
اس سے پدر کو رنج ہو پہنچتے ہیں صبح و شام
لیکن وہ یہ نگیں ہے کہ رہتا ہے جس سے نام
دم بھر پسر جدا ہو تو ہے زندگی حرام
دشمن کو بھی نہ اپنی کمائی سے یاس ہو
عشرت رہے نہ دولتِ اولاد پاس ہو

زانو پہ مر گیا جو برابر کا نورِ عین
غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا جھک گئے حسینؑ
جب ہو جگر پہ زخم تو کیا آئے دل کو چین
اللہ رے غم کہ پیر ہوئے شاہِ مشرقین
پھر تو نہ کوئی آس نہ کوئی امید تھی
چہرہ تھا زرد ریشِ مبارک سفید تھی

فرماتے تھے کہ لے خبر اب جلد اے اجل
لے دم خدا کے واسطے اب جسم سے نکل
ساعت ہے ایک سال مہینے ہر ایک پل
اے تیغ شمر اب کہیں جلدی گلے پہ چل
موت اس کی زندگی ہے جسے یاس ہو
بابا کی قبر بھی علی اکبرؑ کے پاس ہو

فرما کے یہ پھرے جو شہنشاہِ تشنہ لب
دیکھا کہ در پہ روتے ہیں اہلِ بیت سب
حضرت پکارے اے حرمِ سیدِ عرب
اکبر بھی مر چکے کوئی باقی نہیں ہے اب
بھائی کو رو چکے انہیں اب رو کے آئے ہیں
بانو تمہارے لال کو ہم کھو کے آئے ہیں

بے جاں ہوا جوان پسر وا مصیبتا
توڑا اسیر نے بند کمر وا مصیبتا
واں خنجروں کو سان پہ اعدا چڑھاتے ہیں

جس دم سنا امام دو عالم سے یہ کلام
اکبر کا غم بھی بھول گئیں بی بیاں تمام
بھائی کا حال دیکھ کے دل کو نہ کل پڑی
قدموں پہ رکھ کے سر کو یہ بولی وہ سوگوار
روتے ہوئے جو آئے شہنشاہ نامدار
الفت یہ اس کی ٹکڑے کلیجے کے ہوتے ہیں

شہ کہتے تھے کہ کم کرو الفت سکینہ جان
سینے پہ منہ کو رکھ کے نہ رو و بصد فغان
مسدود کر دو ان کو جو الفت کے باب ہیں
یثرب سے موت لائی تھی ہم کو سوئے عراق
ہر چند درد ہجر عزیزاں ہے دل شگاف
تم سب کو حکم صبر ہے رقت نہ چاہیے

کیوں میرے منہ کو دیکھ کے روتی ہو بار بار
دنیا سے اٹھ گئے ہیں یوں ہی سب بزرگوار
اس قافلے میں خلق کا حاجت روا تو ہے
یہ کہہ کے روئے حضرت زینب پہ کی نظر
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہ بحر و بر
چھوٹو نہ سر خدا و پیمبر کے واسطے

آنکھوں کے سامنے ہوا اماں کا انتقال
بھائی حسن کے مرنے کا کچھ کم نہ تھا ملال
سر خاک پر پٹک کے بلکتی ہو روتی ہو

خالی ہوا حسین کا گھر وا مصیبتا
بیکس ہوا غریب پدر وا مصیبتا
لو الوداع مرنے کو اب ہم بھی جاتے ہیں

ثابت ہوا ہر اک پہ کہ مرنے چلے امام
ڈیوڑھی کے پاس گر پڑی بانوئے نیک نام
پردہ الٹ کے دختر زہرا نکل پڑی
خیمے سے چلنے لگے شہ والا بہن نثار
لپٹی پدر سے آکے سکینہ جگر فگار
سب بی بیاں بھی روتی ہیں حضرت بھی روتے ہیں

ہم ہیں تمہارے پاس کوئی دم کے میہماں
اب ہوگا کوئی آن میں زانوئے شمر یاں
بی بی ہم اب مسافر پا در رکاب ہیں
مدت سے وصل جد و پدر کا ہے اشتیاق
انجام اتحاد مسافر کا ہے فراق
بی بی مسافروں سے محبت نہ چاہیے

مرضی میں کبریا کی مرا کیا ہے اختیار
کرتا ہے رحم و لطف یتیموں پہ کردگار
اچھا جو کوئی سر پہ نہ ہوگا خدا تو ہے
دیکھا بھرا ہے ماتھے میں خوں اور بچھاڑے سر
زینب تمہارے غم سے ہے ٹکڑے مرا جگر
سمجھا اپنی جان دوں گی برادر کے واسطے

دنیا سے تیغ کھا کے گئے شبر ذوالجلال
ان آفتوں میں یہ نہ ہوا تھا تمہارا حال
ہیں ایسا کیا ہوں جس کے لئے جان کھوتی ہو

بیجا طریقہ اجل کا ہے فغان و آہ
درپیش ہر بشر کو ہے یہ ناگزیر راہ
بیٹوں سے باپ بہنوں سے بھائی جدا ہوئے

دیکھو کہ جینے تک تھے مرے سب رفیق وائے
افسوس دوپہر میں خزاں ہو گئی بہار
برسوں میں جن کو جمع کیا تھا وہ مر گئے

مرنا پھر ایک دن ہے جو ہو سو برس حیات
ہوتا جو زندگی کے لیے خلق میں ثبات
ہر چند آج مالک روئے زمیں ہوں میں

افضل کہیں تھے مجھ سے مرے مادر و پدر
بیٹوں سے باپ چھوٹ گئے باپ سے پسر
پیارے تھے سب یہ ساتھ کسی کو نہ لے گئے

اماں کا صبر و شکر تو سب ہو گا تم کو یاد
درپے ہوا جو ظلم کا ہر بانیِ فساد
کیا کیا ستم ہوئے پہ شکایت ذرا نہ کی

افضل نہ تھا جہاں میں کوئی بوتراب سے
کس سے وہ صبر ہو جو ہوا اس جناب سے
ہر چند جانتے تھے کہ تیغ اس کے پاس ہے

ورثے میں تم نے پایا ہے وہ صابروں کا صبر
شاکر رہو ہزار ستم ہوں ہزار جبر
یاں سینکڑوں بنی ہوئی شکلیں بگڑ گئیں

ہوتا نہ کیا وہ قتل تو آتی نہ کیا اجل
رہنے کی ہے یہ جا نہ ٹھہرنے کا یہ محل
آتا نہیں وہ پھر کے کبھی جو جدا ہوا

بندے کے صبر میں ہے رضامندیِ الٰہ
نہ موت سے فقیر بچے گا نہ بادشاہ
تھے اس مکاں میں پہلے جو ہم سے وہ کیا ہوئے

نا اب ہے کوئی دوست نہ ہمدم نہ جاں نثار
غنچہ ہے نہ شجر ہے نہ گل ہے نہ برگ و بار
گویا کبھی جہاں میں نہ تھے یوں گزر گئے

فانی ہیں سب اگر ہے تو باقی اسی کی ذات
اٹھتے کبھی جہاں سے نہ سردارِ کائنات
سوچو تمہیں کہ اُن سے تو بہتر نہیں ہوں میں

اب والدہ کہاں ہیں کہاں شاہ بحر و بر
ان کی ہمیں خبر نہ ہماری انہیں خبر
جب دم طلب ہوئے تو اکیلے چلے گئے

راضی تھیں دشمنوں سے نہ تھا دل میں کچھ عناد
کچھ منہ سے غیر شکر نہ بولیں وہ خوش نہاد
اُمت کے حق میں آپ نے بھی بد دعا نہ کی

مریخ کانپ جاتا تھا جن کے عتاب سے
مسجد میں خود جگا دیا قاتل کو خواب سے
فرمایا اٹھ نماز کو کیوں بے حواس ہے

تڑپو نہ مثل برق نہ رو دو مثال ابر
آخر ہے سب کے واسطے آزار مرگ و قبر
بہنوں سے بھائی بھائی سے بہنیں بچھڑ گئیں

گر آج بچ گئے تو یہی مرحلہ ہے کل
دنیا میں صبر سے نہیں بہتر کوئی عمل
روئے پدر کے واسطے برسوں تو کیا ہوا

زینب نے عرض کی کہ بجا ہے یہ سب کلام
انصاف کیجیے، یہ بُکا کا نہیں مقام؟
چشموں سے جوئے اشک نہ کیونکر رواں رہے
نکلے تھے گھر سے چار جنازے نہ ایک بار
اب تو فقط ہیں آپ ہی یا شاہِ نامدار
اولاد قتل ہو گئی ماں باپ اُٹھ گئے

دنیا میں کوئی مجھ سا نہ ہوئے گا سخت جاں
دنیا سے اُٹھ گیا علی اکبر سا نوجواں
سب میری عمر، آہ و بکا میں گزر گئی
بابا نے ماں نے بھائی نے ہنگامِ احتضار
شبیر ہے تمہارے حوالے یہ سوگوار
اماں جو کہہ گئی ہیں اُسے یاد کیجیے

بیٹھوں کہاں جو فوجِ ستم لوٹنے کو آئے
اُٹھے سر سے نصیب بڑھاپے میں ہائے ہائے
چادر اُڑھائے کون، جو عریاں سر پھروں
شہ نے کہا تمہیں نہیں لازم یہ اضطرار
گر قید ہو گئیں تو چھڑائے گا کردگار
سمجھو مرے سخن کو بہن با تمیز ہو

لو الوداع جا کے پھر اب ہم نہ آئیں گے
سر دے کے عاصیوں کے گنہ بخشوائیں گے
ہشیار ان کے رہیو کہ نازوں کے پالے ہیں
شب کو جو مجھ کو ڈھونڈ کے روئے سکینہ جاں
لوری دیو کریم تمہارا نگاہباں
کبرا کدھر ہے دلبرِ زہرا کو دیکھ لے

پر کیونکر اپنے دل کو میں سمجھاؤں یا امام
کس گھر پہ ایک دن میں ہوا ہے یہ قتلِ عام
بچے رہے نہ پیر رہے، نے جواں رہے
تھا میرے سر پہ ایک کے بعد ایک غمگسار
بابا کے ماں کے بھائی کے ہیں آپ یادگار
پھر کون سرپرست ہے جب آپ اُٹھ گئے

مجھ کو اجل بھی بھول گئی یا شہِ زماں
اب تک جہاں میں جیتی ہے یہ پیر ناتواں
اماں یہ گھر اُجڑ گیا اور میں نہ مر گئی
حضرت نے یہ کہا تھا کہ زینب سے ہوشیار
اب مجھ کو سونپتے ہیں کسے شاہِ نامدار
کچھ تو بہن کے باب میں ارشاد کیجیے

اتنا تو ہو کوئی کہ یہ کہہ نہ روا بجائے
اماں کو آج ڈھونڈھ کے زینب کہاں سے لائے
قسمت میں یہ لکھا ہے کہ میں دربدر پھروں
راہِ خدا میں ہے یہ اسیری بھی افتخار
ہے ذات اس کی راحم و ستار پردہ دار
میں اس کو سونپتا ہوں کہ جس کی کنیز ہو

اس تین دن کی بھوک میں تلوار کھائیں گے
اب بعدِ عصر نانا کی خدمت میں جائیں گے
زینب یہ سب یتیم تمہارے حوالے ہیں
زینب خدا کے واسطے رکھیو تم ان کا دھیان
لو شہر بانو ہوتا ہے رخصت یہ میہماں
سجاد کو جگا دو کہ بابا کو دیکھ لے

یہ کہہ کے خود چلے تھے شہنشاہ بحر و بر
دو بیبیاں سنبھالے ہیں بازو ادھر ادھر
چہرے سے ہے عیاں کہ سراپا میں درد ہے
کہنے لگے یہ بڑھ کے امام فلک اساس
کیا حال اب مزاج کا ہے اے خدا شناس
ہم سا بھی کوئی ہوگا نہ بے کس زمانے میں

یہ سب قبا پہ سینۂ اکبر کا ہے لہو
یہ بھینی بھینی سب ہے اسی کے بدن کی بو
نیزہ ستم کا چاند سے سینے پہ چل گیا
شکر خدا کہ اب نہیں باقی کسی کا دم
ہمدم نہیں ہے کوئی بجز خنجر دو دم
کٹ کر یہ سر سناں پہ جو چڑھنے کو جائے گا

جس دم سنا حسینؑ سے یہ درد کا بیاں
بغلوں میں ہاتھ دے کے یہ بولے شہ زماں
اس تپ میں بیڑیوں کی مصیبت اٹھائی ہے
بستر پہ جا کے لیٹ رہو اور کوئی دم
بولا یہ ہاتھ جوڑ کے تب وہ اسیر غم
بیٹا نہ ایسے وقت میں باپ کے ساتھ ہو

قابل نہیں ہے تیغ کے گو دست رعشہ دار
کچھ غم نہیں جو تپ سے دہکتا ہے جسم زار
اٹھنا ہے سہل قید میں جایا نہ جائے گا
شہ نے کہا کہ اس میں نہیں جائے دم زدن
کیجو زباں سے تم نہ شکایت کے کچھ سخن
ہے اختیار خالق عادل کے واسطے

دیکھا کہ آپ آتے ہیں سجاد نوحہ گر
ہے دست پر غش میں عصا اور جھکا ہے سر
مانند زعفران رخ پرنور زرد ہے
کیوں آئے تم کہ آتے تھے ہم خود تمہارے پاس
خود بے خبر ہیں صبح سے ہے یہ ہجوم یاس
آیا ہے وقت ظہر کا لاشے اٹھانے میں

بے جاں ہوا ہے گود میں میری وہ ماہ رو
ہم سر کٹا کے مر نہ گئے اس کے روبرو
وہ کیا بچھڑ گئے کہ کلیجہ نکل گیا
بستر دو تن میں ہے فقط اپنا ہی ایک دم
مقتل سے سب کی لاشیں اٹھا لا چکے ہیں ہم
حیرت ہے کون لاش ہماری اٹھائے گا

رو کر قدم پہ گر پڑے سجاد ناتواں
بس بس غش آ نہ جائے کہیں اے پدر کی جاں
بیٹا ابھی بہت تمہیں آفت اٹھانی ہے
مہلت نہ دیں گے پھر تمہیں یہ بانی ستم
چھوڑوں گا میں نہ قبلۂ کونین کے قدم
بیمار چاہیے کہ مسیحا کے ساتھ ہو

کھائے گا نیزے آپ کے بدلے یہ جاں نثار
اڑنے کو جب چڑھے تو اتر جائے گا بخار
خادم سے بار طوق اٹھایا نہ جائے گا
بیٹا یہی ہے مصلحت رب ذوالمنن
نقصان کیا ہے طوق ہو گردن میں یا رسن
ظلمت گہن کی ہے مہ کامل کے واسطے

عالم ہے ذاتِ پاک خدا اے خجستہ خو
ہر وقت چاہیے سرِ طاعت رہے فرو
سب اس جہاں میں آئے ہیں جانے کے واسطے

قاسم کے تن کے واسطے تھے خنجر و حسام
اکبر کو حکم تھا کہ سناں کھائے ہوں تمام

حکم خدا میں بس ہے نہ ماں کا نہ باپ کا
صبر اب تمہارا ارثے ہے یہ جانتے ہیں سب
بچوں کا یاں کے قہر ہے اللہ کا غضب

بہتر ہے وہ جو مرضیِ ربّ العباد ہے
باندھیں اگر رسن میں گلا یہ ستم شعار
ہر شے کا ہر مقام پہ موقع ہے بے شمار
توڑا تھا ایک دن درِ خیبر جہان میں
اس دن جو کرتے جنگ تو تھا دین کا ضرر
موقع نہ تیغ کا ہو تو پھر ڈال دے سپر
گردن جھکا دو آج جو اس میں فلاح ہے
اب تو تمہیں ہو وارثِ ذریتِ پدر
بے جاں ہوئے تو کون سنبھالے گا میرا گھر
ناموسِ مصطفےٰ کے مدار المہام ہو
گھر جلتے وقت تم کو اگر آ گیا جلال
زنجیر و طوق سامنے لائیں جو بدخصال
مطلق نہ بولنا کوئی ناری جو گرم ہو
حق نے کیا ہے اب تمہیں سردارِ قافلہ
کڑیاں بھی جھیلتے ہیں خدا دے جو حوصلہ
چشموں سے خوفِ حق میں رواں جوئے اشک ہو

عہدہ وہی دیا اسے لائق تھا جس کے جو
راحت ہے اس کی راہ میں ایذا جو ہو سو ہو
پیدا ہوئے ہیں رنج اٹھانے کے واسطے
بے دست ہو یہ تھا مرے بھائی کے نام
گردن کٹائیں تیغ سے یہ ہے ہمارا کام
پہنو گلے میں طوق یہ حصّہ ہے آپ کا
ہوتا ہے تیرے شیر کی طاقت تھی قلب
سب عاجزی ہے بخشش امت کا ہے سبب
اے نورِ عین صبر تمہارا جہاد ہے
تم جانیو کہ ہم ہوئے دادا کے ورثہ دار
کیا کیا نہ کافروں سے لڑے شیرِ کردگار
اک روز تھا انھیں کا گلا ریسمان میں
جرأت کے سو چلن ہیں شجاعت کے سو ہنر
ویسا ہی روز آج ہے صدقے ہو یہ پدر
حکم نبی تھا وہ یہ ہماری صلاح ہے
مجرم کوئی تو ہو جو کھلیں بی بیوں کے سر
قائم رہے گی تم سے مری نسل اے پسر
تم میرے بعد سارے جہاں کے امام ہو
ہو جائے گی تباہ رسولِ خدا کی آل
تم میری بیکسی کی طرف کیجیو خیال
دکھلائیو وہ صبر کہ آہن بھی نرم ہو
صابر جو ہیں یہاں سے وہ کرتے نہیں گلہ
بیری کو جانیو کہ ہے بخشش کا سلسلہ
گردن میں یوں ہو طوق کہ قمری کو رشک ہو

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے سجادِ تشنہ کام
جو مصلحت کریم کی جو مرضی امام
اچھا اسیر ہونے کو حاضر ہے یہ غلام
پیدل خدا کی راہ میں جاؤں گا تا بہ شام
جب تک کہ بیڑیوں میں اسیرِ ستم رہوں
حضرت دعا کریں کہ میں ثابت قدم رہوں

فرمایا شاہ نے کہ خدا حافظ اے پسر
فرصت ملے تو آئیو بابا کی لاش پر
بیجو بہن کو گود میں لینے لگے جو گھر
اپنی عبا اُڑھائیو ماں کا کھلے جو سر
لینا خبر رسن میں اگر اُن کا ہاتھ ہو
زینبؑ تمہارے ساتھ ہیں تم ان کے ساتھ ہو

جب رن میں بعد عصر شہ بحر و بر چلے
پیچھے امامِ دیں کے حرم ننگے سر چلے
چلاتی دوڑ کر یہ سکینہ کدھر چلے
فرمایا شہ نے خالقِ اکبر کے گھر چلے
وہ بولی کیا اب آپ نہ تشریف لائیں گے!
مڑ کر کہا حسینؑ نے ہاں اب نہ آئیں گے

بیت الشرف سے نکلے جو سلطانِ بحر و بر
دیکھا کہ ذوالجناح کھڑا ہے جھکائے سر
حضرت نے باگ تھام کے دیکھا اِدھر اُدھر
کوئی نہ دوست تھا نہ برادر نہ تھا پسر
تنہائی حسین پہ زہرا نے رو دیا
غربت پہ اپنی خود شہِ والا نے رو دیا

اُس دم یہ جبرئیل کو حق کا ہوا خطاب
سب مر چکے اکیلا ہے فرزند بوتراب
گردن جھکائے روتا ہے وہ مالک الرقاب
ہاں جا کے تھام لے مرے شبیر کی رکاب
کام آئے گی ہر اک کو محبت حسینؑ کی
بس آخری رہی ہے یہ خدمت حسینؑ کی

روح الامیں نے آ کے جو تھامی رکابِ شاہ
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا وہ عرش بارگاہ
اللہ رے شان و شوکت و اقبال و عز و جاہ
گویا براق پر تھے رسولِ فلک پناہ
تھا اک عروج خلق کے سرتاج کے لئے
غل تھا حسینؑ جاتے ہیں معراج کے لئے

حوریں تھیں ساتھ ساغرِ کوثر لئے ہوئے
قدسی جلو میں تھے طبقِ زر لئے ہوئے
جبرئیل تھے نجات کا دفتر لئے ہوئے
جھولی میں تھی نسیم گلِ تر لئے ہوئے
لٹتے ہیں پھول وادیِ عنبر سرشت میں
دولھا برات لے کے چلا ہے بہشت میں

چہرے سے آشکار تھی خیرالوریٰ کی شان
پیدا تھی سر سے تا بہ قدم مرتضیٰ کی شان
زہرا کا حسن اور حسنِ مجتبیٰ کی شان
اپنے حسینؑ بھی ہوتے ہیں بندے خدا کی شان
ششدر ملک تھے دیکھ کے چہرہ جناب کا
جلوہ تھا ایک چاند میں چار آفتاب کا

ان گیسوؤں کی مدح کوئی کیا کرے رقم شانے بھی کھلا نہ کبھی جن کا پیچ و خم
رکھتے ہیں موشگاف بھی یاں پیچ سوچ کر تاریک شب ہے دیکھ کے چلیے رہِ قلم
اے بے خبر یہ کوچۂ زلفِ سیاہ ہے لغزش نہ ہو کہ بال سے باریک راہ ہے

کیا ذکر عطر و عنبر و مشک و عبیر و عود سونگھیں اگر یہ بو تو ملائک پڑھیں درود
کرتی ہے بوئے زلف رسا عرش تک صعود ژولیدہ اک گیاہ ہے سنبل کی کیا نمود
حکمت سے گیسوؤں کی زمیں آسماں بسے عنبر میں کب یہ بو ہے کہ سارا جہاں بسے

چہرہ ہے گیسوؤں میں کہ ہالے میں ہے قمر پیدا سواد شام میں ہے جلوۂ سحر
طول اس کلام میں ہے بہت قصہ مختصر ہاں اب درود پڑھ کے جبیں پر کرو نظر
یاں کیا فروغ روشنیِ کوہِ طور کو دیکھو اس آئینے میں محمدؐ کے نور کو

تارا یہ صبح کا ہے کہ سجدے کا ہے نشاں قرباں ہے ابروؤں کی کشش پر ہر اک کماں
ہر تیر پر مژہ کی تصدق ہزار جاں دیکھیں تمام عمر تو خاطر نہ ہوں نشاں
شرمندہ حسنِ چشم سے آہوئے تتار ہے نرگس کے پھول پھینک دو صدقے اُتار کے

نیلم ہیں گو کہ فرطِ عطش سے عقیق لب نسبت بھلا ہے لعل بدخشاں کو اُن کو کب
اپنی زباں چوسائیں جسے سیدالعرب سوکھے پھر ملے نہ اسے آب ہے غضب
کیسی تھی دشمنی عمرِ تیرہ بخت کو وہ کون ہیں جو دیتے ہیں پانی درخت کو

قربانِ آبِ گوہرِ دندانِ بے عدیل مشتاق جن کے کوثر و تسنیم و سلسبیل
پایا ہے اختروں نے یہ کب رُتبۂ جلیل ہیروں کو بھی صفا میں ہے دعوائے بے دلیل
اس میں یہ آب و تاب نہ یہ رنگ ڈھنگ ہے یہ نور کی صدف کے گہر ہیں وہ سنگ ہے

پوچھے یہ جوہری کوئی دُرِّ خوشاب سے رشتہ نہیں ہے کچھ بھی رسالت مآب سے
ادنیٰ کا کیا مقابلہ عالی جناب سے یہ شیر فاطمہؑ سے بنے وہ سحاب سے
یہ زیب گوشوارۂ عرشِ عظیم ہیں دعوٰی ہے کیا بدے سے جو ہوئے دُرِّ یتیم ہیں

وہ ریشِ پاک وہ ضیا پرورِ جناب گویا کہ جوفِ لیل سے نکلا ہے آفتاب
وہ صبح شیب کی ہے تو یہ ہے شبِ شباب دن اس سے بہرہ مند ہے شب اس سے فیضیاب
ہو اس طرح کا چاند شبِ تار کے لیے ایسی ہو رحل مصحفِ رخسار کے لیے

آئینۂ گلوئے مبارک کو کیا لکھوں
یا شمعِ بزمِ فاطمہؑ و مرتضےٰ لکھوں
پروانہ وار صدقے ہیں عاشق حضور کے
شانے وہ ہیں کہ جن پہ شفاعت کا بار ہے
ساعد میں قوتِ اسدِ کردگار ہے
ہے چاند سی ضیا کفِ نیکو سرشت کی
کیونکر نہ شرح ہو صفتِ سینۂ امام
قرآں کا اور اس کا برابر ہے احترام
مصحف ہے ان کے سینۂ انور کے واسطے
کیا یہ انقلاب ہے اے چرخِ بیم دار
سینہ ہو جس کا مخزنِ اسرارِ کردگار
دشمن بھی یوں بلا میں کوئی مبتلا نہ ہو
کیا بات اُس ولی کے قدم کے ثبات کی
قائم بنا انھیں سے ہے صوم و صلوٰت کی
لکھی ہوئی ہے سیرِ ارم سرنوشت میں
بالائے سر عمامۂ محبوبِ کردگار
حمزہ کی ڈھال دوش پہ قبضے میں ذوالفقار
ہے خیرگی نگاہ کو حسنِ جناب سے
چترِ زری لگائے تھا واں ابنِ سعدِ شوم
وہ شور دار و گیر کا وہ فوج کا ہجوم
چھایا ہوا تھا ابرِ ستم میہمان پر
چمکا کھڑا تھا دھوپ میں زہراؑ کا نازنیں
رخ سے پسینہ پونچھ کے کہتے تھے شاہِ دیں
سر پر خدا ہے یا مرے مالک حضور ہیں

بدر الدجیٰ بتاؤں کہ شمس الضحیٰ لکھوں
یا بوسہ گاہ حضرتِ خیر الوریٰ لکھوں
ڈھالا ہے شمعِ طور کو سانچے میں نور کے
بازو کی آستیں سے ضیا آشکار ہے
پنجہ وہ جس کے قبضے میں خود ذوالفقار ہے
دس انگلیاں کلید ہیں آٹھوں بہشت کی
ایماں کی جان علم کا گھر عدل کا مقام
رتبے میں کیا سخن ہے برابر ہیں کیا کلام
سینہ ہے ان کا مصحفِ اکبر کے واسطے
شمرِ لعیں اُسی پہ رکھے پائے چکمہ دار
دوڑائیں گھوڑے اُس پہ ہزبرانِ کارزار
ایسے ستم ہوں اور قیامت بپا نہ ہو
تھی جس کی فیض سے برکت کائنات کی
ہر نقشِ پا دکھاتا ہے صورت نجات کی
پیرو انھیں کے جائیں گے سیدھے بہشت میں
گورا وہ رنگ اور وہ ریشِ خضاب دار
رخ سے خدا کے شیر کا سب رعب آشکار
آنکھیں ملا سکا ہے کوئی آفتاب سے؟
دو سو تھے گرد و پیش رئیسانِ شام و روم
وہ جا بجا لعینوں کا غل صف شکنی کی دھوم
کیا آ بنی تھی بیکس و تنہا کی جان پر
تا چرخ شورِ نالہ تھا جلتی تھی یہ زمیں
لیجے خبر غلام کی یا ختمِ مرسلیں!
اُمّت کا حال کس سے کہوں آپ دور ہیں

نانا بس اب نواسے کو جلد ہی بلائیے
کوثر سے بھر کے جام کوئی ساتھ لائیے
ہوتا ہے وہ ستم کہ مروت سے دور ہے
عالم مسافرت کا ہے یا سید البشر
جب آگ سے جلائیں گے خیموں کو اہل شر
غارت گروں کا غول جو درانہ آئے گا
حضرت کی آل پاک کے دشمن ہیں تیغ زن
کشتے سب اپنے دفن کئے یا شہ زمن
سب نقش ہیں عموں کے تن پاش پاش پر
آئی صدا اے حضرت محبوب کردگار
پیارے میں دیکھتا ہوں یہ سب تیرا حال زار
تجھ پر یہ پیاس کے نہیں صدمے گزرتے ہیں
روتے ہیں آج صبح سے حیدر ترے لئے
پھرتی ہے مضطرب تری مادر ترے لئے
خالی ہے اے حسین ترے جا بہشت میں
کس جا چھپیں گے روز قیامت کو اہل شام
گھبرائیو نہ اے مرے شبیر تشنہ کام
ایذا کے دن گزر گئے راحت سے سوئیں گے
رضواں کھڑا ہے کھولے ہوئے در ترے لئے
رکھے ہیں سلسبیل کے ساغر ترے لئے
غرفے کھلے ہیں فوج ملک کا ہجوم ہے
پھولا نہیں سماتا ہے فردوس کا چمن
عالم یہ ہے بہشت کا اے میرے گلبدن
کیا کیا ہیں قصر لعل کے اعلیٰ بنے ہوئے

مقتل میں آ کے حال مرا دیکھ جائیے
پیاسا ہوں تین روز کا پانی پلائیے
امت سے پوچھئے کہ مرا کیا قصور ہے
تنہا ہوں اب کوئی نہ برادر ہے نہ پسر
بچوں کو لے کے جائیں گی سیدانیاں کدھر
اس وقت کون چادر زینب بچائے گا
ان باغیوں نے لوٹ لیا آپ کا چمن
اکبر کی لاش کو کوئی دیتا نہیں کفن
گھوڑے پھرائے ہیں مرے قاسم کی لاش پر
اے بیکس و غریب نواسے ترے نثار
امت نہ سمجھی آہ تجھے میرا یادگار
خنجر سے اہل ظلم مجھے ذبح کرتے ہیں
شبر بے قرار ہے سشتر ترے لئے
میں پیٹتا ہوں اے مرے دلبر ترے لئے
تو میرے پاس رات کو ہوگا بہشت میں
اللہ لے گا ترے خوں کا انتقام
بس آج عصر تک ہے یہ سب مرحلہ تمام
پانچوں خدا کے نور جمع آج ہوئیں گے
آراستہ ہوا ہے نیا گھر ترے لئے
لہرا رہا ہے چشمۂ کوثر ترے لئے
حوروں کے غول ہیں تری آمد کی دھوم ہے
بالیدگی سے ٹکڑے ہوا جاتا ہے بدن
پہنے ہو جیسے پھولوں کا گہنا نئی دلہن
غل ہے حسین آتے ہیں دولہا بنے ہوئے

نرگس کی چشمِ تر کو ترا انتظار ہے
طوبیٰ کے برگ برگ کا دل بے قرار ہے
بھڑکی ہے آگ عشق کی لالہ کے داغ میں
خیر النسا کے ماہ پہ جب چھا گئی سپاہ
تنہا جو ابنِ فاطمہؑ کو پا گئی سپاہ
ڈالی جو سب نے آنکھ شہِ ارجمند پر
کاندھے پہ ذوالفقار کو رکھ کر دی صمد
تنہا تو ہوں مگر ہے خداوندی خدا
پھر دم نہ لے گی تیغِ علیؑ خوں میں بھر کے
ہم شیر مانتے ہیں کہیں بھوک پیاس کو
عیش و طرب سمجھتے ہیں اندوہ و یاس کو
دل خوں ہوا پہ چشم کو پُرنم نہیں کیا
غالب ہے سدا سپہ روم و شام پر
رغبت ہمیں نہ آب پہ ہے نہ طعام پر
لیتے ہیں کچھ تو خالقِ اکبرؑ سے لیتے ہیں
دنیا کو ہیچ و پوچ سراپا سمجھتے ہیں
دانا جو ہیں وہ مزرعِ عقبیٰ سمجھتے ہیں
نے تخت سے غرض ہے نہ شاہی سے کام ہے
ناحق شکستہ دل کے ستانے سے کیا حصول
بے کس پہ تیغیں تول کے آنے سے کیا حصول
مضطر ہیں ورثہ دار جنابِ امیرؑ کے
ہیں میرے ساتھ چند جو سیدانیاں غریب
ان سب کو دوست رکھتا ہے اللہ کا حبیب
تھی غیر فقر کون سی دولت علیؑ کے پاس

ہر نخلِ میوہ دار کو فکرِ نثار ہے
اے گل ترا فراق درختوں پہ بار ہے
سب ڈالیاں بھی گردنیں ڈالے ہیں باغ میں
کچھ شہ پہ آئی کچھ لبِ دریا گئی سپاہ
نیزے اٹھا اٹھا کے قریب آ گئی سپاہ
بیٹھے سنبھل کے قبلۂ عالم سمند پر
بتلاؤ کیا ارادہ ہے اے قومِ اشقیا
سر لوٹتے پھریں گے بیاباں میں جا بجا
پیچھے قدم ہٹاؤ جو طالب ہو خیر کے
چڑھتی ہے ہم تک آتے ہوئے تپ ہراس کی
جس دن سے ہوش ہے نہیں چھوڑا حواس کو
اکبرؑ سے نوجواں کا بھی ماتم نہیں کیا
نصرت کا ہے مدار ہماری حسام پر
غربت پہ جان دیتے ہیں مرتے ہیں نام پر
ہم آپ فاقے کرتے ہیں سائل کو دیتے ہیں
وہ خود مرے ہیں جو اسے اچھا سمجھتے ہیں
ہے سہل و مختصر ہم اسے کیا سمجھتے ہیں
درویش کو رضائے الٰہی سے کام ہے
دکھتے ہوئے جگر کو دکھانے سے کیا حصول
اک بے گنہ کے خون بہانے سے کیا حصول
واللہ مال و زر نہیں گھر میں فقیر کے
بے کس، عزیز مردہ، جفاکش، بلا نصیب
رشتے میں ہیں رسولِ خدا سے بہت قریب
زر کیا ردا تلک نہیں ثابت کسی کے پاس

تقویٰ ہے زیور ان کا تو شرم و حیا لباس
ہیں سالکِ طریقِ بتولِ فلک اساس
سب مرتضیٰ علیؑ کے چلن اُن کو یاد ہیں

ہر دم ہیں محوِ بندگیِ ربِّ بے نیاز
روتی ہیں جب تو ہوتا ہے پتھر کا دل گداز
کچھ قدر مال و زر نہیں ان کی نگاہ میں

چلّایا ابنِ سعدِ ستم پیشہ و جہول
لوٹیں گے بعدِ فتح و ظفر خانۂ بتول
مرسل ہو یا امام ہو کچھ مانتے نہیں
کیا رحم کی جوانیِ اکبر پہ بھی نہ جا
ہنگامِ نزع اپنی زباں کو دکھا دکھا
بے رحمیوں کی گھر سے قسم کھا کے آئے ہیں

غیظ آگیا یہ سُن کے شہِ نامدار کو
جلوہ دیا جو صاعقۂ شعلہ بار کو
سب کو یقیں ہوا کہ دو عالم اُلٹ گئے
نعرے سے دشت گونج گیا ہل گئے جبال
شیروں کے تن پہ ڈر سے کھڑے ہو گئے تھے بال
جنگل سے کوہ تک جو شرر اُڑ کے آئے تھے

چمکی ادھر تو تیغِ شہنشاہِ قلعہ گیر
شوخی میں بے بدل تھا فراست میں بے نظیر
ہمسر کبھی رکی ہے بھلا اور تیغ میں
بجلی گری کہ تیغِ شہِ بحر و بر چلی
پیچھے شکست ادھر یہ عدو کش جدھر چلی
گر گر کے پائمال زبردست ہو گئے

ہاں ایک نقدِ عصمت و عفت ہے سب کے پاس
اک اک خدا پرست ہے ایک ایک حق شناس
ایذا میں شکر کرتے ہیں فاقوں میں شاد ہیں
سجدے میں حق سے کہتی ہیں اپنے دلوں کا راز
دامن وہ پاک ہیں کہ فرشتے پڑھیں نماز
بیٹوں کو صدقے کر دیا خالق کی راہ میں

یہ عجز ناپسند ہے یہ عذر نا قبول
تیغِ دو دم کو کھینچئے باتوں سے کیا حصول
پتھر ہیں قلبِ رحم کو ہم جانتے نہیں
مارا اُسے خبر نہ ہوئی ہم کو مطلقاً
سنتے تھے مانگتا تھا جو پانی وہ مہ لقا
گھوڑے اسی کی لاش پہ دوڑا کے آئے ہیں

کھینچا کمر سے مثلِ علیؑ ذوالفقار کو
دہشت سے تپ چڑھی فلکِ بیم دار کو
روح الامیں بھی چھوڑ کے سدرہ کو ہٹ گئے
جھکتے تھے بار بار درختوں کا تھا یہ حال
دبکے ہوئے تھے چوکڑی بھولے ہوئے غزال
دہشت سے اژدہے بھی دم اپنا چرائے تھے

کوندا ادھر زمیں پہ سمندِ فلک مسیر
کی تیز رو نے جست کہ نکلا کماں سے تیر
اُترا صفوں کو پھاند کے لشکر کے بیچ میں
نکلی کمر سے بڑھ کے تو بالائے سر چلی
آگے چلی جو فتح تو پیچھے ظفر چلی
لشکر کے سربلند جوان پست ہو گئے

ڈھالیں اُٹھا کے جب وہ ستم کی گھٹا بڑھی
ہر سو اُٹھا یہ شور کہ سیلِ فنا بڑھی
آفت کی تیغ تھی تو قیامت کا ہاتھ تھا
بازو کسی کا تن سے جُدا تھا کسی کا سر
کوئی تڑپ رہا تھا اِدھر اور کوئی اُدھر
بھاگڑ میں اہلِ ہوش بھی سب بے حواس تھے

اک وار روکنا انھیں دشوار ہو گیا
جو آزمودہ کار تھا بے کار ہو گیا
ہر صف لہو کے آنسوؤں سے رو کے رہ گئی
حق نے دیا تھا تیغ علیِ ولی کو جس
پیدل تھے اسپ جب تو پیادے تھے پیش پیش
سر اُن کے اُڑ گئے جنھیں دعویٰ جدل کا تھا

جس صف پہ جب پہنچ کے وہ خونخوار چل گئی
گویا چمک کے برق گری اور نکل گئی
رکتا تھا ایک وار نہ دو سے نہ پانچ سے
بھڑکی تھی آگ ظلم کی جنگل میں ہر طرف
لامع تھی تیغ شام کے بادل میں ہر طرف
گر گر کے ریگِ گرم پہ ناری پھڑکتے تھے

تکبیر کی صدا تو اِدھر سے بلند تھی
موجِ آبِ ذوالفقار کی سر سے بلند تھی
سب خوں گرفتہ کشتۂ تیغِ عذاب تھے
غل تھا علی کی تیغ کا مُنھ ہے کہ قہر ہے
لوہے میں اس کے آب ہے پانی میں زہر ہے
دل کانپتا ہے کون اجل سے دوچار ہو

مانندِ برق کوند کے یہ جاں گزا بڑھی
وہ کیا بڑھی کہ کھولے ہوئے مُنھ قضا بڑھی
گویا چھری لیے ملک الموت ساتھ تھا
دو تھا بہ شکلِ لا کوئی گردن سے تا کمر
بیٹے سے چھُٹ گیا تھا پدر باپ سے پسر
زندہ جو تھے وہ کشتۂ تیغِ ہراس تھے

دو ہاتھ جس جواں پہ چلے چار ہو گیا
کٹ کر سروں کا کھیت میں انبار ہو گیا
سارے ستم کی کشت درو ہو کے رہ گئی
آفت تھی اس کی باڑھ قیامت تھا اس کی کس
لیکن وہ جب چلی نہ چلا کچھ کسی کا بس
رو کے سپر گئے وہ طمانچہ اجل کا تھا

ساتھ اس کے دشمنوں کے سروں پر اجل گئی
کشتے تو کیا زمیں بھی حرارت سے جل گئی
شعلے پناہ مانگتے تھے اُس کی آنچ سے
اک الاماں کا شور تھا مقتل میں ہر طرف
گرتی تھی برق کوند کے ہر دل میں ہر طرف
تن سے لہو نہ اُڑتا تھا شعلے بھڑکتے تھے

فریاد و آہِ لشکرِ شر کی بلند تھی
ندی لہو کی رن میں کمر سے بلند تھی
موجیں تھیں دست و پا کی سروں کے حباب تھے
دم خم میں گھاٹ باڑھ میں تیکھا دھرا ہے
تلوار کی چمک نہیں افعی کی لہر ہے
اس کی ہوا لگے تو کلیجے کے پار ہو

رستم بھی اس کے منھ پہ ٹھہرتا نہیں کبھی
ڈوبے جو گھاٹ پر وہ ابھرتا نہیں کبھی
وہ زخم ہے اسی کا جو بھرتا نہیں کبھی
زہر اس کا جب چڑھا تو اترتا نہیں کبھی
جنّات اُس کے سایے سے پرہیز کرتے تھے
یہ وہ بلائے بد ہے کہ ساحر بھی ڈرتے تھے

چمکی وہ جب تو ہاتھوں سے ہتھیار گر پڑے
گھوڑوں سے ڈر کے خاک پہ اسوار گر پڑے
سر کٹ کے پانچ سات کے اک بار گر پڑے
آگے سے دو جو بھاگ گئے چار گر پڑے
بس اس کا دیکھ لیتی تھی وہ جس میں کھوٹ تھی
تلوار کی بھی چار پہ ہر بار چوٹ تھی

جب رن میں وقت عصر کے تنہا لڑے حسینؑ
حیدر کی شان سے لب دریا لڑے حسینؑ
ایسا لڑا نہ کوئی کہ جیسا لڑے حسینؑ
اللہ رے حرب لاکھوں سے تنہا لڑے حسینؑ
غل تھا خدا کی راہ میں بس دو ولی لڑے
یا فاطمہؑ کا لال لڑا، یا علیؑ لڑے

دو ہاتھ حق نے خلق کیے بہر ذوالفقار
دست حسینؑ دوست ید اللہ نام دار
ایماں قوی جو اس سے تو دیں اس سے استوار
رونق وہ شرع کی تو یہ اسلام کا وقار
عقدے ظفر کے اور کے ناخن سے کیا کھلیں
ہاتھ ایسے ہوں تو جوہر تیغ خدا کھلیں

اللہ رے حسینؑ کا وہ آخری جہاد
بھولے گی حشر تک نہ زمانے کو جس کی یاد
ہر ضرب پر علیؑ و ولی دے رہے تھے داد
لرزاں تھا خوف سے عمر سعد بدنہاد
فوجیں کٹی پڑی ہوئی تھیں روم و شام کی
جنگل میں شور تھا کہ دُہائی امام کی

گھوڑا بڑھا کے شاہ یہ کہتے تھے بار بار
دیکھی رسول حق کے نواسے کی کارزار
سب طرح کا دیا ہے مجھے حق نے اختیار
طالب نہیں میں فتح کا اے قوم نابکار
اُمت کی مغفرت سے ہے مطلب حسینؑ کو
لو آؤ بس شہید کرو اب حسینؑ کو

آئی صدائے حضرت محبوب ذوالجلال
ہاں اب تو وقت عصر بھی ہے اے علیؑ کے لال
یہ سُن کے شہ کو شوقِ شہادت ہوا کمال
تلوار رکھ کے میان میں بولا وہ خوش خصال
اب عنقریب خلق سے رحلت ہماری ہے
اے ذوالفقار تجھ سے بھی رخصت ہماری ہے

یوں اسلحہ اتار کے رکھتے تھے زیں پہ شاہ
جو پھر پڑی شکست اٹھائی ہوئی سپاہ
ابر ستم میں گھر گیا خیر النسا کا ماہ
تیغوں کی بجلیاں تھیں کہ اللہ کی پناہ
سینۂ علیؑ کے لال کا غربال بن گیا
ناوک ہزار ہا جو چلے جسم چھن گیا

برچھیوں کی نوکیں اور تنِ شبیر ہائے ہائے
سینہ خدا کے نور کا اور تیر ہائے ہائے
بازو وہ اور نیزہ و شمشیر ہائے ہائے
اک جان اور سینکڑوں بے پیر ہائے ہائے
غش آ گیا حبیب خدا کے حبیب کو
اتنا نہ تھا کوئی کہ سنبھالے غریب کو

تیغوں کے وار شاہ پہ چلتے تھے بار بار
زخموں کا خون چہرے پہ ملتے تھے بار بار
تختے لہو کے منہ سے نکلتے تھے بار بار
جھکتے تھے بار بار سنبھلتے تھے بار بار
بیکسی بتول کے آرام جاں پہ تھی
لیکن دعائے اُمت عاصی زباں پہ تھی

گھوڑے پہ جھومتا تھا وہ اُمت کا خیر خواہ
مارا کسی نے تیر سہ شعبہ گلے پہ آہ
تر ہو گئی لہو میں محمدؐ کی بوسہ گاہ
رکھ کر گلے پہ ہاتھ پکارا علیؑ کا ماہ
اچھا ستاؤ روزِ عدالت قریب ہے
اے ساکنانِ شام قیامت قریب ہے

یہ کہہ کے ذوالجناح سے وہ مقتدا گرا
ہر زخم سے بدن کے لہو جا بجا گرا
آواز دی زمیں نے عرشِ عُلا گرا
زہراؑ پکاری ہائے مرا لاڈلا گرا
ڈیوڑھی پہ اہلِ بیت ادھر پیٹنے لگے
سجاد غش سے چونک کے سر پیٹنے لگے

فضہ کو دیکھ کر کے پکارا وہ نوحہ گر
دیکھا ہے میں نے خواب میں بابا کو ننگے سر
روتا ہے در پہ کون اٹھو بھی جان بیکس ہر
جلدی بتا مجھے شہِ والا کی کچھ خبر
چلائی وہ کہ آلِ نبیؐ در پہ روتے ہیں
لٹتا ہے گھر امامِ اُمم ذبح ہوتے ہیں

اٹھ کر گرا جو ضعف سے وہ زار و ناتواں
تکیے پہ سر پٹک کے کہا ہائے بابا جاں
بنتِ علیؑ کے بین سے لرزاں تھا آسماں
بانوئے شاہِ دیں کو سنبھالے تھیں بی بیاں
سیدانیوں کے رونے سے بچے بلکتے تھے
پردے سے سر نکال کے میداں کو تکتے تھے

پردہ اٹھا کے ننھے سے ہاتھوں سے بار بار
چلاتی تھی یہ شہ کو سکینہ جگر فگار
مقتل سے بابا جان چلے آؤ میں نثار
رو کر صدا یہ دیتے تھے شبیرِ نامدار
گردن کٹا کے آج اسی بن میں سوئیں گے
ہٹ جاؤ در سے تم کہ ہم اب ذبح ہوئیں گے

جی بھر کے دیکھ لیں دمِ آخر جو تم کو پائیں
تیغوں سے پُرزے پُرزے ہے جسم کیونکر آئیں
کس طرح خوں بھری ہوئی صورت تمہیں دکھائیں
بی بی او ہاں آنے کی طاقت کہاں سے لائیں
سرے کریں گے آج ادا فرضِ عین کو
بابا نثار صبر کرو اب حسینؑ کو

لکھتا ہے اک راوی غم گین ہاں کا حال
سُن کر صدائے نالۂ عمّوئے خوش خصال
گھبرا کے بنتِ فاطمہؑ باہر نکل پڑی تھی
تصویر تھا حسنؑ کی سراپا وہ ماہ رو
عمّوؑ کا اشتیاق، شہادت کی آرزو
دل بے قرار، ہاتھ جگر پر دھرے ہوئے
گرتا وہ نرم جسم میں وہ پھول سا بدن
وہ لعلِ لب کہ غنچہ بھی فدا، برگِ یاسمن
یعنی پسر ہوں بادشہِ مشرقین کا
بازو پکڑ کے بنتِ یداللہ نے کہا
چلائی ہاتھ جوڑ کے ماں غم کی مبتلا
قاسمؑ گئے بہشت میں اُن سے تو یاس ہے
دیکھا یہ سانحہ تو پکارے شہِ زمن
اعدا کے ہاتھ سے نہ بچے گا یہ گل بدن
اس کا گلا بھی تیرِ ستم کا ہدف نہ ہو
بیٹھی ہوئی تھی زینبِ غمگین و سوگوار
لیکن لہو کے جوش سے دل تھا جو بے قرار
ماں اپنا ہاتھ رکھتی تھی جب دستِ پاک پر
ماں کہتی تھی کہ آؤ میں قربان جاؤں، آؤ
وہ کہتا تھا لباس کے بدلے کفن پنھاؤ
عمّو کے ساتھ خدمتِ حیدرؑ میں جائیں گے
دیکھو تو حال بے کسیٔ شاہِ بحر و بر
ٹکڑے ہیں تیغ سے عمامے کے سر بسر
کیونکر نہ اس ولی کے بچانے میں کد کریں

ہمراہ تھا سکینہؑ کے چھوٹا حسنؑ کا لال
نکلا تڑپ کے خیمے سے باہر وہ خرد سال
بیٹے کے ساتھ ماں بھی کھلے سر نکل پڑی
چہرہ تو آفتاب سا اور چاند سا گلو
گردن میں طوق، دوش پہ گیسو بہ مشک بو
آنکھیں تو نرگسی مگر آنسو بھرے ہوئے
خوشبو کو جس کے پہنچے نہ یوسف کا پیرہن
عمامہ سر پہ سبز، قبا سرخ زیبِ تن
بیٹا حسنؑ کا ہوں تو بھتیجا حسینؑ کا
چل گھر میں اے یتیمِ حسنؑ تجھ پہ میں فدا
بیوہ ہوں مجھ پہ رحم کر اے میرے دل رُبا
اب آسرا خدا کا ہے یا تیری آس ہے
لے جاؤ پھیر کر اسے خیمے میں اے بہن
ڈر ہے مجھے کہ دیکھ نہ لیں اس کو تیغ زن
دیکھو بہن! حسنؑ کی نشانی تلف نہ ہو
ماں ننھے ننھے پاؤں پہ گرتی تھی بار بار
ہرگز نہ مانتا تھا کسی کی وہ گلعذار
ہٹ ہٹ کے پیچھے پاؤں چلتا تھا خاک پر
کہتا تھا چھوٹا ہوا ہے بدل دو تن رن میں جاؤ
اماں خدا کے واسطے اب ہم سے ہاتھ اٹھاؤ
گر جان جائے گی تو نہ اب گھر میں آئیں گے
ہے ہے علیؑ کے لال کا چہرہ ہے خوں میں تر
کھا کھا کے زخم دیکھتے ہیں ادھر ادھر
یہ دکھ ہو غیر پر تو ہم اس کی مدد کریں

ماں سر پہ ہاتھ مار کے کہتی تھی ہے غضب
وہ کہتا تھا کسی کا نہیں دھیان مجھ کو اب
یہ بے کسی کا حال کوئی جانتا نہیں
تیغیں چچا پہ چلتی ہیں کیونکر نہ جائیں ہم
کیونکر چچا کے بدلے نہ تلواریں کھائیں ہم
بتلاؤ گھر میں کون ہے سب کوچ کر گئے
ماں رو کے کہتی تھی تری ہمت کے میں نثار
وہ کہتا تیغ چاہئے کیا ہم کو آبدار
جو سیف کبریا ہے پسر اُس ولی کے ہیں
ماں کہتی تھی ابھی ترے مرنے کے ہیں نہ دن
ہے تجھ کو منع کرتے ہیں سلطان انس و جن
پہونچے ریاض خلد میں کس آن بان سے
ناگاہ آئی صاف یہ آواز مجتبےٰ
یہ خوں کا جوش ہے نہ رُکے گا یہ مہ لقا
چھوٹے یہ ایسے وقت میں کیونکر حسینؑ کو
بیٹے کو روکتی ہے جو گر گر کے پاؤں پر
صدقے حسینؑ پر ہوں جو ایسے ہوں سو پسر
موقوف کچھ جواں پہ ہے نے خرد سال پر
تھرا گئی یہ سن کے صدا زینبِ حزیں
جا پہونچا قتل گاہ میں وہ طفل مہ جبیں
تھرائے ہاتھ پاؤں، کلیجہ اُلٹ گیا
ملنے لگا جو منہ سے منہ اپنا وہ گلعذار
کیوں اس بلا میں گھر سے نکل آئے میں نثار
بہنیں ہیں بے قرار، پھوپھی بلبلاتی ہے

کیا ہو گیا پھوپی کا بھی اس دم نہیں ادب
رن میں لہو کھیلے ہیں مرے عموئے تشنہ لب
میں کیا کروں ارے مرا دل مانتا نہیں
پالا ہے جس نے کام نہ آج اُس کے آئیں ہم
اچھا اگر بچے تو کسے منہ دکھائیں ہم
قاسمؑ دلھن کو چھوڑ کے کیوں آج مر گئے
لے آؤ تیغ تو کوئی بہر کارزار
یہ ننھے ننھے ہاتھ ہمارے ہیں ذوالفقار
سب ہم کو جانتے ہیں کہ پوتے علیؑ کے ہیں
اے دلبرِ حسنؑ نہ جیوں گی میں تیرے بن
وہ کہتا تھا بتایئے اصغرؑ کا کیا تھا سن
گردن پہ تیر کھا کے سدھارے جہان سے
زینبؑ اب اس کے روکنے سے فائدہ ہے کیا
قاسمؑ کی ماں سے کہہ دو کہ اب اس سے ہاتھ اٹھا
بھائی پہ صدقے ہونے دو اس نورِ عین کو
کیا فاطمہؑ کے لال کی اس کو نہیں خبر
ہوتا جو آج میں تو کٹاتا خود اپنا سر
فخر اس کو ہے جو نثار ہو زہراؑ کے لال پر
مادر بھی گر کے خاک پہ غش ہو گئی وہیں
غش میں زمیں پہ جھوم رہے تھے امامِ دیں
پھیلا کے دونوں ہاتھ چچا سے لپٹ گیا
بولے یہ غش سے چونک کے شاہِ فلک وقار
دنیا میں تم نہیں مرے بھائی کی یادگار
لو جاؤ گھر میں جاؤ کہ ماں نکلی آتی ہیں

کہتا تھا گرد شاہ کے پھر کے وہ لالہ فام
میں بے کسی پہ آپ کی قربان یا امامؑ
گھر میں نہ ہوں جب آپ تو پھر گھر سے کیا ہے کام
حضرت جہاں ہیں گے یہ ہے گا وہیں غلام
قاسم اخی شبیہ پیمبر کے ساتھ ہیں
اب گھر کہاں کا ہم علی اصغر کے ساتھ ہیں

آتے تھے تیغیں تول کے حضرت پہ جب شریر
بڑھ بڑھ کے ظالموں کو سناتا تھا وہ صغیر
کہتے تھے ایک ایک سے شاہ فلک سریر
اس کے عوض لگاؤ مجھے گرز و تیغ و تیر
معصوم ہے یتیم ہے اور خرد سال ہے
اے اہل شام، یہ زن بیوہ کا لال ہے

وہ کہتا تھا چچا پہ نہ تیغیں علم کرو
منظور ان پہ جو ہے وہ مجھ پر ستم کرو
موقوف عزم قتل امام امم کرو
جھکتا ہوں میں بدن سے مرا سر قلم کرو
سمجھو غنیمت اس شہ عالی مقام کو
دنیا میں پھر نہ پاؤ گے ایسے امامؑ کو

تلواریں تول کے جو بڑھا اک عدوئے دیں
گھبرا گیا تڑپ گیا وہ طفل مہ جبیں
بولا چڑھا کے کرتے کی ننھی سی آستیں
کیا میرے عم کو قتل کرے گا تو اے لعیں!
کافر بھی ہو کوئی تو نہ ایسا عمل کرے
جا دور ہو خدا ترے ہاتھوں کو شل کرے

سن کر یہ بات غیظ میں آیا وہ نابکار
چاہا کہ مارے شاہ کو شمشیر آب دار
معصوم نے بڑھا دیا ہاتھوں کو ایک بار
دونوں کلائیوں پہ لگا اک ستم کا وار
صدمہ ہوا حسن کے دل دردناک پر
بچے کے دونوں ہاتھ گرے کٹ کے خاک پر

تڑپا جو گر کے گود میں شہ کی وہ نونہال
آئی صدائے فاطمہؑ ہے ہے حسن کے لال
ماں نکلی خیمہ گاہ سے بکھرائے سر کے بال
سر پیٹتے تھے ہاتھوں سے شبیر خوش خصال
ہے ہے یتیم کہہ کے جو ماں بلبلاتی ہے
رن سے حسن کے رونے کی آواز آتی ہے

پانی چچا سے مانگتا تھا وہ مہ منیر
مارا کسی نے چاند سی گردن پہ ایک تیر
کھینچا جو شہ نے تیر تو حالت ہوئی تغیر
آغوش سے تڑپ کے گرا خاک پر صغیر
کرتا تمام خون سے گردن کے بھر گیا
دامن میں شہ کے ہچکیاں لے لے کے مر گیا

منھ کر کے سوئے چرخ پکارے شہ امم
یارب ترے حسینؑ پہ ہوتے ہیں یہ ستم
دکھ پر ہے دکھ جفا پہ جفا اور غم پہ غم
اب تک نہیں ڈگے ہیں تری راہ سے قدم
اعدا میں قید، زینب عالی صفات ہو
دوزخ سے شیعیان علی کو نجات ہو

غش ہو گئے یہ کہہ کے جو شبیرؑ نامور
شمرؔ و سنانؔ و نوفلؔ و حجاجؔ ہیں کدھر
بیٹھو نہ جب تلک سرِ شبیرؑ کٹ نہ جائے
تاکید کر کے جوں ہی ہٹا وہ عدوئے دیں
تھرّائے آسمان، لرزنے لگی زمیں
چادر تھی اک لہو کی تنِ پاش پاش پر
بڑھ کر جنِ انس جو ہیں آیا قریب تر
بھاگا کا شقی زمیں پہ تلوار پھینک کر
کاٹوں گا میں گلا نہ شہِ مشرقین کا
ڈر کر کسی نے جب نہ کیا عزمِ قتلِ شاہ
ترکِ ادب کا ڈر ہے کہوں کس زباں سے آہ
گھر لٹ گیا بتولؑ کا دنیا اجڑ گئی
حضرتؑ کو ذبح کر کے ہٹا جب وہ بدگہر
ٹکرائے کوہ آ گئے جنبش میں بام و در
غل تھا کہ اٹھ گئی برکت اب جہان سے
ہاں عاشقو حسینؑ کے آہ و بکا کرو
حقِ محبتِ شہِ والا ادا کرو
سمجھو شریکِ مجلسِ ماتم بتولؑ کو
یا مصطفےٰ حضور کے پیارے کو روتے ہیں
سُن کر حدیثِ مرثیہ جانوں کو کھوتے ہیں
تھی واں ہماری یاد شہِ مشرقین کو
بس اے انیسؔ طول سے بہتر ہے اختصار
کم ہے جو اس سخن پہ جواہر کریں نثار
مخ ہے یہ طرزِ خاص کوئی جانتا نہیں

چلّایا فوج کو پسرِ سعد بدگہر
ہاں جلد کاٹ لو پسرِ فاطمہؑ کا سر
زینبؑ تنِ حسینؑ سے آ کر لپٹ نہ جائے
نکلے اٹھا کے تیغوں کو چالیس اہلِ کیں
تھا غش میں قبلۂ دو پسر ختمِ مرسلیں
رکھے تھے دونوں ہاتھ بھتیجے کی لاش پر
حضرتؑ نے آنکھیں کھول کے دیکھا ادھر اُدھر
جو پوچھتا تھا کہتا تھا اس سے وہ بدگہر
محبوبِ حق کی گود میں ہے سر حسینؑ کا
خنجر کو تیز کر کے بڑھا شمرِ روسیاہ
پیشو سروں کو ذبح ہوئے شاہِ دیں پناہ
زینبؑ سے شاہ، شاہ سے زینبؑ بچھڑ گئی
زلفیں پکڑ کے لے چلا سبطِ نبیؐ کا سر
آندھی اُٹھی سیاہ کہ اُڑ گئے شجر
قطرے لہو کے گرنے لگے آسمان سے
زہرا کا ساتھ دو مددِ مصطفےٰ کرو
بے سر ہوئے حسینؑ قیامت بپا کرو
سب مل کے دو حسینؑ کا پرسا رسولؐ کو
یا فاطمہ حسینؑ پہ قربان ہوتے ہیں
سر پیٹتے ہیں اشکوں سے دامن بھگوتے ہیں
پھر کس کو روئیں ہم جو نہ روئیں حسینؑ کو
یہ بزم اور آج کا پڑھنا ہے یادگار
بہتر ہے موتیوں سے تری نظمِ آبدار
جو جانتا ہے اور کو وہ مانتا نہیں

۲۱ مرثیہ ۶ بند

جب خیمے میں رخصت کو شہ بحر و بر آئے
چلاتی سکینہ مرے بیکس پدر آئے
حضرت کو جو ناموس پیمبر نظر آئے
رو کر کہا ہم قبر میں اصغر کو دھر آئے
بولے ہوا شبیر جہاں سے سفری ہے
اب فاطمہ کا لال چراغ سحری ہے

تنہا ہوئے کس طرح نہ ہم مرنے کو جائیں
قاسم ہیں کہ عم کے عوض خوں میں نہائیں
عباس ہیں جو نہر پہ ہاتھ اپنے کٹائیں
اکبر ہیں جو بابا کے عوض برچھیاں کھائیں
یاور کوئی جز بیکسی و یاس نہیں ہے
اصغر بھی موئے اب تو کوئی پاس نہیں ہے

تقدیر میں جو داغ اُٹھانے تھے اُٹھائے
ان آنکھوں سے فرزندوں کے لاشے نظر آئے
اکبر سا پسر مر گیا ہم مرنے نہ پائے
خالق مجھے اس قافلے سے جلد ملائے
کس سے کہوں جو ہجر عزیزاں کا قلق ہے
دل بھرتا ہے سینے میں کلیجا مرا شق ہے

تم سب کو کیا خالق اکبر کے حوالے
زہرا کے حوالے کیا حیدر کے حوالے
سب گھر ہے مرا عابد مضطر کے حوالے
ہے میری سکینہ مری خواہر کے حوالے
ماتم میں مرے نالہ و فریاد کرے گی
بہلائیو جس دم وہ مجھے یاد کرے گی

اصغر کو لیے گود میں پھرتی تھی وہ دن بھر
بہلائے گی دل کس سے کہ مارے گئے اصغر
اب اور یتیمی کی بلا آتی ہے سر پر
غم ہے کہ یہ کس طرح جیے گی مری دختر
کون اس کے بھلا ناز اُٹھائے گا مرے بعد
چھاتی پہ اُسے کون سلائے گا مرے بعد

افسوس مری پیاری پہ اب ہوئے گی بیداد
دُرّے کے لیے ماریں گے طمانچے ستم ایجاد
چلائے گی رو رو کے مرا نام وہ ناشاد
مر کر بھی غم و رنج سے ہم ہوں گے نہ آزاد
ہیہات گلا باندھے گا جب شمر رسن میں
لاشا مرا صدمے سے تڑپ جائے گا رن میں

کہہ کر یہ سخن رونے لگے سید اکرم
ناموس محمد میں بپا ہو گیا ماتم
سر پیٹ کے زینب نے کہا اے شہ عالم
کس سے سخن یاس یہ فرماتے ہو اس دم
کچھ میری بھی ہے فکر جو سر دیتے ہو بھائی
ہے ہے مجھے مرنے کی خبر دیتے ہو بھائی

جاتے ہو تو ہمراہ بہن کو بھی لیے جاؤ
جب غش میں سر پاک کو کٹنے پہ جھکاؤ
تنہا تمہیں شمشیر و تبر کھانے نہ دوں گی

بابا نہیں، اماں نہیں، بیٹے بھی نہیں پاس
اس خواہر غمگیں کو فقط آپ کی ہے آس
ہر شہر میں سر ننگے میں دل خستہ پھروں گی

رونے لگے زینبؑ سے یہ سن کر شہ ابرار
فرمایا کہ دے صبر تجھے ایزد غفار
کس طرح نہ مرنے کا ارادہ کرے زینبؑ

جانے دو بہن! خالق اکبر کی قسم ہے
زہراؑ کی تمہیں روح مطہر کی قسم ہے
تنہائی سے دل سینے میں گھبراتا ہے بھینا

یہ سن کے گری زینبؑ دلگیر زمیں پر
پھر شہ نے کہا دیکھ کے بانو کو کھلے سر
لب پر کبھی نالے ہیں کبھی سینہ زنی ہے

رو کر کہا بانو نے کہ یا سبط پیمبرؐ
کس طرح میں چھاتی کو نہ پیٹوں کے سرور
جینے کی نہیں دل پہ بڑا رنج و تعب ہے

شہ نے کہا بانو یہی قسمت میں لکھا ہے
آیا ہے جو دنیا میں وہ اک روز فنا ہے
تو بیٹے فدا کر چکی ہو راہ خدا میں

پیغام رضا یہ کا سنا شاہ نے جس دم
عابدؑ کے سرہانے گئے روتے شہ عالم
کیا غش میں ہو رخصت کو پدر آیا ہے بیٹا

میں تیر ستم کھاؤں گی تم برچھیاں کھاؤ
میں تھام لوں تا خاک پہ تم گرنے نہ پاؤ
مر جاؤں گی پر آپ کو میں جانے نہ دوں گی

پردیس میں ہے کون بجز بیکسی و یاس
بعد آپ کے کوئی نہیں کرنے کا مرا پاس
صدقے گئی در در میں رسن بستہ پھروں گی

چھاتی سے لگایا اسے با دیدۂ خوں بار
واللہ بہن بھائی ہے اس امر میں ناچار
ہے مرضی خالق یہی تو کیا کرے زینبؑ

روؤ نہ بہن تم کو پیمبرؐ کی قسم ہے
بس صبر کرو تم کو مرے سر کی قسم ہے
اب ٹھہروں تو وعدے میں خلل آتا ہے بھینا

چلائی کہ دنیا سے چلے ہائے برادر
صاحب کہو کیا حال ہے کیوں پھینک دی چادر
ہم تو ابھی جیتے ہیں یہ کیا شکل بنی ہے

کچھ ہوش نہیں جب سے موئے ہیں علی اکبرؑ
اکبر ہی کو روتی تھی کہ مارے گئے اصغرؑ
آقا نے بھی لونڈی کو جو چھوڑا تو غضب ہے

تقدیر سے کچھ زور نہیں صبر کی جا ہے
گھبراؤ نہ ہر دکھ میں مددگار خدا ہے
شوہر کو بھی قربان کرو راہ خدا میں

یہ روئی کہ بے ہوش ہوئی بانوئے پُرغم
بازو کو ہلا کر کہا با دیدۂ پُرنم
اٹھو کہ وصیت کو پدر آیا ہے بیٹا

بابا کی صدا سُن کے اُسے ہوش جو آیا
اُٹھا نہ گیا سر قدمِ شہ پہ جھکایا
شہ بیٹھ گئے اور اُسے آہستہ اُٹھایا
منھ دیکھ کے حضرت کا یہ عابد نے سُنایا
روشن ہوئیں آنکھیں شہِ والا نظر آئے
بس اب ہوئی صحت کہ مسیحا نظر آئے

شہ نے کہا دے تجھ کو شفا ایزدِ غفار
جاتا ہے پدر مرنے کو اے عابدِ بیمار
خیمے کے جلانے کو اب آئیں گے جفاکار
رہنا حرمِ پاک سے بلوے میں خبردار
اس گھر کے بس اب مالک و مختار تمھیں ہو
بے وارثی رانڈوں کے مددگار تمھیں ہو

سمجھاتا ہوں جو کچھ وہی کرنا اے دلدار
رسی بندھے گردن میں تو مت کیجو تکرار
ہو جائیو سر دیکھتے ہی طوقِ گراں بار
رکھ دیجو قدم بیڑیاں لائیں جو ستمگار
فرزند ہو تم ابنِ شہِ عقدہ کشا کے
پابند رہو سلسلۂ صبر و رضا کے

اور اک یہ وصیت رہے یاد اے مرجانی
کیجو نہ فراموش مری تشنہ دہانی
جو بیس پہر گزرے ہیں پایا نہیں پانی
دیں پانی اگر بعد مرے ظلم کے بانی
تم فاتحہ بابا کی دلا دیجو بیٹا
اور پیاسی سکینہ کو پلا دیجو بیٹا

اور سوئے وطن جائیو جب قید سے چھٹ کر
صغراؑ سے یہ کہیو مری جانب سے مکرر
بی بی! تجھے بھولا نہیں میں بیکس و مضطر
تھی یاد تری دل میں گلا تھا تہِ خنجر
تقدیر نے زندہ ہمیں پھیرا نہ سفر سے
اب حشر میں ہووے گی ملاقات پدر سے

سجادؑ نے حضرت سے کہا تھام کے رقت
کیا بندے کو مرنے کی نہ دیجے گا اجازت
اس قیدِ مصیبت سے تو بہتر ہے شہادت
بن آپ کے ہے زیست مرے حق میں قیامت
یہ شدتِ تپ اور یہ تنہائی ہماری
گر آپ نے چھوڑا تو اجل آئی ہماری

شہ نے کہا صدقے تری مظلومی کے پسر
اے عابدِ بیکس ہے یہی خواہشِ تقدیر
کس طرح سے تو حلق دھرے گا تہِ شمشیر
پیارے ترے حصے میں تو ہے طوقِ گلوگیر
تا زیست تجھے باپ کے ماتم میں ہے رونا
جا پہنچیں جو بس تجھ کو مرے غم میں ہے رونا

ہر چند کہ ہے تم پہ فراقِ پدری جبر
جب تم نہ ہوئے کون بناوے گا مری قبر
آ جائے جو غش رو نہ بیٹا صفتِ ابر
اب گھر میں نہ ہم آئیں گے بانو کو دو صبر
ناموسِ رسولِ دوسرا کو تمھیں سونپا
سونپا تمھیں گھر اور خدا کو تمھیں سونپا

غش ہو گئے سجادؑ حزیں سن کے یہ تقریر
صدمے سے ہوا زرد رخ زینبؑ دلگیر
اٹھتا ہے مرے شاہ کا سایا مرے سر سے
سمجھاتے تھے ایک ایک کو شہ با دلِ ناشاد
بچو لو بہن اب خالقِ اکبر کو کرو یاد
یہ سن کے ہر اک تکتی تھی شبیرؑ کی صورت
خیمے سے برآمد ہوئے آخر شہِ صفدرؑ
کیا کیجے بیاں بے کسی سبطِ پیمبرؐ
تھامے جو رکاب آپ کی اتنا نہ کوئی تھا
کس یاس سے ہر چار طرف تکتے تھے شہؑ
رو رو کے کبھی چلاتے تھے آؤ علی اکبرؑ
لو جلد خبر بے کس و بے یار ہوں عباسؑ
رو رو کے یہ کہتے تھے شہنشاہ دو عالم
ہرگز دلِ زینبؑ کو قرار آیا نہ اک دم
اے بھائی دکھاؤں کسے تنہائی تمہاری
شہ نے کہا زینبؑ تری اُلفت کے میں قربان
پھر گھوڑے کے نزدیک گئے سرورِ ذی شان
زینبؑ نے رکھا ہاتھ رکابِ شہِ دیں پر
میداں کو چلی سیدِ بے کس کی سواری
جنگاہ میں پہونچا اسدِ ایزدِ باری
کیا رعب تھا کیا دبدبہ تھا ابنِ علیؑ کا
بچپن کا تھا مرکب تنہاں برتا کی لاں
کہتے تھے تم گارزئہ حشمت و اجلال
لب تشنہ کئی دن شہِ مظلوم رہے ہیں

رستے ہوئے میداں کو چلے حضرت شبیرؑ
چلا کے کہا بانوؑ نے ہے ہے مری تقدیر
لوگو میں چھٹی جاتی ہوں زہراؑ کے پسر سے
اے بی بیو بے فائدہ ہے نالہ و فریاد
شاکر رہو ہر دکھ میں کہ حق کا ہے یہ ارشاد
شہ دیکھتے تھے رو رو کے ہمشیر کی صورت
سب بی بیاں ڈیوڑھی پہ ہیں کھولے ہوئے سر
بیٹا نہ بھتیجا نہ علمدار نہ لشکر!
رہوار تھا یا ایک وحشی ہنر ہی تھا
دکھلائی نہ دیتا تھا کوئی مونس و یاور
دل تھام کے کہتے تھے کبھی ہائے برادر
تم تھامو رکاب آکے تو اسوار ہوں عباسؑ
مظلومی شبیرؑ پہ تھا خیمے میں ماتم
چلاتی ہوئی ڈیوڑھی سے نکلی وہ بصد غم
تھامے گی رکاب آج یہ ماں جائی تمہاری
بھائی کے نہ پڑے کام تم کو نہ رہا دھیان
رو رو کے کہا لو بہن اللہ نگہبان
شبیرؑ ہوئے جلوہ نما خانۂ زیں پر
زینبؑ گئی خیمے میں بصد گریہ و زاری
اس غیظ سے دیکھا کہ لگے کانپنے ناری
قبضے کی طرف ہاتھ نہ بڑھتا تھا کسی کا
ہر اک پہ چمکتا تھا فاطمہؑ کا لال
دیکھو تو ذرا شوکتِ شبیرؑ خوش اقبال
پر شیر سے میداں میں کھڑے جھوم رہے ہیں

دن ہو گیا جلوے سے رُخِ پاک کے مہتاب
ہیں نرگسی آنکھیں تو ہے چہرۂ گل شاداب
آئینہ ہے گردن، تو صراحی سا گلا ہے
اتنے میں ہوئے بڑھ کے رجز خوانِ شہِ صفدر
نانا ہے پیمبر مری ماں بنتِ پیمبر
میں سروِ روانِ چمنِ شیرِ خدا ہوں
تم وہ ہو کہ لکھ لکھ کے خطِ شوق بلایا
تم وہ ہو کہ بے جرم و خطا مجھ کو ستایا
تم وہ ہو کہ تصویرِ پیمبر کی مٹادی
بے جاں کئے تم نے مرے یاور مرے پیارے
تم صبح و مسا رہتے ہو دریا کے کنارے
مہماں کو بھی ایذا کبھی دنیا میں ملی ہے
کچھ بولے نہ حضرت کے سخن سن کے ستمگار
کی سبطِ پیمبر نے علم تیغِ شرربار
دم بند ہوئے تیغ سے بے داد گروں کے
کس سے ہو بیاں تیزیِ تیغِ شہِ عالم
کھینچے لئے برقِ غضبِ خالقِ اکرم
جس غول پہ بجلی سی وہ جا پڑتی تھی تھم کے
میداں میں زبس خون کے دریا کا ہوا جوش
نامی جو بہادر تھے نہ تھا اُن میں ذرا ہوش
کیا جانئے بھلا سبطِ پیمبر کے برابر
کیا تیغ تھی کیا ضرب تھی العظمۃ للّٰہ
دم لینے نہ دیتے تھے کسی کو شہِ ذی جاہ
سو جاں سے فدا ضربتِ دستِ شہِ دیں پر

ابرو ہیں حرم حرمِ پاک کے محراب
لب غیرتِ یاقوت ہیں دنداں دُرِ خوشاب
حضرت کا بدن نور کے سانچے میں ڈھلا ہے
پہچانو مرے رتبے کو اے قومِ ستمگر
بھائی حسنِ سبز قبا عاشقِ داور
واللہ ڈرو مجھ سے کہ میں شیرِ خدا ہوں
میں وہ ہوں کہ گھر چھوڑ کے اس بن میں آیا
میں وہ ہوں کہ شکوے کا سخن لب پہ نہ لایا
میں وہ ہوں کہ جس نے تمہیں بخشش کی دعا دی
میں رہ گیا سب جانبِ فردوس سدھارے
بچے موئے جاتے ہیں مرے پیاس کے مارے
پانی نہیں دیتے ہو یہ کیا بے ادبی ہے
اک بار بجے طبل ہوئی تیروں کی بوچھار
بجلی کی طرح جا ہی پڑا فوج میں رہوار
ہر چار طرف چھا گئے بادل سپروں کے
ہنگامِ رقم حرف کٹے جاتے ہیں باہم
خوں ریز و جفا کار و سرانداز و شر دم
سر گرتے تھے مانند تگرگ اہلِ ستم کے
مچھلی کی طرح لوٹتے پھرتے تھے زرہ پوش
تھا شور کہ بس شمعِ حیات اب ہوئی خاموش
اک برق نکل جاتی ہے دو کر کے برابر
یاں کوہ جو ہوتے تو کٹے مثلِ پرِ کاہ
دوزخ کی طرف رن سے چلے جاتے تھے گمراہ
کتنے ہی تڑپتے نظر آتے تھے زمیں پر

کرتا ہے علم سیف زباں راوی پُر غم
تھے گھاٹ جو روکے ہوئے واں سیکڑوں ظالم
آئی جو ہوا اسپ شہ تشنہ دہاں کو
حضرت نے جو دیکھا کہ بہت تشنہ ہے رہوار
فرمایا کہ سیراب ہو لے اسپ وفادار
اور میں تو کبھی پانی سے لب تر نہ کروں گا
بے جاں ہوئے پانی سے تڑپ کر علی اکبرؑ
دم توڑتی ہے خیمے میں پیاسی مری دختر
اب دل کو مرے ساغر کوثر کی ہوس ہے
راکب کی جو تقریر سنی گھوڑے نے ساری
رو رو کے یہ کی عرض کہ اے عاشق باری
حضرت کی طرح آب سے بیزار ہوں آقا
رونے لگے یہ سن کے شہ بیکس و بے پر
چاہا جو ہیں شہ نے کہ لب خشک کریں تر
پانی سے ابھی حلق نہ تر کیجئے حضرت
تاراج ہوا اہل حرم کا زر و زیور
یہ سنتے ہی شاہ دو جہاں ہو گئے مضطر
لے تیغ دو دم ہاتھ میں گھوڑے پہ سنبھل کر
گھر سید مظلوم کا سالم نظر آیا
عباسؑ کے لاشے کو جو دیکھا تو سنایا
گھر ہو گیا ویراں علی اکبرؑ گئے مارے
رو رو کے ابھی کہتے تھے یہ سبط پیمبرؐ
تیر آ کے پڑے چھن گیا سارا تن انور
ٹکڑے ہوا تیغوں سے عمامہ شہ دیں کا

لڑتے ہوئے دریا پہ جو پہونچے شہ عالم
اک حملے میں اُن سب کو کیا درہم و برہم
لٹکا دیا پانی پہ نظر کر کے دہاں کو
ٹھکرا کے اُسے ڈال دیا نہر میں اک بار
پرچھا ہے ابھی گھیرے نہیں پھر کہیں کفار
پیاسے ہوئے عباسؑ، میں پیاسا ہی مروں گا
ہاتھوں پہ مرے تشنہ دہن مر گئے اصغرؑ
اے گھوڑے تو منصف ہو یہیں فیصلہ کر
اور حلق کو آب دم خنجر کی ہوس ہے
اک ندی ہوئی آنسوؤں کی جھوم کے جاری
سیراب ہوں میں اور نہ مجھے پیاس تمہاری
میں بھی نہ پیوں گا کہ وفادار ہوں آقا
پھر سوچ کے کچھ پانی بھرا چلو کے اندر
چلّا کے دیا تب کہنے لگا ایک ستمگر
گھر لٹتا ہے ہاں جلد خبر لیجئے حضرت
سیدانیاں خیمے سے نکل آئی ہیں باہر
اُس پانی کو بس پھینک دیا نہر کے اندر
خیمے کو لگے دیکھنے دریا سے نکل کر
مطلق اثر اُس شامی کی باتوں کا نہ پایا
اے بھائی! خبر لو ہمیں اعدا نے ستایا
اکبر ہیں نہ ساود کہ اصغر گئے مارے
جو گھیر لیا فوج ستمگار نے آ کر
سینے پہ پڑیں برچھیاں اور پہلو پہ خنجر
آلودۂ خوں ہو گیا جامہ شہ دیں کا

زخمی جو بہ شدت ہوا زہرا کا وہ جانی
تلواریں لگاتے تھے کھڑے ظلم کے بانی
کرتا تھا کوئی رحم نہ اُس تشنہ دہن پر
فرماتے تھے افسوس نہ رتبہ مرا جانا
سمجھے ہو گنہ پیاسے کو پانی کا پلانا
تلواریں یہ سب چلتی ہیں حیدرؑ کے جگر پر
سنتے تھے نہ مظلوم کی فریاد ستمگر
بہہ بہہ کے لہو زخموں سے گرتا تھا زمیں پر
لگتے تھے جو پیکانِ ستم چہرے پہ آ کر
اتنے میں چھدا تیر سے حلق شہِ ابرار
حلقوم سے کھینچا جونہی وہ ناوکِ خونخوار
صدمہ تھا عجب دوشِ محمدؐ کے مکیں پر
پیشانی پہ اک تیر لگا اور بھی کاری
مل مل کے لہو چہرے پہ وہ عاشقِ باری
فردوس میں جا کر یونہی بابا سے ملوں گا
ناگاہ وہب نے اک برچھی لگائی
وہ دلبرِ زہرا کے کلیجے میں در آئی
سنبھلا نہ گیا دوشِ محمدؐ کے مکیں سے
سب زخم بدن پھٹ گئے گرتے ہی زمیں پر
آلودہ ہوئے خاک سے گیسوئے معنبر
تھی خشک زباں بول نہ کچھ سکتے تھے حضرت
چلاتی تھی ڈیوڑھی پہ کھڑی خواہرِ شبیر
دم توڑتے ہو پانی پلاتے نہیں بے پیر
تلواریں پڑیں گی تو نہ گھبراؤں گی بھائی

طاقت جو گھٹی اور بڑھی تشنہ دہانی
ہونٹوں پہ زباں پھیر کے شہ کہتے تھے پانی
پانی کے عوض تیر برستے تھے بدن پر
اے ظالمو اچھا نہیں زہرا کا ستانا
مظلوم پہ بس کرتے ہو تیروں کا نشانا
پڑتے ہیں یہ سب تیر پیمبرؐ کے جگر پر
اک پیاسے پہ ٹوٹا ہوا تھا شام کا لشکر
رہوار بھی مجروح تھا تیغوں سے برابر
ہر مرتبہ خوں جھاڑتا تھا سر کو ہلا کر
پیکانِ ستم گردنِ انور سے ہوا پار
فوارے کے مانند چھٹی خون کی اک دھار
گرتا تھا گریباں سے لہو دامنِ زیں پر
آلودہ خوں ریشِ مبارک ہوئی ساری
کہتا تھا کچھ اُمت نے نہ کی قدر ہماری
جنت میں اسی طرح سے نانا سے ملوں گا
تھی زہر میں ظالم نے بسا اس کی بھالی
گردن شہِ مظلوم نے ہرنے پہ جھکائی
یا تیر خدا کہہ کے گرے خانۂ زیں سے
بسمل کی طرح خوں میں تڑپنے لگے سرور
تلواریں لگانے لگے گرد آ کے ستمگر
مظلومی سے اک ایک کا منہ تکتے تھے حضرت
اس بیکسی و مظلومی کے صدقے ہوئی ہمشیر
اب رن میں نکل آتی ہوں میں بیکس و دلگیر
میں آپ کو خیمے میں اٹھا لاؤں گی بھائی

رن میں یہ تڑپتے ہو تمھیں کون اُٹھائے
ہے ہے کہوں کس سے کہ تمھیں پانی پلائے
یا حیدرِ صفدر، تمھیں امداد کو پہنچو
فریاد سنی زینبِ ناشاد کی جس دم
دیکھا کہ یہ ہے خواہرِ غم دیدہ کا عالم
تھامے ہیں کئی بی بیاں اُس خستہ جگر کو
لشکر سے بڑھا شمرِ لعیں کھینچ کے خنجر
زانو سے دبا سینۂ زخمی جو سراسر
خنجر کو رکھا شہ کے گلے پر جو لعیں نے
ظالم کو زباں سوکھی دکھائی کئی باری
جب تک کہ نہ گردن کی رگیں کٹ چکیں ساری
جس وقت جدا ہو گیا سر تیغ سے کٹ کر
غل پڑ گیا بے سر، اسرارِ دو عالم
خاموش انیسؔ اب کہ پڑا بزم میں ماتم
غیر از غمِ شبیرؑ کوئی غم نہ ذرا ہے

ہے ہے کسے بھیجوں جو لعینوں سے بچائے
ہے ہے کسے ماں جائی ترا حال گھٹائے
بھائی کا گلا کٹتا ہے فریاد کو پہنچو
خیمے کی طرف تکنے لگے سیدِ اکرم
سر پیٹتی ہے ہاتھوں سے اور کرتی ہے ماتم
اس صدمے سے غش آگیا زہرا کے پسر کو
فریاد ہے چھاتی پہ چڑھا شہ کے ستم گر
اُس وقت لہو منھ سے اُگلنے لگے سرور
تکبیر کبھی کھول کے آنکھیں شہِ دیں نے
پانی نہ دیا ذبح لگا کرنے وہ ناری
تکبیر رہی شہ کے لب خشک پہ جاری
خم ہو گیا قبلے کی طرف جسم اُلٹ کر
خنجر سے دل و جان بھی ہو گیا بے دم
اب خالقِ اکبر سے دعا مانگ یہ اس دم
یارب! مجھے تو قیدِ تفکر سے چھڑادے

رُباعی

اے بادشہِ کون و مکاں اَدرِکنی!
اے عقدہ کشائے دو جہاں اَدرِکنی!
اب تنگ ہے دشمنوں کے ہاتھوں سے انیسؔ
یا حضرتِ صاحب الزماں اَدرِکنی!

۲۲ مرثیہ
بند ۹۶

جب آمدِ سردارِ دو عالم ہوئی رن میں
اک جلوہ گری نور کی جس دم ہوئی رن میں
غل تھا کہ حسینؑ آج لڑائی پہ چڑھیں گے
کیا دبدبہ و رعب ہے العظمۃ للّٰہ
ہے ایک فقط فاطمہؑ کی روح تو ہمراہ
حلقے میں ملک اسپ صبا دم کو لئے ہیں

بخشا ہے خدا نے انھیں اقبالِ محمدؐ
شوکت جو علیؑ کی ہے تو اجلالِ محمدؐ
حق کے کرم نا متناہی سے بنے ہیں
اعجازِ رسولانِ سلف ان میں ہے موجود
اُف کردیں تو جل جائے یہ سب لشکرِ مردود
صدقے کیا اکبرؑ سا پسر راہِ خدا میں

دو ٹکڑے ہو تیغ ان کی اگر کوہ پہ چل جائے
نعرہ جو کریں شیر کا دم تن سے نکل جائے
خود شیر ہیں یہ اور خلفِ شیرِ خدا ہیں
ہے قہرِ خدا غیظِ شہنشاہِ دو عالم
پیری میں قیامت ہے جواں بیٹے کا ماتم
صابر کوئی آفاق میں ایسا نہیں دیکھا

تنہائی میں دیکھو تو ذرا شانِ سواری
چالاکیِ توسن سے خجل بادِ بہاری
گھوڑے کو اڑاتے ہوئے یوں آتے ہیں ان میں
سب فوجِ عدو درہم و برہم ہوئی رن میں
اک بار صفِ فوجِ ملک خم ہوئی رن میں
یا صاحبِ معراج لڑائی پہ چڑھیں گے

شیر آنکھ چراتا ہے یہاں صورتِ روباہ
خادم بھی جلو میں نہیں اور یہ حشم و جاہ
اور فرق پہ جبرئیلِ امیں سایہ کئے ہیں
خال و خطِ رخسار خط و خالِ محمدؐ
کیا مرتبہ ہے نسلِ علیؑ آلِ محمدؐ
یہ پانچ بشر نورِ الٰہی سے بنے ہیں

آہن کو ابھی موم کریں صورتِ داؤدؑ
پر ہیں یہ طلبگارِ رضامندیِ معبود
خوش ہو کے لٹا دیتے ہیں گھر راہِ خدا میں
فولاد بھی شمشیر کی آتش سے پگھل جائے
رستم ہو تو گھبرا کے صفِ فوج سے ٹل جائے
ضرب ان کی رُکے کیا کہ یہ شمشیرِ خدا ہیں

مجموعۂ عالم ہوا ابھی درہم و برہم
رونے کے عوض شکرِ خدا کرتے ہیں باہم
یہ دل نہیں دیکھا یہ کلیجا نہیں دیکھا
کیا شوکت و صولت ہے نئی قدرتِ باری
رُخ نورِ خدا کا ہے سوئے لشکرِ ناری
جس طرح کوئی شیر کو آتا ہے چمن میں

پیشانیٔ روشن کی ضیا دور تلک ہے
اس نور کا پروانہ رُخِ حور و ملک ہے
میدانِ شہادت کی زمیں ہے کہ فلک ہے
یہ ذرے ہیں خورشیدِ درخشاں کی چمک ہے
نسبت ہے نہ خورشید کو نہ بدر کی ضو کو
شرماتے ہیں نقشِ سُمِ توسنِ مہِ نو کو

کیا رُتبۂ اعلیٰ ہے زہے حشمت و اجلال
لاریب کہ ہے نورِ خدا فاطمہؑ کا لال
روشن ہے جبیں آئینۂ مہر کی تمثال
ہے سجدۂ خالق کا نشاں اخترِ اقبال
ہے جلوہ گری نور کی پیشانیٔ شہ میں
عکسِ گلِ سوسن ہے یہ آئینۂ مہ میں

ابروئے جگر گوشۂ زہراؑ کی ہے یہ شان
یہ ہیں وہ کمانیں کہ علیؑ جن پہ ہیں قرباں
اور گوشۂ ابرو سے اشارہ ہے یہ ہر آن
نانا ہے مرا کعبۂ دیں قبلۂ ایماں
جبریل کو یارا نہ ہو پہنچے کا جہاں تھا
واں احمدؐ و محمود میں فرق دو کماں تھا

گرد آنکھوں کے کس حسن سے پلکیں ہیں صف آرا
یاں مردمِ بد بیں کو نظر کا نہیں یارا
کرتی ہے ہر اک چشم کی پتلی یہ اشارا
یہ احمدِؐ مختار کی آنکھوں کا ہے تارا
قرباں ہو ان آنکھوں پہ اگر عینِ شرف ہے
ہر دم حق بیں کی نظر اُن کی طرف ہے

رُخسارۂ روشن گلِ خورشید پہ رد ہے
اس جا گلِ تر بھی عرقِ شرم میں تر ہے
یہ ریشِ مطہر نہیں ہالے میں قمر ہے
ہے صاف ہویدا کہ یہ شب ہے وہ سحر ہے
پہلو میں شبِ قدر کو یاں بدر لئے ہے
اور بدر کو ہالے میں شبِ قدر لئے ہے

ہے آئینۂ نورِ خدا گردنِ انور
چوما تھا رسولِ عربیؐ نے جسے اکثر
تھا تنگ گریبان تو روئے تھے پیمبر
واں شمرِ جفا جو نے رکھا حلق پہ خنجر
زہراؑ سے ڈرا وہ نہ علیؑ سے نہ خدا سے
کاٹا اُسی گردن کو ستمگر نے قفا سے

وہ دستِ زبردست شہنشاہِ فلک جاہ
ہاتھ آیا تھا حصے میں جسے زورِ یداللہ
تھے دستِ نگر جس کے زمانے کے شہنشاہ
اُس شاہ کے ہاتھوں کا میں کیا حال لکھوں آہ
خنجر سے گلا شمرِ بد افعال نے کاٹا
پہونچوں سے ہر اک ہاتھ کو جمال نے کاٹا

وہ سینہ جو تھا مخزنِ اسرارِ امامت
سب جانتے ہیں جس کی بزرگی و کرامت
دیکھو تو ذرا شامیوں کی شومیٔ شامت
بیٹھ اُس پہ گئے نہ کیا خوفِ قیامت
مقتل میں جو وہ شمر کے زانو سے دبا تھا
محبوبِ الٰہی کا گریبان پھٹا تھا

سینے میں زرہ حضرت داؤد کی بر میں
شیروں کو نہیں تاب یہ ہے رعب نظر میں
یاد آتے ہیں عباسؑ تو رک جاتے ہیں شبیرؑ
رانیں وہ ستون کعبۂ ایماں کی ہیں دو طاق
فاقوں سے ہے گو طاقت اعضائے بدن طاق
پروا نہیں کٹ جائے جو سر تیغ جفا سے

اس شان سے میداں میں جو پہنچے شہ ابرار
لشکر میں بجا طبل، علم کھل گئے اک بار
اک دل ہوئے سب قتل شہ جن و بشر پر
حربوں کو میانوں سے ستم گاروں نے کھینچا
تیغوں کو کمر سے جو سب اسواروں نے کھینچا
پھل برچھیوں کے رن میں چمکتے نظر آئے

حضرت نے جو دیکھی یورش لشکر اظلم
فرمایا کہ تم لاکھوں ہو اور ایک مرا دم
جب کھینچی ہے تیغ دو زباں، کھیت پڑے ہیں
یہ جنگ نہیں غزوۂ خندق سے زیادہ
جس وقت کیا عمرو نے لڑنے کا ارادہ
نصرت کے خبردار خبر لے کے پھرے تھے

سب خلق کو خیبر کی لڑائی کی خبر ہے
اور دودھ کا زہراؑ کے بھی کچھ رنگ میں اثر ہے
بچپن سے تن زار میں طاقت ہے نبی کی
بگڑوں تو ابھی نقش فنا تم کو بنا دوں
سب فوج کو شمشیر کی آتش سے جلا دوں
منظور ہے مجھ کو کہ رضا مند خدا ہو

اور تیغ ید اللہ ہے مولا کی کمر میں
اکبر کے جواں مرنے سے ہے درد جگر میں
گھوڑے پہ کمر تھام کے جھک جاتے ہیں شبیرؑ
گھٹنے ہیں سدا سجدۂ معبود کے مشتاق
مولا کی ہے ثابت قدمی شہرۂ آفاق
بڑھ کر نہیں ہٹتے ہیں قدم راہ رضا سے

اک شور ہوا گھاٹ سے دریا کے خبردار
اعدا کے پرے ہو گئے آمادۂ پیکار
فوجوں کی گھٹا چھا گئی زہراؑ کے قمر پر
چلوں کو کمانوں سے کمانداروں نے کھینچا
سر چرخ پہ جوں صاعقہ تلواروں نے کھینچا
نیزے صف دشمن میں چمکتے نظر آئے

خود نادِ علیؑ پڑھ کے بڑھے قبلۂ عالم
پر لشکر روباہ سے ڈرتے نہیں ضیغم
اکثر شہ مرداں بھی اکیلے ہی لڑے ہیں
اسوار ہوں میں آج وہ اس دن تھے پیادہ
کشتے تھے ہزاروں بسر خاک فتادہ
اور شیر خدا عمرو کا سر لے کے پھرے تھے

شبیرؑ اسی صاحب طاقت کا پسر ہے
میں سیف خدا ہوں مرے قبضے میں ظفر ہے
جو سی ہے زباں میں نے رسولؐ عربی کی
جوں حرف غلط صفحۂ ہستی سے مٹا دوں
آجاتا ہے پر رحم کہ ایذا میں کیا دوں
میری تو ظفر یہ ہے کہ سر تن سے جدا ہو

لڑتا ہی جو ہوتا مجھے اے قوم ستمگر
نیزے سے مرے سامنے مارے گئے اکبرؑ
واقف ہے خدا تم نے جو کچھ جبر کیا ہے
دل سوز نہیں داغ جگر کس کو دکھاؤں
منصف نہیں ہیں داغ جگر کس کو دکھاؤں
دل جس سے قوی تھا وہ برادر بھی نہیں ہے
اس عالم فانی سے بزرگ اُٹھ گئے سارے
جو عاشق صادق تھے وہ دنیا سے سدھارے
پھر جاتی ہے ایک ایک کی تصویر نظر میں
زد سے ہیں تیروں کی بچاتا نہیں کوئی
میدان میں سر پیٹنے کو جاتا نہیں کوئی
ہم وہ ہیں کہ سب کے تن صد پاش پہ روئے
روئے ستم آرا بھی سُن سُن کے یہ تقریر
تقصیر تمھاری ہے مری کچھ نہیں تقصیر
گو اب بھی تم اس صابر و شاکر کو اماں دو!
اک خیر ہے یہ بھی کہ مجھے شر سے بچا دو
اس سینے کو زانوئے ستمگر سے بچا دو
یثرب میں، نہ کوفے میں، نہ بطحا میں رہوں گا
صحرا کے بیابانے میں ضرر ہو جو تمھارا
شبیرؑ کو منظور ہے خود اب سے کنارا
طوف حرم خالق اکبر کو بھی چھوڑا
سرحد میں تمھاری اگر آؤں تو قسم لو
گھر شہر میں رہنے کو بناؤں تو قسم لو
صحرا میں جگہ خاک پہ سونے کو بہت ہے

میں! تم سے نہ لیتا، عوض خون برادر؟
رہ جاتا میں ہاتھوں سے کلیجے کو پکڑ کر؟
شبیرؑ نے مقدور پہ کیا صبر کیا ہے
یہ خشک لب اور دیدۂ تر کس کو دکھاؤں
ٹوٹی ہوئی پیری میں کمر کس کو دکھاؤں
قاسمؑ بھی نہیں ہے علی اکبرؑ بھی نہیں ہے
اب غیر خدا کوئی نہیں پاس ہمارے
فرزند نبیؐ اُن کو کہاں جا کے پکارے
آنکھوں سے نہاں ہو گئے سب تن پہ رہیں
اب چاند سی تصویر دکھاتا نہیں کوئی
ہم مرنے کو آئے ہیں اور آتا نہیں کوئی
اتنا نہیں کوئی جو مری لاش پہ روئے
اُس وقت یہ فرمانے لگے حضرت شبیرؑ
باز آؤ مرے قتل سے اے فرقۂ بے پیر
مظلوم کو، سیّد کو، مسافر کو اماں دو!
مظلوم کو اس ظلم کے لشکر سے بچا دو
یہ خشک گلا شمر کے خنجر سے بچا دو
میں آج سے گھر چھوڑ کے صحرا میں رہوں گا
بتلا دو پہاڑوں کی مجھے راہ خدارا
پھر شہر سے کیا، جب نہ رہا کوئی ہمارا
لو گھر کو بھی اور قبر پیمبرؐ کو بھی چھوڑا
صورت بھی کسی کو جو دکھاؤں تو قسم لو
روضے پہ محمدؐ کے جو جاؤں تو قسم لو
اور کوہ کا دامن مرے رونے کو بہت ہے

ہر رجس سے میں پاک ہوں طاہر مجھے سمجھو!
عالم ہوں ہر اک علم کا ماہر مجھے سمجھو!
روضے کا محمدؐ کے مجاور مجھے سمجھو!
حاجی ہوں میں کعبے کا مسافر مجھے سمجھو!
میں یہ نہیں کہتا کہ نواسا ہوں نبیؐ کا
زوار تو ہوں قبرِ رسولِ عربیؐ کا

محتاج ہوں گھر میں زر و زیور نہیں رکھتا
خوش ہو کے جسے لوٹو گے وہ گھر نہیں رکھتا
تکیے پہ بجز خاک کبھی سر نہیں رکھتا
میں قاقم و سنجاب کا بستر نہیں رکھتا
کپڑے بھی تکلف کے نہیں زیبِ بدن ہیں
ہے ایک عبا چھال کی اور رختِ کہن کی

ناموس مرے فاقہ کشی میں بھی ہیں خورسند
اک ایک ہے زہراؑ کی طرح صبر کا پابند
راضی وہ خدا سے ہیں خدا ان سے رضامند
چادر کوئی ایسی نہیں جس میں نہ ہو پیوند
غش آتے ہیں پر حق کی عبادت نہیں جاتی
فاقوں میں بھی قرآں کی تلاوت نہیں جاتی

مختارِ دو عالم ہوں یہ کیا تم سے کہوں حال
فاقے سے بھی سو رہتے ہیں اکثر مرے اطفال
دنیا کا طلبگار نہیں فاطمہؑ کا لال
صرفِ رہِ خالق ہے ملا کچھ جو زر و مال
واں ہو گا تہی دست جو یاں دے نہیں جاتا
اسبابِ جہاں ساتھ کوئی لے نہیں جاتا

مجھ سے بھی سخی ہیں حرمِ سیدِ عالی
سائل کبھی جاتا نہیں دروازے سے خالی
چہرے پہ فقیری میں بھی رہتی ہے بحالی
شکوے کی کبھی بات نہیں منہ سے نکالی
کچھ کام انھیں لذتِ دنیا سے نہیں ہے
کہنہ تو ردائیں ہیں غذا نانِ جویں ہے

بہنیں مری زہراؑ سے بزرگی میں نہیں کم
اک عفت جو ہے تو اک ثانیِ مریمؑ
بعد اپنے انھیں کی ہے تباہی کا مجھے غم
خنجر کے تلے نکلے گا مشکل سے مرا دم
گھبرائی ہوئی خیمۂ ویراں میں پھریں گی
سر پیٹتی لاشے پہ مرے آکے گریں گی

بولا یہ حصین ابنِ نمیرِ ستم آرا
زینبؑ کی تباہی جو نہیں تم کو گوارا
پھر کس لئے ہے بیعتِ حاکم سے کنارا
یہ عجز نہ مانا ہے نہ مانیں گے تمہارا
شرمندہ ہوں گو احمدِ مختار کے آگے
سر کاٹ کے لے جائیں گے سردار کے آگے

اب یاں سے کہاں جاؤ گے راہیں ہیں تو مسدود
اور گرد ہیں دو لاکھ جواں قتل پہ موجود
حضرت نے کہا دور ہو او ظالمِ مردود
چاہوں تو اشارے میں یہ سب فوج ہو نابود
عاقل کبھی فاسق کی اطاعت نہیں کرتے
سر دیتے ہیں دیندار پہ بیعت نہیں کرتے

کیا ہوگا اگر چار طرف بند ہیں راہیں
مفتاحِ درِ خلدِ بریں ہیں مری آہیں
اک دم میں سر اب تن سے جُدا کرتا ہے شبیرؑ
بڑھ کر صفِ جنگاہ سے اک ظالمِ غدار
لہراتی ہے کیا نہر مثالِ شکمِ مار
دریا سے تو یہ شام کا لشکر نہ ہٹے گا
حضرت نے کہا سوئے فلک ہاتھ اُٹھا کر
فرما چکے تھے یہ ابھی سبطِ پیمبرؐ
پاس اُن کے ہر اک شخص لئے جاتا تھا پانی
دی تھی جو دُعا بد اُسے شاہِ دوسرا نے
سقوں کے پرے کھولے تھے مشکوں کے دہانے
چلاتا تھا وہ پیاس مری آہ بجھا دو
تھے پیاس کی گرمی سے زباں جان کے لالے
غیرت سے کھڑے کانپتے تھے دیکھنے والے
ہر موج کا خم اُس کے لئے ناگ ہوا تھا
آنکھوں کو نکالے تھے حبابوں کا یہ حال
دریا اُسے ترحم کے لئے دیتا تھا پامال
جھکتا تھا جو پینے کو تو ہٹ جاتا تھا پانی
واں بھی نہ بجھی پیاس گرا نہر میں بے پیر
گرداب بنا طوق تو موجیں ہوئی زنجیر
قطرہ بھی نہ اک حلقِ جفا کار میں پہونچا
دیکھا پسرِ سعد نے جس وقت یہ اعجاز
ہے آلِ رسولِ عربیؐ بحر میں ممتاز
جب حلق سے شبیرؑ کے شمشیر ملے گی

کُھل جائیں درِ قصرِ فلک گر ابھی چاہیں
ہم وہ ہیں کہ جو مُنھ سے کہیں اُس کو نباہیں
عاجز نہیں حجّت کو ادا کرتا ہے شبیرؑ
چلّایا کہ دیکھو تو اِدھر یا شہِ ابرار
پر آپ کو قطرہ بھی نہیں ملنے کا زنہار
پیاسا ہی گلا آپ کا خنجر سے کٹے گا
اِس وقت سزا دے اسے اے خالقِ اکبرؑ
ناگاہ اُدھر پیاس کا غلبہ ہوا اُس پر
کم ہوتی نہ تھی پیاس پئے جاتا تھا پانی
اک آگ کلیجے میں لگا دی تھی قضا نے
جلتا ہوا گھر جاتے ہیں جس طرح بجھانے
اب خانۂ تن جلتا ہے للہ بجھا دو
ساحل پہ گرا جا کے زباں منھ سے نکالے
جب پانی پیا حلق میں سو پڑ گئے چھالے
پانی کا بھی اُس وقت مزاج آگ ہوا تھا
موجوں کے طمانچوں سے ہوا جاتا تھا منھ لال
مچھلی سا تڑپتا تھا کنارے وہ بدافعال
بڑھتا تھا وہ سفّاک تو ہٹ جاتا تھا پانی
دریا میں ہوا شور یہ ہے دشمنِ شبیرؑ
ناگاہ وہیں موت ہوئی آ کے گلوگیر
پانی میں لعیں غرق ہوا نار میں پہونچا
گھبرا کے جفا جو نے یہ دی فوج کو آواز
شبیرؑ کا سر لاؤ جو ہونا ہے سرافراز
منصب نہیں ہاتھ آئے گا جاگیر ملے گی

جس وقت سُنی یہ پسرِ سعد کی تقریر
میداں سے بڑھے چند قدم حضرتِ شبیر
فرمایا کہ رکھ دوں گا گلا خود تہِ شمشیر
دو باتیں ہیں سُن لے انھیں او ظالمِ بے پیر
تو نے جو بلایا تو مدینے سے ہم آئے
تجھ سے نہیں ہوتا کہ اِدھر دو قدم آئے

تھرا کے یہ بولا پسرِ سعد جفا کار
اس دم سے جلال آپ کو یا سیدِ ابرار
پہلے جو اماں دیجے تو حاضر ہو گنہ گار
حضرت نے کہا مکر نہیں ہم کو سزاوار
ہم سا تو کریم آج دو عالم میں نہیں ہے
ڈرتا ہے عبث عیب و دغا ہم میں نہیں ہے

بکلا وہ لعیں چترِ زری سر پہ لگائے
پاس اُس کے حسین ابنِ علی دھوپ میں آئے
چپ تھا وہ شقی سر کو خجالت سے جھکائے
فرمایا کہ بے کس ہے تو آنکھ چرائے
پانی کا نہ طالب ہوں نہ سائل ہوں اماں کا
غم ہے مجھے ناموسِ رسولِ دو جہاں کا

تو بھی ہے قریشی تجھے لازم ہے مرا پاس
تنہا ہوں نہ اکبر ہے نہ قاسم ہے نہ عباس
سر کٹنے کا اپنے مجھے مطلق نہیں وسواس
غم یہ ہے کہ ناموسِ نبی ہوتے ہیں بے آس
جب روتے ہیں وہ دل پہ چھری چلتی ہے غم کی
آیا ہوں ترے پاس سفارش کو حرم کی

یہ فوج تری بعد مرے گھر کو نہ لوٹے
رانڈوں کے سروں سے کوئی چادر کو نہ لوٹے
خوگی ہے یہ کہہ بانوئے بے پر کو نہ لوٹے
نادار ہے کوئی مری خواہر کو نہ لوٹے
دنیا نہیں رہنے کی اسے جب تعب آیا
چادر سرِ زینب سے چھینی اور غضب آیا

جب بعدِ ظفر شمرِ لعیں لوٹنے جائے
لازم ہے کہ تو چادرِ زینب کو بچائے
حاشا یہ کوئی دستِ تعدی نہ اٹھائے
کوئی مرے بچوں کو طمانچے نہ لگائے
ہو تجھ سے جو یہ امر تو احسان ہے تیرا
ورنہ مرا ہاتھ اور گریبان ہے تیرا

اور دوسرے کٹ جائے گا جب تن سے سر مرا
رو دیں گی مری لاش پہ سر پیٹ کے مادر
کہنہ سا جو پہنے ہوں میں ناموسِ پیمبر
تن پر سے اُتارے نہ اسے کوئی ستمگر
غارت نہ ہو لولاک کی پوشاک نہ کھینچو
عریاں مرا لاشہ تہِ افلاک نہ کھینچو

حضرت کا سخن سن کے نہ بولا وہ جفا کار
اپنی صفِ لشکر میں گیا چھیڑ کے رہوار
اشک آنکھوں میں بھر کر یہ پکارے شہِ ابرار
سمجھا ترے مطلب کو میں اے عالمِ غدار
تو دستِ تعدی کو نہ کوتاہ کرے گا
رانڈوں کی حمایت مرا اللہ کرے گا

بیکس کو مسافر کو کفن کچھ نہیں درکار
رونے کو نہ ہوں ماں نہ بہن کچھ نہیں درکار
ملبوس تو ہے رخت کہن کچھ نہیں درکار
مظلوم کو آرائش تن کچھ نہیں درکار
مُردوں کو نہ رہتی ہے ہوس اور نہ طلب کچھ
جب جا کے ملے خاک میں پھر خاک ہے سب کچھ

اعدا سے یہ فرماتے تھے حضرت کہ چلے تیر
اور قول کے نیزوں کو بڑھے فوج سے بے پیر
کھینچی پسر شیر الٰہی نے جو شمشیر
گیتی کو تزلزل ہوا کانپا فلک پیر
حضرت نے تو اس برق مجسم کو سنبھالا
کرّوبیوں نے عرش معظم کو سنبھالا

سکان سماوات بھی گھبرا گئے سارے
تھرانے لگی گاو زمیں خوف کے مارے
جبریل امیں نادِ علی پڑھ کے پکارے
کاٹا ہے ابھی تیغ نے شہپر کو ہمارے
عالم کو دو عالم کا شہنشاہ بچائے
اس برق جہاں سوز سے اللہ بچائے

تھی آگ ہوا آتش شمشیر دو سر سے
طائر گرے گھبرا کے ادھر بحر میں پر سے
پریوں کے اُڑے ہوش کہ آگ آئی کدھر سے
جنات پہاڑوں میں چھپے جان کے ڈر سے
غل تھا کہ نہ قلزم پہ یہ برق اجل آئے
ساحل سے ادھر مردم آبی نکل آئے

اژدر سے چھٹا غار تو شیروں سے چھٹا بن
اور آہوؤں نے چھوڑ دیا کوہ کا دامن
مُرغان ہوا بھول گئے اپنے نشیمن
وحشت سے چرندے بھی اُٹھانے لگے گردن
لرزاں و تپاں کون نہ تھا کون و مکاں میں
آثار قیامت نظر آتے تھے جہاں میں

تلوار کو چمکا کے پکارے شہ عالم
ہیں رزم پہ آمادہ ہوں نکلے کوئی اظلم
سب مل کے گھر آتے ہو تو اس کا نہیں کچھ غم
لڑنے میں ہزاروں سے کبھی بند نہیں ہم
کُھل جائے گا احوال دم جنگ تمہارا
اس میں بھی مرا نام ہے اور ننگ تمہارا

فرزند ید اللہ کئی بار پکارا
دو لاکھ میں بڑھنے کا نہ تھا ایک کو یارا
مردود کے سر پر اجل آئی جو قضارا
نکلا صف لشکر سے تمیم ستم آرا
کافر کو غرور اپنی شجاعت پہ بڑا تھا
اکثر صف لشکر میں اکیلا ہی لڑا تھا

پہنے ہوئے چار آئنہ و جوشن و مغفر
اور کہنیوں تک ہاتھوں میں تھے تانبے برابر
اسپ دو دو کا بہ تہمتن دیو سا پیکر
شہ زور سے پُر زور تو رستم سے قوی تر
ہونٹوں کو چباتا تھا یہ غصے میں بھرا تھا
پیچھے ستم آرا کے سواروں کا پرا تھا

نیزہ وہ جسے دیکھ کے کانپے فلک پیر
گھر موت کا تھی قوس تو پیغام اجل تیر
تھرائی زمیں چوب لگی طبل دغا پر
کج باز نے سیدھا جو کیا نیزۂ خونخوار
چلایا کماں لے کے وہ بدکیش و خطا کار
سایہ جو پڑا شاہ کی تیغ دو زباں کا

جس وقت کہ ترکش میں نہ سرکش کے رہے تیر
قبضے میں جفا جو نے لیا قبضۂ شمشیر
اک جست میں سر پر فرس تیز قدم تھا
پھر سر پہ چمک کر جو وہ برق اجل آئی
گردن سے جو ترچھی گئی زیر بغل آئی
پہلے تو سلامت ستم آرا نظر آیا

زینب نے در خیمہ سے دیکھا جو یہ ساماں
یہ پیاس کئی دن کی یہ دھوپ اور یہ میداں
بیٹی جو چھٹے باپ سے پالا نہیں جاتا
خود پردے کے پاس آ کے سکینہ نے پکاری
لڑنے سے فدا آپ کی تنہائی کے واری
اماں کا مری غم سے عجب حال ہے بابا

تیکھے علی اصغر کے شکنجے سے لگائے
نزدیک ہے بابا کہ اب اماں کو غش آئے
گودی میں دیا کس کو کدھر کھو گئے اصغر
میداں میں سنی شہ نے سکینہ کی جو زاری
بیٹی کو پکارے کہ نہ رو وائے مری پیاری
فرزند یہیں ہیں یہیں مر جائیں گے بی بی

اور کوہ سے لنگر نہ اٹھے جس کا وہ ستمگر
وہ واں سے چلایاں سے بڑھے حضرت شبیر
حملہ کیا نامرد نے شاہ شہدا پر
تلوار سے دو کر دیا شہ نے اسے اک بار
لو اب یہ پیام اجل آتا ہے خبردار
ترکش تھا، نہ چلہ تھا، نہ حلقہ تھا کماں کا

تھرایا جگر سہم گیا خوف سے بے پیر
فرما کے خبردار بڑھے حضرت شبیر
کھینچے بھی نہ پائی تھی کہ بس ہاتھ قلم تھا
نازل غضب خالق عزوجل آئی
کھینچا جو بغل سے تو کمر سے نکل آئی
گھوڑے سے گرا جب تو دو پارہ نظر آیا

چلائی کہ بھیا بہن اس ضرب کے قرباں
جلد آؤ کہ اب تن سے نکلتی ہے مری جاں
اب مجھ سے سکینہ کو سنبھالا نہیں جاتا
اے سبط نبیؐ ابن علیؑ عاشق باری
نزدیک تو آؤ کہ بلائیں لوں تمہاری
یہ ہاتھوں سے پیٹتی ہیں کہ منہ لال ہے ابا

چلائی ہیں کیا ہو گئے ہے ہے مرے جائے
میداں سے تم اب تک مرے بھیا کو نہ لائے
دریا کی ہوا کھاتے ہی کیا سو گئے اصغر
صابر تھے مگر آنکھوں سے آنسو ہوئے جاری
اب ہوگی قیامت میں ملاقات ہماری
اصغر نہ جئیں گے نہ ہم اب آئیں گے بی بی

یہ سن کے لگی پیٹنے سر زینبِ مضطر
تیروں کی ہوئی مار چلے نیزہ و خنجر
[illegible]اوں سے پیادوں کو کچل جاتا تھا گھوڑا
اک صف سے گئے دوسری صف سے نکل آئے
لڑ بھڑ کے ہر اک تیغ بکف سے نکل آئے
اک برق گری اڑ کے جدھر آ گیا گھوڑا

جس رخ کو سواروں کا رسالا نظر آیا
برچھی بھی نظر آئی نہ بھالا نظر آیا
گھوڑے تو الٹ ہو کے سوار دق گرے تھے
صفدر نے سواروں کے رسالوں کو نہ چھوڑا
بے قتل کئے برچھیوں والوں کو نہ چھوڑا
کس کا یہ کلیجہ تھا کہ جو نوک کے لڑتا

رن میں قدمِ لشکرِ کفار نہ ٹھہرے
بھاگے صفتِ تیر کماں دار نہ ٹھہرے
زندوں کو بھی مُردوں میں قلم بند کیا تھا
ہٹ ہٹ کے جاتے تھے ستمگار صفوں کو
دم لینے نہ دیتی تھی وہ تلوار صفوں کو
ہر سو تنِ بے سر کے سرِ بے تن نظر آئے

جب ضربتِ سرور کی لعیں لا نہ سکتے تاب
ناداں تھے جنھوں نے نہ کیا آپ کا آداب
جیتا یہ نہ چھوڑے گی کسی پیر و جواں کو
حضرت سے بر آئے گی تنہیں ساری خدائی
ناگاہ صدا شیرِ الٰہی کی یہ آئی
امت کو نہ برباد مری جان کرو تم

واں شہ پہ جھکا چاند صفیں باندھ کے لشکر
یاں شیرِ خدا کہہ کے دھنسے فوج میں سرور
بجلی سا ہر اک صف سے نکل جاتا تھا گھوڑا
دہنے سے گئے بائیں طرف سے نکل آئے
گھر کر مددِ شاہِ نجف سے نکل آئے
جب باگ لی برچھیوں پھرا گیا گھوڑا

دم میں وہیں اسپِ شہِ والا نظر آیا
سب شام کا لشکر تہ و بالا نظر آیا
اسوار پیادوں کی قطاروں پہ گرے تھے
ثابت صفِ جنگاہ میں بھالوں کو نہ چھوڑا
بے دو کئے تلوار نے ڈھالوں کو نہ چھوڑا
کیا منہ تھا جو اک وار کوئی روک کے لڑتا

دم میں صفِ ہیجا میں ستمگار نہ ٹھہرے
پیدل کا تو کیا ذکر ہے اسوار نہ ٹھہرے
اک تیغ نے دو لاکھ کا دم بند کیا تھا
پامال کئے دیتا تھا رہوار صفوں کو
دو حملوں میں جو رنگ کیا چار صفوں کو
میداں میں نہ اسوار نہ توسن نظر آئے

چلائے کہ اے باغِ نبی کے گلِ شاداب
لے جاتے ہیں ہم نہر سے مشکیزۂ پر آب
للہ بس اب روکیے تیغِ دو زباں کو
فریاد علی کی ہے محمد کی دہائی
شبیر بس اعدا نے سزا ظلم کی پائی
اب روحِ محمد کی طرف دھیان کرو تم

تم قول کے صادق ہو نہیں غیظ کا ہنگام
اپنی بھی رکھی بات ہمارا ابھی کیا نام
یہ چاند سی گردن تہِ خنجر بھی دکھا دو
بیٹوں کو نذر دو کہیں مر کے بھی جاتے ہیں
در ہائے فلک قدسیوں نے کھول دیئے ہیں
سر نذر کرو صادق الاقرار ہو تم تو

آواز پدر سنتے ہی تلوار کو روکا
کفار پہ چلتی ہوئی تلوار کو روکا
فرمایا اب اٹھے گا نہ ہاتھ اہل جفا پر
تلواریں لگانے لگے پاس آ کے جفا جو
تیغوں سے کٹے ابن یداللہ کے بازو
سب خوں میں محمد کی قبا لال ہوئی تھی

خاتون قیامت کی صدا دشت سے آئی
چلائی زینب کہ سفر کرتے ہیں بھائی
بھائی کی مدد کرنے کو آتا نہیں کوئی
یاں ضعف سے مرنے پہ جھکے جاتے تھے سرور
تیروں سے مشبک تھا وہ سب سینۂ انور
شہ کھاتے تھے تلواریں موئی جاتی تھی زینب

چلاتی تھی لوگو مرے بھائی کو نہ مارو
للہ مجھے فاطمہ کے لال پہ وار دو
ٹھہرو ابھی زخمی نہ کرو تیغ و تبر سے
صف باندھ لو یا کر لو تمہیں خیمے کا پردا
واں ذبح کرو ہے جہاں عباس کا لاشا
صدمہ نہیں دنیا میں جدائی کے برابر

صدقے ترے اے فاطمہ زہرا کے گل اندام
بس ختم ہوئی جنگ رکھو ہاتھ سے صمصام
اللہ کو اب صبر کے جوہر بھی دکھا دو
محبوب خدا چاک گریبان کئے ہیں
جبریل امیں قتل کے محضر کو لئے ہیں
امت کی شفاعت کے طلبگار ہو تم تو

پھر بڑھ کے نہ پیدل کو نہ اسوار کو روکا
روکا اسے کیا برق شرربار کو روکا
موقوف رکھا ہم نے یہ انصاف خدا پر
سر زخمی ہوا ڈوب گئے خوں میں گیسو
پہلوئے مبارک پہ لگے تیر سہ پہلو
بھائی کا یہ عالم تھا کہ غربال ہوئی تھی

گرتا ہے مرا لال دہائی ہے دہائی
اب کیا کروں ہے ہے مری اماں کی کمائی
ہے ہے مرے سید کو بچاتا نہیں کوئی
لگتا تھا بدن پر کبھی نیزہ کبھی خنجر
تھے ایک ہزار اور کئی سو زخم بدن پر
ہر وار پہ خیمے سے نکل آتی تھی زینب

شبیر کے بدلے مرا سر تن سے اتارو
شہ کہتے تھے عاشق یہ بہن ہے مری یارو
او جھل مجھے ہو لینے دو زینب کی نظر سے
یا گھیرے ہوئے لے چلو مجھ کو لب دریا
تا دیکھے نہ سر کٹتے مرا دختر زہرا
شبیر کی بھی لاش ہو بھائی کے برابر

کہتے تھے یہ حضرت کہ لگا پشت پہ بھالا
جبریل نے قدموں سے رکابوں کو نکالا
غش ہو گیا طاری جو شہِ عرش نشیں پر
مرکب سے جدا ہو کے جو تڑپے شہِ ابرار
فرمایا کہ منزل پہ یہ پہونچا ترا اسوار
اب تیغ لیے ذبح کو جلاد بڑھے گا
نیزے کی سواری ہے اب اے فاطمہ کا لال
ٹاپوں کے تلے لاش مری ہوئے گی پامال
سجاد کو آگاہ مرے حال سے کر دے
گھوڑے کو شہِ دیں نے یہ پیغام دیا جب
خالی اُسے دیکھا تو لگی پیٹنے زینب
زخمی نہ ہو ایسی نہ کوئی تن پہ جگہ تھی
شمرِ ستم آرا نے جو خنجر کو نکالا
ہاتھوں سے کلیجے کو محمدؐ نے سنبھالا
قاتل کو تو کچھ منھ سے نہ فرماتے تھے حیدر
قرآن پہ رکھنے جو لگا پاؤں ستمگار
بحروں میں تلاطم ہوا ٹکرا گئے کہسار
سینہ جو دبا نیزوں کی سریاں نکل آئیں
گردن پہ جو خنجر کو ستمگار نے رکھا
بے رحمی سے جلاد نے پوچھا سبب اس کا
برپا نہ کہیں حشر ہو خنجر کے چلے پہ
سب جانتے ہیں شرع میں ہے حکمِ پیمبر
یاں در پہ کھڑی پیٹتی تھی زینبِ مضطر
شہ ذبح ہوئے زینبِ دلگیر کے آگے

فردوس پہ غش کھا کے گرے شبیرِ والا
چلائے نبی ہائے مری گود کا پالا
بس ٹیک دیا گھوڑے نے گھٹنوں کو زمیں پر
گردِ شہِ دیں ہو کے لگا پھرنے وہ رہوار
رخصت ہو کہ سر اُترے تو ہم بھی ہوں سبکبار
قاتل تری اسوار کی چھاتی پہ چڑھے گا
اُلفت ہے تجھے دیکھ سکے گا نہ مرا حال
زینب نکل آئے نہ کہیں کھولے ہوئے بال
جا! بانوئے بیکس کو رنڈاپے کی خبر دے
خیمے کو چلا سر کو ٹپکتا ہوا مرکب
یاں قبلۂ عالم پہ لعیں ٹوٹ پڑے سب
ہاں خنجرِ خونخوار کی گردن پہ جگہ تھی
سجدے میں جھکا فاطمہؑ کی گود کا پالا
زہرا نے کہا ہائے مرا گیسوؤں والا
فرزند سے ہر بار لپٹ جاتے تھے حیدرؑ
تھرائی زمیں کانپ گیا گنبدِ دوّار
مجروح تھے سر تا بہ قدم سیدِ ابرار
سر کھولے ہوئے قاف سے پریاں نکل آئیں
حضرتؐ نے اشارہ کیا اک لحظہ ٹھہر جا
فرمانے لگے رو کے شہِ بیکس و تنہا
اماں نے گلا رکھ دیا ہے میرے گلے پر
حیواں کو کرو ذبح نہ حیواں کے برابر
دکھلا کے اُسے شمر نے کاٹا سرِ سرور
بھائی کا گلا کٹ گیا ہمشیر کے آگے

یہ وقت دعا کا ہے انیس اب نہ ہو غافل
یا رازق و یا حافظ و یا خالق و عادل

عالم میں بہ حشمت رہے یہ بانیٔ محفل
سب مطلب دل ہوں تری درگاہ سے حاصل

ہر لحظہ فزوں دولت و اقبال و حشم ہو
غم ہو تو فقط فاطمہ کے لال کا غم ہو

مرثیہ
بند

جب جنگ کو میداں میں شہِ تشنہ لب آیا
اس فوج پہ آفت ہوئی نازل غضب آیا
کیا شاد تھے سب مار کے ہم شکل نبیؐ کو
ہم کہتے تھے ہم شکل پیمبرؐ کو نہ مارو
نیزہ پسرِ نائبِ حیدر کو نہ مارو
اکبر سا پسر جس کا جواں سامنے مر جائے
کب زندگی سوجھے اسے فرزند کے غم میں
ڈھونڈھو گے تو جیتا نہ ملے گا کوئی ہم میں
سمجھو نہ اکیلا یہ ہزاروں سے لڑے گا
تم دیکھو تو کس حال سے آتا ہے یہ رن میں
ہے پیاس سے بے کام زباں کام و دہن میں
آنکھیں نظر آتی ہیں جو سرخ ابنِ علیؑ کی
اک بولا کہ کیوں خوف سے کرتے ہو یہ تقریر
نے زخم کوئی نیزے کا کھایا ہے نہ شمشیر
لڑنے کا ارادہ نہیں پہچانتے ہیں ہم
حضرت نے کہا سن کے کہ اے قومِ ستمگار
تم جانتے ہو میری کمر میں ہے وہ تلوار
پر بازوؤں کا زور تو سب لے گئے عباسؑ
طاقت جو جگر کی تھی وہ اکبرؑ کے گئی ساتھ
دل میں نہ ہو طاقت تو مجھے جنگ کی کب بات
تب تک مجھے آرام نہ ہووے گا جہاں میں

اعدا میں پڑا غل کہ امیرِ عرب آیا
اب تک لئے آیا تھا غضب پر اب آیا
اب روکے کوئی سبطِ رسولِ عربی کو
پچھتاؤ گے دیکھو علی اکبرؑ کو نہ مارو
مارو نہیں پر اس مہِ انور کو نہ مارو
انصاف کرو تم کہ وہ کیا مرنے سے ڈر جائے
لشکر کو یہ ستھراؤ کرے گا کوئی دم میں
یہ شیرِ غضبناک ہے بچے کے الم میں
اکبر نہ جئے گا نہ اسے چین پڑے گا
بے جنگ کیے ضعف سے غش ہے جو ان کا
قوت نہ رہی قوتِ بازوئے حسنؑ میں
رویا ہے بہت لاش پہ ہم شکلِ نبیؐ کی
گھبراؤ نہ مجروح نظر آتا ہے شبیرؑ
حالت ہے مگر سیّدِ مظلوم کی تغیر
اب صلح بھی گر چاہیں تو کب مانتے ہیں ہم
ڈرتا نہیں تم سے خلفِ حیدرِ کرار
بچتا نہیں ہے ضرب سے جس کی کوئی زنہار
بھائی کو فقط اپنا الم دے گئے عباسؑ
اکبر نہیں جیتا ہم ابھی جیتے ہیں ہیہات
جب تک علی اکبرؑ سے نہ ہووے گی ملاقات
پڑ جائے کہیں تفرقہ جلدی تن و جاں میں

تم اب مجھے زخمی جو بتاتے ہو بجا ہے
مجروح اسی تیر نے مجھ کو بھی کیا ہے
فرقت ہوئی ہے جب سے پدر اور پسر میں
اب ہوش مجھے کچھ نہیں اپنے تن و سر کا
دکھلائے خدا داغ کسی کو نہ پسر کا

گو جسم کا تیغوں سے ہر اک بند جدا ہو
راضی تھا میں تیغوں سے لہو میرا بہاتے
تم کاٹ کے شانوں سے مرے ہاتھ گراتے
کچھ غم نہ تھا پامال جو کرتے مرے تن کو
مرتا ہے عزیز ایک جو دنیا میں کسی کا
لشکر تھا ابھی سبط رسول عربی کا

اک جاں ہے سو محبوس غم و رنج و بلا ہے
میرے لئے ایک ایک نے جاں اپنی گنوائی
اب پاس نہ بیٹا نہ بھتیجا ہے نہ بھائی
تنہائی میں جینے کا مزا آہ نہیں ہے
عباس علی دیکھ نہ سکتے مجھے مرتے
اکبر نہیں جو قبر میں لاشا مرا دھرتے

پر غم نہیں کچھ پاس نہ ہونے سے کسی کے
گو خشک دہن میں ہے زباں تشنہ لبی سے
پھر جائے اگر سارا جہاں سبط نبی سے
تنہا مرے ہونے میں کچھ اسرار نہاں ہے
بچپن سے مرے حال پہ اس کی ہے عنایت
بابا کی طرح مجھ میں بھی ہے زور امامت
آج اس کے کرم سے بھی مقدور ہے مجھ کو

جو تیر گلے پر علی اصغر کے لگا ہے
پر زخم مرے بازو کا واللہ یہ کیا ہے
اس زخم سے گہرا ہے کہیں زخم جگر میں
سب جتنوں میں عاشق تھا میں اس رشک قمر کا
یہ زخم کہاں اور کہاں زخم جگر کا

ہر باپ کے سینے سے نہ فرزند جدا ہو
برچھی مگر اکبر کی نہ چھاتی پہ لگاتے
پر دست ستم بازو پہ میرے نہ اٹھاتے
گھوڑوں سے کچلتے نہ مگر ابن حسن کو
کیا حال کہوں ہوتا ہے اس شخص کے جی کا
اب کوئی بجز یاس نہیں ابن علی کا

اک دل ہے سو داغوں سے عزیزوں کے بھرا ہے
کیا کیا ہے صدمے ہوئی کس کس سے جدائی
سب مر گئے افسوس مجھے موت نہ آئی
دنیا سے ہے کوچ اور کوئی ہمراہ نہیں ہے
قاسم نہیں عمو کی مدد آ کے جو کرتے
تنہا جو نہ ہوتا تو یہ صدمے نہ گزرتے

اللہ تو ہے سر پہ حسین ابن علی کے
بندہ وہ جسے کام ہو خالق کی خوشی سے
نومید نہ ہوں ذات جناب احدی سے
وہ خوب سمجھتا ہے مجھے فہم کہاں ہے
سب طرح کی بخشش ہے مجھے قوت و قدرت
اک پل میں اگر چاہوں تو کر دوں تہ غارت
پر اس کی جو مرضی وہی منظور ہے مجھ کو

جیسے رُفقا تھے پھر اگر ویسے ہی پاؤں
کچھ دھیان عزیزوں کی محبت کا نہ لاؤں
تنہائی میں بھی تابعِ مرضیٔ خدا ہوں
پر حیف کہ کچھ قدر نہ کی تم نے مری آہ
جو مجھ پہ کیا ظلم، خدا اس سے ہے آگاہ
اکبرؑ کا، نہ اصغرؑ کا، نہ عباسؑ کا غم ہے
مظلوم کو سیّد کو زیادہ نہ ستاؤ
للہ مرے قتل سے اب ہاتھ اُٹھاؤ
بے جان کرو گے آج جو فرزندِ علیؑ کو
گر راضی ہو اس امر پہ اے قومِ جفاکار
بے دفن پڑے ہیں جو عزیز اور مرے انصار
مارے گئے جو یاں مرے ساتھ آ کے وطن سے
تھوڑی سی بھی مہلت اگر اس وقت میں پاؤں
آغوشِ لحد میں علی اکبرؑ کو سلاؤں
پنہاں کروں لختِ دلِ شبّرؑ کو زمیں میں
اعدا سے جو شبیرؑ نے رو کر یہ کہی بات
جانے دیں کہیں یاں سے یہ جا ہیں خیالات
کس طرح بھلا گاڑو گے منقاد و دو تن کو
شہ بولے مرا قتل ہی گر مدِّنظر ہے
پیاسا ہو وہ جو ساقیٔ کوثر کا پسر ہے
مرتے ہوئے کے منہ میں چوآتے ہیں پانی
جس روز بپا ہووے گا ہنگامۂ محشر
مختارِ شفاعت کا کرے گا مجھے داور
بے کس ہوں پہ اس دن میں ہی کام آؤں گا واللہ

صدمے کروں اس راہ میں غم ان کا نہ کھاؤں
قربان کروں سب کو اور اُمت کو بچاؤں
نانا تھے فدا تجھ پہ میں اُمت پہ فدا ہوں
اب بھی میں نکل جاؤں جو روکو نہ مری راہ
اس پر بھی خصومت مجھے تم سے نہیں واللہ
ناموسِ محمدؐ کی تباہی کا الم ہے
میں جاؤں کسی سمت کو تم شام کو جاؤ
احسان مرے نانا کے تو نہ دل سے بھلاؤ
کیا منہ نہ دکھاؤ گے رسولِ عربیؐ کو؟
تو اتنی اجازت کا بھی ہوں تم سے طلبگار
قبریں کروں ان بیکس و مظلوموں کی تیار
کیونکر انہیں محروم رکھوں گور و کفن سے
تو خاک میں ان چاند سے ٹکڑوں کو چھپاؤں
اک ننھی سی تربت علی اصغرؑ کی بناؤں
گاڑوں تنِ عباسِ دلاور کو زمیں میں
یوں کہنے لگے تیغوں کو چمکا کے وہ بدذات
اب قتل سے حضرت کے اٹھا دیں گے نہ ہم ہات
محتاج رہو گے تمہیں جب گور و کفن کو
تو پیاسے کو کیا پانی پلانے میں ضرر ہے
انصاف کرو دل میں ذرا دھیان کدھر ہے
حیواں کو دمِ ذبح پلا دیتے ہیں پانی
اور پیاس سے سب خلقِ خدا ہووے گی مضطر
ہوگا نہ کوئی میرے سوا ساقیٔ کوثر
جنت میں جسے چاہوں گا لے جاؤں گا واللہ

کہہ کر یہ سخن پانی جو مانگا کئی باری
افواجِ ستم درہم و برہم ہوئی ساری
رو دیتے تھے سرور جو لبِ خشک دکھا کر
تب شمرِ ستمگر نے یہ بڑھ کر کیا مذکور
شہ نے کہا ظالم ترا اتنا نہیں مقدور
تو چشمے اگر سامنے پانی کے بہیں گے
اب لطف بھی یہ پانی کے پینے میں نہیں ہے
کچھ دور نہیں ساقیٔ کوثر بھی قریں ہے
کیا غم ہے جو یاں ہم کو میسر نہیں پانی
لو اس پہ بھی راضی ہوں جو پانی بھی نہ دو تم
سب مل کے عبث گھیر کے مجھ کو کھڑے ہو تم
ہے داغِ غمِ اکبر و عباس جگر میں
دستور ہے یہ جنگِ شجاعانِ عرب کا
انصاف کرو دل میں یہ انصاف کی ہے جا
تنہا کو جو مارا تو بڑا کام نہیں ہے
اعدا نے کہا سن کے یہ شبیر کی گفتار
ایک ایک لڑے گا نہیں اس بات میں تکرار
فاقوں میں یہ حق تھا فرسِ تیز قدم میں
مقتل میں ابو مخنف راوی نے ہے لکھا
اک شخص ادھر بھی تھا فنِ جنگ میں یکتا
سر تا بہ قدم آہن میں مسلح وہ جواں تھا
حضرت سے کہا اُس نے کہ اے مرد فرماں
سب اپنے عزیزوں کو بلا جنگ کی خاطر
تنہا ہوں میں اب کوئی مرے پاس نہیں ہے

مظلومی شبیر پہ رونے لگے ناری
اور آنکھوں سے گھوڑوں کے بھی آنسو ہوئے جاری
نزدیک تھا پانی جو پلا دے کوئی آ کر
پانی نہ ملے گا تمہیں یہ دل سے رکھو دور
پر مرضیٔ معبود یہی ہے تو ہیں مجبور
صابر بھی ہم ایسے ہیں کہ پیاسے ہی مریں گے
سب مر گئے پیاسے مری اک جان حزیں ہے
جو دم ہے اب اپنا سو دمِ بازپسیں ہے
کوثر کے یہ پانی سے تو بہتر نہیں پانی
سیراب کرو گھوڑوں کو اور آپ پیو تم
لڑتے ہو جو مجھ پیاسے سے ایک ایک لڑو تم
قوت ہے نہ ہاتھوں میں نہ طاقت ہے کمر میں
گو لاکھوں ہوں پر ایک سے ایک ہی لڑتا
تم مور و ملخ سے بھی فزوں ہیں تن تنہا
مردوں کے لئے ننگ ہے یہ نام نہیں ہے
بہتر ہے ہم اس طرح بھی ہیں لڑنے کو تیار
گھوڑے پہ بغلغل بیٹھے یہ سُن کر شہِ ابرار
بجلی سا لگا کوندنے میدانِ ستم میں
تھے منتظرِ جنگ اُدھر سید والا
نیزے کو ہلاتا ہوا پہلے وہی نکلا
اک چیل سے اسپ دوڑ کا یہ عیاں تھا
تو ایک ہزاروں سے میں ہوں لڑنے کو حاضر
حضرت نے کہا مارے گئے سب مرے ناصر
لیکن بخدا کچھ مجھے وسواس نہیں ہے

بولا پسر شیر الٰہی سے وہ بے پیر
فرمانے لگے اُس سے یہ تب حضرت شبیرؑ
زخمی ہوں پہ سبقت مجھے منظور نہیں ہے
مشہور جہاں ہے مرے بابا کی شجاعت
ہر جنگ میں دشمن سے کبھی کی نہیں سبقت
تھا علم اُنھیں محرم اسرار خدا تھے

جب وار لعیں نے سر اقدس پہ لگایا
ہاتھ اس پہ ید اللہ کے ہرگز نہ اُٹھایا
کس طرح سے سبقت کروں گو تشنہ جگر ہوں
یہ سن کے وہ نیزے کو پکڑ سامنے آیا
جو سیکھا تھا نیزے کا ہنر سب وہ دکھایا
بر آنہ سکا سبط رسولؐ مدنی سے

جھنجھلا کے کماں دوش سے ظالم نے اُتاری
اب دیکھیے حضرت قدر اندازی ہماری
بجلی سی چلی شاہ کی تیغ دو زباں بھی
دانتوں سے لگا کاٹنے ہاتھ اپنے وہ بے پیر
رد کر چکے جب وار کئی حضرت شبیرؑ
دھبا بھی لگا خوں کا نہ شمشیر دودم پر

تانے ہوئے گرز آیا پھر اور اک پلید خود سر
تھی ابن ید اللہ میں بس قوت حیدرؑ
اس پھرتی سے گرتے پہ کیا وار لعیں پر
اک ایک اسی طرح لگا آنے پئے جنگ
جو فوج سے نکلا وہ وہیں ہو گیا چورنگ
وحشت سے قدم آگے نہ بڑھتا تھا کسی کا

دعویٰ ہے شجاعت کا تو پھر کھینچیے شمشیر
تو پھینکے لگا نیزہ و تیغ و تبر و تیر
حیدرؑ کے گھرانے کا یہ دستور نہیں ہے
تنہا ہی ہزاروں سے لڑے شاہ ولایت
خود سوتے سے قاتل کو جگایا شب ضربت
جو چاہتے سو کرتے پہ راضی بہ رضا تھے

اور سامنے بابا کے وہ پکڑا ہوا آیا
جو آپ کیا نوش وہی اُس کو کھلایا
میں بھی تو اسی شیر الٰہی کا پسر ہوں
میدان میں رہوار کو کاوے پہ لگایا
یاں سے بھی جواب اُس نے ہر اک طعن کا پایا
نیزے کو اُڑا دے گئے نیزے کی انی سے

اور جو ٹکڑے بچے اُس میں لگا کھینچنے وہ ناری
سُن کر یہ سخن فوج سب احسنت پکاری
دو ٹکڑے ہوا تیر بھی، چلّا بھی، کماں بھی
حملہ کیا نامرد نے پھر کھینچ کے شمشیر
دکھلائی اُسے فاطمہؑ کے دودھ کی تاثیر
اک وار میں سر جا پڑا چالیس قدم پر

بالا قد و زور آور و چالاک و قوی تر
پھینکا سوئے افلاک کمر بند پکڑ کر
دو ہو کے مع گرز گرا ردِ زمیں پر
تھا ابن ید اللہ کی لڑائی کا وہی ڈھنگ
پٹکا کئی اسواروں کو لے ہاتھ تہ تنگ
تھا فوج میں غل ضربت شمشیر علی کا

یوں ایک کے بعد ایک سے لڑتا تھا وہ ذیشاں
جب پانچ ہزار اہل ستم کو کیا بے جاں
دل سینوں میں تھراتے تھے جنگ شہ دیں سے
اک شور تھا لشکر میں صفیں کھینچ دو بالا
بے طرح پڑا ہے ہمیں اس شیر سے پالا
میداں میں بڑھا پاؤں کہ سر تن سے گرا ہے

جب شمر کو لشکر کا نظر آیا یہ عالم
واللہ اگر دونوں جہاں آج ہوں باہم
ایک ایک لڑے کس سے یہ حیدر کا پسر ہے
زور بشری یاں ہے وہاں زور امامت
اللہ نے دی ہے اُسے حیدر کی شجاعت

گر فتح ہے منظور تو تدبیر سے لڑ لو
دو چار صفیں گرد ہوں اور بیچ میں شبیر
تیر چلیں اک صف سے تو زخمی ہوں دلگیر
غش طاری ہو جب ضعف سے اس سرور دیں کو
آراستہ کیں سن کے یہ ظالم نے صفیں چار
تھے جانب چپ نیزوں کو تانے ہوئے خونخوار

تیغیں لیے اک غول پس پشت کھڑا تھا
چلتے تھے جفا کیشوں کے تیر ایک طرف سے
تھی سنگ زناں فوج کثیر ایک طرف سے
لاکھوں میں کھڑے تشنہ دہن تیغ بکف تھے
نیزوں کے نیستاں میں کبھی جا پھنسے جوں شیر
گہ آئے کمانداروں پہ کھینچے ہوئے شمشیر
گھوڑے سے پلٹ تیغ زنوں سے یہ لڑے تھے

معمور سر و تن سے نظر آتا تھا میداں
لشکر میں ہوا شور ہوئی فوج پریشاں
تکبیر کی آتی تھی صدا لشکر کیں سے
کہتے تھے بچا لیجو اللہ تعالیٰ!
اب ایک کو جیتا نہیں یہ چھوڑنے والا
یہ ضربت شمشیر نہیں قہر خدا ہے

گھبرا کے پکارا عمر سعد کو اظلم
شبیر سے بر آ نہ سکے گا کوئی اس دم
کٹ جائے گی سب فوج ترا دھیان کدھر ہے
مخدومۂ عالم کی یہ ہے دودھ کی قوت
یہ ہے وہی طاقت وہی جرأت وہی غیرت

اب چار صفیں باندھ کے شبیر سے لڑ لو
اک صف سے چلے نیزے تو اک صف سے چلے تیر
اور مستعد اک صف رہے کھینچے ہوئے شمشیر
تب مار کے تلواریں گرا دویں زمیں پر
استادہ کیے دہنی طرف سارے کماں دار
اور سامنے تھے تیغ لیے سنگ دل اشرار

اور بیچ میں تنہا پسر شیر خدا تھا
اور نیزے لگاتے تھے شریر ایک طرف سے
تھا شور بدا اور تکبیر ایک طرف سے
حملے شہ والا کے مگر چار طرف سے
نیزوں کو قلم کر دیا لاشوں کا کیا ڈھیر
جوں تیر گریزاں ہوئے سب آگے سے رخ پھیر
بت بن گئے پتھر جو لیے لوگ کھڑے تھے

رہوار کو غازی کے نہ تھی حاجتِ مہمیز
ہر غول پہ تھی آتشِ شمشیر شرر ریز
آہن میں نہاں سامنے اُس تیغ کے جو تھا
یکبار ہوئیں چار صفیں درہم و برہم
اے سیدِ لب تشنہ شہنشاہِ دو عالم
شہ بولے جو ہے پاسِ رسولِ دو سرا کا
سلطانِ رسالت کی میں بیٹی کا ہوں جایا
مجھ سے مرے پیارے علی اکبر کو چھڑایا
حملہ کیا پھر تول کے شمشیرِ دو دم کو
جنگِ پسرِ فاطمہؑ کا دیکھ کے انداز
شہ بولے یہ جرأت کسے دکھلاؤں میں جانباز
اے لختِ جگرِ بنتِ رسولِ مدنی کے
کرتا نہیں تعریف سمجھ کر تمہیں فرزند
لڑتا رہا لاکھوں سے مگر اے مرے دلبند
تنہائی میں ایسا نہ کوئی کھیت پڑا تھا
مارے نہ گئے تھے مرے یاور مرے آگے
بے جاں نہ ہوئے تھے مرے دلبر مرے آگے
اس غم میں لڑے لاکھوں سے کب تاب بشر ہے
سُن کر یہ صدا خوش ہوا سبطِ شہِ لولاک
دہشت سے زمیں ہل گئی تھرا گئے افلاک
غل تھا کہ نہیں بچنے کا جیتا کوئی اب کے
کچھ دور نہیں ہے اگر آجائے قیامت
یاں آج ہے ہنگامۂ فردائے قیامت
غصے میں نواسا ہے رسولِ دوسرا کا

ان فاقوں میں چالاکی میں ضرغم سے بھی تھا تیز
صحرائے قیامت تھا وہ میدانِ بلاخیز
یہ فرق ملک پہونچی کو بے فرق وہ دو تھا
اور شور ہوا لشکرِ اعدا میں یہ اس دم
کر رحم کہ ہیں اُمتِ محبوبِ خدا ہم
بتلاؤ کہ میں کون ہوں محبوبِ خدا کا
کیوں تم نے محمدؐ کے نواسے کو ستایا
یہ کہتے ہی اس غازی کو اک طیش بھر آیا
بے جان کیا ہیں ہزار اہلِ ستم کو
کہتے تھے ملائک یہ شجاعت ہے کہ اعجاز
اک بار یہ آئی اسد اللہ کی آواز
میں صدقے تری پیاس کے اور تیغ زنی کے
گھبرایا نہیں میں بھی کسی جنگ میں ہر چند
پانی ترے بابا پہ ہوا تھا نہ کبھی بند
دو روز کا پیاسا تو کبھی میں نہ لڑا تھا
ٹکڑے نہ ہوا تھا مرا لشکر مرے آگے
بے دست ہوا تھا نہ برادر مرے آگے
اے فاطمہؑ کے لال یہ تیرا ہی جگر ہے
پھر تیسرا حملہ کیا جوں شیرِ غضبناک
برہم ہوئی اک بار صفِ لشکرِ سفاک
اس حملے میں سر تن سے اُتر جائیں گے سب کے
میدانِ ستم ہو گیا صحرائے قیامت
اللہ نے اس طرح کی دکھلائے قیامت
اب خاتمہ ہے اُمتِ محبوبِ خدا کا

اعدا پہ چلی تھی نہ ابھی شاہ کی تلوار
اے سبطِ پیمبر خلفِ حیدرِ کرار
غصہ ہے اگر آج یہی تشنہ کہیں پر

ہم نے وہ عطا کی ہے تجھے قوت و قدرت
پر آج نہ ہوئے گی اگر تیری شہادت
گر جان ہے پیاری تو لعینوں کو بھگا دو
تھرا گئے سن کر یہ صدا حضرت شبیر
کہنے لگے اے ربِ علا مالکِ تقدیر
ناچار ہوا تھا کہ بہت بے ادبی کی

اب قتل کروں میں انھیں میرا نہیں مقدور
تیروں سے ہے چھلنی کہ بدن تیغوں سے ہے چور
تلواریں ہی اب کھاؤں گا گردن کو جھکا کر

ایذا کو سمجھتا ہوں تری راہ میں راحت
ملتی ہے مجھے برچھیاں کھانے میں حلاوت
کچھ رنج نہیں زخمی اگر تیروں سے ہوں گا

شمر آئے گا گر پاس مرے کھینچ کے خنجر
ہاتھ اس کا اگر کانپے گا اے خالقِ اکبر
بیتاب ہوں امت کی شفاعت کی خوشی ہے

سر کٹ کے جو تن سے مرا نیزے پہ چڑھے آج
لاشہ ہے میرا کفن و گور کا محتاج
بلوے میں سرِ زینب و کلثوم کھلا ہو

یہ کہہ کے لعینوں کو صدا دی کہ اب آؤ
خوں شوق سے احمد کے نواسے کا بہاؤ
صبر پسرِ شاہِ ولایت کو بھی دیکھو!

جو آئی یہ ہاتف کی ندا چرخ سے اک بار
وہ یاد ہے بچپن میں کیا تھا جو کچھ اقرار
جیتا نہیں بچنے کا کوئی روئے زمیں پر

ہو تجھ سے مقابل یہ کسی میں نہیں طاقت
ہوگی نہ کبھی امتِ عاصی کی شفاعت
بخشانی ہے امت تو گلا جلد کٹا دو

منہ موڑ لیا رکھ لی وہیں میان میں شمشیر
عالم ہے تو اس کا کہ مری کچھ نہیں تقصیر
لڑتا ہیں نہ امت سے رسولِ عربی کی

بندے کو وہ منظور ہے جو ہے تجھے منظور
دم ماروں ترے حکم میں اس کا نہیں مقدور
دیکھوں گا نہ قبضے کی طرف آنکھ اٹھا کر

یہ رنگ ہیں زخموں پہ مری سنگِ جراحت
تلواروں کے خط جسم پہ ہیں خطِ شفاعت
بوسہ لبِ ہر زخم سے سوفاروں کا لوں گا

بے عذر جھکا دوں گا خوشی ہو کے وہیں سر
رکھ دوں گا دمِ تیغ کو آپ اپنے گلے پر
بچپن سے مجھے اپنی شہادت کی خوشی ہے

تو فخر کروں میں کہ ملا رتبۂ معراج
ناموس مرے قید ہوں گھر ہو مرا تاراج
یہ سب ہو مگر امتِ عاصی کا بھلا ہو

بس لڑ چکے ہم اب ہمیں تلواریں لگاؤ
تیروں کا نشانہ مرے سینے کو بناؤ
جرأت کو جو دیکھا مری غربت کو بھی دیکھو

خائف تھے ستم گار یہ حیدر کے پسر سے
فرماتے تھے شہ کھول کے ہتھیار کمر سے
تلوار مری ڈوب چکی خونِ عدو میں
بھاگے ہوئے رن سے ستم گار پھر آئے
اک تیر کے چلتے ہی کماں دار پھر آئے
زخم تبر و تیر لگے سینہ و سر پر
زخمی ہوا اتنوں سے سبطِ پیمبرؐ
تیر بھی لگے چھاتی پہ اور ظلم کے خنجر
سرتا بہ قدم چور ہوئے تیغ و سناں سے
پہلو پہ جو مارا کسی بے رحم نے بھالا
مظلوم کا واں کوئی نہ تھا تھامنے والا
سب چھاتی جو مجروح تھی اس تشنہ گلو کی
حال شہِ دیں شمرِ سیہ رو نے جو دیکھا
ہمراہ تھے نامرد کئی شمرِ ستم آرا
قبلے کی طرف خاک پہ حضرت تو پڑے تھے
سر ننگے کھڑی بی بیاں دیتی تھیں دہائی
چلاتی تھی یوں حیدرِ کرار کی جائی
حاجی ہے مسافر ہے گرفتارِ بلا ہے
چلاتی رہی بیٹھ کے سر زینبِ ناشاد
چھاتی پہ چڑھا سبطِ پیمبرؐ کی وہ جلاد
بس آگے انیسؔ اب کسے یارائے بیاں ہے

نزدیک نہ آتا تھا کوئی جان کے ڈر سے
کیوں ڈرتے ہو ہرگز نہ وغا ہو گی ادھر سے
ارمان تڑپنے کا ہے اب اپنے لہو میں
تانے ہوئے نیزوں کو جفا کار پھر آئے
چمکاتے ہوئے تیغ کو اشرار پھر آئے
سب ٹوٹ پڑے فاطمہؑ زہرا کے پسر پر
عمامۂ محبوبِ خدا خوں سے ہوا تر
قبلے کی طرف ضعف سے ہرنے پہ جھکا سر
جز شکر نکلا نہ کوئی حرف زباں سے
سنبھلا نہ گیا آپ کو ہر چند سنبھالا
گھوڑے سے گرا فاطمہؑ کی گود کا پالا
زخموں سے اُڑیں دور تلک چھینٹیں لہو کی
کھینچے ہوئے وہ خنجرِ کیں فوج سے نکلا
اُن سب نے کیا شہِ مظلوم پہ نرغا
کھینچے ہوئے خنجر وہ لعیں گرد کھڑے تھے
کیوں لوٹتے ہو فاطمہؑ زہرا کی کمائی
مظلوم ہے سید ہے لعینو مرا بھائی
یہ ظلم محمدؐ کے نواسے پہ روا ہے؟
ظالم نے سنی دخترِ زہرا کی نہ فریاد
مظلوم کی گردن پہ رکھا خنجرِ فولاد
یہ مرثیہ مقبولِ امامِ دوجہاں ہے

مرثیہ ۲۴

بند ۱۲۵

جب قطع ہوئے نخل گلستانِ علیؑ کے
بے دم ہوئے دلدار دل و جانِ علیؑ کے
خاک اُڑنے لگی پنجتنِ پاک کے گھر میں
باقی تھا نہ ہمدرد و یاور شہِ دیں کا
خالی ہوا تا ظہر بھرا گھر شہِ دیں کا

عباس نہیں ہیں، علم و فوج نہیں ہے
سردارِ سپاہ جا کے یہ کہتے تھے ستمگار
آنکھیں ہیں تو بے نور ہیں، وہ ہیں تو ہیں بیکار
اس غم میں کہاں جنگ کا یارا شہِ دیں کو
جب سے ہوئے جدا یوسفِ ثانی وہ لُٹ گیا
ہوئے جب سے یہ تشنہ دہانی وہ لُٹ گیا
چندے جو پسر آنکھوں سے روپوش رہا تھا

ہیں سر سے قدم تک الم و درد کی تصویر
یہ ہاتھ میں رعشہ ہے کہ کھنچتی نہیں شمشیر
خم ہو گئے کھو کر علی اکبرؑ سے پسر کو
بازو تو شکستہ ہے کمر ضعف سے خم ہے
پیری میں جواں لال کے مر جانے کا غم ہے
تھی سامنے لاشِ اکبرِ مجروح جگر کی
جب باپ کو خود بیٹے نے آواز سنائی
اور جب سے بہن خیمے سے باہر نکل آئی
بے پردہ ہو زینب سی بہن شرم کی جا ہے

سر کٹ گئے تیغوں سے جوانانِ علیؑ کے
عاشق نہ رہے یوسفِ کنعانِ علیؑ کے
لوٹا گیا زہراؑ کا چمن تین پہر میں
بیٹا نہ بھتیجا نہ برادر شہِ دیں کا
تھا شور کہ ہاں کاٹ لو اب سر شہِ دیں کا

اب فاطمہؑ کے لال کا وہ اوج نہیں ہے
اب قتلِ حسینؑ ابن کچھ نہیں دشوار
رکھ دیں گے گلا آپ تہِ خنجرِ خونخوار
اکبرؑ کے جواں مرنے نے مارا شہِ دیں کو
دے جس کو پسر داغِ جوانی وہ لُٹ گیا
دو دن نہ ملا ہو جسے پانی وہ لُٹ گیا
یعقوب کو اس داغ سے کب ہوش رہا تھا

واللہ کہ پہچانے نہیں جاتے ہیں شبیرؑ
یعقوب کو یوسف کی جدائی نے کیا پیر
تھی ریشِ مبارک میں سپیدی نہ سحر کو
صدمہ ہے بھتیجے کا برادر کا الم ہے
بولا کوئی آنکھوں میں بصارت بھی تو کم ہے
حضرت سے نہ پہچانی گئی لاش پسر کی
تب لاش پہ حضرت کو نہیں نے پائی
رخساروں پہ زردی ہے اسی وقت سے چھائی
فرزند کے مر جانے سے یہ داغ ہوا ہے

تھا حق بہ طرف لاکھ دکھوں سے جسے پالا
کیا سنبھلے وہ جس کا ہو کلیجہ تہ و بالا
ورنہ کبھی باہر قدم اُن کا نہیں نکلا
ہم سمجھے تھے مر جائیں گے فرزند کے ہمراہ
گودی میں پسر مر گیا پر منھ سے نہ نکلی آہ
لیکن غم فرزند کچھ آسان نہیں ہے

آنکھوں سے چھپا چاند، جہاں ہو گیا اندھیر
طالب ہیں کہ گردن پہ پھر اب کوئی شمشیر
بجھتے ہوئے دیکھیں گے چراغ اور کسی کا
اب تو کوئی ایسا نہیں جو برچھیاں کھائے
اصغر بھی ہوئے قتل حسینؑ اب کسے لائے

فرزند برابر کا نہ دشمن سے جدا ہو
سوکھی ہوئی ہے منھ میں زباں پیاس کے مارے
اب کس کا بھروسا علی اکبرؑ تو سدھارے
روتے ہوئے ناموس پیمبر میں گئے ہیں
جو قتل ہوا شیر سے جھپٹے ہوئے آئے
تلواریں بھی بے کس پہ چلیں تیر بھی کھائے
رخصت پہ اُٹھے تا بہ کجا تشنہ دہن سے

سن کر یہ سخن کہنے لگا شمر ستم گار
ڈر کس کا ہے اب زندہ ہے کیا شہ کا علمدار
زینب کی ردا چھین لو شبیر کے آگے
ڈر ہے کہ دولت نہ کہیں شاہ کی لٹ جائے
پھر شام کا ہے قرب جو دن اور بھی ڈھل جائے
تا زیست کوئی قید سے آزاد نہ ہوئے

اس لال کے سینے پہ لگا ظلم کا بھالا
پالے کی محبت نے لٹے گھر سے نکالا
دن کو کسی بی بی کا جنازہ نہیں نکلا
ہیں صبر میں ایوب سے افزوں شہ ذی جاہ
بولے تو یہ بولے کہ توکلت علی اللہ
خاموش تو ہیں تن میں مگر جان نہیں ہے

فاقہ ہے کئی دن کا مگر زیست سے ہیں سیر
فرماتے ہیں اے موت اب آنے میں ہے کیا دیر
کیا ہے ابھی تقدیر میں داغ اور کسی کا
اکبر تھے فقط پاس سو وہ خوں میں نہائے
اب تو یہی موقع ہے کہ جلدی اجل آئے

اب زیست اسی میں ہے کہ سر تن سے جدا ہو
چہرے سے عیاں موت کے آثار ہیں سارے
ظاہر میں تو زندہ ہیں یہ ہیں گور کنارے
گر کر کئی جا خیمۂ اطہر میں گئے ہیں
سر ایک کا اتنوں میں نہ شمر کا بچنے پائے
لاشے مگر اس شیر نے جنگل سے اٹھائے
اب تاب و تواں نے بھی کنارا کیا تن سے

خیمے پہ چلو دیر مناسب نہیں زنہار
ہو جائے پسر سامنے بابا کے گرفتار
کاٹو سر شبیر کو ہمشیر کے آگے
سجاد نہ سیدانیوں کو لے کے نکل جائے
بہتر ہے کہ خیمہ شہ مظلوم کا جل جائے
لٹ جائے یہ گھر یوں کہ پھر آباد نہ ہوئے

بولا پسرِ سعدِ لعیں سن کے یہ تقریر
کیا سمجھے ہو تم شیر کا فرزند ہے شبیر
غیظ آ گیا گر ابنِ شہنشاہِ عرب کو

سچ ہے کہ بہت خوب لڑا شاہ کا بھائی
دو حملوں میں لی شیر نے دریا کی ترائی

ہے سب سے فزوں حضرتِ شبیر کی طاقت
زور آوری و صفدری حیدرِ کرار
رگ رگ سے اثر دودھ کا زہرا کے نمودار

گیتی جو الٹ جائے تو کچھ دور نہیں ہے
جیتا ہے ابھی احمدِ مختار کا پیارا
تلوار کا کیا ذکر جو کر دے یہ اشارا

جلدی نہ کرو فتح میں کچھ پیچ نہ پڑ جائے
شبیر کے سر کٹنے کی جب ہو گئی مہم سر
حاکم کی ظفر ہو کہیں عمدہ ہے یہ مطلب

بیمار ہے سجاد کا کیا زور چلے گا
خود آئیں گے نہ ابھی خیمے میں جاؤ
بیکس پہ چڑھائی کا یہی وقت ہے آؤ

دم بھر میں درِ فتح و ظفر کھول کے سونا
جس وقت سنے یہ سخنِ حیلہ و تزویر
جوڑے ہوئے چلّے سے جفا کیش کوئی تیر

لشکر میں یہی قول تھا ایک ایک شقی کا
دو لاکھ جواں قتل پہ مظلوم کے اک دل
بدعہد و بد ایمان و جفا پیشہ و جاہل

قرآن سے واقف نہ خبر اُن کو خبر سے

بے کار یہ باتیں ہیں کرو جنگ کی تدبیر
کھل جائے گا جب آئیں گے وہ باندھ کے شمشیر
خیبر کی لڑائی نظر آ جائے گی سب کو

دس بیس صفوں کی ہوئی اک دم میں صفائی
وہ اور لڑائی تھی یہ ہے اور لڑائی

اس شیر میں ہے فاطمہ کے شیر کی طاقت
تاثیرِ لعابِ دہنِ احمدِ مختار
بخشا جسے اللہ نے قبضے میں وہ تلوار

اور زورِ امامت کا تو مذکور نہیں ہے
ناموس کا لٹنا اسے ہوگا نہ گوارا
دم میں متفرق ہو یہ لشکر ترا سارا

ایسا نہ ہو عجلت میں بنا کام بگڑ جائے
پھر کون ہے لے لیں گے ردائے سرِ زینب
کیا جلدی ہے لوٹو گے تمہیں زیور و زر سب

ناموس بھی لٹ جائیں گے خیمہ بھی جلے گا
ٹوٹے ہوئے لشکر کی صفیں پہلے جماؤ
سید کا گلا کاٹ کے فرصت کہیں پاؤ

اب رات کو راحت سے کمر کھول کے سونا
تڑ تڑ کے پھرے رن میں جتانے لگے بے پیر
تولے کوئی نیزہ، کوئی برچھی، کوئی شمشیر

دیکھیں گے لہو آج حسین ابنِ علی کا
خوں ریزوں کے نیزوں سے نیستاں سرِ ساحل
دشمن کے طرف دار، نبی زادوں کے قاتل

الفت بھی تو دنیا سے محبت بھی تو زر سے

قلب ایسے کہ فولاد کی سختی ہے جہاں گم
خالق سے حیا کچھ نہ محمدؐ سے انہیں شرم
سرگرم ہوں جو درہم نہ ہو دستار کے اندر
کرتے بھی سیہ دل بھی سیہ رنگ بھی کالے
خنجر تو کمر بند میں تھے ہاتھوں میں بھالے
مانا نہ علیؑ کو، نہ رسولؐ عربی کو

تھے چار صفیں باندھے ہوئے نہر پہ بے پیر
دو سمت سے قتل شہ بیکس و دلگیر
یہ فکر تھی اک بے کس و بے یار کی خاطر
توڑے تھے جنھوں نے ذرہ دندان پیمبرؐ
کہتے تھے یہ آپس میں برا اپنا جتا کر
جو ضرب تن سید والا پہ لگے گی

آمادۂ قتل شہ دیں تھی سپہ شام
سیدانیوں کے رونے کا تھا صحن میں کہرام
معصوم کئی خاک پہ بے ہوش پڑے تھے
تھامے تھی کوئی دامن فرزند پیمبرؐ
جھک کر قدم پاک پہ رکھتی تھی کوئی سر
بے تاب تھے شہ بی بیوں کی نوحہ گری پر
کہتی تھی کوئی ہاتھ کمربند میں ڈالے
حضرت تو چلے ہم کو کیا کس کے حوالے
ہے کون غریبوں کا اس اجڑے ہوئے بن میں
جب طبل مخالف کی صدا آئی تھی رن میں
بچے جدا ہوتے تھے سلطان زمن سے
چلاتی تھی ہے ہے مرے ماں جائے برادر

نے درد، نہ الطاف نہ اکرام نہ آزرم
سادات کے خیمے کے جلا دینے پہ سرگرم
دینار جو دیکھیں تو گریں نار کے اندر
تحت الحنکیں باندھے ہوئے آنکھیں نکالے
سادات کے سب قافلے کے لوٹنے والے
دنیا کے لیے ذبح کیا آل نبیؐ کو

اک صف میں تھیں برچھیاں اک صف میں تھے تیر
گویاں وہ سنان و تبر و خنجر و شمشیر
حربے تھے نہ سب ایک تن زار کی خاطر
دوشاخ دل اک سمت تھے باندھے ہوئے بکتر
ماریں گے ہم فاطمہؑ کے لال کو تھک کر
چوٹ اس کی دل احمدؐ و زہراؑ پہ لگے گی

خیمے میں کمر باندھتے تھے شاہ خوش انجام
بکھرائے تھی بالوں کو ہر اک بیکس ناکام
شاہ شہدا ان زنوں کے حلقے میں گھرے تھے
بچے لیے گودی میں کھڑی تھی کوئی خستہ
رو دیتی تھی چہرے کی بلائیں کوئی لے کر
پروانے گرے پڑتے تھے شمع سحری پر
صدقے ترے اے فاطمہؑ کے ناز کے پالے
چھوڑیں گے نہ یہ گھر کو لوٹنے والے
باندھیں گے گلے آل محمدؐ کے رسن میں
دل بی بیوں کے سینوں میں ہلتے تھے تن کے
بیٹی تھی بہن بھائی سے اور بھائی بہن سے
بن بھائی کی ہوتی ہے بہن ہائے برادر

بھیا مجھے غربت میں نہ تم چھوڑ کے جاؤ
سیدانی کو آفت سے اسیری کی بچاؤ
نکلے مرا دم تن سے تو پھر برچھیاں کھاؤ
بن لے جو مری قبر تو جنگل کو بساؤ
کیا کم تھا مرے واسطے ماں باپ کا مرنا
اللہ نہ دکھلائے مجھے آپ کا مرنا

ماں خلق سے جب اُٹھ گئی تھیں جیتے تھے حیدر
تھے باپ کے مرنے سے حسنؑ ہمدم و یاور
سمجھاتی تھی میں دل کو پس از رحلت شبّر
شبیر سے بھائی کا ہے سایہ مرے سر پر
حضرت ہیں تو زندہ مرے ماں باپ ہیں بھائی
زینب تجھے تو جو کچھ ہیں سو اب آپ ہیں بھائی

حضرت کے بھروسے پہ تو ماں باپ نے چھوڑا
پھر کون ہے زینب کا جو منھ آپ نے موڑا
اکبرؑ کے جواں مرنے کا ماتم نہیں تھوڑا
مر جاؤں گی بھائی نہ طلب کیجیے گھوڑا
آفت ہے یہ سایا جو مرے سر سے اُٹھے گا
داغ آپ کے مرنے کا نہ خواہر سے اُٹھے گا

عادل ہو عدالت سے کہو یا شہِ صفدرؑ
کیا کہہ کے دلِ زار کو سمجھائے یہ خواہر
دنیا میں کوئی اور ہے زینبؑ کا برادر
قربان گئی صبر مجھے آئے گا کیونکر
مسند کو محمدؐ کی اُلٹتے ہوئے دیکھوں
ہے ہے یہ گلا، تیغ سے کٹتے ہوئے دیکھوں

صدقے میں ترے اے اسد اللہ کے پیارے
اماں کے وہ دکھ درد مجھے یاد ہیں سارے
آقا ترے بدلے مجھے نیزے کوئی مارے
سیّد ترے قدموں پہ مرا سر کوئی وارے
پردیس میں رسّی سے بندھیں ہاتھ بہن کے
ماں جائے کو رہنے دیں مگر ساتھ بہن کے

منھ سینے پہ رکھے جو بلکتی تھی وہ دلگیر
ہمراہ تھی حضرتؑ کے کلیجے کے لیے تیر
سر چھاتی سے لپٹائے ہوئے کہتے تھے شبّیرؑ
بس صبر کرو غش کہیں آجائے نہ ہمشیر
بیٹی ہو بہن صبر علی اکبرؑ کے الم میں
کیا جان گنوا دو گی بہن بھائی کے غم میں

گر مر گئیں ہو جائے گا گھر اور بھی خالی
صدمے سے جیے گی نہ سکینہ مری بالی
ہو میرے یتیموں کی تمہیں پالنے والی
صابر جو ہیں ملتا ہے انھیں رتبۂ عالی
ایسا تو کسی کو غمِ تنہائی نہ ہو گا
اللہ تو سر پر ہے اگر بھائی نہ ہو گا

وہ حمد کے لائق ہے سزاوارِ ثنا ہے
ہے اُس کو بقا اور، ہر اک شے کو فنا ہے
راحت نہیں دنیا میں کہ یہ دارِ فنا ہے
آدم کا بدن خاک میں ملنے کو بنا ہے
ہے کون بزرگوں میں کہو دھیان اسی کو
دنیا میں نہ چھوڑے گی بہن موت کسی کو

دنیا میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں
جو نورِ خدا سے ہوئے پیدا وہ کہاں ہیں
ہم سب سے جو تھے افضل و اعلیٰ وہ کہاں ہیں
پیدا ہوئی جن کے لیے دنیا وہ کہاں ہیں
جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمدِ مرسل نہ رہے کون رہے گا

تھے مجھ سے بھی بہتر مرے جد و پدر و ام
کیا ہو گئے اب اُن کو نہیں دیکھتی ہو تم
رہتا ہے سدا بحرِ جہاں میں یہ تلاطم
اک چشم زدن میں کوئی پیدا کوئی گم
دشمن ہے کبھی، دوست، کبھی دوست عدو ہیں
ہم لوگ زمانے میں حبابِ لبِ جو ہیں

یہ دہر نہیں خانۂ آسایش و آرام
دانا جو ہیں دنیا کو سمجھتے ہیں سرِ دام
ہے جن کی زباں کو خطرِ تلخیِ انجام
شیریں بھی عالم سے سدا رہتے ہیں ناکام
ایسا نہیں کوئی، جسے دل ریش نہ دیکھا
دنیا نے کسی نوش کو بے نیش نہ دیکھا

کس کس کو ہم اس عمرِ دو روزہ میں روئے
کیا کیا دُرِ یکتا صدفِ قبر میں سوئے
نایاب تھے جو لال وہ ان ہاتھوں سے کھوئے
گھر سیکڑوں یاں سیلِ فنا نے ہیں ڈبوئے
تکلیف زیادہ ہے تو رتبے بھی سوا ہیں
رہتے ہیں تباہی میں جو خاصانِ خدا ہیں

ہے کل کی ابھی بات کہ آباد تھا کیا گھر
جس در پہ گدا آن کے ہوتے تھے تونگر
وہ مجمعِ احباب، وہ دربارِ پیمبر
وہ فاطمہؑ کا جاہ و حشم، شوکتِ حیدرؑ
بے اذن چلا آئے یہ مقدور تھا کس میں
یا آج وہی گھر ہے کہ خاک اڑتی ہے جس میں

جبریلِ امیں خود جسے جھولے میں جھلائیں
کیا گردشِ گردوں ہے، وہ یوں ذبح کیے جائیں
نعمت کا طبق خلد سے جس کے لیے آئے
وہ پیاس میں اک بوند بھی پانی کی نہ پائیں
گردش نہ رہی ہے نہ سدا دور رہا ہے
دنیا کا ہمیشہ یہی اطوار رہا ہے

اک دن تھا کہ عشرت کے مہیا تھے سب اسباب
یا ایک یہ دن ہے کہ خوشی ہو گئی نایاب
وہ وقت، وہ آرام، وہ ہمدرد، وہ احباب
معلوم یہ ہوتا ہے کہ دیکھا تھا کبھی خواب
آج اوروں کے ہم مرنے پہ فریاد کریں گے
کل اور اسی طرح ہمیں یاد کریں گے

کیا آگے بہن کے نہیں مرتا کوئی بھائی
برسوں جو رہے وصل تو اک دن ہے جدائی
کٹ جاتی ہے اک آن میں برسوں کی کمائی
جاتی نہیں بے جان لیے جب اجل آئی
ملتا نہیں پھر خلق سے جو جاتا ہے زینب
رونے سے مسافر کہیں پھر آتا ہے زینب

برسوں رہے ماتم میں پیمبرؐ کو نہ پایا
جس دن سے جدائی ہوئی حیدرؑ کو نہ پایا
تڑپا کیے لیکن کبھی مادر کو نہ پایا
یوں چھوٹے کہ پھر ہم نے برادر کو نہ پایا
جب سینے میں مضطر دلِ بے صبر کو دیکھا
گھر سے گئے روتے ہوئے اور قبر کو دیکھا

غربت میں کبھی تم سے بچھڑتا نہ برادر
کیا کیجیے تقدیر جدا کرتی ہے خواہر
پردیس میں برباد ہوں بچے کہ لٹے گھر
بندہ ہوں اطاعت سے نہ ہوں گا کبھی باہر
بہتر ہے وہی جس میں رضامندیِ رب ہو
کیا عذر ہے سرکار میں جب وقتِ طلب ہو

زندہ ہوں تو آخر کبھی مرتا کہ نہ مرتا
آتی نہ اجل سر جو تہِ تیغ نہ دھرتا
پیمانہ کبھی عمر کا آخر مری بھرتا
گھر میں بھی جو ہوتا تو سفر خلق سے کرتا
پر آج کے مرنے میں بہن اور مزا ہے
خوشنودیِ معبود ہے اُمّت کا بھلا ہے

ہمشیر کا غم ہے کسی بھائی کو گوارا
مجبور ہے لیکن اسد اللہ کا پیارا
تیغِ غمِ فرقت سے کلیجہ ہے دوپارا
کس سے کہوں جیسا مجھے صدمہ ہے تمہارا
اس گھر کی تباہی کے لیے روتا ہے شبیرؑ
تم چھٹتی نہیں ماں سے جدا ہوتا ہے شبیرؑ

مر کر بھی نہ بھولوں گا میں احسان تمہارے
بیٹوں کو بھلا کون بہن بھائی پہ وارے
پیارا نہ کیا اُن کو جو تھے جان سے پیارے
بس ماں کی محبت کے یہ انداز ہیں سارے
فاقے میں ہمیں برچھیاں کھانے کی رضا دو
بس اب یہی اُلفت ہے کہ جانے کی رضا دو

لو جاتے ہیں ہمشیر، خدا حافظ و ناصر
اب جسم ہے اور تیر، خدا حافظ و ناصر
اے بانوئے دلگیر، خدا حافظ و ناصر
ہے رخصتِ شبیرؑ، خدا حافظ و ناصر
کیوں دور کھڑی روتی ہو یاں آؤ سکینہؑ
پھر باپ کی چھاتی سے لپٹ جاؤ سکینہؑ

اے عابدِ بیمارِ حزیں گھر سے خبردار
اے جانِ پدر، آلِ پیمبرؐ سے خبردار
ماں رانڈ ہے اب رانڈ کی چادر سے خبردار
مارے نہ طمانچہ کوئی، خواہر سے خبردار
مشکل ہو جو اُمّت پہ تو حل کیجیو بیٹا
تحریر یہ بابا کی عمل کیجیو بیٹا

کہہ کر یہ سخن گھر سے چلا فاطمہؑ کا لال
پیچھے ہوئیں سیدانیاں بکھرائے ہوئے بال
چلاتی تھی بانو کہ لٹا اب مرا اقبال
غل تھا کہ محمدؐ کا چمن ہوتا ہے پامال
مائیں جو بلکتی تھیں تو غم کھاتے تھے بچے
لپٹے ہوئے حضرت سے چلے جاتے تھے بچے

رانڈوں کی وہ فریاد یتیموں کی وہ زاری
حضرت سے لپٹتی تھی ہر اک درد کی ماری
شبیر برآمد ہوئے یوں خیمے کے در سے
دیکھا شہ دیں نے جو قریب فرس آ کر
زینب نے پکارا کہ تھمو آتی ہے خواہر
کیا رتبۂ عالی تھا رکاب شہ دیں کا
پہونچا جو در خانۂ زیں تک قدم شاہ
گھوڑے پہ چڑھا سخت دل سید لولاک
کس منھ سے کہوں حسن نشست شہ دیں کو
تھا زین فرس، رحل، تو قرآں شہ والا
وہ دوش صبا بوئے گلستاں شہ والا
بو گل کی نسیم سحری لے کے چلی ہے
ضیغم کی جو تھی جست تو آہو کے طرارے
ہر نخل سے خم تھا بہ تو شرم کے مارے
ہو رشک نہ کیوں کر فلک ماہ جبیں کو
مرکب پہ ہیں مولا کہ تجلی ہے سر طور
ہر سنگ یہ تاباں ہے کہ شرمندہ ہے بلور
حیراں ہیں خبر نور خدا کی نہیں جن کو
وہ ریش مخضب وہ رخ سید والا
وہ گیسوئے مشکیں کا رخ پاک پہ ہالا
رخساروں پہ کچھ زلف بھی لہرائی ہوئی تھی
معراج میں پہنے تھے جسے سید لولاک
لکھا ہے گلابی تھا عمامہ بہ سر پاک
ملبوس تن پرنور تھا ویسی ہی عبا تھی

غش کھا کے گری خاک پہ زینب کئی باری
ہے ہے کا یہ غل تھا کہ زمیں ہلتی تھی ساری
جس طرح نکلتا ہے جنازہ کسی گھر سے
کوئی نہ پسر تھا نہ بھتیجا نہ برادر
زہرا کی صدا آئی کہ موجود ہے مادر
اک فاطمہ کا ہاتھ تھا اک روح امیں کا
تھرا کے جھکا خود بادب توسن چالاک
جبریل امیں ساتھ ہوئے تھام کے فتراک
معلوم ہوا حجرۂ دیا خاتم پہ نگیں کو
وہ تخت ہوا تھا تو سلیماں شہ والا
وہ برج شرف نیر تاباں شہ والا
غل تھا کہ سلیماں کو پری لے کے چلی ہے
آنکھوں کو چراتے تھے خجالت سے بچارے
اٹھتے تھے قدم جب تو چمکتے تھے ستارے
نقش سم توسن سے لگے چاند زمیں کو
چہرے کی ضیا سے ہے زمیں دشت پر نور
ڈھلتا نہیں دن دھوپ ہوئی جاتی ہے کافور
ہے شور کہ لو کھیت کیا چاند نے دن کو
ہے چاند نے منھ شام کے پردے سے نکالا
تھا صبح پہ دامن شب معراج نے ڈالا
خورشید پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہوئی تھی
اس روز بھی زیب تن اطہر وہی پوشاک
فرزند کے ماتم میں گریباں تھا مگر چاک
پیراہن یوسف پہ محمد کی قبا تھی

تعریف قبائے تنِ پُرنور کروں کیا
بند ایسے کہ ہو عقدۂ مشکل کو کریں وا
کلیاں وہ جنھیں غنچۂ دل دیکھ کے کھل جائے
ہر جیب کا گھر نقدِ شفاعت سے بھرا ہے
جو تار گریباں ہے سو رحمت سے بھرا ہے
ہر بہرِ نگیں اسم، نگیں اسم کی خاطر

دستانے کو کیا ہاتھ میں پہنے وہ شہنشاہ
چار آئینے کی نورِ خدا کو نہیں کچھ چاہ
کچھ ڈھال کی حاجت بھی دمِ جنگ نہیں ہے
باندھے ہیں فقط تیغِ علی سرورِ عادل
ہیں سامنے تیغیں لیے فرزندوں کے قاتل
ہے دست قوی، تیغِ شہنشاہِ عرب پر

اس طرح حرز پڑھتے ہیں ٹوٹے ہوئے شمشیر
ڈھالوں کی سیاہی سے ہے سب دشت میں اندھیر
کچھ غیظ جو آیا ہے شہِ عرش نشیں کو
ہیبت ہے کہ شیروں کے جگر کانپ رہے ہیں
یوں دشت کو جنبش ہے کہ در کانپ رہے ہیں
ہے خوف کہ کرسی نہ گرے فرش کے اوپر

نیزوں ہی اچھلتا ہے جو اس نہر کا پانی
شمشیر جو تولے ہے یداللہ کا جانی
جنگل کے ہرن خوف سے منہ موڑے ہوئے ہیں
غیظِ شہِ عالم نے عجب تہلکہ ڈالا
ہاتھ اپنا جو قبضے پہ دھرے ہیں شہِ والا
ہلتی ہے زمیں اس کو وہ تکتا ہے زمیں کو

زیبِ جسدِ پاک، جگر گوشۂ زہرا
پردہ وہ رہا جس سے گنہگاروں کا پردا
وہ خلد میں ہے سایۂ دامن جسے مل جائے
سینے کا جو پردہ ہے لطافت سے بھرا ہے
دامن وہ ہے جو دین کی دولت سے بھرا ہے
بس قطع وہ جامہ تھا اسی جسم کی خاطر

جس شیر کے پنجے میں ہو خود زورِ یداللہ
ہے حفظِ الٰہی زرہِ سیدِ ذی جاہ
خود پشت پناہِ دو جہاں وہ شہِ دیں ہے
تا جنگ میں کھل جائے ہر اک رخنۂ باطل
غصہ مگر آتا نہیں کیا صبر ہے کیا دل
مولا کے مگر رحم کو سبقت ہے غضب پر

جس طرح سے گونجے کسی جنگل میں کوئی شیر
غل ہے کہ خدا کا غضب آنے میں نہیں دیر
مُڑتے ہیں تزلزل میں یہ لرزہ ہے زمیں کو
کیا ذکر شجر کا کہ حجر کانپ رہے ہیں
جبریل بہت دور ہیں پر کانپ رہے ہیں
پڑھتے ہیں ملک نادِ علی عرش کے اوپر

ہر موج کو بھولی ہوئی ہے اپنی روانی
ڈر سے سپر انداختہ ہیں ظلم کے بانی
دریا کی ترائی کو اسد چھوڑے ہوئے ہیں
العظمۃ للہ تقدس و تعالیٰ
افلاک منڈھے کی طرح ہیں تہ و بالا
دوران ہے گردوں کو تو سکتا ہے زمیں کو

نعرہ ہے کہ محبوبِ الٰہی ہے مرا جد
میں خلق میں ہوں وہ گہرِ قلزمِ سرمد
بنت الشرف سیدِ لولاک میں ہی ہوں
بابا ہے مرا حامیِ دیں فاتحِ خیبر
حرزِ دو جہاں جوشنِ بازوئے پیمبر
پُرنور کیا نور سے ایماں کی زمیں کو
ہوتا نہ اگر مصقلِ تیغِ قضا زنگ
تھا ضیغمِ یزداں کی لڑائی کا نیا ڈھنگ
دینداروں کی بستی ہوئی ویرانہ جہاں تھا
دیں جس سے ہے ظاہر وہ علی کا ہے نگینا
ظلمت تھی جہاں کفر کی روشن ہے وہ سینا
آتش کی بھی وہ گرمیِ بازار نہیں ہے
حق کو نہ سمجھتا تھا کوئی خلق میں مطلق
جاری یہ ہوا خلق میں فیضِ اسدِ حق
مردودِ خدا ہو گئے، مقبولِ خدا ہیں
توقیر ملی سب کو اسی شاہ کے گھر سے
ہے عزتِ دیں بھی شہِ ذی جاہ کے گھر سے
اک شور تھا تکبیر کے نعروں کا حرم میں
مشہور ہے خیبر کی لڑائی کا فسانا
مشکل ہوا ظالم کو سپر جیسے یہ لانا
تھراتے تھے جن زور فرشتوں کے گھٹے تھے
جو حق سے پھرا منہ کہیں اس نے نہ پایا
حیدر کا قدم جب سرِ بیرالالم آیا
تاب ان کی لڑائی کی بنی جان نہ لاتے

دنیا میں نہیں میرے سوا سبطِ محمدؐ
زہراؑ نے فدا جس پہ کیا لعل و زبرجد
باقی فقط اب پنجتنِ پاک میں میں ہوں
دامادِ نبیؐ، شیرِ خدا، قاتلِ عنتر
سلطانِ قضا، میرِ قدر، حیدرؑ و صفدرؑ
تیغ ان کی جلا دے گئی آئینۂ دیں کو
آئینۂ اسلام سے جاتا نہ کبھی زنگ
دو کر دیا دم میں حق و باطل کو دمِ جنگ
واں خانۂ حق بن گیا، بت خانہ جہاں تھا
ہے امن میں طوفاں سے ہمارا ہی سفینا
حق حق کی صدا ہے عوضِ قلقلِ مینا
اب دور ہے تسبیح کا زنار نہیں ہے
ہر بت کو خدا جانتے تھے جاہل و احمق
آگے بھی کبھی تھی چمنِ دیں کی یہ رونق
دیکھو تمہیں کانٹے ہیں جدا پھول جدا ہیں
ہاتھ آیا جسے جو سو یداللہ کے گھر سے
بت توڑ کے باہر کیے اللہ کے گھر سے
کیا سخت مہم تھی جسے سر کر دیا دم میں
مرحب کی شجاعت کا معترف ہے زمانا
کس قوم نے اس تیغ کا لوہا نہیں مانا
مرحب کی زرہ کیا، پرِ جبریل کٹے تھے
انسان تھے مگر دیو کے لشکر کو بھگایا
کوسوں نہ دکھائی دیا جنات کا سایا
بچتی نہ کبھی جان، جو ایمان نہ لاتے

اس ذرّے سے سب تابع فرماں ہیں بلاآں
جانیں مرے قدموں پہ کریں فخر سے قرباں
جن کیا ہیں ملائک کا بھی احسان نہ لوں گا
مقدور یہ کیا صبر ہے دیکھو دلِ شبیرؑ
مجھ سا نہ کوئی ہوئے گا یوں تابعِ تقدیر
گو ضعف ہے اور شدتِ تشنہ دہنی ہے
میں ناظمِ دیں، حصنِ حصیں، حبلِ متیں ہوں
میں کعبۂ اسلام ہوں، میں قبلۂ دیں ہوں
بچپن میں کسی کے لیے یہ اوج کہاں تھا
اللہ نے دی ہے ہمیں کونین کی شاہی
ہم حجتِ اللہ ہیں ہم سیفِ الٰہی
اللہ ہے ساتھ اُس کے جو دے ساتھ ہمارا
غصہ مجھے آجائے تو لشکر کو بھگا دوں
پر اُمتِ احمدؐ ہو میں کیا تم کو سزا دوں
نے مکر کی آئیں نہ دغا جانتا ہوں میں
مشکل جو پڑے عقدہ کشائی مری دیکھو
ہو جنگ کی طاقت تو لڑائی مری دیکھو
بہتر ہے تہِ تیغ جو یہ خشک گلا ہو
میں صاف ہوں اب بھی مرے کہنے کو جو مانو
پچھتاؤ گے تم، قتل مرا دل میں نہ ٹھانو
پیارا ہوں جگر گوشۂ فخرِ دو جہاں کا
حاصل نہیں کیا گر مرے بچے ہوئے برباد
کیا نشۂ دولت ہے کہ بھولی ہے مری یاد
للہ کرو پاس، رسولِ عربی کا

میں ہوں تو حاضر ہو ابھی قومِ بنی جاں
پر محسنِ عالم کبھی لیتا نہیں احساں
میں وہ ہوں کہ خود آئیں گے، اور اذن نہ دوں گا
جوہر تو یہ، اور قبضۂ قدرت میں ہے شمشیر
لاکھوں سے بھی عاجز نہیں میں بیکس و دلگیر
ہاتھوں میں مگر قوتِ خیبر شکنی ہے
میں نور ہوں، میں خلق میں قرآنِ مبیں ہوں
میں نقش ہوں، میں مہرِ نبوت کا نگیں ہوں
میں ہوں وہ مکیں دوشِ نبی جس کا مکاں تھا
جس قوم پہ چاہیں ابھی آجائے تباہی
ہے زیرِ نگیں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
کونین میں ہے دستِ خدا ہاتھ ہمارا
ساری یہ صفیں تیغ سے اک دم میں اڑا دوں
تم دکھ مجھے دو میں تمہیں جب دوں تو دعا دوں
تم سب کو عزیزوں سے سوا جانتا ہوں میں
دشمن سے بھی ہوں صاف صفائی مری دیکھو
سر کاٹ لو گر کوئی برائی مری دیکھو
راضی ہوں میں جس بات میں تم سب کا بھلا ہو
بہکے ہو کدھر دیں کا رہبر مجھے جانو!
بےکس کا بدن ظلم کے تیروں سے نہ چھانو!
دلبند ہوں میں سیدِ کونین مکاں کا
اجڑی ہوئی بستی کو بشر کرتے ہیں آباد
فریاد رسِ خلق کی سنتے نہیں فریاد
زہرا مری مادر ہے نواسا ہوں نبی کا

بالفرض نہ سمجھو مجھے دل بند پیمبرؐ
حاجی مرے ہونے میں تامل ہے نہیں گر
اُمت کا محمدؐ کی ہوا خواہ تو ہوں میں
تم نے تو بلایا بھی نہ تھا آپ میں آیا
کھانا بھی کھلایا مجھے پانی بھی پلایا
مشتاق مدینے کی حکومت کا نہیں میں
جس شہر میں کہہ دو میں اسی شہر میں جاؤں
لکھوا لو شکایت کا سخن لب پہ جو لاؤں
سختی بھی اٹھا لوں گا مصیبت بھی سہوں گا
تا زیست جو چھوڑوں کبھی کہسار کا دامن
اسباب بھی لے لو مجھے کیا چاہیے ساماں
ممکن نہیں جینے کا مزا رنج و الم میں
دنیا میں نشاں کفر و ضلالت کا نہ گاڑو
خالق کی بنائی ہوئی صورت نہ بگاڑو
گو آج زبردست ہو، یا صاحب زر ہو
یہ سن کے لعینوں نے کہا شاہ اُمم سے
اک دم میں گلا کاٹیں گے شمشیر دو دم سے
حاکم سے خجل ہوں یہ نہیں کام ہمارا
حضرت نے کہا خوب جواب اس کا دیا واہ
حاکم جسے کہتے ہو تمہارا ہے وہ بدخواہ
وعدہ ہے جو کچھ وہ بھی نہ تم پاؤ گے یارو
گر زعم میں تم سب کے گنہگار ہے شبیرؑ
ان بی بیوں کی شان میں ہے آیۂ تطہیر
لازم ہے کہ سادات کی امداد کرو تم

کعبے کا مسافر تو ہوں میں بے کس و بے پر
شبیرؑ مسلماں تو ہے لے قوم ستمگر
یہ بھی نہیں اک بندۂ اللہ تو ہوں میں
جنگل میں مدینے سے مقدر مجھے لایا
دعوت بھی مری ہو چکی آرام بھی پایا
رخصت کرو اب بھی تو نکل جاؤں کہیں میں
بستی جو نہ ممکن ہو تو جنگل کو بساؤں
مجرم جو قلمرو میں تمہارے کبھی آؤں
رازق ہے خدا جا کے پہاڑوں میں رہوں گا
پھر ہاتھ ہے تم لوگوں کا اور میرا گریباں
اب عمر بھی آخر ہے کوئی دن کا ہوں مہماں
سن لیجو کہ مر جاؤں گا فرزند کے غم میں
للہ ستون کعبۂ دیں کا نہ اکھاڑو
عادل کی بسائی ہوئی بستی نہ اجاڑو
مرنا بھی تو اک دن ہے مقرر کوئی بشر ہو
جانے دیں کہیں آپ کو یہ ہوگا نہ تم سے
زینبؑ کو ملے گی نہ اماں قید ستم سے
سر کاٹ کے لے جائیں تو ہو نام ہمارا
وہ کام کرو جس میں رضامند ہو اللہ
بہکانے سے بے دیں کے جہنم کی نہ لو راہ
دیکھو! مرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے یارو
ناموس محمدؐ کی ہے پھر کون سی تقصیر!
مریم سے زیادہ مری بہنوں کی ہے توقیر
اے ظالمو! اس گھر کو نہ برباد کرو تم

چلا کے یہ تب کہنے لگا شمر ستم گار
ہاں ہاں ہمیں کچھ آج نہیں دیر سے درکار
وہ کرتے ہیں ہم جس میں ملیں درہم و دینار
گر جان بچانی ہے تو رکھ دیجیے ہتھیار
بیعت کا یہ قصہ ہے فساد اور نہیں ہے
بچنے کا سوا اس کے کوئی طور نہیں ہے

اس بات کے سنتے ہی نہ حضرت کو رہی تاب
تھرا گئے، گویا کہ لگا زخم پہ تیزاب
فرمایا کہ کیا بکتا ہے او کافر کذاب
میں بحرِ امامت کا ہوں اک گوہرِ نایاب
تو دشمنِ اولادِ رسولِ دوسرا ہے
فاسق کی وہ بیعت کرے جو دستِ خدا ہے

یہ سنتے ہی شمشیر کو سرور نے نکالا
فرمانِ قضا نائبِ حیدر نے نکالا
یوں میان سے اس تیغ کو صفدر نے نکالا
غل تھا کہ وہ منہ غار سے اژدر نے نکالا
ہلتی ہوئی دونوں جو زبانیں نظر آئیں
ہونٹوں پہ ستم گاروں کی جانیں نظر آئیں

بجلی کی چمک لشکرِ دشمن کو دکھائی
شعلے کی لپک ناریوں کے تن کو دکھائی
تیزی دمِ شمشیر نے جوشن کو دکھائی
کٹ کٹ گیا ایسی برش آہن کو دکھائی
کس طرح بھلا اہلِ ستم دنگ نہ ہو جائیں
چار آئینے ششدر تھے کہ جو زنگ نہ ہو جائیں

سر اڑ گئے گردن سے تو خود اڑ گئے سر سے
شانوں سے تو ڈھالیں زرہیں گر گئیں بر سے
پھل برچھیوں کے کٹ کے گرے پھول شجر سے
دستانے تو ہاتھوں سے، کمر بند کمر سے
اعدا کی صفیں خوف سے منہ موڑ کے بھاگیں
روحیں قفسِ جسم سے جی چھوڑ کے بھاگیں

اک ضرب میں دو کر دیا بکتا جسے پایا
منہ پھیر لیا اس نے سسکتا جسے پایا
چھوڑا اسے بسمل سا پھڑکتا جسے پایا
دکھلا دی رہِ راست بھٹکتا جسے پایا
مطلب تھا جھکنے سے یہ تیغ دو زباں کا
وہ راہ ہے دوزخ کی یہ جادہ ہے جناں کا

رخ مثلِ کماں پھر گئے ناوک فگنوں کے
تلواریں دم بند ہوئے تیغ زنوں کے
ضربت تھی کہ دل ٹوٹ گئے صف شکنوں کے
پرزے ہوئے ڈھالوں کے تو ٹکڑے بدنوں کے
کیا منہ تھا جو آتا کوئی اس شیر کے منہ پر
لاتی تھی قضا کھینچ کے شمشیر کے منہ پر

ٹکڑے کہیں لشکر کے کماں دار پڑے تھے
تیروں کے کہیں خاک پہ سوفار پڑے تھے
تھے ہاتھ کسی جا، کہیں ہتھیار پڑے تھے
جا گہ تھی جہاں ایک کی واں چار پڑے تھے
پامال تھے سر تابشِ خورشید میں تن تھے
پر موت میں روحیں تھیں جہنم میں بدن تھے

چار آئینے والے برش تیغ سے تھے دنگ
پڑتی تھی جو سر پر تو ٹھہرتی تھی تہِ تنگ
غل تھا کہ دہن کھولے ہوئے صورت لا ہے
چلّے پہ جو رکھتا تھا کوئی فتنہ گر انگشت
زہ گیر پہ چلّہ تھا نہ چلّے پہ نہ انگشت

جس وقت ہوا لگ گئی اُس برق دو دم کی
نیزہ لئے آیا جو کوئی صف سے نکل کر
آواز دی یہ تیغ ید اللہ نے چل کر

وہ نیزہ خوں ریز جو لڑنے پہ تلے تھے
جب خود پہ چمکی تو قلم کاٹ کے اُٹھی
جوشن پہ جو آئی تو شکم کاٹ کے اُٹھی

بالا تھی وہ شمشیر ستمگار فرو تھا
یکتائی خالق میں کوئی شرک جو لایا
اک ضرب میں دو کر دیا مشرک جسے پایا
کفار سے میدان وغا صاف کیا تھا

بجلی تھی یہ جنگل کے لئے بن گئی جاروب
نقارے تلک آتے ہوئے کانپتی تھی چوب

شمشیر کے شعلے کی حرارت جو بڑھی تھی
بجلی سی ہوا پر کبھی چمکی، کبھی ٹھہری
پایاب تھی خوں کی کہیں ندی کہیں گہری
جو خاکی و آبی تھا وہ تھا نوحہ گری میں

جب بیس ہزار اہل ستم جان سے مارے
جوہر ہی بزرگوں کے تری ذات میں سارے
اب خلق ہے اور مرحلۂ تیغ جفا ہے

جوہر تھے عجب اور عجب آب عجب رنگ
اسوار تو اسوار، فرس ہو گئے چو رنگ
دکھلا گئی گھوڑے کو بھی منھ سے کہ بلا ہے

شمشیر بتانے کو اُٹھاتی تھی سر انگشت
اک ہاتھ میں گرتی تھی قلم ہو کے ہر انگشت
سب اُڑ گئیں شاخیں، اشجر ظلم و ستم کی

حضرت نے پکارا کہ قدم رکھیو سنبھل کر
یا عقدہ کشا عقدۂ مقصود کو حل کر

نوک اُس کی نہ پہونچی تھی کہ سب بند کھلے تھے
دستانے کو مانند قلم کاٹ کے اُٹھی
سر پہ جو پڑی تا بہ قدم کاٹ کے اُٹھی

دیکھا تو فرس بھی اسی اک ضرب میں دو تھا
شمشیر نے انگشت شہادت کو اُٹھایا
باطل تو اُدھر ہو گیا اور حق اِدھر آیا
کیا تیغ ید اللہ نے انصاف کیا تھا

کھلے گئے سر اُن کے جو تھے فوج کے سرتیپ
ہیبت سے لرزتا تھا وہ صحرائے پر آشوب

خورشید کو گردوں پہ تپ لرزہ چڑھی تھی
تھی عکس سے دریا کی ہر اک لہر سنہری
راحت میں نہ بحری تھے نہ بری تھے نہ شہری
خشکی میں تباہی تھی تلاطم تھا تری میں

آواز یہ آئی کہ بس اے شیر ہمارے
تو وہ ہے کہ لاکھوں سے لڑائی نہیں ہارے
ہاں صابر و شاکر دم تسلیم و رضا ہے

پہلو سے صدا حضرتِ زہراؑ کی یہ آئی
پانی کی کوئی بوند بھی پائی کہ نہ پائی
پیشانی پہ بوسہ تو ذرا لینے دو بیٹا!
آئی جو یہ آواز، شہِ کون و مکاں کی
اعدا نے کہا روک کے گھوڑے کی عناں کو
کر دو خبر اُس کو بھی کدھر شمرِ لعیں ہے

یہ سُن کے، بڑھے لاکھ جواں دست بہ شمشیر
تلوار برابر سے لگانے لگے بے پیر
تیغوں سے جو سب عضوِ تنِ پاک کٹے تھے
تلواروں سے پُرزے تھا عمامہ تو قبا چاک
سی پارہ تھے جزوِ تنِ سبطِ شہِ لولاک
کٹ کٹ کے کمر بندِ یداللہ کھلا تھا

غش کھا کے جو گرنے پہ جھکے سیدِ ابرار
سر تھام کے ہاتھوں سے جو بیٹھے ہوئے اک بار
مہمان تھے دنیا میں فقط چند نفس کے
دل سینے میں پھنکتا تھا یہ تھی تشنہ دہانی
جھکتا تھا جدھر زیں سے یداللہ کا جانی
قابو میں نہ دستِ پسرِ عقدہ کشا تھے

ڈیوڑھی پہ پریشانیاں دیتی تھیں دُہائی
نکلی ہوئی ڈیوڑھی سے یداللہ کی جائی
فریاد! بہن شہ سے جدا ہوتی ہے لوگو
غل رانڈوں میں تھا واحسناہ وائے حسینا
آتی تھی یہ زہراؑ کی صدا ہائے حسینا
کس یاس سے پھر پھر کے نظر کرتے ہو بھائی

ڈیوڑھی کے فاقے میں یہ جرأت، یہ لڑائی
ماں صدقے گئی، دُکھ گئی ہو گی کلائی
ہاتھوں کی بلائیں تو مجھے لینے دو بیٹا
تھرا کے رکھا میاں میں تیغِ دو زباں کو
جاتے ہو کہاں قتل کرو تشنہ دہاں کو
اب آؤ کہ لڑنے کا مجھے حکم نہیں ہے

یا کوئی نہ آسکتا تھا یا گھر گئے شبیرؑ
بس ٹوٹ گئیں پسلیاں ہائے یہ چلے تیر
زخموں کے بھی ماتم میں گریباں پھٹے تھے
تھی گُل کی طرح خون میں ڈوبی ہوئی پوشاک
ٹکڑے تھی تلواروں سے جلدِ تنِ پاک
شیرازۂ قرآنِ تنِ شاہ کھلا تھا

خولی نے لگائی سرِ پُر نور پہ تلوار
برچھی بنِ اشعث کی کلیجے کے ہوئی پار
غش ہو گئے نیزے سے سنانِ ابنِ انس کے
ہوش آتا تھا جب غش سے تو فرماتے تھے پانی
پہلو پہ تبر مارتے تھے ظلم کے بانی
تھراتے ہوئے پاؤں رکابوں سے جدا تھے
کیوں لوٹتے ہو فاطمہ زہراؑ کی کمائی
چلاتی تھی ہے ہے مرے بھائی مرے بھائی

دوڑو کوئی، سیّد پہ جفا ہوتی ہے لوگو
صدقے تری مظلومی کے دُکھ پائے حسینا
چلاتی تھی زینبؑ، مرے ماں جائے حسینا
ہے ہے یہ بہن جیتی ہے تم مرتے ہو بھائی

بھیا تری مظلوم بہن کس کو پکارے
قسمت میں لکھا تھا کہ بندھیں ہاتھ ہمارے
اے تشنہ دہن پیاس تری کون بجھائے
آقا! مری چھاتی پہ کوئی برچھیاں مارے
پرورش میں دولت مرے ماں باپ کی بچ جائے
سر کاٹ لیں ہم سجّے پہ جان آپ کی بچ جائے
بابا بھی نہیں کون مدد کرنے کو آئے
کس شہر سے اماں کو بہن ڈھونڈھ کے لائے
اے تشنہ دہن پیاس تری کون بجھائے
یثرب کے مسافر، تجھے اللہ بچائے

ویرانے میں فریاد سُنے کون کسی کی
بستی بھی نہیں، کوئی محبانِ علیؑ کی
اس دشت میں یارب کسی شیعہ کا گزر ہو
افسوس یہیں والوں کو کس طرح خبر ہو
بے بے یہ مہم جنگ کی کس طرح سے سر ہو
یارب کوئی آکر نجفی سینہ سپر ہو
کشتی ہوئی اماں کی کمائی کو بچالے
کوئی ترا بندہ مرے بھائی کو بچالے

سر پیٹ کے چلاتی رہی بنتِ ید اللہ
غش کھا کے اُدھر خاک پہ دلدل سے گرے شاہ
کھینچے ہوئے خنجر کو بڑھے فوج سے گمراہ
دوڑی گئی مقتل کی طرف زینبؑ ذی جاہ
کونین کے دفتر کو اُلٹتے ہوئے دیکھا
پہونچی تو گلا بھائی کا کٹتے ہوئے دیکھا

سب جانتے ہیں صدمۂ ذبح شہ خوش خو
کیونکر کہوں سینے پہ رکھا شمر نے زانو
وہ حلق وہ شمشیر وہ خاک اور وہ پہلو
وہ ہاتھ ستمگار کا اور شاہ کے گیسو
آجاتی اُسی وقت قیامت تو بجا تھا
اُٹھی جو نہ دُنیا تو خدا جانے کیا تھا

خاموش انیس اب کہ ہے سینے میں جگر چاک
حق ہے ترا مداح سبطِ شہِ لولاک
حاسد سے نہ کچھ خوف نہ دشمن سے ہے کچھ باک
نافہم ہے وہ چاند پہ ڈالے جو کوئی خاک
سب نظم کریں۔ نظم کا یہ نظم و نسق ہے
باطل ہے سو باطل ہے جو حق ہے سو وہ حق ہے

رُباعی

کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہے!
پیری میں بہ شکل نوجواں پھرتا ہے
عرصہ ہے اجاڑ کا اس قدر تنگ و حقیر
غم تو ہے کہ زمیں پہ آسماں پھرتا ہے

مرثیہ ۲۵

بند ۵

جب خیمۂ فرزندِ پیمبر ہوا تاراج
اک شور ہوا خانۂ شبیر ہوا تاراج
ناموسِ نبی کا زر و زیور ہوا تاراج
جو رونقِ دنیا تھا وہی گھر ہوا تاراج
بے دینوں نے لوٹا حرمِ شیرِ خدا کو
سیدانیاں محتاج ہوئیں ایک ردا کو

وہ پردہ گیانِ حرمِ عزت و توقیر
نازل ہوا تھا جن کے لیے آیۂ تطہیر
سیدانیں سر ننگے تھیں اور گرد تھے بے پیر
تھا چار طرف شور کہ مارے گئے شبیر
تاکید تھی ہر دم عمر و سعدِ شقی کی
اس باندھ لو رسی سے نواسی کو نبی کی

خالق نے ظفر یاب کیا شیروں پہ ہم کو
گھیرے رہو حلقے میں غزالانِ حرم کو
تھا عشق بہت دخترِ سلطانِ عجم کو
دکھلا دو سرِ نیزہ سرِ شاہِ امم کو
کیں لونڈیاں آزاد بہت راہ خدا میں
اب خود کوئی دن رنج سہے قید بلا میں

ان قیدیوں میں بیٹیاں زہرا کی کہاں ہیں
بے پردہ ہیں اس وقت کہ پردے میں نہاں تھیں
دیکھیں تو کہ کس کے یہ بالائے سناں ہیں
کس کس کے یہ تن ہیں جو سرِ خاک طپاں ہیں
تلوار سے کٹ کر علی اکبر نہیں آتے
اب بہرِ مدد سبطِ پیمبر نہیں آتے

کیا ہو گیا وہ خیمۂ زنگاریِ سرور
کیا ہو گئے وہ شاہ کدھر کو گیا لشکر
مسند ہے کہاں بیٹھتے تھے جس پہ پیمبر
درباں تھے ملک جس کے کہاں آج ہے وہ گھر
وہ تیغ، وہ گھوڑا علی اکبر کا کہاں ہے
وہ ننھا سا جھولا علی اصغر کا کہاں ہے

کہتا تھا کوئی دشمنِ دیں بیڑیاں لاؤ
زنجیر، ید اللہ کے پوتے کو پنہاؤ
سجاد کے پہلو سے سکینہ کو ہٹاؤ
لپٹا ہوا ہے باپ کے، باقر کو چھڑاؤ
سر کاٹ لو فرزندِ حسین ابن علی کا
تا فاتحہ خواں بھی نہ رہے سبطِ نبی کا

اونٹ آئیں وہ جن پر نہ ہو موج نہ عماری
کوفے کی طرف جائے گی رانڈوں کی سواری
ہے روز خوشی کا کہ ہوئی فتح ہماری
کہہ دو کوئی قیدی نہ کرے گریہ و زاری
ہرگز نہ رہائی کسی تدبیر سے ہوگی
بچہ بھی جو روئے گا تو تعزیر ملے گی

بانو پہ تقید تھی کہ اکبر کو نہ روئے
اک شب کی دلھن قاسم بے پر کو نہ روئے
اب لاش پہ بھی سبط رسول مدنی کی
حیدر کو پکارے نہ کوئی غم کی ستائی
یہ غل نہ کریں لٹ گئی زہرا کی کمائی
نوحوں سے ملا دیں نہ بزرگوں کی لحد کو

لیوے گی سکینہ جو کبھی نام علمدار
ہے ہے مرے بابا جو پکارے گی وہ ہر بار
بھولے سے بھی گر اونٹ پہ فریاد کرے گی
اعدا کی یہ تاکید تھی رانڈوں کا یہ تھا حال
چلاتی تھی بانو مرا لٹ گیا اقبال
کیونکر نہ دہائی دوں رسولِ دوسرا کی

چلاتی تھی مقتل کی طرف زینب مضطر
بازو مرے رسی سے بندھے چھن گئی چادر
فریاد ہے منہ اشکوں سے دھونا نہیں ملتا
کیا کیا ہمیں تقدیر نے یہ ظلم دکھائے
نزدیک ہے مظلوم سکینہ کو غش آئے
منہ خشک ہے پر روتی ہے کانوں پہ دھرے ہاتھ

اک ایک کو سر کٹنے کا تھا وارثوں کا درد
سینوں میں جو دل جلتے تھے بھرتی تھیں دم سرد
نکلی تھیں جو جلتے ہوئے خیمے کے تلے سے
حلقے میں جفا کاروں کے تھے عابد بیمار
جلاد یہ کہتا تھا کہ اے شمر ستمگار
گردن یہ نہیں طوق گلوگیر کے قابل

چھاتی بھی جو بھر آئے تو اصغر کو نہ روئے
زینب سے یہ کہہ دو کہ برادر کو نہ روئے
ہونے لگے قلم ہاتھ اگر سینہ زنی کی
دلوائے نہ کوئی رانڈ محمد کی دہائی
رو کر نہ کہے کوئی کہ ہے ہے مرے بھائی
سب مر گئے اب کوئی نہ آئے گا مدد کو

تو سرخ طمانچوں سے کریں گے گل رخسار
کس دیوے گا رسی سے گلا شمر ستمگار
دلوائیں گے یہ ایذا کہ بہت یاد کرے گی
سر پیٹتی تھیں چہروں پہ بکھرے ہوئے تھے بال
ہیں رانڈ ہوئی قتل ہوا فاطمہ کا لال
سر ننگے ہے بلوے میں بہو شیر خدا کی

یا سبط نبی لوٹی گئی آپ کی خواہر
حلقے میں ستمگاروں کے تنہا ہوں کھلے سر
تم قتل ہوئے اور مجھے رونا نہیں ملتا
خوں روتی ہے منہ دست جفائی سے چھپائے
زخمی ہوئے ہیں گال طمانچے بھی ہیں کھائے
اور کہنیوں تک چھوٹے سے ہاتھ خوں میں بھرے تھے

صدمے سے گرفتاری کے تھے چاند سے منہ زرد
تھراتے تھے شعلے کی طرح سے تن پر گرد
لپٹے ہوئے اطفال تھے رانڈوں کے گلے سے
شدت سے تپ غم کی غش آجاتا تھا ہر بار
پہناؤں گے بیڑیاں اور طوق گراں بار
یہ پاؤں نہیں حلقۂ زنجیر کے قابل

طوق اس کو پنہاتے ہیں جو ہوتا ہے توانا
ان کانپتے پاؤں میں نہ زنجیر پنہانا
نے پاؤں ہیں اس بوجھ کے لائق نہ گلا ہے

حدّاد سے یوں کہنے لگا قاتلِ شبیر
یہ شیر ہیں بگڑیں تو نہ بن آئے گی تدبیر
بیماری میں عالم ہے ضعیفی میں قوی ہیں

لازم ہے کہ اس طرح انہیں کیجئے گرفتار
ہو پنجے یہ کسے جائیں کہ ہوں انگلیاں بیکار
فریاد کو بھی ہاتھ یہ مضطر نہ اٹھائے

عابد نے کہا گو ہیں گرفتارِ مصیبت
ان کانپتے ہاتھوں میں بھی ہے زورِ امامت
نے ضعف کا باعث، نہ نقاہت کا سبب ہے

برہم ہوں تو عالم کی بنا ہو ابھی نابود
گلزار ہو سائے سے مرے آتشِ نمرود
ہے زور مرے قبضے میں حیدر کے برابر

بابا کو جو رو دوں تو اٹھے نوح کا طوفاں
ہے زیر نگیں، خاتمِ انگشتِ سلیماں
پر طوق پنہا دو کہ جھکائے ہوئے سر ہوں

دادا کے مرے زور سے ماہر ہے خدائی
ہاتھ ان کے رہی خیبر و خندق کی لڑائی
ہے فخر کی جا، گر مری گردن میں رسن ہو

سب جانتے ہیں صابری و جرأتِ حیدر
اک روز یہ مظلوم ہوئے بعدِ پیمبر
دی آتشِ کیں خیمے کو حیدر کے پسر نے

دشوار ہے بیمار کو گردن کا اٹھانا
ورنہ ابھی ہو جائے گا دم تن سے روانہ
یہ ضعف ہی اس کے لئے زنجیرِ بلا ہے

تکرار نہ کر جلد پنہا، طوقِ گلوگیر
گردن میں رسن جانے اور پاؤں میں زنجیر
غیظ ان کا غضب ہے کہ یہ اولادِ علی ہیں

نے پاؤں بڑھیں اور نہ کھینچیں ہاتھ سے تلوار
بیڑی ہو یہ بھاری کہ چلے زور نہ زنہار
طوق ایسا گراں ہو کہ کبھی سر نہ اٹھائے

بھر جائے زمیں خوں سے جو دکھلائیں شجاعت
کیا جانئے کیا ہے جو دکھاتے نہیں طاقت
واللہ فقط بخششِ امت کا سبب ہے

اعجاز جو موسیٰ کا عصا ہیں مرے موجود
آہن کو ابھی موم کروں صورتِ داؤد
دو انگلیاں ہیں تیغِ دو پیکر کے برابر

عیسیٰ کی طرح مردۂ صد سالہ کو دوں جاں
جنّات و ملائک ہیں مرے تابعِ فرماں
ہیں سیدِ مظلوم کا مظلوم پسر ہوں

کی قوت شکنی کفر کی بنیاد مٹائی
اس زور پہ پھر رسی سے گردن بھی بندھائی
پوتے ہیں نبی کے، لازم ہے کہ دادا کا چلن ہو

اک زور وہ تھا فتح کیا قلعۂ خیبر
کچھ بولے نہ جب دادی کے پہلو پہ گرا در
مجھ پر بھی وہی ظلم ہوا بعدِ پدر کے

آگے مرے زیور مری مادر کا اُتارا
زینبؑ کی ردا چھن گئی گھر لُٹ گیا سارا
بے جُرم طمانچہ مری ہمشیر کو مارا
یہ سب کیا اُمت کے لئے میں نے گوارا
خوش ہو کے اسیری کے بھی دُکھ درد سہیں گے
ہم وہ ہیں کہ ہر درد میں صابر ہی رہیں گے

تم سب نے جو دیکھی مرے بابا کی شجاعت
مارے گئے، کی حاکم فاسق کی نہ بیعت
قربان ہیں اس فہم کے اللہ ری ہمت
رکھ لی پسر فاطمہؑ نے دین کی عزت
خنجر تو نہیں حلق سے جو خون بہے گا
کیا طوق کی ایذا بھی نہ بیمار سہے گا

ہیں اذن وغا گر شہ مظلوم سے پاتا
میں چھاتی پہ اکبرؑ کی طرح برچھیاں کھاتا
ششماہہ مرا بھائی تو جاں اپنی گنواتا
ایسا تو نہ تھا میں کہ گلا بھی نہ کٹاتا
وہ صاحب قسمت ہوئے داخل شہدا میں
ہم قید کے قابل تھے پھنسے رنج و بلا میں

یہ سُن کے لعیں تیغ کا حلقہ لیے آیا
کس صبر سے عابدؑ نے سر پاک جھکایا
زنجیر کو جب سامنے بیمار کے لایا
فرزند ید اللہ نے خود پاؤں بڑھایا
دم مارا نہ کچھ، طوق گلوگیر پہن کر
سجدے کے لیے جُھک گئے زنجیر پہن کر

اُٹھ کر کہا سجدے سے کہ اے مالک تقدیر
یہ قید تری راہ میں ہے عزت و توقیر
بندے کو حصار امن کا ہے طوق گلوگیر
اور سلسلۂ بخشش اُمت ہے یہ زنجیر
ہمت دے کہ ہر رنج میں خورسند رہوں میں
اس قید میں بھی صبر کا پابند رہوں میں

عادل ہے تو، دانا ہے، اے قادر مختار
حامی ہے غریبوں کا ضعیفوں کا مددگار
مولا تری طاقت سے قوی ہے یہ دل زار
یہ بار کہاں، اور کہاں، عابدؑ بیمار
یاں ایک قدم چلنے کا مقدور نہیں ہے
پہونچا دے جو منزل پہ تو کچھ دور نہیں ہے

بابا سا شفیق اُٹھ گیا ہوں بیکس و تنہا
عورات کا ساتھ، اور گرفتاری کی ایذا
موجود ہے تو سر پہ تو کچھ غم نہیں اصلا
ماں سے کہیں حصہ تری شفقت سے زیادہ
گو بلوے میں عریاں سر ناموس نبی ہے
ستار ترا نام ہے، دل اس سے قوی ہے

رو رو کے وہ بیمار یہ کرتا تھا تقریر
اونٹوں پہ چڑھیں بی بیاں با حالت تغیر
اسوار ہوئے گھوڑوں پہ سب ظالم بے پیر
سجادؑ پیادہ چلے پہنے ہوئے زنجیر
نیزے پہ جو پُرخوں سر شاہ شہدا تھا
اونٹوں پہ بنی زادیوں میں حشر بپا تھا

مقتل میں جو وہ قافلۂ نوحہ گر آیا
سینے میں، الم سے دل سجاد بھر آیا
صدمہ یہ ہوا زینبِ ناشاد حزیں پر
چلّائی تھی اے زینتِ آغوشِ پیمبر
آئی یہ صدا لاشۂ شہِ دیں سے مکرر
رنج ہے کہ عجب تم پہ ستم ہوتے ہیں زینب

جس وقت، یہ پُردرد صدا کان میں آئی
چلّائی کہ فریاد ہے میں لُٹ گئی بھائی
ہوں کور تو یہ ظلم نہ ان آنکھوں سے دیکھوں
بچپن سے سدا دوشِ نبیؐ پر تمہیں دیکھا
گودی سے جدا ماں کی نہ دم بھر تمہیں دیکھا
اب کوئی بزرگوں میں نہیں، ہائے برادر

اک روز وہ تھا نبیؐ کی تھی اللہ نے بوٹا
یہ چادرِ تن آج ہوا تیغوں سے صد چاک
آرام بس اب از رنج و محن بھی نہیں ملتا
چلّائی تھی بانو مرے شبیر مرے سرتاج
حضرت کو تو نیزے پہ ملا رتبۂ معراج
گھر لُٹ گیا، بے وارث و والی ہوئی صاحب

اب کون ہے یا شاہ مرا پوچھنے والا
کب تک یہ سہوں رنج و ستم اے شہِ والا
بیماری میں سجادؑ گرفتارِ رسن ہے
رو رو کے بیاں کرتی تھی یہ بانوئے بے پر
پہچانا ہو تم نے تو بتا دو مجھے مادر
بیتاب ہے دل چھاتی پھٹی جاتی ہے امّاں

تیغوں سے قلم باغِ محمدؐ نظر آیا
بابا کو پکارے کہ یہ قیدی پسر آیا
اشتر سے گری ہائے اخی کہہ کے زمیں پر
گردن تو اٹھاؤ، بہن آئی ہے کھلے سر
بھائی ترے قربان ہوا اے مری خواہر
تیرے لیے نیزے پہ بھی ہم روتے ہیں از بس

جا بیٹھی تنِ شہ سے وہ گردوں کی ستائی
تقدیر نے لاش آپ کی بھینا کو دکھائی
صدقے گئی بے سر تمہیں کن آنکھوں سے دیکھوں
بھائی یہ ید اللہ کی اکثر تمہیں دیکھا
اور آج کے دن خاک پہ بے سر تمہیں دیکھا
بھینا! کسے لاش آپ کی دکھلائے برادر

اور اونٹ سواری کا نہ تھے شہ لولاک
کس بیکسی سے آج ترے ہو بسر خاک
مظلوم ہو ایسے کہ کفن بھی نہیں ملتا
اُلٹا مرا بخت آپ کے مرنے سے لٹا راج
اور لونڈی ہے بلوے میں ردا کے لیے محتاج
بچوں سے بھری گود بھی خالی ہوئی صاحب

وہ بھی نہیں، اٹھارہ برس تک جسے پالا
اعدا نے مجھے لوٹ کے پردے سے نکالا
میں قید ہوں لاش آپ کی بے گور و کفن ہے
جو ماں سے کہا، بالی سکینہ نے یہ رو کر
یہ کون ہے مظلوم کا ہے لاشۂ بے سر
اس لاش سے تو بابا کی بو آتی ہے امّاں

بانو نے یہ چاہا کہ سکینہ سے چھپائے
خود لاش نے کہہ کر یہ سخن ہاتھ اٹھائے
سو رہتی تھیں تم رکھ کے اسی چھاتی پہ سر کو
صدقے تری مظلومی کے میں اے مری پیاری
خوں بھر ہوا سینے سے مرے زخموں سے جاری
مشتاق ملاقات ہیں ہم آؤ سکینہ
کوئی نہ تھا جو باپ سے ملنے کا قرینہ
لاشے پہ گری ہائے پدر کہہ کے سکینہ
چلائی کہ ویران بھرا گھر کیا بابا
ہے ہے مرے مظلوم پدر پیاس کے مارے
شب کو مجھے نیند آتی تھی سینے پہ تمہارے
بھیا علی اصغر کو تو لیتے گئے بابا
قربان گئی بیٹی سے منہ آپ نے موڑا
اعدا نے کردوں کے لئے ہاتھوں کو مروڑا
بے زار ہوئے پیار کے وہ دن گئے بابا
خیمہ بھی جلا چھن گئی اماں کی بھی چادر
زنجیر گراں پہنے ہیں سجاد برادر
بیمار کو آرام نہیں ملتا ہے بابا
کرتی تھی جو یہ بین سکینہ جگر افگار
اور کہتے تھے یہ کھینچ کے بازو کو ستمگار
وہ کہتی تھی منہ شہ سے نہ موڑے گی سکینہ
ملعونوں میں بے کس ہوں نہ دیکھو تو بابا
مر جاؤں گی لاشے سے نہ بابا کے جدا ہو
بے غسل و کفن کی طرح کیا ہو جہیں ہے

برچھی کا منہ دیکھ کے آنسو نکل آئے
آؤ کہ یہ بابا نہیں چھاتی سے لگائے
کیا بھول گئیں سکینہ مظلوم پدر کو
سیلی جو تجھے شمر ستمگار نے ماری
اس وقت تلک روح تڑپتی ہے ہماری
اس خوں بھری چھاتی سے لپٹ جاؤ سکینہ
بس سنتے ہی آواز شہنشاہ مدینہ
گردن پہ تو منہ رکھ دیا اور سینے پہ سینہ
ہے ہے تمہیں کس جرم پہ بے سر کیا بابا
تلواروں سے یہ عضو بدن ٹکڑے ہیں سارے
اب کون سلائے گا مجھے تم تو سدھارے
اور داغ یتیمی ہمیں دیتے گئے بابا
کھانے کو جدا تجھے ہمیں خیمے میں ہی چھوڑا
برچھی بھی دکھلائی اٹھایا کبھی کوڑا
تم آئے نہ اور میرے گہر چھن گئے بابا
ہیں جو اعدا میں چھوٹی جان تجھے سر
صدقے گئی بھیا کو بچاتے نہیں اٹھ کر
یہ طوق ہے بھاری کہ گلا چھلتا ہے بابا
تھرائی تھی خاک پہ لاش شہ ابرار
بس چھوڑ تن شاہ کو اے بیکس یا
بابا کے تو لاشے کو نہ چھوڑے گی سکینہ
ہو گیا نہ مرے وارثو مرا بازو نہ دکھاؤ
بیکس ہیں ہوں گی مجھے یاں چھوڑ نہ جاؤ
لاشے کی تمنا بابا کو بھی کوئی نہیں ہے

تنہائی کا بابا کی بڑا ہے مجھے وسواس
بچھڑے ہیں نہ قاسمؑ، نہ علی اکبرؑ و عباسؑ
جاؤں گی کہاں باپ کے پہلو سے میں ہٹ کر
پہلو سے صدا آئی کہ زہراؑ ترے قرباں
میں کوکھ جلی ہوں ترے بابا کی نگہباں
شبیرؑ سے اک دم نہ جدا ہوئے گی زہراؑ
سُن کر یہ صدا رانڈوں میں رونے کی ہوئی دھوم
وہ حال انھیں اب نہیں ہو سکتا ہے مرقوم
عالم میں یہ صدمہ نہ ہوا ہوگا کسی پر

دیکھو تو، برستی ہے عجب بیکسی و یاس
بیٹی تو بھلا باپ کے لاشے کے رہے پاس
شب ہو گئی تو سوؤں گی چھاتی سے لپٹ کر
تنہائی کا شبیرؑ کے غم کھا نہ مری جاں
اب فاطمہؑ ہے اور ہے یہ قتل کا میداں
آغوش میں لاشے کو لیے روئے گی زہراؑ
یہ سنتیں کہ غش کھا کے گریں زینبؑ و کلثومؑ
جس طرح بچھڑتی باپ سے وہ دخترِ مظلوم
رستے میں ہوئی جو کہ جفا آلِ نبی پر

رباعی

سرگرم رہوں، نبی کی مدّاحی میں
کام آئے زباں وصی کی مدّاحی میں
یارب! یہ مری عمر کٹے مثلِ قلم
سجدوں میں ترے، علی کی مدّاحی میں

رباعی

ہاں جوشِ غمِ سیّد عالی ہو جائے
چہروں پہ ان اشکوں سے بحالی ہو جائے
یوں لختِ جگر چشم سے ٹپکیں باہم
ہر شاخِ مژہ پھولوں کی ڈالی ہو جائے

مرثیہ ۲۶

بند ۴۰

آمد آمد حرمِ شاہ کی دربار میں ہے
صحبتِ عیش و طرب، مجلسِ غدار میں ہے
نوبتیں بجتی ہیں، دشمن تو خوشی ہوتے ہیں
آگے آگے تو ہیں سجّاد جھکائے گردن
شکلِ خورشیدِ فلک شرم سے لرزاں ہے بدن
بیٹھ جاتے ہیں تو جھنجلا کے اٹھاتے ہیں لعیں
پنڈلیاں سوجی ہیں، اور طوق سے چھلتا ہے گلا
خار تلوؤں میں ہیں، مقتل سے جو پیدل ہے چلا
اُس کی مظلومی پہ، بیتاب حرم ہوتے ہیں
پیچھے بیمار کے ہے قافلۂ اہلِ حرم
دخترِ فاطمہ زہرا کا عجب ہے عالم
رو کے فرماتی ہیں، کس گوشے میں جائے زینب
کبھی سجاد سے کہتی ہیں باہ و زاری
کر کے زاری یہ بیاں کرتا ہے وہ آزادی
کم نہ کچھ مرتبۂ آلِ عبا ہوئے گا
گردنیں بارہ اسیروں کی ہیں اور ایک رسن
رشتہ دارانِ علی سب ہیں گرفتارِ محن
دم بدم ساس بھی سر پیٹتی ہے ساتھ اُس کے
ہے اسی رسی میں ننھا سا سکینہ کا گلو
چاک کرتے کا گریباں ہے پریشاں گیسو
آہ، ہر گام پہ سینے سے نکل جاتی ہے

صبح سے جشن کا غل شام کی بازار میں ہے
شور و فریاد و بکا عترتِ اطہار میں ہے
فاطمہ پیٹتی ہیں، شبیرِ خدا روتے ہیں
پاؤں بیڑی میں ہیں، گلا طوق میں، گردن میں رسن
چاک ہے غم میں گریبانِ قبا تا دامن
بوٹیاں نیزوں کی شانوں میں چبھاتے ہیں لعیں
سخت ایذا میں ہے فرزندِ شہِ کرب و بلا
دھجیاں پاؤں میں باندھے ہے وہ نازوں کا پلا
دیدۂ حلقۂ زنجیر، لہو روتے ہیں
چپ ہیں تصویر سے گویا کسی میں نہیں ہوش
تھرتھری جسم میں ہے اٹھ نہیں سکتے ہیں قدم
ہاتھ کھل جائیں تو منہ اپنا چھپائے زینب
مجھ کو دربا کی آفت سے بچا دو واری
صبر فرماؤ جو مرضیٔ جنابِ باری
عاصیوں کا اسی پردے میں بھلا ہوئے گا
جس طرح ہوتے ہیں گلدستے میں گلہائے چمن
شرم کے مارے موئی جاتی ہے اک شب کی دلھن
ابھی کنگنا نہ کھلا تھا کہ بندھے ہاتھ اُس کے
دم گھٹا جاتا ہے آنکھوں سے رواں ہیں آنسو
سوجے تو گال ہیں کانوں سے ٹپکتا ہے لہو
جب گھڑکتے ہیں ستمگر تو دہل جاتی ہے

ماں سے کرتی تھی اشارہ وہ گرفتارِ ستم
رو کے وہ کہتی ہے مجبور ہوں میں کشتۂ غم
صدقے اماں یہ گرہ عقدہ کشا کھولے گا

ماں سے رو رو کے وہ نادان یہ کرتی تھی بیاں
یہ تو کہہ دو کہیں بابا بھی ملیں گے اماں
بھول جائے گا یہ سب دکھ جو انھیں پاؤں گی

کہیں دربار میں اماں وہ اگر مجھ کو ملے
وہ خبر لیویں نہ گر دن مری رسی سے چھلے
وجہ کیا کون سی تقصیر پہ منہ موڑا ہے

کان زخمی ہوئے اور لی نہ خبر واہ رے پیار
دن میں چھاتی سے لگاتے تھے مجھے سو سو بار
منہ دکھاتے نہیں شفقت سے بلایا کیسا

روتے تھے سن کے سکینہ کا بیاں سارے اسیر
اس طرف ہوتی تھی آرائشِ دربارِ شریر
اک طرف لوٹ کا سب زیور و زر رکھا تھا

نذریں ہاتھوں پہ لئے آتے تھے سب درباری
جمع دربار میں تھی شہر کی خلقت ساری
اس طرف سے تو دف و نے کی صدا آتی تھی

دم بدم تخت سے اٹھ اٹھ کے یہ کہتا تھا شریر
جھڑکے کرتے تھے خبردار یہ اُس دم تقریر
مارے دہشت کے لہو اُن کا گھٹا جاتا ہے

بولا وہ کون سی عورت ہے وہ مجبورِ ستم
باپ جس کا ہے علیؑ پشت و پناہِ عالم
ہے جو سلطانِ عرب اُس کی نواسی ہے وہ

رسی کھلوا دو نہیں گھٹ کے نکل جائے گا دم
ہائے بچی تری قسمت میں تھا یہ درد و الم
بی بی اس عقدۂ مشکل کو خدا کھولے گا

کس کا دربار ہے اس حال سے جاتی ہوں کہاں
کئی دن گزرے ہیں وہ ہیں مری آنکھوں سے نہاں
دوڑ کر چاند سی چھاتی سے لپٹ جاؤں گی

دیکھا کرتی ہوں کیسے شہِ والا سے گلے
اس کو یوں بھولتے ہیں باپ بچہ جو ملے
سیلیاں کھانے کو اعدا میں مجھے چھوڑا ہے

خوب بھولے مجھے بابا کی محبت کے نثار
مجھ پہ یہ ظلم ہیں آیا انھیں کس طرح قرار
خواب میں آئے نہ چھاتی سے لگانا کیسا

ہر قدم پر تھا یہی شور کہ ہے پیشِ سریر
تخت پر آپ تھا اور کرسیوں پر سارے امیر
اور آگے فاطمہؑ کے لال کا سر رکھا تھا

پڑھتے تھے تہنیتِ فتح کو باری باری
یاں تو تھا جشن کا غل اور اُدھر بھی زاری
اور اس سمت سے ہے ہے کی صدا آتی تھی

قیدی کیوں جلد نہیں آتے ہیں کیا ہے تاخیر
ضعف سے پاؤں کو تھم تھم کے اٹھاتے ہیں اسیر
ہر قدم ایک ضعیفہ کو غش آ جاتا ہے

عرض کی اُس نے کہ ہمشیرِ شہنشاہِ امم
جس کی ماں فاطمہؑ ہے فخرِ جنابِ مریم
کلمہ گو جس کے ہیں سب اُس کی نواسی ہے وہ

ہے وہی حضرت جعفر کی بہو سینہ فگار
وہی زینب ہے جو شبیر کی تھی عاشقِ زار
لاشِ شہ پر وہی اُشتر سے گری تھی کئی بار
بعد مرنے کے بھی ہے بھائی کی بہن میں وہی پیار
قافلہ یوں تو سبھی شام و سحر روتا ہے
پر وہ روتی ہے تو شبیر کا سر روتا ہے

بولا وہ کیا ہے پھر اوروں کے رلانے کا سبب
غرض کہ ایک ہی رسّی میں ہیں جکڑے ہوئے سب
خاک پر گرتی ہے جب بنتِ شہنشاہِ عرب
شور ہوتا ہے اسیروں میں کہ ہے ہے زینب
ہوش میں آن کے بھائی کو وہ جب روتی ہے
دیر تک قیدیوں میں سینہ زنی ہوتی ہے

اُنھیں رانڈوں میں ہے اک دخترِ فرزندِ نبی
خوگرِ سینہ، دل بندِ رسولِ عربی
آفتِ فاقہ کشی، بے پدری، تشنہ لبی
دم بدم لب پہ یہ ہے اَینَ اَبی اَینَ ابی
چھاتیاں پیٹتی ہیں اس درد سے وہ روتی ہے
شمر جب آنکھ دکھاتا ہے تو چپ ہوتی ہے

ذکر یہ تھا کہ وہ قیدی سرِ دربار آئے
سب یہ سمجھے کہ وہ حاکم کے گنہگار آئے
آگے روتے ہوئے سجاد دلِ افگار آئے
پیچھے سر کھولے ہوئے عترتِ اطہار آئے
صاف خورشید سی شکلیں جو نظر آتی ہیں
آنکھیں سب ظالموں کی بند ہوئی جاتی ہیں

گو کہ اس روز تھیں سیدانیاں کھولے ہوئے بال
منہ چھپانے کو کسی پاس نہ تھا اک رومال
بیٹیوں کا اسد اللہ کی اللہ رے جلال
آنکھ اُٹھا کر کوئی دیکھے یہ کسی کی تھی مجال
جلوۂ روشنیِ طور نظر آتا ہے
کچھ نہ آنکھوں کو بجز نور نظر آتا ہے

پردۂ چشم سے باہر نہ نکلتی تھی نظر
ایک سے پوچھتا تھا ایک یہ قیدی تھے کدھر
بیٹیاں فاطمہ زہرا کی جو تھیں ننگے سر
دستِ حیدر تھا تماشائیوں کی آنکھوں پر
تھا جو منظورِ خدا آلِ عبا کا پردہ
فاطمہ روکتی تھی اپنی عبا کا پردہ

کہا ظالم نے کہاں قیدیوں کو لاؤ قریب
حکم یہ سنتے ہی دوڑے گئے دو چار نقیب
شرم کے مارے ہوا بی بیوں کا حال عجیب
اپنا سر پیٹ کے بانو نے کہا وائے نصیب
کھینچ کر سب کو ستمگار جو لے جانے لگے
حضرت زینب و کلثوم کو غش آنے لگے

تخت کے سامنے روتے ہوئے آئے جو اسیر
دیکھ کر سیدِ سجاد کو بولا وہ شریر
سرکشی کر کے نہ سر اپنے جھکے مجھ سے شبیر
شکر کرتا ہوں کہ خالق نے کیا تم کو حقیر
بچنے کا کہیں دنیا میں سہارا اللہ
پنجتن اُٹھ گئے اب زور تمہارا اللہ

ہاں کہو آج حمایت کو پیمبرؐ ہیں کہاں
قید میں اُن کی بہو آئی ہے شبرؐ ہیں کہاں
ذبح خنجر سے ہوا جو، وہ پدر کس کا ہے
کس کے ناموس لٹے کس کا ہوا گھر تاراج
ایک چادر کے لیے اُس کی بہن ہے محتاج
خلق میں کس کے لئے مرتبۂ عالی ہے
نہر پر بازوئے شبیرؑ کو مارا کس نے
تیر سے اصغرِ بے شیر کو مارا کس نے
فوج بے سر ہوئی، سلطان حجازی نہ رہے
سُن کے یہ آ گیا بنت شہ مرداں کو جلال
صاحبِ عزت و توقیر محمدؐ کی ہے آل
ہم کو بے قدر جو سمجھا، تو خطا کرتا ہے
ہاں بتا آیۂ تطہیر کسے آیا ہے
ہل اتیٰ کس کے لئے رب نے اترایا ہے
قرب ایسا کسے اللہ کی درگاہ میں ہے
زور اپنا کسے اللہ نے امداد کیا
حق نے قرآن کے سورے میں کسے یاد کیا
جس سے ہر جنگ میں عاجز صف کفار آئی
آلِ احمدؐ کو حقارت سے نہ دیکھ، او مغرور
مار کر سبط پیمبرؐ کو، یہ نخوت یہ غرور
حق کا دریائے غضب جوش میں جب آئے گا
فخر کیوں کر نہ کرے لو کہ یہ ہے فخر کی جا
ہو گئے اشرف خلق سے حسینؑ سبز قبا
آگ دی خیمے کو اور زیور و زر لوٹ لیا

کیا ہوئے ابن علیؑ حیدرؑ صفدر ہیں کہاں
ننگے سر زینبؑ دلگیر ہے سرور ہیں کہاں
اک ذرا غور سے دیکھو تو یہ سر کس کا ہے
کون بے سر ہوا اور کون ہوا صاحب تاج
کون کمزور ہے اور کون زبردست ہے آج
کس کا اقبال ہے اور کس کی بداقبالی ہے
جنگ میں اکبرِ دلگیر کو مارا کس نے
شاہ سے، صاحبِ شمشیر کو مارا کس نے
جن کی تلوار کا شہرہ تھا وہ غازی نہ رہے
تھرتھرا کر کہا کیا بکتا ہے او بداقبال
کبھی ہم لوگوں کی عزت پہ نہ آئے گا زوال
دیکھ! مصحف میں خدا اُس کی ثنا کرتا ہے
دوست اپنا کسے اللہ نے فرمایا ہے
کس نے معراج کا دنیا میں شرف پایا ہے
فرق قوسین بتا کس میں اور اللہ میں ہے
خانۂ کعبہ کو کس شر نے برباد کیا
کس کو الملک لکم دینکم ارشاد کیا
بدر میں کس کے لئے عرش سے تلوار آئی
سب پہ روشن ہے کہ ہم لوگ ہیں اللہ کے نور
خیر ہم دور، نہ تو دور، نہ محشر ہے دور
اندھا ہاتھ کا سادات کے کھل جائے گا
تو نے اللہ کے محبوب کا کاٹا ہے گلا
فاطمہؑ ذبح ہوئی شیر خدا قتل ہوا
جس کے درباں تھے ملک تو نے وہ گھر لوٹ لیا

ترے ناموس تو ہیں پردہ نشیں او ظلم
ہائے بے پردہ ہو بانوئے امامِ عالم
ننگے سر قید میں اک رات کی بیاہی آئی
کہے زینب نے فصاحت سے یہ جس وقت کلام
تخت کے نیچے دھرا تھا جو سرِ پاک امام
اور ان ظلم رسیدوں پہ جفا کرنے لگا

کھول کر چوب سے لب ہائے شہنشاہِ عرب
دُرِ دنداں ہیں یہ تاباں کہ خجل ہیں کوکب
نے محمدؐ سے نہ حیدرؑ سے حیا کرتا ہے
اس چھڑی کو مرے بھائی کے لبوں سے سرکا
بہرِ اُمت انھیں ہونٹوں سے دعا کی ہے سدا
تجھ کو پیارے نہیں، گو ہم کو تو پیارے ہیں یہ

یہ ستم بھائی پہ کن آنکھوں سے دیکھے ہمشیر
یہ چھڑی، ہائے غضب اور لبِ پاکِ شبیرؑ
ان کھلے بالوں کو اب ہاتھوں پہ دھرتی ہوئی غش
کہہ کے یہ غیظ میں آئی جو علیؑ کی جائی
سرِ شبیرؑ سے، ناگاہ صدا یہ آئی
ذرا ظالم پہ کہیں قہرِ الٰہی آ جائے

تم تو آگاہ ہو شبیرؑ نے جو دکھ پائے
سر کو نہوڑا لیا جب ذبح کو قاتل آئے
اتنی سی بات پہ مصروفِ بکا ہوتی ہو
برچھیاں کھانے سے کیا اس میں سوا ایذا تھی
جانے دو رکھی تو رکھی مرے ہونٹوں پہ چھڑی
چپ رہو جو ہو ستم راہِ رضا میں ہوگا

بال بکھرائے کھڑے ہیں ترے دربار میں ہم
ہے سکینہ پہ وہ ظلم، اور یہ کبرا پہ ستم
تجھ کو شادی ہوئی اور ہم پہ تباہی آئی
کانپے سینوں میں جگر، رونے لگے لوگ تمام
متوجہ ہوا اُس بار کے اُدھر حاکمِ شام
لبِ فرزندِ پیمبرؐ پہ چھڑی دھرنے لگا

کہتا تھا پارۂ یاقوت سے بہتر ہیں یہ لب
پیٹ کر سینے کو زینبؑ نے کہا ہائے غضب
قطع ہو جائے ترا ہاتھ، یہ کیا کرتا ہے
بوسے لیتے تھے انھیں ہونٹوں کے محبوبِ خدا
انھیں دانتوں پہ گہر کرتی تھی صدقے زہراؑ
عرش تک جن کا ہے شہرہ وہ ستارے ہیں یہ

اے ظالم، سرِ بے سر کی کھلا کیا تقصیر
نہ ستا مجھ کو میں ہوں بنتِ شہِ خیبرگیر
ہے شکایت تری اللہ سے کرتی ہوں میں
آسماں آ گئے جنبش میں، زمیں تھرائی
تھام لے غیظ کو زینبؑ ترے صدقے بھائی
کہیں اُمت کی نہ کشتی پہ تباہی آ جائے

پر نہیں حرفِ شکایت کا زباں پر لائے
ہم نے اُمت کے لیے چھاتی پہ نیزے کھائے
تم چھڑی ہونٹوں پہ دھرنے سے خفا ہوتی ہو
چپ رہے تن پہ جو تلوار پہ تلوار پڑی
اے بہن یہ بھی گزر جائے گی آفت کی گھڑی
اس کا انصاف تو دربارِ خدا میں ہوگا

شبیرؑ نے زینبؑ سے جو یہ کی تقریر
آ کے غصّے میں لگا کانپنے حاکم بے پیر
شمر سے بولا کہ بس اس کی یہی ہے تعزیر
سب کو لے جا کے تو کر سخت خرابے میں اسیر
بس انیسؔ اب جگر و قلب پھُنکا جاتا ہے
حال زنداں کا نہیں منھ سے کہا جاتا ہے

سلام

مثال بدر جو حاصل ہوا کمال مجھے
گھٹا گھٹا کے فلک نے کیا ہلال مجھے

کمال شوق زیارت ہے اب کی سال مجھے
کریم! ہند کی ظلمت سے اب نکال مجھے

برنگ سبزۂ بیگانہ باغ دہر میں تھا
ترے سحابِ کرم نے کیا نہال مجھے

کریم! جو تجھے دینا ہو بے طلب دے دے
فقیر ہوں۔ پہ نہیں عادتِ سوال مجھے

یہ لغزشیں بھی ہیں دنیا میں یادگار اے مرگ!
مرا خیال تجھے اور ترا خیال مجھے

کسی کے سامنے کیوں جا کے ہاتھ پھیلاؤں
مرا کریم تو دیتا ہے بے سوال مجھے

حسینؑ کہتے تھے پشتِ فرس سے گرتا ہوں
مدد کا وقت ہے اے بیکسی! سنبھال مجھے

مرثیہ ۲۷

بند ۵۸

جب شام کے زنداں میں ہوئی شام حرم کو
اک آن نہ راحت تھی نہ آرام حرم کو
تھے وردِ زباں وارثوں کے نام حرم کو
رونے کے سوا اور نہ تھا کام حرم کو
رخ زرد تھے، دل سینوں میں صدمے سے طپاں تھے
تاریکی سے دم گھٹتے تھے، اور اشک رواں تھے

وہ کہنہ خرابہ، وہ تنگی قید کی آفت
وہ شام تھی رانڈوں کے لیے صبحِ قیامت
فاقوں سے نہ تھی تن میں کھڑے ہونے کی طاقت
لب خشک تھے اور نرگسی آنکھوں میں نقاہت
صدمہ تھا عجب آلِ شہِ عرش نشیں پر
بچوں کو لیے گود میں بیٹھے تھے زمیں پر

سینوں میں دھڑکتے تھے دل، اور آنسو تھے جاری
چپکی کوئی بیٹھی تھی، کوئی کرتی تھی زاری
فاقے سے کوئی، اور کوئی پیاس کی ماری
کوئی غمِ اولاد میں تھی جینے سے عاری
دل تھا غمِ شوہر سے، پریشان کسی کا
داماں تلک چاک گریبان کسی کا

اک ہاتھ دھرے دل پہ تھی اک تھامے کلیجا
اک خالی تھی گودی کئے اک گود میں بچا
آنکھوں میں کسی کی، تھا بھرا اشکوں کا دریا
حیرت سے کھڑی تکتی تھی ایک ایک کا نقشا
سینے میں جگر غم سے کسی بی بی کا شق تھا
زنداں میں وہ ماتم کے مرقع کا ورق تھا

مظلوموں پہ آفت تھی عجب چرخ نے ڈالی
نے کوئی پرستار تھا نے وارث و والی
وہ خانۂ ویراں کہ جو تھا برسوں سے خالی
واں بند ہوئے تھے حرمِ سیدِ عالی
تاریکی سے ہوتا تھا قلق، آلِ نبیؐ کو
حجرے سے نکلنے کا نہ تھا حکم کسی کو

اس شب کا اندھیرا تھا شبِ گور سے بدتر
بچوں کا یہ عالم تھا کہ تھے مضطر و ششدر
سہمی ہوئی کہتی تھی یہ شبیر کی دختر
دم گھٹتا ہے اماں مجھے تم لے چلو باہر
کھلوا دو ذرا حجرہ کہ اب ہونٹوں پہ جاں ہے
اس گھر میں ہوا بھی نہیں یہ کیا مکاں ہے

بانوئے حزیں کہتی تھی با گریہ و زاری
گھر ایسا ہی ملتا ہے گنہ گاروں کو واری
لو سو رہو، آنسو نہ کرو آنکھوں سے جاری
سن لیوے کہیں شمر نہ آواز تمہاری
ماں صدقے گئی سہہ لو جو کچھ رنج و تعب ہے
پھر باندھ دے رسی سے جو گردن تو غضب ہے

سانسیں نہ بھرو، ہچکیاں لے کے نہ رو دو
ل جائیں گے بابا بھی اٹھو اشکوں سے نہ دھو
اب سبط پیمبر سے ملا دیں گے تم کو
ث کو تو ذرا لیٹ رہو رو لی ہو دن بھر
دیکھو تو کہ جنگل میں پڑے میت اصغر
پالا چھ مہینے جسے، چھاتی پہ سُلا کر
وہ کہتی تھی بابا کو بُلا دو تو میں سوؤں
ہم شکل پیمبر کو دکھا دو تو میں سوؤں
بابا کے لئے چھاتی پھٹی جاتی ہے اماں
ان باتوں سے رو دیتے تھے ناموس پیمبر
بچوں کو نہ کھانا تھا نہ پانی تھا میسر
ہر شام مصیبت تھی، غریب الوطنی میں
تھی بھوک کے اور پیاس کے از بسکہ نقاہت
چپکی در و دیوار کو تکتی تھیں بہ حسرت
کچھ فرش نہ تھا خاک میں سب قیدی اُٹے تھے
جب حاکم ظالم انہیں بھجواتا تھا کھانا
جب روبرو ان بیکسوں کے آتا تھا کھانا
اس کھانے پہ منھ آنسوؤں سے دھوتے تھے قیدی
کہتی تھی کوئی صدقے بہن ہائے برادر
چلاکے کوئی کہتی تھی ہے ہے علی اکبر
کس رنج میں دنیا سے سفر کر گئے بیٹا
یہ سُن کے وہ کہنے لگا جو لاتا تھا کھانا
بھوکے تو کئی دن کے، یہ کھانے کو نہ کھائیں
کھاویں گے نہ گو بھوکے ہیں اور تشنہ دہن ہیں

کُڑھ کُڑھ کے میں مرتی گئی جاں ہی نہ کھوؤ
قربان گئی آؤ مری گود میں سوؤ
آویں گے جو بابا تو جگا دیویں گے تم کو
میں پاس تمہارے ہوں، جو بابا نہیں سر پر
نے لاش پہ سایہ ہے نہ مرقد ہے میسر
وہ ہم سے جُدا ہو گئے پردیس میں آکر
بو چاند سی چھاتی کی سنگھا دو تو میں سوؤں
مجھ سے مرے عمو کو ملا دو تو میں سوؤں
نے موت ہی آتی ہے نہ نیند آتی ہے اماں
تھا فرش فقط خاک کا بالیں تھا نہ بستر
سایہ بھی نہ تھا دھوپ میں سب جلتے تھے دن بھر
ہو جاتی تھی رانڈوں کو سحر سینہ زنی میں
پہچانی نہ جاتی تھی کسی بی بی کی صورت
زائل ہوئی تھی رانڈوں کی سب رونے سے طاقت
سینے تھے کبود اور گریبان پھٹے تھے
پانی کوئی لاتا تھا کوئی لاتا تھا کھانا
کھانا وہ نہ کھاتے تھے انہیں کھاتا تھا کھانا
سر پیٹتے تھے ہاتھوں سے اور روتے تھے قیدی
کس بھوک میں اور پیاس میں تن پہ گیا مر
دو دن نہ تمہیں آب و طعام آیا میسر
کھانا میں کھلاؤں کسے تم مر گئے بیٹا
کس طرح کے مظلوم یہ قیدی ہیں خدایا
نب بنت علیؑ نے اسے رو رو کے سُنایا
وارث تو ہمارے ابھی بے گور و کفن ہیں

اس رسم کو تو جانتا ہے سارا زمانا
بے دفن کے ہو سکتے ہیں ہم یاں سے روانا
ظاہر ہے خدا پر، ہمیں جس طرح کے غم ہیں
سب بی بیاں رونے لگیں اک غل ہوا برپا
لوگو! پس دیوار محل غل ہے یہ کیسا
رہ جاتا ہے سینے میں، کلیجا مرا ہل کے
رو کر کسی عورت نے کہا کیا کہوں بی بی
اک چار برس کی انھیں لوگوں میں ہے لڑکی
راحت اسے دن کو ہے نہ آرام ہے شب کو
بابا کو طلب کرتی ہے جس دم وہ مچل کر
گر پڑتے ہیں مادر کے بھی رشک آنکھوں سے ڈھل کر
دیدار پدر اس کو دکھا دے کوئی کیونکر
ماں کہتی ہے، مجبور رانڈ کو بیٹی نہ ستاؤ
لو جانے دو صدقے گئی آغوش میں آؤ
پہونچا دو مجھے پاس شہ جن و بشر کے
اس جا سے یہ ہند نے رو رو کے یہ پوچھا
کس طرح کی ہیں صورتیں ان کی مجھے بتلا
سنتی ہوں کہ آئے ہیں بڑے دھوم سے قیدی
اس نے کہا، میں رات کو دیکھ آئی تھی تنہا
تاریکی میں سب خاک پہ بیٹھے ہیں کھلے سر
گو خاک ہے ہر بی بی کی تصویر پری ہے
رسی میں ہیں جکڑے ہوئے الماس سے بازو
ان بی بیوں کے ساتھ ہیں بچے کئی مہرو
ایک ایک کا منھ رو رو کے تکتے تھے وہ بچے

میت کو اٹھا لیتے ہیں تب کھاتے ہیں کھانا
بے فاتحہ کا کچھ ہے شہیدوں کے ٹھکانا
چہلم کے دن آ پہونچے ہیں، اور قید میں ہم ہیں
تب ہند نے گھبرا کے کنیزوں سے یہ پوچھا
کیا گھر سے کسی شخص کا نکلا ہے جنازہ
یہ کون ہے شبیر کو سب روتے ہیں مل کے
بے قید، اخر لائے ہیں کس شہر کی بندی
کہتے ہیں کہ بابا سے نہایت وہ ملی تھی
بابا کے لیے رو کے رلاتی ہے وہ سب کو
روتی ہے اس وقت پھوپھی ہاتھوں کو مل کے
ضد ہے یہی بابا سے ملا دو مجھے چل کر
بابا تو ہوا قتل، ملا دے کوئی کیونکر
کوکھ اجڑی ہوں میں رحم مرے حال پہ کھاؤ
وہ کہتی ہے مرتی ہوں میں بابا کو بلاؤ
سوؤں گی تو سینے ہی پہ سوؤں گی پدر کے
تو نے انھیں زندان میں کیا جا کے ہے دیکھا
قوم ان کی ہے کیا، اور کہاں ہے وطن ان کا
وہ ترک کے قیدی ہیں کہ ہیں روم کے قیدی
اے بی بی! کسی پاس نہ مقنع ہے نہ چادر
ہیں صورتیں ایسی کہ خجل ہے مہ انور
انوار الٰہی کی مگر جلوہ گری ہے
اور نرگسی آنکھوں سے پڑے بہتے ہیں آنسو
کیا چاند سے چہروں پہ بکھرے لٹکتے ہیں گیسو
اور بھوک کے صدمے سے بلکتے ہیں وہ بچے

گر قید میں وہ بی بیاں مثلِ گنہگار
چہروں پہ شرافت کے نجابت کے ہیں آثار
اس رنج میں شکوہ کوئی کرتا نہیں زنہار
ہر بی بی کو ہے حمدِ الٰہی سے سروکار
معلوم نہیں، وہ عجمی یا عربی ہیں؟
پر وہ تو یہ کہتی ہیں کہ ہم آلِ نبیؐ ہیں

گھبرا کے کہا ہند نے خاموش خدارا
پھر کہیو زباں سے نہ سخن ایسا دوبارا
کنبہ تو محمدؐ کا مدینے میں ہے سارا
بے اذن نہیں واں ہے فرشتوں کا گزارا
بھیجے انھیں زنداں میں یہ طاقت ہے کسی کو
قائم رکھے اللہ، حسینؑ ابنِ علیؑ کو

خاتونِ قیامت کی ہیں دو بیٹیاں ذی شاں
سیدانیاں مقبولِ خدا صاحبِ ایماں
بی بی ہیں مری حضرت زینبؑ کے میں قرباں
یہ بے ادبی ہے، وہ کہاں اور کہاں ہم
اُن کو کبھی، بے مقنع و چادر نہیں دیکھا
ہم کیا کہ فلک نے بھی کھلے سر نہیں دیکھا

کیا صبر تھا زہراؑ کی نصیحت کے مری جاں
وہ کعبۂ بخشش خلق میں جب تک ہیں نہاں ہم
ظلم ایسے سہے جو نہ اُٹھائے کوئی انساں
راحت نہ ملی ہاتھ سے اعدا کے کوئی آن
دم مارا نہ ہر حال میں اس رنج و محن پر
زینبؑ مری بی بی بھی ہیں زہراؑ کے چلن پر

یہ کہہ کے کنیزوں سے کہا روشنی لاؤ
جلتی ہوں میں زنداں میں مرے ساتھ اب آؤ
دل سینے میں بیتاب ہے دیر اب نہ لگاؤ
شکلیں تو مجھے جا کے اسیروں کی دکھاؤ
ہیں قوم کے اشراف تو کس طور سے آئے
یثرب سے ہیں آئے اگر کہیں اور سے آئے

یہ کہتے ہی بس ہند کھڑی ہو گئی اک بار
روشن ہوئیں فانوسیں کنیزیں ہوئیں تیار
یوں کہہ گئے زنداں کے نگہبان خبردار
لوگ آتے ہیں حاکم کے محل کے رہو ہشیار
ہاں کہہ دو اسیروں سے کہ چلا کے نہ رو دیں
سر کو، در و دیوار سے ٹکرا کے نہ رو دیں

دی فضہ نے زینبؑ کو خبر جا کے یہ ناگاہ
زنداں میں ہند آتی ہے اے بنتِ یداللہ
یہ سن کے اُڑا رنگِ رُخِ زینبؑ ذی جاہ
گھبرا کے کہا اب میں کہاں جا کے چھپوں آہ
کیا دیکھوں مقدر مرا دکھلاتا ہے لوگو!
ہند آتی نہیں، مجھ پہ غضب آتا ہے لوگو

جن روزوں کہ آباد تھا گھر جیتے تھے شبیرؑ
اُس نے مجھے دیکھا تھا بصد عزت و توقیر
برباد ہوئی بھائی کے مر جانے سے ہمشیر
اب سر پہ ردا بھی نہیں ہے یہ مری تقدیر
بے کس ہوں، گرفتار ہوں، آوارہ وطن ہوں
کس منہ سے کہوں گی کہ میں حضرت کی بہن ہوں

شرم آتی ہے آنکھ اُس سے ملاؤں گی میں کیونکر
یہ گرد بھری شکل دکھاؤں گی میں کیونکر
کس طرح کہوں گی کہ سفر کر گئے شبیرؑ
نکلے گا نہ منھ سے کہ بھری قید میں در در

ہے اُس کی کنیزوں کے لئے جامۂ زرتار
وہ تخت نشیں آج ہے میں خاک نشیں ہوں
کہہ کر یہ سخن، چہرۂ انور پہ ملی خاک
جا بیٹھیں کنیزوں میں گریباں کئے چاک

تن بید کے مانند لرزتا تھا حیا سے
ہند آئی تو رانڈوں کا نظر آیا عجب حال
چادر ہے کسی پاس، نہ مقنع ہے نہ رومال
جلدی کوئی پوچھے کہ وطن اُن کا کہاں ہے

ہر چند سنبھالا، پہ نہ سنبھلا دلِ مضطر
اے بی بیو! کیونکر یہ مصیبت پڑی تم پر
کس دشت میں لوٹی گئیں یاں آئی ہو کب سے
ہر چند کہا ہند نے ان سب سے بہ تکرار

کہنے لگی تب رو کے یہ فضہ جگر افگار
کم گو ہیں یہ، لب ان سے ہلائے نہیں جاتے
وہ کہنے لگی بی بیو آنسو نہ بہاؤ
یثرب سے جو آئی ہو تو نکلیں تو دکھاؤ

مطلب ہے مجھے خیریت سبطِ نبیؐ سے
سُنتی ہوں کہ مکہ میں گئے ہیں شہِ ذی شاں
کیا شوقِ ملاقات ہے زینبؑ سے میں قرباں
ایسی تو بہن بھائی کی شیدا نہیں ہوتی

زینبؑ کے نشانوں کو چھپاؤں گی میں کیونکر
نام اُس نے جو پوچھا تو بتاؤں گی میں کیونکر
اس قید میں جیتی ہے بہن مر گئے شبیرؑ
دربار میں حاکم نے بلایا تھا کھلے سر

یاں بی بیوں کے پاس نہ گزری کی نہیں چادر
اُس کی تو ملاقات کے قابل میں نہیں ہوں
پوشیدہ کیا بالوں کو بکھرا کے، رُخِ پاک
رونے لگی سر زانو پہ ہنوڑا کے وہ غمناک

زہرا نے چھپایا تھا اُسے اپنی ردا سے
سب شرم سے جُھپ بیٹھے ہیں بکھرائے ہوئے بال
دل نے کہا اس باغ کو کس نے کیا پامال
چہروں سے تو سیدانیوں کی شان عیاں ہے

یوں کہنے لگی آ کے اسیروں کے برابر
باشندہ ہو کس شہر کی تم بیکس و بے پر
آگاہ کرو اپنے مجھے نام و نسب سے
لیکن نہ کھلے فرطِ حیا سے لبِ گفتار

یہ بی بیاں ہیں تازہ مصیبت میں گرفتار
غیرت کے سبب نام بتائے نہیں جاتے
بیتاب ہوں میں زانوؤں سے سر تو اُٹھاؤ
کچھ فاطمہؑ کے لال کا احوال سُناؤ

آگاہ ہو تم لوگ حسینؑ ابنِ علیؑ سے
ان روزوں مدینہ تو ہوا ہوئے گا ویراں
ہوتی نہیں یاد اُن کی فراموش کسی آن
زینبؑ سی تو بی بی کہیں پیدا نہیں ہوتی

کیوں بی بیو! آگئے ہیں پسرِ شہِ والا
کہتے ہیں اُسے حضرتِ زینبؑ نے ہے پالا
سُنتی ہوں میں شہرہ کہ عجب غنچہ دہاں ہے

جس دم یہ ہوا ذکرِ علی اکبرِ ذی جاہ
دیکھا طرفِ بنتِ علیؑ ہند نے ناگاہ
یہ شان و بزرگی کسی بی بی میں کہاں ہے

گھبرا کے گئی زینبِ بیکس کے برابر
کہنے لگی کچھ بات کرو صدقے میں تم پر
مضطر ہے دلِ زار میں چپ رہ نہیں سکتی
زینبؑ سے مشابہ ہے بہت شکل تمہاری
دھوکا ہے مجھے خیر کرے ایزدِ باری

کس طرح کہوں فاطمہ زہراؑ سے جدا ہو
زینبؑ میں کچھ اور تم میں نہیں فرق سرِ مو
ہے جسمِ مبارک میں وہی پھولوں کی خوشبو
کچھ شبہ و شک چہرۂ انور پہ نہیں ہے

فرمانے لگی ہند سے یوں زینبؑ نالاں
بیکس ہوں وطن آوارہ گرفتار و پریشاں
وہ سیدۂ پاک ہے اور بنتِ علیؑ ہے

ناچیز ہیں ہم اور وہ اسد اللہ کی جائی
شبیر سا دنیا میں کہاں ہے مرا بھائی
اُس بھائیوں والی کو ستا سکتا ہے کوئی

شبیر سے بھائی کی بہن ہے وہ خوش اقبال
دیکھا تھا کبھی خواہرِ شبیر کا یہ حال
لوٹا اسے اعدا نے تو شبیر کہاں تھے

ہم شکلِ پیمبر ہے کوئی گیسوؤں والا
گھر میں ہے اسی ماہِ دو ہفتہ سے اُجالا
ہیں بیاہ کے دن نامِ خدا اب نوجواں ہے

زینبؑ نے تو نالہ کیا اور بانو نے کی آہ
بولی کہ یہ اسرار ہے کیا اے مرے اللہ؟
اس پر تو مجھے حضرتِ زینبؑ کا گماں ہے

اور دیر تلک غور سے دیکھا رُخِ انور
بی بی کہیں میں نے تمہیں دیکھا ہے مقرر
اُس بی بی کا دھوکہ ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتی
شوکت ہے وہی اور وہی شان ہے ساری
گویا کہ تمہیں ہو اسد اللہ کی پیاری

گو خاک پہ بیٹھی ہو مگر نورِ خدا ہو
چہرہ بھی وہی اور وہی آنکھیں وہی گیسو
ہے ہے تمہیں زینب ہو تمہیں زینبؑ خوش خو
بس فرق ہے اتنا کہ ردا سر پہ نہیں ہے

اس شکل کے دنیا میں بہت ہوتے ہیں انساں
تبلا میں کہاں اور کہاں زینبؑ ذی شاں
نسبت مجھے زینبؑ سے نہ دے بے ادبی ہے

زہراؑ کی جگر جانتی ہے جس کو خدائی
ہیں اُس کے پسر لوٹ گئی میری کمائی
یوں قید میں زینبؑ کو چھپا سکتا ہے کوئی

اللہ نے بخشے ہیں اسے شیرؑ سے دو لال
لب خشک گریبان پھٹا سر کے کھلے بال
کیا بازوئے زینبؑ پہ بھی رسی کے نشاں تھے

زینبؑ کی ردا کو جو لعینوں نے اُتارا
کیا احمد مختار کا گھر لٹ گیا سارا
ملعونوں نے کیا حضرت شبیرؑ کو مارا
کوئی نہ رہا کیا اسد اللہ کا پیارا
قاسمؑ بھی نہیں ہے علی اکبرؑ بھی نہیں ہے
کیا خلق میں عباسؑ دلاور بھی نہیں ہے

گھبرا کے کہا ہند نے ہے ہے میں کروں کیا
مجھ پر کسی صورت نہیں کھلتا یہ معمّا
جب لیتی ہوں میں نام حسینؑ ابن علیؑ کا
رہ جاتی ہو کیوں تھام کے ہاتھوں سے کلیجا
تم لوگ چھپاتے ہو یہ کیا ہوتا ہے لوگو!
غیروں کے لیے بھی کوئی یوں روتا ہے لوگو

اعجاز سے اس طرح پکارا سر شبیرؑ
میں کیا کہوں اے ہند نہ تھی کچھ مری تقصیر
ناحق مری گردن پہ چلی ظلم کی شمشیر
سجادؑ مرا قید میں ہے بیکس و دلگیر
بے چین کیا خلد میں زہراؑ و علیؑ کو
شوہر نے ترے قتل کیا آل نبیؐ کو

مرجاتا ہے جو پھر اسے زنداں سے کیا کام
یاں بعد فنا بھی نہیں مطلق مجھے آرام
زنداں میں حرم رہتے ہیں میرے سحر و شام
بچے مرے چلاتے ہیں لے لے کے مرا نام
فاقوں سے سکینہ کا مری رنگ جو فق ہے
اے ہند مری روح کو واللہ قلق ہے

ناگاہ صدا حضرت زہراؑ کی یہ آئی
اے ہند ہے زینبؑ بھی گردوں کی ستائی
جس بھائی سے عزت تھی ہوا قتل وہ بھائی
پرسا مجھے دے لوٹی گئی میری کمائی
میں بیکس و مظلوم ہوں اور خستہ جگر ہوں
جس دن سے یہ سر ننگے ہیں میں بھی کھلے سر ہوں

زینبؑ نے یہ سن چھاتی کو پیٹا کئی باری
اور پھیر کے منہ جانب مقتل یہ پکاری
اے سبط نبیؐ میں تری اس لاش کے واری
چادر مرے سر سے لعینوں نے اُتاری
لوگ آتے ہیں ملنے کو میں شرماتی ہوں بھائی
زندہ ہوں پہ اس غم میں موئی جاتی ہوں بھائی

یہ سنتے ہی سب بی بیاں کرنے لگیں زاری
سر پر سے ردا پھینک کے یہ ہند پکاری
میں کہتی تھی زینبؑ ہے یہی درد کی ماری
ہے ہے مری بی بی کی ردا کس نے اتاری
تاراج محمدؐ کا بھرا گھر ہوا ہے ہے
لخت جگر فاطمہؑ بے سر ہوا ہے ہے

یہ کہہ کے گری حضرت زینبؑ کے قدم پر
اُٹھ کر سر انور پہ اُڑھانے لگی چادر
زینبؑ نے کہا سر پہ ردا اوڑھوں میں کیونکر
بے دفن و کفن ہے ابھی سبط پیمبرؐ
ماتم میں سدا چاک گریبان رہے گا
اب حشر تلک سر مرا عریاں رہے گا

اے ہند گرے گھوڑے سے جب سبطِ پیمبر
زہرا کی صدا آتی تھی ہے ہے مرے دلبر
کس منہ سے کہوں اپنے جو کچھ بے ادبی کی
اے ہند اُجدا جب کیا تن سے سرِ شبیرؑ
خوش ہو کے لگا کرنے یہ ایک ایک سے تقریر
دلبندِ نبی، ابنِ ید اللہ کو مارا
خاموش انیسؔ اب کہ سماعت کی نہیں تاب
ہر اشک عزا دار ہے اک گوہرِ نایاب
میزانِ عدالت میں جو اعمال تُلیں گے

ڈیوڑھی پہ میں سر پیٹتی تھی با دلِ مضطر
کھینچے ہوئے خنجر کو چلا شمرِ ستمگر
چھاتی پہ رکھا پاؤں حسینؑ ابنِ علیؑ کی
تب سر کو اٹھا ہاتھ میں وہ ظالمِ بے پیر
خنجر سے ہوا ذبح عجب صاحبِ توقیر
واللہ، دو عالم کے شہنشاہ کو مارا
ہے ماتمِ شبیرؑ میں دل آب، جگر آب
کیا دولتِ دیں لوٹتے ہیں شاہ کے احباب
عقدے گہرِ اشک کے اس روز کھلیں گے

رباعی

دنیا دریا ہے۔ اور ہوس طوفاں ہے
مانندِ حباب۔ ہستیٔ انساں ہے
لنگر ہے جو دل، تو ہر نفس بادِ مراد
سینہ کشتی ہے۔ ناخدا ایماں ہے

رباعی

ہے فضلِ خدا جدا جدا مجلس ہے
گھر گھر ماتم ہے۔ جا بجا مجلس ہے
ماشاء اللہ چشمِ بد دور انیسؔ
کیا مجمعِ مومنیں ہے؛ کیا مجلس ہے

۲۸ مرثیہ
۴۷ بند

جینے سے غم شاہ میں بیزار تھی صغرا
غش رہتا تھا اس طرح کی بیمار تھی صغرا
کہتے تو ہیں سب کڑھتی ہو کیوں آئیں گے بابا
جینے نہیں دیتے کا غم ہجر کا آزار
بستر پہ پڑی رہتی ہوں کیں جنبش نہ ناچار
آنکھیں ہیں کہیں، ہوش کہیں، دھیان کہیں ہے

جی چاہتا ہے دیکھ لوں بابا کا میں دیدار
بھائی علی اکبرؑ کی بلائیں لوں میں بیمار
جیتے جی موئی جاتی ہوں میں یاد دید میں
دیوار سے در تک مجھے دشوار ہے جانا
غش آیا تو مشکل ہے بہت ہوش میں آنا
سب کہتے ہیں آگے سے تو آرام ہوا ہے

ہر دم ہے کچھ اب نوع دگر حال ہمارا
سب کر گئے بیمار سے اک بار کنارا
ہے گھر میں کوئی بابا نہیں فرزند نبیؐ کے
یہ کہتی تھی اور روتی تھی منھ ڈھانپنے وہ بیمار
تب آکے سرہانے لگی کہنے وہ دل افگار
ہیں تو سنوں مجھ سے تو کرو پیار سے باتیں

یہ باتیں اکیلی جو کیا کرتی ہو ہر دم
ڈرتی ہوں نکل جائے نہ گھبرا کے کہیں دم
خوش ہونے کی شام و سحر آ جاتی ہے صغرا

تنہائی کی آفت میں گرفتار تھی صغرا
ہوش آتا، تو کرتی یہی گفتار تھی صغرا
غم یہ ہے کہ جیتا نہ ہمیں پائیں گے بابا
بابا کے بھی آگے سے زیادہ ہوں میں بیمار
اٹھتی ہوں اگر اک بار تو گر پڑتی ہوں سو بار
کچھ دل بھی کسی روز سے کہنے میں نہیں ہے

اماں کے گلے سے لگوں، اصغرؑ کو کروں پیار
پھر مر بھی اگر جاؤں تو کچھ غم نہیں زنہار
لے لے کے مرے نام کو سب روئیں گے گھر میں
کس سے کہوں، آکر مجھے بستر سے اٹھانا
پھر زیست کہاں جب ہوئی طاقت ہی روانا
یاں گور ہی جانے کا سرانجام ہوا ہے

طول غم ہجراں نے ہمیں مار اُتارا
اتنا بھی کسی شخص نے آکر نہ پکارا
خط لایا ہوں لشکر سے حسینؑ ابن علیؑ کے
نانی نے کہیں سن لی نواسی کی یہ گفتار
کیا باتیں بری کرتی ہو دل سے مری دلدار
کرتے نہیں بی بی در و دیوار سے باتیں

گھبراتی ہو کس واسطے کیا دل کا ہے عالم
کہنے تو ہے ماں تو کھاؤ نہ بہت غم
بابا کی تمہارے خبر آ جاتی ہے صغرا

صغرا نے سُنی جب کہ یہ نانی کی نصیحت
حیرت سے وہ بس رہ گئی تصویر کی صورت
بھر بھر کے دمِ سرد وہ اور تھام کے رقت
نانی سے یہ بولی وہ مریضِ غم و فرقت
یہ بات تو کچھ ہوش مرے کھوتی ہے نانی
غمگیں کو بھی دنیا میں خوشی ہوتی ہے نانی

تب نانی بیاں فاطمہ صغرا سے یہ سُن کر
کہنے لگی قربان ترے اے مری دلبر
خالق جو کرے وہ ہو تمہارے واسطے بہتر
کچھ تجھ کو نہ ہو بدلے ترے جاؤں میں ہی مر
بابا کے بچھڑنے کا تجھے رنج و الم ہے
بانو سے نہ شرمندہ ہوں مجھ کو یہی غم ہے

میں زیست بسر کر چکی اب دن ہیں سفر کے
تم بھی ہو جیتی رہو سائے میں پدر کے
صغرا نے کہا ان سے دمِ سرد یہ بھر کے
تم سر پہ سلامت رہو زہرا کے پسر کے
نانی نہیں مرنے کا مجھے خوف و خطر ہے
پردیس میں پردیسیوں کی جان کا ڈر ہے

ہے زیست غم و درد کا باعث مری نانی
ہیں سب مرے چہرے سے عیاں دردِ نہانی
مر جاؤں تو یہ غم ہے نہ یہ اشک فشانی
دنیا میں رکھے حق علی اکبر کی جوانی
کس طرح نہ رحم آئے گا غربت پہ بہن کی
اکبر تو پڑھیں گے فاتحہ تربت پہ بہن کی

قاسم کے نہایت مجھے آنے کی خوشی ہے
اصغر کو کلیجے سے لگانے کی خوشی ہے
بھیا کو مجھے گودی اٹھانے کی خوشی ہے
منہ چاند سے مکھڑے سے ملانے کی خوشی ہے
دیدار سے ایسا ہی جو ترسائیں گے اصغر
مر جائے گی صغرا تو کہاں پائیں گے اصغر

جیتے مرے آجائیں جو عباس علمدار
جو دل میں گلے ہیں وہ کروں ان سے میں اظہار
جیتا تو وہ کرتے ہیں سکینہ کو بہت پیار
ایسا ہی کہوں ان سے یہ رو رو کے میں بیمار
مانع ہے اگر پیار کی ہمشیر ہماری
کیوں خط نہ لکھا آپ نے تقصیر ہماری

دستور ہے کرتے ہیں جسے پیار نہایت
کچھ اس کے عزیزوں سے بھی کرتے ہیں محبت
سب کو تمہیں اُنس ہے اور پیار بشدت
کیا وجہ جو صغرا پہ نہیں آپ کی شفقت
ہر چند گرفتارِ غم و رنج و محن ہوں
جو آپ کی پیاری ہے اُسی کی میں بہن ہوں

بھیا ہی کی خاطر سے مری پوچھتے گر بات
تب جانتی میں آپ کو اُلفت ہے مری بات
یوں تو مری ہر طرح گزر ہی گئی اوقات
پردیسیوں کا خط ہے مگر نصف ملاقات
وہ تو ہوئی جو کہ خوشی تھی مرے جی کی
دو حرف میں ہو جاتی تسلی مرے جی کی

یہ کرکے بیاں نانی سے دل اُس کا بھر آیا
گرتا جو لیا چہرے پہ طوفاں نظر آیا
موقوف عزیزوں کا گلا ہو گیا صغرا
یہ باتیں تو اچھی نہیں لگتیں مجھے واری
دل شکوے کیے نالے تھے بس چشموں سے جاری
صدمہ الم و ہجر کا کھانے لگا اُس کو
گھبرا کے کہا نانی نے اُس کی یہ کسی سے
آتا ہو تو آ کہ چلی فاطمہ جی سے
جی سے کوئی ساعت میں گزر جائے گی صغرا
جا کر یہ کسی نے کہا عباس کی ماں سے
بیٹھی ہوئی کیا کرتی ہو جلدی چلو یاں سے
عرصہ ہوا آنکھوں کو نہیں کھولتی صغرا
گھبرا گئی یہ سنتے ہی عباس کی مادر
اُم سلمہ سے یہ کہا گھر میں پھر آ کر
آج اور ہی اس بچی کی حالت نظر آئی
وہ بولی غش آیا ہے خبر کچھ نہیں بی بی
جب فاطمہ صغرا کے قریب آ کے بولی
شبیر کے لشکر کی خبر لائی ہوں واری
یہ کہہ کے جو اُس بچی کے بازو کو ہلایا
ہے ہے ابھی واری مجھے کیوں تم نے جگایا
فرماتے ہیں صغرا تجھے کچھ میری خبر ہے
اُن کی تو سنی اپنی میں کچھ کہنے نہ پائی
ہے ہے مرے بابا نے یہ کیا بات سنائی
کیا جانیے کیوں جینے سے بیزار ہیں بابا

بعد آنسوؤں کے آنکھوں میں خون جگر آیا
نانی نے کہا دھیان تمہارا کدھر آیا
باتیں ابھی کیا تھیں ابھی کیا ہو گیا صغرا
مانا بھی کرو صدقے گئی بات ہماری
کیا بولتی منہ سے وہ غم و درد کی ماری
چلا کے یہ رونی کہ غش آنے لگا اُس کو
کہہ آئے کوئی مادر عباس علیؑ سے
سمجھا دو سمجھتی نہیں مجھ ظلم زدی سے
میں بیٹھی رہ جاؤں گی مر جائے گی صغرا
ہوتا ہے سفر فاطمہ صغرا کا جہاں سے
کچھ باتیں تشفی کی کرو اپنی زباں سے
چپ ہو گئی ایسی کہ نہیں بولتی صغرا
اشک آنکھوں میں بھر آئے چلی اوڑھ کے چادر
کیا حال ہے کیوں غش ہوئی شبیر کی دختر
کیا اُس نے سنا لوگو کہو کیا خبر آئی
سمجھاتی ہوں کتنا نہیں لیکن یہ سمجھتی
آنکھیں تو ذرا کھولو میں کچھ تم سے کہوں گی
فرزند پیمبر کی خبر لائی ہوں واری
تب چونک کے یہ فاطمہ صغرا نے سنایا
تھا خواب میں بابا کو بہت روز دوں سے تمنا
بیٹی کوئی دن میں مرا دنیا سے سفر ہے
جو جاگ اٹھی ہو گئی بابا سے جدائی
دنیا سے سفر کی مجھے وجہ نہ بتائی
کیا ہو گیا کس دکھ میں گرفتار ہیں بابا

گھبراؤں نہ کیوں اب تو مجھے غم پہ ہوا غم
اب کاہے کو آویں گے یہاں شاہِ دو عالم
گھبرانے لگا اور بھی سینے میں مرا دم
تب نانی نے اُس سے کہا با دیدۂ پُرنم
ظاہر ہیں جو ہو حرف و حکایات سند ہے
قربان گئی خواب کی کب بات سند ہے

یہ کہتی تھی جو شور ہوا شہر کے اندر
آئے سفرِ کوفہ سے ناموسِ پیمبر
اُم سلمہ دوڑی گئیں سنتے ہی در پر
کیا دیکھا کہ روتے ہیں کھڑے عابدِ مضطر
دونوں کو بٹھایا ہے یہ فریاد و فغاں ہے
جو بی بی اُترتی ہے سو یہ کرتی بیاں ہے

ہم جیتے رہے مارا گیا فاطمہ کا لال
شبیر کا چمن باغیوں نے کر دیا پامال
تلواروں سے منھ چاند سا سب خوں میں ہوا لال
پیاسوں پہ چلیں برچھیاں کیا اُن کا کہیں حال
ہم جیتے ہیں قبروں پہ انھیں روکے ہم آئے
اب اُن کو کہاں پائیں جنھیں کھو کے ہم آئے

اس گھر سے سدھارے تھے جو ہمراہ ہمارے
دیکھا کیے ہم سامنے وہ سب گئے مارے
نیزوں پہ چڑھا دینے کو سر تن سے اُتارے
پیاسوں کی بنیں تربتیں دریا کے کنارے
مر کر نہ ملا چین، کسی تشنہ دہن کو
چالیسویں تک سب رہے محتاج کفن کو

بانو کی جو راندوں کی سی صورت نظر آئی
اور رونے کی دھوم اہلِ محلہ نے اُٹھائی
اُم سلمہ سُن کے لگی دینے دوہائی
اسباب اُٹھا ماتمی صف جلد بچھائی
صغرا سے کہا کر لو گریباں کو پارا
دل کھول کے اب رو لو کہ بابا گیا مارا

آگے تو تمہیں رونے کو میں منع تھی کرتی
بیمار تھیں تم اور ہمیں غم کھانے سے ڈرتی
اب منع بھی کرنے میں ہے تشویش گزرتی
بن روئے تو مر جاؤ ابھی گر نہ ہو مرتی
تم لڑکی ہو اور داغ یتیمی کا بُرا ہے
بیمار کو غم کھانے سے رونا ہی دوا ہے

یہ سنتے ہی گھبرا گئی وہ بیکس و مضطر
سر پیٹ کے رونے لگی پٹکا لیا سر پر
رو رو کے یہ کہنے لگی اے خالقِ اکبر
فریاد ہے فریاد لُٹا فاطمہ کا گھر
تو مالک و مختار قضا اور قدر ہے
ہیں کس لئے جیتی ہوں مری موت کدھر ہے

پھر بولی کہ بابا سے ملا دو مجھے لوگو!
یہ سنتے ہی زینب لگی سر پیٹنے رو رو
بانو سے کہا بیٹی کی صورت کو تو دیکھو
بابا کو طلب کرتی ہے گودی میں لے لو
دم شدتِ گریہ سے الٹ جائے گا اس کا
ننھا سا کلیجہ ابھی پھٹ جائے گا اس کا

لے گود میں بانو اُسے رو رو کے پکاری
ماں ہو گئی قربان یتیمی پہ تمہاری
فردوس میں جنت کو سفر کر گئے شبیر
قاسم ترے عمو کا پسر مر گیا بیٹی!
پانی کو ترستا علی اکبر گیا بیٹی!
اس گھر کی جو آبادی تھی سو بس گئی بن میں
صغرا تو یہ سنتے ہی لگی پیٹنے سر کو
ایسے گئے بابا کہ نہ جیتے پھرے گھر کو
اب آس ہے اتنی کہ جو مر جائے گی صغرا
جب تک رہوں گی جیتی نہیں تک جدائی
آئے نہ تمہیں اور نہ چچا نے مرے بھائی
بیمار کو اس ہجر کی آفت سے نکالو
بے آپ کے بلوائے ملاقات ہے دشوار
پھر آپ تلک مجھ کو پہنچنے کی کہاں تاب
کیا کیا ستم اے سید ابرار نہ دیکھا
سنتی ہوں کہ حضرت کے بھی ہمراہ ہیں اکبر
چھوٹا مرا بھیا علی اصغر بھی وہیں آہ
اس دکھ سے رہائی تمہیں دلواؤ گے بابا!
صغرا تو یہ کرتی تھیں بیاں باتیں رنجور
اے صبا جو یہ سنگ تو مرے دل سے گزر دو
شفقت تھی بہت اس پہ حسین ابن علی کی
میں سن چکی اتنا تو کہ مارے گئے عباس
کس وقت تلک جنگ میں بھائی کے رہے پاس
کچھ قاسم و اکبر پہ تو آفت نہیں دیکھی

بابا کہاں میں جس کو دکھاؤں تجھے واری
نتھ ناک سے قسمت نے اتروائی ہماری
اے فاطمہ میں رانڈ ہوئی مر گئے شبیر
عباس جہاں سے تجھے کوثر گیا بیٹی!
جنت کو مری گود سے اصغر گیا بیٹی!
میں لوٹی لٹائی ہوئی آئی ہوں وطن میں
رو رو کے سنانے لگی چلا کے پدر کو
مایوس کیا دختر مجروح جگر کو
اے سید بیکس نہیں تب آئے گی صغرا
اور مر گئی تو آپ کی بوسی کو آئی
آفت مری قسمت نے عجب مجھ کو دکھائی
مجبور ہے صغرا نہیں چاہو تو بلا لو
مقتل ہی تلک جا نہ سکی جب کہ تھی بیمار
بہنوں سے ملی ماں سے ملی میں جگر افگار
صغرا نے مگر آپ کا دیدار نہ دیکھا
عباس وہیں اور وہیں قاسم نوشاہ
اب مجھے ملنے کی زیادہ ہے مجھے چاہ
کب سے ہوں میں بچھڑی تمہیں ملواؤ گے بابا!
جو کہنے لگی مادر عباس یہ مذکور
بیٹا جو مرا عاشق شبیر تھا مشہور
کچھ اس سے بھی خدمت ہوئی فرزند نبی کی
مرنا تو یقیں ہو گیا لیکن ہے یہ سوال
سچ کہہ دو جو کچھ گزری ہو تو دونہ مری جاں
شبیر کی خیمے سے تو رخصت نہیں دیکھی

رخصت کو تھا وہ جس گھڑی چلنے ہوا آیا
میاں نے آ کے یہ کہہ کے تھا چھاتی سے لگایا
تو دودھ بھی بخشوں گی دعا بھی تجھے دوں گی

زینب نے کہا کیا کہوں عباسؑ کی جرأت
قاسمؑ سے بھی پہلے وہ طلب کرتا تھا رخصت
اُس وقت عجب بے کسی تھی شاہِ اُمم پر

زینبؑ سے یہ سُن مادرِ عباسؑ پکاری
کلثوم نے تب یوں کہا با گریہ و زاری
کیا کرتا کہ مغموم بہت ہوتے تھے شبیرؑ

جب حالِ سکینہ کا ہوا پیاس سے تغیر
بھائی سے کہا کچھ کرو اب پانی کی تدبیر
یہ سُن کے لگا رونے وہ شیدائے سکینہؑ

واں فوج سے لڑ بھڑ کے بھرا مشک میں پانی
پھر ٹوٹ پڑے پیاسے پہ وہ ظلم کے بانی
پانی بھی بہا تن سے گرے ہاتھ بھی کٹ کر

اس خوبی سے مارا گیا فرزند تمہارا
پھر فاطمہ زہرا کو وہ کیونکر نہ ہو پیارا
دکھلائی وہ جانبازی شہِ تشنہ دہن کو

یہ سُنتے ہی بس مادرِ عباسِ دلاور
جب کر چکی سجدہ تو یہ کہنے لگی رو کر
یہ جو کہا غل ہونے لگا سینہ زنی کا

بولی کوئی جیتے نہ رہے قاسمِ مضطر
بولی کوئی سر پیٹ کے ہے ہے علی اکبر
وہ رانڈیں تھیں اور ماتمِ شاہِ شہدا تھا

حق دودھ کا بخشاتا تھا مجھ سے مرا جایا
شبیرؑ کے قدموں پہ جو سر تو نے کٹایا
جان اپنی بچائی تو کبھی نام نہ لوں گی

کچھ شہ کے علمدار کی پوچھو نہ حقیقت
پر ابنِ حسنؑ پا چکا جس وقت شہادت
رخصت کے لیے گرتا تھا عباسؑ قدم پر

شرمندہ کیا تم نے حسنؑ سے مجھے واری
اُس نے تو رضا مرنے کی مانگی کئی باری
منہ دیکھتے تھے بھائی کا اور روتے تھے شبیرؑ

بس اس گھڑی ناچار ہوئے حضرتِ شبیرؑ
کچھ بس نہیں اب تم سے خدا کرتی ہے تقدیر
اور لے کے گیا مشک وہ سقائے سکینہؑ

اور گھر کو چلا حیدرِ کرار کا جانی
چھانا اُسے بھی تیروں سے اور مشک بھی چھلنی
اور گر پڑا عباسؑ بھی گھوڑے سے زمیں پر

دودھ اُس کو نہ بخشا تھا تو اب بخشو خدارا
واللہ سر اس نے قدمِ شاہ پہ وارا
راضی کیا حیدرؑ کو، محمدؐ کو، حسنؑ کو

قبلے کی طرف گر پڑی سجدے کو زمیں پر
سب مل کے کرو ماتمِ فرزندِ پیمبرؐ
اور ذکر تھا شبیرؑ کی تشنہ دہنی کا

بولی کوئی بے جان ہوئے عباسؑ دلاور
بولی کوئی مارا گیا پیاسا علی اصغر
کیا کہیے انیس اُس کو جو کچھ حشر بپا تھا

۲۹ مرثیہ

بند ۱۹۰

جب نوجواں پسر شہِ دیں سے جدا ہوا
نورِ نظر امامِ مبیں سے جدا ہوا
روشن قمر سپہر بریں سے جدا ہوا
لختِ جگر حسینِ حزیں سے جدا ہوا
دل داغ ہو گیا دل و جانِ بتول کا
گھر بے چراغ ہو گیا سبطِ رسول کا

برچھی سے ٹکڑے ہو گیا لختِ جگر کا دل
ہوتا ہے آبگینے سے نازک بشر کا دل
خود باپ نے چھدا ہوا دیکھا پسر کا دل
پتھر کا دل نہیں ہے یہ دل ہے پدر کا دل
ایوب بھی اگر ہوں تو دم بھر نہ کل پڑے
آنسو تھمیں تو منھ سے کلیجہ نکل پڑے

پیری میں آفتِ غمِ اولاد الاماں
وہ اضطرابِ خاطرِ ناشاد الاماں
دل اور زخمِ خنجرِ فولاد الاماں
وہ اشکِ شور اور وہ فریاد الاماں
بیٹا نہ ہو تو زیست کا پھر کیا مزا رہا
جب گھر اجڑ گیا تو زمانے میں کیا رہا

بسمل کے لوٹنے کی کسی دل کو کیا خبر
کشتی کے ڈوب جانے کی ساحل کو کیا خبر
غربت میں کون لٹ گیا، منزل کو کیا خبر
کس پر چھری یہ چل گئی قاتل کو کیا خبر
خاروں سے پوچھیے، نہ کسی گل سے پوچھیے
صدمہ چمن کے لٹنے کا بلبل سے پوچھیے

بچھڑا وہ لال جس کا گوارا نہ تھا فراق
اے موت جلد آ کہ بس اب زندگی ہے شاق
فرماتے تھے کہ لوٹ لیا تو نے اے عراق!
خنجر کی آرزو ہے شہادت کا اشتیاق
برباد اس طرح کوئی آباد گھر نہ ہو
کیا زندگی کا لطف، جب ایسا پسر نہ ہو

بچھڑے ہوئے اکبرِ مہرو ہزار حیف
کیا خوش نما تھے دوش پہ گیسو ہزار حیف
اب روئے سامنے نہ وہ ابرو ہزار حیف
وہ بھینی بھینی جسم کی خوشبو ہزار حیف
وہ زلف و رخ وہ پیار کی باتیں کدھر گئیں
وہ دن کہاں ہیں آہ وہ راتیں کدھر گئیں

سب جانتے ہیں حسن کی زینت وہ شیر ژیاں گئے
افسوس ہائے نیم جاں جیتے، جانِ جہاں گئے
پیدا تو کس جگہ ہوئے آ کر کہاں مرے
قدرت خدا کی پیر جیئے نوجواں مرے
اس عمر میں جہاں سے گزرنے کے دن نہ تھے
کہتا ہے خود شباب کہ مرنے کے دن نہ تھے

چھوٹے چھٹے نہ وہ چمنِ روزگار میں
دیکھا کبھی نہ ایک گُل ایسا ہزار میں
بے بس تھے وہ کہ ساتھ کسی کو نہ لے گئے
روتے ہوئے حرم میں گئے قبلۂ انام
رُخ زرد، دل میں درد، بدن [illegible]
یہ درد تھا بُکا میں کہ دل ٹکڑے ہوتے تھے
پیارے یہ تھے حسین علیہ السّلام کے
تھرا رہے تھے پاؤں شہِ تشنہ کام کے
فرماتے تھے بہن، علی اکبرؑ گزر گئے
پُرسا تمہیں شہید کا دینے کو آئے ہیں
بیٹھے ہیں، خاک اُڑائی ہے آنسو بہائے ہیں
سر تھا حسینِ بے کس و تنہا کی گود میں
سر بار دوش ہے ہمیں رخصت کرو بہن
مُردے پڑے ہوئے ہیں عزیزوں کے بے کفن
مجبور ہم ہیں قاسمِ بے پر کی روح سے
یہ سن کے بی بیوں کے جگر پر چھری چلی
سر خنجی جہاں کے ہیں سب آپ پر چلی
بے کس کو آسرا ہے پسر کا نہ بھائی کا
صدقے گئی پسر کے بچانے میں کد کرو
دریا کو چھین لو حقِ زہرا سند کرو
بانیِ جنگ آگ لگی ہے یہ دہر میں
یا مصطفےٰ بلا میں پھنسا ہے تمہارا لال
یا فاطمہ میں لٹتی ہوں بکھراؤ سر کے بال
پھر کیا کسی سے کام ہے سب سے جُدا رہوں

جھونکا چلا ہوائے خزاں کا بہار میں
کیا زور ہے امانتِ پروردگار میں
جس دم طلب ہوئے تو اکیلے چلے گئے
زخمی ہوئے تھے تختِ جگر کی قبا تمام
طاقت نہ قلب میں نہ بدن میں لہو کا نام
یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے تھے
لائی حرم سرا میں بہن ہاتھ تھام کے
سر دوش پر تھا زینبِ عالی مقام کے
ہم ایسے سخت جاں ہیں کہ اب تک نہ مر گئے
کس کس کے داغ آج جگر پر اٹھائے ہیں
یہ ہم تمہارے لال کے خون میں نہائے ہیں
بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود میں
اب عنقریب خیمۂ عصمت ہیں تیغ زن
پامال ہو نہ لاشۂ فرزندِ صف شکن
شرمندگی نہ ہو علی اکبرؑ کی روح سے
زینبؑ زمیں پہ گر کے پکاری کہ یا علیؑ
جاتا ہے سرکشوں میں یہ کونین کا ولی
آقا یہی تو وقت ہے مشکل کشائی کا
فرزندِ فاطمہ کی بلاؤں کو رد کرو
یا شیرِ حق، مقام مدد ہے مدد کرو
حصّہ پسر کا کیا نہیں مادر کے مہر میں
یا شیرِ ذوالجلال دکھاؤ انھیں جلال
یارب اُلٹ دے آج یہ عرصۂ قتال
بھائی کو اپنے دے کے میں جنگل میں جا رہوں

فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیے تمہیں
لب پر رضا رضا کا سخن ہے تمہیں
ہر بار پوچھتے تھے سبب آہ سرد کا
درد شکم سے لوٹتی تھیں وہ نکو خصال
پوچھا کسی نے جب تو کہا شکر ذوالجلال
رونے میں دن، تڑپنے میں راتیں گزر گئیں

ظاہر ہیں جو علی پہ کیے ظالموں نے جبر
حجرے میں بیٹھ کے روتے تھے مثل ابر
ہم کیا ہیں جن کے ہاتھ بندھے یا گلا بندھے
عزلت گزیں تھے بعد علی قبلۂ دوم
مسموم کس خطا پہ ہوئے تھے جو اس کم
بعد از فنا بھی در پئے ایذا شریر تھے

ہیں مورد بلا و مصیبت ازل سے ہم
غم ہے ہمارے واسطے ہم ہیں برائے غم
اب آخری بہن یہ سواری ہماری ہے
یہ سچ کہ تم کو مجھ سے محبت ہے اے بہن
پیارے تمہارے بھائی کی رخصت ہے اے بہن
بھولے نہ یاد حق کبھی گو حال غیر ہو

کیا کریں تم بہن اجل آتی وطن میں گر
درپیش ہے سفر یہاں ہیں خلق ہے سفر
ہر دکھ میں خوش ہیں وہ جنہیں الفت خدا کی ہے
دیکھا یہ کہہ کے بالی سکینہ کو پاس سے
طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے
کیا اس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہے

خالق کی یاد سنت علی چاہیے تمہیں
جو ماں کا تھا چلن وہ چلن چاہیے تمہیں
شکوہ کیا علی سے نہ پہلو کے درد کا
ٹوٹی ہیں پسلیاں یہ کہیں کبھی نہ تھا خیال
بازو کے نیل کا تو کھلا وقت غسل حال
بستر تھا جس جگہ اسی حجرے میں مر گئیں

اس غم سے تھا نہ چین نبی کو میان قبر
منہ سے سنا نہ تھا کوئی کلمہ سوائے صبر
جب ریسماں سے گردن مشکل کشا بندھے
اس بے کسی میں سر پہ نہ جد تھے نہ باپ نہ ام
ٹکڑے جگر کے تھوکتا تھا میں کہ دیکھیں تم
فرزند فاطمہ کے جنازے پہ تیر تھے

اس غم کدے میں چین سے گزرا نہ ایک دم
سب اپنے اپنے عہد میں سہہ گئے ستم
بعد ان بزرگواروں کے باری ہماری ہے
کیا کیجیے ناگزیر یہ فرقت ہے اے بہن
دنیا مقام رنج و مصیبت ہے اے بہن
اس کی ظفر ہے خاتمہ جس کا بخیر ہو

یکساں ہے مرنے والے کو جنگل ہو یا کہ گھر
اب آرزو یہ ہے کہ کٹے جلد تن سے سر
میرا نہیں یہ سر تو امانت خدا کی ہے
بیٹھی وہ دور ذکر شہ گردوں اساس سے
بولی وہ تشنہ کام شہ حق شناس سے
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

فرمایا شہ نے ہاں یہ سفر ناگزیر ہے
اب آرزوئے قربِ خدائے قدیر ہے
طے ہو یہ مرحلہ جو عنایت خدا کرے
سُن کر مصیبت پدر بے کس و حزیں
نکلو بلا کے بن سے کہیں یا امامِ دیں
صدقے گئی مرے چلو، یا نجف چلو

شہ نے کہا کہ بند ہیں راہیں پدر نثار
پیدل نکلنے پاتا ہے ناکوں سے نہ سوار
قاصد جو میرے نام کا خط لے کے آتے ہیں
عمو تمہارے چھوڑ گئے، ہم کو جاں بلب
تلواریں چل گئیں نہ قاسم پہ بے سبب
تھی جن سے زندگی کی حلاوت وہ چھٹ گئے

ہر چند صبح شام سے جاری یہ شاہراہ
بابا تھا غم کھو کے بھتیجیں ہم نے آہ آہ
کیا ہوگا لاکھ روئیں گے یا خاک اڑائیں گے
بی بی یہاں سے اہلِ وطن ہیں قریب تر
بھیجے ہیں شیعیانِ یمن نے بھی نامہ بر
زلوں سے بھی مدد کو جو نکلا وہ گھر گیا
گھیرا ہے اس لئے مجھے اس بن میں آن کر

نے دوست نے عزیز نہ غمخوار نے سپاہ
مجھ سا بھی کوئی بے کس و بے پر بشر نہ ہو
جانا ہے دور شب کو جو آنا نہ ہو ادھر
پہلی بہل ہے آج شبِ فرقتِ پدر
راتیں کٹیں دن گزر گئے اب فصل اور ہے

آؤ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہے
تنہا ہیں ہم، سپاہ مخالف کثیر ہے
جس کا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے
بولی بلائیں باپ کی لے کر وہ مہ جبیں
آقا سوا حضور کے میرا کوئی نہیں
للہ ساتھ لے لو مجھے جس طرف چلو

پھیلی ہوئی ہے چار طرف فوج نابکار
اس دشت کیں میں قید ہے احمد کا یادگار
سر کاٹ کر درختوں پہ لٹکائے جاتے ہیں
بی بی قدم پہ گر گئے ہیں کون رہ گئے اب
مرنا شباب میں علی اکبر کا ہے غضب
دو دن میں گھر بھرے ہوئے اک دم میں لٹ گئے

ہر گز کوئی قافلہ نہ ہوا ہوگا یوں تباہ
ڈھونڈا کہاں کہاں نہیں ملتے وہ رشکِ ماہ
نہ عمر اب بھرے گی نہ وہ دوست آئیں گے
پھر میری بیکسی کی نہیں ایک کو خبر
لیکن حسین تک نہ ہوا ایک کا گزر
لشکر بنی اسد کا قریب آکے پھر گیا

تا مجھ تک آسکے نہ کوئی میرا خیر خواہ
ساتھی تو سب عدم میں وطن دور گھر تباہ
مر کر نہ دفن ہوں تو کسی کو خبر نہ ہو
ضد کر کے روئیو نہ نہیں چاہتی ہو گر
سو رہیو ماں کی چھاتی پہ غربت نہ رکھ کے سر
اب یوں بسر کرو جو یتیموں کا طور ہے

ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام
آنکھوں سے خوں بہا کے یہ کہنے لگے امام
بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عظیم ہے
سُن لے اُتار دو طوق بڑھا دو پدر نثار
چلّائیو نہ اَبی اَبی کہہ کے بار بار
لو الوداع جاتے ہیں اب قتل گاہ میں

یہ کہہ کے پیاری بیٹی کو دیکھا ادھر اُدھر
فضہ نے عرض کی کہ اُدھر بیٹھتی ہیں سر
لب پر گھڑی گھڑی علی اکبر کا نام ہے
زخمی بھی لا کے لاش پسر آپ نے جہاں
کرتی ہیں اُٹھ کے آہ تو ہلتا ہے آسماں
واری گئے نہ قبر میں اماں کو گاڑ کے

روتے ہوئے گئے جو وہاں شاہ خوش خصال
شبیر بیٹھ کر یہ پکارے بصد ملال
پیاسے ہے فلک نے تم کو بڑے دکھ دکھائے ہیں
سُن کر صدا حسینؑ کی چونکی وہ نوحہ گر
تنہا حضور آئے ہیں باندھے ہوئے کمر
ایسے ہنسیں جو دکھ میں جُدا ہوں وہ باپ سے

اے جانِ فاطمہؑ! مرا پیارا کدھر گیا
وہ تین دن کی پیاس کا مارا کدھر گیا
مرتی ہوں اپنے سروِ سہی قد کو دیکھ لوں
وہ گورا گورا چاند سا مکھڑا دکھا دیں پھر
مجھ کو تو خیریت سے غرض ہے نہ آئیں پھر
تڑپے گا دل، تو لے کے اجازت حضور سے

بتلائیے مجھے کہ یتیمی ہے کس کا نام
کھل جائے گا یہ درد و الم تم پہ تا بہ شام
مر جائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے
چھینا کہیں جو لوٹنے آئیں ستم شعار
دشمن ہمارے نام کا ہے شمرِ نابکار
سونا تمہیں، خدا و نبی کی پناہ میں

پوچھا کدھر ہیں بانوئے ناشاد نوحہ گر
رخصت کی بھی حضور کی اُن کو نہیں خبر
چلئے ذرا کہ کام اب اُن کا تمام ہے
منہ اس زمیں پہ ملتی ہیں اور ہے لبوں پہ جاں
نعرہ یہ ہے کہ ہائے مرا شیر نوجواں
جنگل بسا دیا مری بستی اُجاڑ کے

دیکھا کہ غش میں ہیں خاک پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
اے شہر بانو ہوش میں آؤ یہ کیا ہے حال
صاحب اُٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہیں
کی عرض سر جھکا کے قدم پر بہ چشمِ تر
صاحب کہاں ہے منتوں والا مرا پسر
اپنے مرادوں والے کو لوں گی میں آپ سے

اماں کی زندگی کا سہارا کدھر گیا
سیدانیوں کی آنکھوں کا تارا کدھر گیا
اک بار پھر شبیہ محمدؐ کو دیکھ لوں
لے لوں میں گیسوؤں کی بلائیں تو جائیں پھر
خوشبو میں تن کی سونگھ لوں جنگل بسائیں پھر
میں دیکھ لوں گی در پہ کھڑی ہو کے دور سے

بے خود تھی میں جب آئے تھے میداں سے وہ ادھر | کیا دیکھتی مجھے تو کچھ آتا نہ تھا نظر
سنبھلا جو دل ذرا تو بھڑکنے لگا جگر | کب آئے کب گئے مجھے مطلق نہیں خبر
آئے تو چھپ کے آنسو گئے بے ملے ہوئے
باتیں نہ پیار کی ہوئیں نے کچھ گلے ہوئے

گر ہیں خفا تو آئیں میں اٹھ کر نثار ہوں | اُن کی خطا نہیں ہے میں تقصیر وار ہوں
داغی ہوں اُن کی آپ کی خدمت گزار ہوں | اب رحم کیجیے کہ بہت بے قرار ہوں
تکلیف گرچہ ہوگی سفر مشرقین کو
لے آئیے منا کے مرے نورِ عین کو

باتیں یہ سُن کے کہنے لگے شاہِ بحر و بر | یارب جدا نہ ہو کسی ماں سے جواں پسر
بانو کسے بُلاؤں کہاں ہے وہ سیمبر | ہم شکل مصطفیٰ تو گئے فاطمہؑ کے گھر
ہر دکھ میں صبر کرتے ہیں جو حق شناس ہیں
جس نے تمہیں دیا تھا وہ اب اُس کے پاس ہیں

جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آگئی انھیں | ہے ہے منافقوں کی نظر کھا گئی انھیں
تشنگی بہت کیا یہ اجل پا گئی انھیں | صحرائے کربلا کی فضا بھا گئی انھیں
زندہ نہ ہو گا لال، اگر مر بھی جاؤ گی
بانو! کوئی گھڑی میں ہمیں بھی نہ پاؤ گی

جاتے ہیں ہم وہیں کہ جہاں ہے وہ لالہ فام | کہہ دو جو اپنے لال کو دینا ہو کچھ پیام
سُن کر یہ ذکر ہوش میں آئی وہ تشنہ کام | سمجھی کہ گھر تباہ ہوا اب چلے امام
خنجر سے حلقِ شاہ کے کٹنے کا طور ہے
بستی اُجڑ کے تخت اُلٹنے کا طور ہے

دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دل فگار | اے ابنِ فاطمہ یہ کنیز آپ کے نثار
بعد آپ کے جو لوٹنے آئیں ستم شعار | بیٹھے کہاں یہ بیکس و غمگین و سوگوار
کچھ حق میں اس کنیز کے فرما کے جائیے
صاحب کسی جگہ مجھے بٹھلا کے جائیے

میں وہ ہوں جو کہ قید میں آئی تھی یا امام | مشہور ہوں کنیزِ امامِ فلک مقام
پاس آپ کے ہے نانا کا اے قبلۂ انام | گر قید ہو گئی تو کہیں گے یہ خاص و عام
بندی چلی ہے شام کو آلِ رسولؐ کی
دیکھو! یہی بہو ہے علیؑ و بتولؑ کی

فرمایا شہ نے حافظ و حامی ہے ذوالجلال | زہراؑ کی بیٹیوں کی رہو تم شریکِ حال
زینب کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دونوں لال | صاحب تمہارے ساتھ ہے عابد سا خوش خصال
بے وارثوں کا وارث و والی اللہ ہے
دیکھو ڈگے نہ پاؤں کہ مشکل کی راہ ہے

لو الوداع لاش پہ اب آکے رو چکو
زانو پہ سر کو شرم سے نہوڑا کے رو چکو
لٹنے میں صبر، شکر تباہی میں چاہیے
یہ سن کے حشر ہو گیا فریاد و آہ سے
ٹھہرا گیا نہ پھر شہ عالم پناہ سے
چوتھا فلک ضیا سے جلو خانہ بن گیا

مل کر حرم سے در پہ جو شاہ غیور آئے
لاؤ فرس کو ڈیوڑھی پہ جلدی حضور آئے
پھرا تھا سر پہ چتر سلیماں جناب کے
نصرت کی تھی صدا کہ زہے حشمت و جلال
شوکت کی یہ دعا تھی کہ اے فاطمہ کے لال
یارب فساد خلق سے امن و اماں رہے

بیٹا نہ تھا کوئی نہ برادر ادھر ادھر
مڑ مڑ کے دیکھتے تھے جو سرور ادھر ادھر
جلوے دکھا رہی تھی ضیا ہاتھ پاؤں کی
غل تھا فلک کا رنگ بدلتا ہے دیکھ لو
لو جوبن آج دن کا بھی ڈھلتا ہے دیکھ لو
نقش اس قدم کے چاند سے روشن دو چند ہیں

آمد فرس کی تھی دلھن آتی ہے جس طرح
تصویر آہوئے ختن آتی ہے جس طرح
باہم طیور کہتے تھے کبک دری ہے یہ
آیا عجب شکوہ سے اسپ قمر رکاب
چشمک زنی ہلال پہ کرتی تھی ہر رکاب
فتراک تھی کہ کھولے ہوئے تھا عقاب پر

لیکن نہ خاک اڑا کے نہ چلا کے رو چکو
قبر رسول پاک پہ ہاں جا کے رو چکو
رونا بشر کو خوف الٰہی میں چاہیے
سیدانیاں لپٹ گئیں زہرا کے ماہ سے
نکلے حسین روتے ہوئے خیمہ گاہ سے
خورشید شمع حسن کا پروانہ بن گیا

اک غل ہوا حضور کرامت ظہور آئے
اعمیٰ بھی ہو تو آنکھ کی پتلی میں نور آئے
سایہ تھا ایک بیچ میں دو آفتاب کے
"ہاں ہے یہ نیر اقبال بے زوال
سرسبز تیرے دوست عدو تیرے پائمال
جب تک زمیں رہے یہ امام زماں رہے

پر قدسیوں کی صف تھی برابر ادھر ادھر
گرتی تھی برق حسن چمک کر ادھر ادھر
اک چاندنی بچھی ہوئی تھی دھوپ چھاؤں کی
ذروں سے آفتاب بھی جلتا ہے دیکھ لو
قدموں پہ نور آنکھوں کو ملتا ہے دیکھ لو
مجمر ہے آسماں تو ستارے سپند ہیں

تھم تھم کے نکہت چمن آتی ہے جس طرح
یا شمع سوئے انجمن آتی ہے جس طرح
گھوڑے سے چراغ پا تھے کہ بے شک پری ہے یہ
تھامے تھی فتح زین کا دامن ظفر رکاب
حلقہ تھا نور مہر کا یا جلوہ گر رکاب
زیں پر تھا گرد پوش کہ پر آفتاب پر

اختر خجل ہیں زین جواہر نگار سے
تھمتا تھا کب سوار فراست شعار سے
نازاں ہے خود رکاب کے پاؤں کو دیکھ کر
قرباں اُس نگاہ ضیغم شکار کے
شائستگی کو پوچھئے دل سے سوار کے
رکھ دے قدم تو رنگ نہ میلا ہو پھول کا

چاروں سُموں سے بدر خجل نعل سے ہلال
کھینچے نہ بال حور نے بکھرا دیئے ہیں بال
رستے میں یاد گنبد نیلی رواق کے
سینہ کشادہ تنگ کمر چست جوڑ بند
جاں دادۂ مُرد بار، عدو کش ظفر پسند
سُرعت ہے ابر کی تو لطافت ہوا کی ہے

دونوں کنوتیاں جو بہم ہیں بشکل لا
ہاں بے زباں ہے گو پہ یہ کہتا ہے برملا
افسوس اہلِ شام کو کچھ پیش و پیش نہیں
لو اب سوار ہوتا ہے زہرا کا یادگار
رو کر فرس سے کہتے ہیں شبیرِ نامدار
سب دو پہر میں ابن علیؑ سے جدا ہوئے

سب دوست بے مثال تھے روؤں کیسے
حیدرؑ کے پانچ لال تھے روؤں کیسے
خیر اُن کے پیارے مرنے کے جب ذکر ہو گئے
مرتا ہے ایک دوست کسی شخص کا اگر
اک دن میں صاف ہو گیا میرا تو گھر کا گھر
اس گھر میں جتنے گھر ہیں وہ سب بے چراغ ہیں

ذرّوں نے چُن لئے ہیں ستارے غبار سے
گردن میں ہاتھ باگ نے ڈالے ہیں پیار سے
بل کر رہا ہے خاک پہ سائے کو دیکھ کر
پامال کر دے شیر کو ٹاپوں سے مار کے
چاہے تو ایک طفل چڑھے باگ اُتار کے
پیارا فرس ہے راکبِ دوشِ رسولؐ کا

کھِلیں شکارِ شیر پہ آنکھیں ہیں وہ غزال
پھرنے پہ جھوم جھوم کے صدقے پری کی چال
دُلدُل کی تیزیاں ہیں طرارے براق کے
گردن میں خم ہلال کا اور اس پہ سر بلند
بجلی کسی جگہ، کہیں آہو کہیں پرند
اتنے ہُنر فرس میں، یہ قدرت خدا کی ہے

سوچیں تو اہلِ بزم کہ مطلب ہے اس کا کیا
آقا ہے میرا صاحبِ لاسیف ولا فتا
آقا حسینؑ سا نہیں، مجھ سا فرس نہیں
تھامے رکاب کون۔ نہ یاور نہ غمگسار
اے ذوالجناح دیکھ یہ نیرنگ روزگار
جو تیرے گرد رہتے تھے وہ دوست کیا ہوئے

خوش رو تھے باکمال تھے ڈھونڈوں کیسے
سات آٹھ خرد سال تھے ڈھونڈوں کیسے
سب مر گئے دوست میرے عوض اُن کو رو دیئے
وہ شخص اُس کے ہجر میں روتا ہے عمر بھر
کیا دور ہے جو مر کے بھی سیدھی نہ ہو کمر
میرے تو اک کلیجے پہ اٹھارہ داغ ہیں

پیاسے مرے ہیں ساتھ جو میرے یہ تشنہ کام
گھر گھر میں اُن کی نذر کا ہوئے گا اہتمام
جاری سبیلیں رکھیں گے رستے پہ خاص و عام
چلائیں گے یہ پانی کے بھر بھر کے سر جام
بھولو نہ تشنگی کو شہِ تشنہ کام کی
پیاسو پیو سبیل ہے نذرِ امام کی

ایسے کہے ملے ہیں رفیقانِ باوفا
بخشیں خدا جلیل ہے اُن سب کا مرتبا
ہوتے جہاں میں آج جو پیغمبرِ خدا
کرتے ہر اک شہید کا ماتم جدا جدا
شانہ بتول بالوں میں کرتی نہ عمر بھر
چادر سیاہ سر سے اُترتی نہ عمر بھر

یہ سُن کے ذوالجناح تو روتا تھا زار زار
چلاتی تھی یہ زوجۂ عباسؑ نامدار
صاحب اُٹھو ترائی سے ہیں آپ پر نثار
آقا سوار ہوتے ہیں آتا ہے راہوار
یاں آکے ساتھ جاؤ امامِ غیور کے
سایہ کرو کہ دھوپ ہے سر پر حضور کے

بانو پکارتی تھی کہ اکبرؑ کدھر ہو تم
بیٹا پدر کے کوچ کے دن بے خبر ہو تم
تھامو رکاب باپ کے پیارے پسر ہو تم
اماں کا گھر تو لٹتا ہے دادی کے گھر ہو تم
بازو کو تھامو ہاتھ میں حضرت کے ہاتھ دو
بیٹا ضعیفی وقت میں حضرت کا ساتھ دو

تھامے یہاں لجامِ فرس پر تھا دستِ شاہ
فریاد وا حسینؑ سے ہلتی تھی قتل گاہ
خیمے سے نکلی اک زنِ بالا بلند آہ
رُخ پر نقاب پاؤں میں موزے عبا سیاہ
حسنِ رسول شانِ علیؑ کا ظہور تھا
گویا لباسِ کعبہ میں خالق کا نور تھا

پردہ ہٹا جھکی ہوئی آئی وہ دل کباب
تھامی لرزتے ہاتھوں سے رہوار کی رکاب
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوئے شاہِ فلک جناب
بیت الشرف میں چھپ گئی وہ مثلِ آفتاب
جس کا یہ ذکر تھا وہ نواسی نبی کی تھی
زینبؑ بہن حسینؑ کی، بیٹی علیؑ کی تھی

رن کو سواری شہِ جن و بشر چلی
پیچھے تمام فوجِ ملک ننگے سر چلی
گھوڑے کے ساتھ فاطمہ تھامے جگر چلی
شبدیز کیا چلا کہ نسیمِ سحر چلی
طبقہ تمام نورِ سواری سے عرش تھا
سونے کی تھی زمیں تو ستاروں کا فرش تھا

ذروں سے آفتاب کی ضو آشکار تھی
سرسبز تھے درخت زمیں لالہ زار تھی
ماتم میں اک سماں تھا خزاں میں بہار تھی
جنگل تھا مشک بیز ہوا عطر بار تھی
غُل تھا نہ دور دور چلو نے بہم چلو
ہاں خادمو ادب سے قدم با قدم چلو

وہ شان وہ شکوہ وہ شوکت جناب کی
اللہ ری ضو جھپکتی تھی آنکھ آفتاب کی
تصویر تھی جناب رسالت مآب کی
پیری دکھا رہی تھی لطافت شباب کی
بر میں نبی کا جامۂ عنبر شمامہ ہے
رنگت تو پھول سی ہے گلابی عمامہ ہے

غل تھا فرس پہ سید والا کو دیکھ لو
ہاں برق وشِ طورِ تجلی کو دیکھ لو
پڑھ کر درود صورت مولا کو دیکھ لو
بالائے رحل مصحف زہرا کو دیکھ لو
پایا کسی بشر نے یہ پایا ہے خلق میں
قرآں انھیں کے واسطے آیا ہے خلق میں

حوریں ہیں گرد ساغر کوثر لئے ہوئے
پریاں جلو میں ہیں طبقِ زر لئے ہوئے
جبریل ہیں نجات کا دفتر لئے ہوئے
جھولی میں ہے نسیم گلِ تر لئے ہوئے
لٹتے ہیں پھول وادیٔ عنبر سرشت میں
دولھا برات لے کے چلا ہے بہشت میں

وہ رخ دل فروز وہ زلفوں کا پیچ و تاب
گویا کہ نصف شب میں نمایاں ہے آفتاب
ابرو کی ذوالفقار سے زہرہ عدو کا آب
آنکھیں وہ جن سے نرگس فردوس کو حجاب
پتلی کا رعب سب پہ عیاں ہے خدائی میں
بیٹھا ہے شیر ہاتھوں کو ٹیکے ترائی میں

پہونچا جو اس شکوہ سے خیر الورا کا لال
کانپے جبل لرزنے لگا عرصۂ قتال
ٹوٹے جو مورچے تو پکارے یہ بدخصال
بھاگو کہ آیا شیر الٰہی پئے جدال
دیکھا جو رعب قبلۂ عالی مقام کو
جلووں نے جھک کے ہاتھ بڑھائے سلام کو

بڑھ کر صدا نقیب نے دی روبرو نگاہ
دشمن ترے ذلیل معاند ترے تباہ
آواز دی ظفر نے کہ اے معدلت پناہ
تاباں رہے ستارۂ اقبال و عز و جاہ
زہرہ عدو کا آب، کلیجہ لہو رہے
ہر معرکہ میں تیغِ علی سرخرو رہے

نیزہ زمیں پہ آنے لگا وا اچک بیک
ماہی نے دبکے گاوِ زمیں سے کہا کہ
شاید قیامت آئی زمیں پر گرا فلک
بس یا حفیظ کہہ کے لرزنے لگی سمک
غل تھا الٹ چلے ہیں حسینؑ آستین کو
یا بوتراب آ کے بچا لو زمین کو

دب دب گئے مورچوں سے ادھر پہلوان ہٹے
لشکر ہٹا نشان ضلالت نشاں ہٹے
سرکی زمیں مگر نہ امام زماں ہٹے
سچ ہے کہ قطب دائرۂ دیں کہاں ہٹے
سر بھی کٹے اگر تو نہ پیچھے قدم ہٹیں
کعبہ کہیں ہٹا ہو تو شاہِ امم ہٹیں

لوگو سمجھتا ہے شیر رجز خواں ہیں شاہ دیں
روشن ہمارے نور سے ہے شاہراہ دیں
سجدے بتوں کو کرتے تھے ساکن کنشت کے
خالی کیا علیؑ نے بتوں سے خدا کا گھر
غل تھا علیؑ ہیں دوش محمدؐ پہ جلوہ گر
سب نبیؐ کا رتبۂ اعلیٰ ہے دیکھ لو

زنار گردنوں پہ تمہارے سوار تھی
اسلام کے چمن میں کبھی یہ بہار تھی
چرچا تھا کفر و فسق و فجور و گناہ کا
کعبے میں ہم نے پہلے اذاں دی بشدّ و مدّ
ہم پر ازل سے ہیں کرم مفضلِ احد
تم لوگ جب طریق سے پھرتے ہو فرش پر

گھر میں ہمارے وحیِ خدا لائے جبرئیل
مشہور ہم ہیں خلق میں آقائے جبرئیل
شاگردیِ علیؑ سے سرافراز جب ہوئے
آٹھوں بہشت باغِ ولا کے پھول ہیں
اعمالِ دشمنانِ علیؑ ناقبول ہیں
پھر کیا ہوا زکوٰۃ بھی گر حج سمیت کی

عزت جہاں میں سب کو ہماری ولا نے دی
بیٹی نبیؐ نے تیغ دو سر کبریا نے دی
رتبہ بلند سب سے خدا کے ولی کا ہے
کیوں ظالمو رسولؐ کا پیارا نہیں ہوں میں
کیوں مستحقِ لطف و مدارا نہیں ہوں میں
سیّد کو ظلم کونسی یہ رسم و راہ ہے

نعرہ یہ ہے کہ ہیں ہمیں پشت و پناہ دیں
دنیا میں ہم ہیں تاجِ سرِ عز و جاہ دیں
ہم نے تمہیں بتا دیئے رستے بہشت کے
عزیٰ کہاں ہے لات و ہبل آج ہیں کدھر ؟
مصحف پہ مصحف آج ہے اور نور نور پر
شیر خدا کی شان دوبالا ہے دیکھ لو

شرک جلی یہ تھا کہ پرستش میں عار تھی
حق حق کی مسجدوں میں یہ کس دن پکار تھی
یہ شور کب تھا اشہد ان لا الٰہ کا
دریائے رحمتِ صمدی ہیں ہمارے جد
سب ہم پہ منکشف ہے جو کچھ ہوگا تا ابد
ہم یوں پلک جھپکتے میں جاتے ہیں عرش پر

جب آئے خادموں کی طرح آئے جبرئیل
اس گھر کی خادمی ہے تمنائے جبرئیل
جبریل تب مقربِ درگاہِ رب ہوئے
ہم سے ولا کرو کہ ہم آلِ رسولؐ ہیں
روزے ہوں یا نمازیں ہوں سب بے اصول ہیں
شرطِ قبولیت ہے ولا اہلبیت کی

کفار کو شکستِ شہِ لافتا نے دی
کعبے سے بھی سوا ہمیں حرمت خدا نے دی
سجدے ہیں اس لئے کہ وہ مولدِ علیؑ کا ہے
کیوں عرشِ کبریا کا ستارا نہیں ہوں میں
کیوں جا بجا امام تمہارا نہیں ہوں میں
کیا میہماں کو پانی کا دینا گناہ ہے

وہ نہر جس کو خلق میں جاری کرے اللہ
پانی ہو جنگ پیاسوں سے دریا پہ بغض واہ
سیراب گرگ و شیر ہوں اور اسپ و خر پئیں
کھنچ کھنچ کے جائے ساری زراعت میں آب نہر
اُس میں یہ نہر بھی ہے جو ہے فاطمہ کا مہر
اُمت نبی کی آہ یہ سفاک ہو گئی

کرتا ہے پاس داری مہمان ہر بشر
عاجز بھی لا کے سامنے رکھتا ہے ما حضر
بستان کربلا میں ہوا یہ بری چلی
سن کر بیان شاہ فصیحوں نے سر جھکائے
اکثر صفوں میں شور یہ اٹھا کہ ہائے ہائے
خم کر کے گردنیں عمر و شمر ٹل گئے

نوفل سے بڑھ کے یہ پسر سعد نے کہا
ہو سب صفوں میں نالۂ شہنا کا غل بپا
مظلومی حسینؑ پہ دل ٹکڑے ہوتے ہیں
ناگہ بجے جلاجل و قرنا و طبل و دف
رجلوں میں تیر جوڑ کے بڑھنے لگی جو صف
بھاگو! ہٹو! بچو! یہ صدا دی سپاہ نے

تیغ دو سر کو روک کے حضرت نے یہ کہا
آؤ عرب کی طرح جو ہے قصد جنگ کا
دنیا سے وقت عصر گزرنا ہے ہر طرح
سر کو نہ سر نہ جان کو ہم جان سمجھتے ہیں
مشکل ہزار ہو اُسے آساں سمجھتے ہیں
اس معرکے میں کھیت پڑے ہیں اسی طرح

روکی ہے تم نے ظلم کی تیغوں سے اس کی راہ
یہ کس ولی کا گھر تھا جسے کر دیا تباہ
اولاد فاطمہؑ نہ پئے جانور پئیں
محروم ابن ساقی کوثر، یہ کیا ہے قہر
شہرہ ہے ناریوں کی تواضع کا شہر شہر
بس آج آبروئے فلک خاک ہو گئی

ملتے ہیں اُس سے جھک کے جو آتا ہے اپنے گھر
فاقہ ہے تیسرا ہمیں اور تم ہو بے خبر
پانی کیا طلب تو گلے پر چھری چلی
کتنوں نے پھیر پھیر کے منہ اشک بھی بہائے
کیوں ہم رسول حق کے نواسے سے لڑنے آئے
فولاد نرم ہو گیا پتھر پگھل گئے

ہاں جلد حکم دے کہ بجیں طبل جا بجا
تا فوج میں سنے نہ کوئی شاہ کی صدا
انساں کا ذکر کیا ہے کہ گھوڑے بھی روتے ہیں
خاموش ہو گئے شہ مظلوم اس طرف
اُگلی اُدھر نیام سے تیغ شہ نجف
یا نبی سے منہ نکالا ہے اژدر سیاہ نے

بے کس سے کس طرح ہمیں منظور ہے وغا
سب مل کے گر لڑو تو پھر اس میں ہے دیر کیا
حاضر ہیں ہر طرح ہوں کہ مرنا ہے ہر طرح
ہم حکم کردگار کو ایماں سمجھتے ہیں
ہم ایک اور لاکھ کو یکساں سمجھتے ہیں
بچے ہمارے تم سے لڑے ہیں اسی طرح

لڑتا نکل کے ایک سے گر ایک نامدار
نکلا ادھر سے ایک اُدھر سے بڑھے ہزار
بے دیں کا ساتھ دے کے حمیت کو کھو دیا
یہ ذکر تھا کہ تیر چلے اُس سپاہ سے
پھر ضبط ہو سکا نہ شہِ دیں پناہ سے
چمکی علیؑ کی تیغ جو دشتِ مصاف میں

کاٹھی سے اس طرح ہوئی تیغِ دو سر جدا
نصرت کا آئینہ تھا جدا اور گہر جدا
تیغِ کشیدہ دستِ شہِ بحر و بر میں ہے
ناگاہ رن میں تیغِ شہِ لافتا چلی
بن میں سموم قہرِ عتابِ خدا چلی
آوازِ الاماں کی سپہرِ بریں پہ تھی

پہونچے جو شکلِ شیر جھپٹ کر اِدھر اُدھر
آیا گیا فرس جو سمٹ کر اِدھر اُدھر
جاروب تھی کہ سیفِ میانِ مصاف تھی
ملتی تھی جائے امن نہ زیرِ فلک کہیں
جنات بے حواس کہیں تھے ملک کہیں
پانی سے جل بجھا تھا کوئی کوئی نار سے

غل شش جہت میں تھا کہ نہ اس دو دھار سے
کون ان کے منھ پہ جا کے اجل کا شکار ہو
بھاگیں کہ ان صفوں کو ہم آراستہ کریں
جب بن سے فوجِ شام پہ وہ شعلہ رو چلی
ٹھہری بڑھی چمکتی ہوئی چار سو چلی
تیزی یوں ہی زباں میں سخنور کو چاہیے

برسوں بھی تم سے ختم نہ ہوتی یہ کارزار
اس پر بھی الاماں کا غل اُٹھتا تھا بار بار
تم نے تو آج نامِ عرب کو ڈبو دیا
گیتی کو زلزلہ ہوا زہرا کی آہ سے
بجلی گری صفوں پہ غضب کی نگاہ سے
پریاں چھپیں جزیروں میں سیمرغ قاف میں

جیسے سوادِ شب سے بیاضِ سحر جدا
محمل جدا تھا نیلیِ فتح و ظفر جدا
طومار ہاتھ میں ہے لفافہ کمر میں ہے
گویا صفوں پہ کھولے ہوئے منھ بلا چلی
جھونکوں سے جس کے اڑتے ہیں سر وہ ہوا چلی
بڑھ کر جو یوں پھرے صفِ اوّل زمیں پھٹی

سر گر پڑے ترائی میں کٹ کر اِدھر اُدھر
ڈھالوں کا ابر رہ گیا پھٹ کر اِدھر اُدھر
دریا کی راہ حملۂ اوّل میں صاف تھی
غل تھا کہ مل رہا نہیں سماو سمک کہیں
سایہ کہیں تھا تیغ کہیں تھی چمک کہیں
گرتی تھیں تین بجلیاں اک ذوالفقار سے

بھاگو کہیں یہ برق نہ پھر شعلہ بار ہو
جو ایک تیغ وہ دو ہو جو دو ہے وہ چار ہو
مہلت جو تیغ دے تو دم آراستہ کریں
بس مر کے بعض سقر میں سپاہِ عدو چلی
آئی کس آب و تاب سے کیا سرخرو چلی
پاس آبرو کا صاحبِ جوہر کو چاہیے

اب دم نہ لیجیو یہ اجل اُس سے کہہ گئی
ندی لہو کی دشت پُر آفت میں بہہ گئی
کاٹی زرہ گرہ بھی پڑی جو وہ سہہ گئی
بھاگا کوئی شقی تو لہو پی کے رہ گئی
غصّے میں مثلِ برق قرار اُس نے کم لیا
لاکھوں میں ڈھونڈھ کر اُسے مارا تو دم لیا

پھل آ سکا سپر پہ نہ جوشن پہ رہ گیا
جس پر پڑی تڑپ کے وہ توسن پہ رہ گیا
دو ٹکڑے ہو گئے سر نہ فقط تن پہ رہ گیا
خوں بھی اجل گرفتہ کی گردن پہ رہ گیا
دم میں نہ وہ غرور نہ وہ خودسری رہی
مجرم وہی رہا یہ خطا سے بری رہی

تھا برش میں جو ہر ذاتی میں قدر میں
چمکی اُحد میں خیبر و خندق میں بدر میں
تیزی رہی تھی منھ کی اس آشوب غدر میں
بڑھ کر سپر سے سر میں گئی سر سے صدر میں
کھینچے ہوئے سپر سے نیا رنگ ڈھنگ تھا
راکب تھا نہ فرس تھا نہ زیں تھا نہ تنگ تھا

مانندِ برق تیغ کا سایہ جدھر گرا
بیٹے پہ باپ، باپ پہ مر کر پسر گرا
یہ ہاتھ اُس طرف تو وہ بازو اُدھر گرا
پرکالے اُڑ گئے، وہ سپر کے یہ سر گرا
قبضے میں اب ہے تیغ نہ دستانے ہاتھ میں
کیوں دے دیا ہے ہاتھ کو بیگانے ہاتھ میں

سرکش ہوا پہ جو تھے وہ سب گرد ہو گئے
سُرخی رگوں سے اُڑ گئی منھ زرد ہو گئے
دعویٰ مردمی تھا پہ نامرد ہو گئے
ہنگامہ جن سے گرم تھا وہ سرد ہو گئے
مرنے پہ بھی نصیب کی سوزش نہ جائے گی
اب ناریوں کو آتشِ دوزخ جلائے گی

جاری تھے تیغ شاہِ حجازی سے نیزہ باز
باہم اُلجھ کے گرتے تھے تازی سے نیزہ باز
رُکے تھے ہاتھ دست درازی کے نیزہ باز
باز آ گئے اپنی شعبدہ بازی سے نیزہ باز
یوں جھٹکے کھول دیتی تھی نیزے کے بند کو
آتش پہ ڈال دے کوئی جیسے سپند کو

غل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی یہ گری
برچھی سی اُڑ گئی وہ سناں پہ گرہ گری
ترکش کٹا کمان کیانی سے زہ گری
سر اُڑ گیا وہ خود اُڑا یہ زرہ گری
آتی ہے لشکروں پہ تباہی اسی طرح
گرتی ہے برقِ قہرِ الٰہی اسی طرح

وہ شام و روم کے قدر انداز بے نظیر
سہواً نہ چوکتا تھا نشانوں سے جن کا تیر
ہر صف میں سہم کے ہوتے تھے گوشہ گیر
چلاتے تھے کہ موت کے حلقے میں ہیں اسیر
بیچے قسم کو گر کبھی لشکر کشی کریں
سر کاٹ ڈالے گا جو اب سرکشی کریں

مشاق سانحہ آٹھ برس کے وہ تیر دست
چلا نہ سوجھتا تھا انھیں آنکھ سے نہ شست
بے سر تھے وہ بھی بادۂ نخوت سے جو تھے مست
غارت تھے مثل تیر ہوائی ہوا پرست
ترکش دو نیم ہو گئے زہ گیر کیا کرے
چلا نہ ہو کماں پہ تو پھر تیر کیا کرے

وہ شہسوار دوش محمدؐ کی ران و باگ
کیا ٹھہرے دھوپ میں کہ وہ سیماب ہے یہ آگ
تلوار کیا فرس کو بھی تھی شامیوں سے لاگ
ایک ایک کو پکارتا تھا کہ بھاگ بھاگ
زور اس سے چل سکے گا نہ رستم نہ گیو کا
اس چل تن کی تاب طمانچے سے دیو کا

پھرتا تھا کیا صفوں میں فرس جھوم جھوم کے
سرعت بلائیں لیتی تھی منھ چوم چوم کے
پامال تھے پرے سپہ شام و روم کے
غل تھا یہ غول میں سپہ سعد شوم کے
رخش ایسا روم و رے میں نہیں شام میں نہیں
یہ شوخیاں تو گردش ایام میں نہیں

چار آئینے سے یوں نکل آتی تھی ذوالفقار
عینک کے پار ہوتا ہے جیسے نگہ کا تار
چار آئینے تو کیا تھے کہ ہوتے بھلا وہ چار
ہر دم تھا امتزاج عناصر کو انتشار
اس کے جہاں رن ایسا اگر اک گھڑی پڑے
کیا ہو زرہ سے ضرب ایسی کڑی پڑے

خود و زرہ وہ دام سے آزاد یہ اسیر
تیر و کماں سخت وہ بے پر یہ گوشہ گیر
شمشیر جاں ستان و کمند و سنان و تیر
بے آب سر بریدہ و ژولیدہ و حقیر
بے برگ و بار دشمن آل رسولؐ ہیں
اب برچھیوں میں پھل ہیں نہ ڈھالوں میں پھول ہیں

اس تیغ کے وقار سے کوہ گراں سبک
ڈھالوں کی شامیوں کی گھٹا ابر سے تنک
سا گگ اور دور سے ادھر دست و پا خنک
چلنے میں بس یہی دم و دعویٰ کہ اب رگ
مقتل کے سر نشیب کو لاشوں سے پاٹ دے
پر جبرئیل کے بھی سپر ہوں تو کاٹ دے

جب اٹھ کے تیغ صفدر قدسی شرف گری
گویا کہ برق سطوت شاہ نجف گری
آیا ادھر خدا کا غضب جس طرف گری
کٹ کر گرا پرے پہ پرا صف پہ صف گری
سیفی چلی کہ سیف صف کارزار پر
گھوڑے گرے پیادوں پہ پیدل سوار پر

اللہ ری شان واہ رے حملے جناب کے
خاک اڑ گئی جدھر گئے گھوڑے کو ڈپٹا کے
دکھلا دیے دغا میں چلن بوتراب کے
فتراک بھی کہ پر فرس لاجواب کے
پتلی جدھر سوار نے پھیری یہ مڑ گیا
اترا براق بن کے پری ہو کے اڑ گیا

جم کر صفوں سے یوں فرس تند خو اڑا
گویا ہمائے اوج شرف چار سو اڑا
تلوار جب چلی سپر خس عدو اڑا
نکلا دم اور نہ زخم سے مطلق لہو اڑا
ہر دم برش بڑھی ہی گھاٹ اس کا نام ہے
اس کو صفائی کہتے ہیں کاٹ اسکی نام ہے

باطل کو حق سے خیر سے شر کو جدا کیا
ظلمت کو دن سے شب کو سحر سے جدا کیا
یوں کفر و دیں کو تیغ دو سر نے جدا کیا
گویا کلف کو رخ نے قمر سے جدا کیا
ٹکڑے اڑا دیئے دم میں سیاہ شریر کے
قربان ذوالفقار جناب امیر کے

نخوت ہے کبریا نے اصالت کو کیا وقار
تھی سرنگوں اس اوج پہ وہ تیغ آبدار
با آبرو کا جوہر ذاتی ہے انکسار
واں شرح ذوالفقار کی تھی عرش پر پکار
اس عز و اعتلا پہ زباں بھی رکی رہی
یہ کیا فروتنی ہے کہ گردن جھکی رہی

خالص اگر ہے مشک تو بو آشکار ہے
چھلکے گا آپ وہ جو بھرا ہوا رہے
زرگر کی مدح قدح کا کیا اعتبار ہے
کہدے گی خود مہک کہ طلا خوش عیار ہے
ہر ایک کو کمال کی دولت خدا نہ دے
خالی ہو جو کہ ظرف وہ کیونکر صدا نہ دے

اک ذوالفقار خلق میں دو ہاتھ سے چلی
دست حسینؑ و پنجۂ مشکل کشا علیؑ
یہ مصطفےٰ کی جان وہ اللہ کا ولی
دونوں کا مرتبہ بھی دو عالم پہ ہے جلی
فخر مجاہدیں پسر فاطمہ ہوا
حیدر سے ابتدا ہوئی یاں خاتمہ ہوا

ظلمت سے نور، نور سے ظلمت جدا ہوئی
وحدت سے ایک ضرب میں کثرت جدا ہوئی
دین مبیں سے کفر کی بدعت جدا ہوئی
ایماں کے راستے سے ضلالت جدا ہوئی
اس دبدبے سے زیر کیا روم و شام کو
حکم جہاد پھر نہ ہوا فوج شام کو

خود سر عدو تھے حباب اس کے سامنے
موج زرہ تھی نقش بر آب اس کے سامنے
کیا منہ بنا دے جو تیغ جواب اس کے سامنے
بڑھنے کی تھی سپر کو نہ تاب اس کے سامنے
اللہ کا غضب یہ جانے ہوئے تھے سب
لوہے کو ذوالفقار کے مانے ہوئے تھے سب

اللہ رے ظلم افواج رو سیاہ
ٹکراتے تھے پہ ملتی نہ تھی بھاگنے کی راہ
قل تھا پناہ دے ہمیں اے آسمان پناہ
امت رسول پاک کی ہوتی ہے اب تباہ
بخشو خطا یہ کام ہے مولا ثواب کا
صدقہ محمد عربی کی جناب کا

اُس شور میں سُنا جو رسولِ خدا کا نام
فرمایا خیر ہے گا خدا اُم سے انتقام
کیا چیز سر ہے، بات پہ ہم لوگ مرتے ہیں
چرخ و نجوم و شمس و قمر نہر و دشت و در
اشجار و شاخ و برگ و گل و غنچہ و ثمر

جن و ملک ہیں انس ہیں غلمان و حور ہے
میں کیا لڑوں گا غم سے ہوا ہے مرا جگر
بازو کے غم میں ٹوٹ گئی ہے مری کمر
حسرت ہے یہ کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو
بھاگو نہ لو نیام میں رکھتا ہوں میں حسام
دُنیا سے اب غرض ہے نہ کچھ زندگی سے کام
بیٹھے نہیں زمیں پہ خزانے کو گاڑ کے
پلٹے یہ سُن کے بھاگے ہوئے روسیاہ آہ
اک تشنہ لب پہ ٹوٹ پڑی سب سپاہ آہ

سب کچھ تھا اختیار پہ مجبور ہو گئے
باندھے تھے چار غولِ جفا کار بہرِ جنگ
نیزوں کو تولتے تھے اک صف بے درنگ
زہرا تڑپ رہی تھیں علیؑ ہاتھ ملتے تھے
وہ لو وہ آفتاب کی تابندگی وہ دن
رونے کی چار سو تھی صدا ہوتا تھا رن
آندھی میں خاک اڑتی تھی گھوڑے گزرتے تھے
بی بی پکارتی تھی کوئی ہائے میرے لال
زہرا کی دونوں بیٹیاں کھولے ہوئے تھیں بال
جھکتے تھے زیں سے جب شہِ ذی شان زمین پر

پڑھ کر درود آپ نے بس روک لی حسام
عاجز نہیں ہے یہ بے کس و مظلوم و تشنہ کام
دیکھو اس اختیار پہ یوں صبر کرتے ہیں
سنگ و معادن و صدف و قطرہ و گہر
رکن و مقام و باب و منا زمزم و حجر
کہہ دیں یہ سب کہ ابنِ علیؑ بے قصور ہے
آنکھوں کے آگے خاک پہ ہے لاشۂ پسر
سر ہو یہ مرحلہ جو کٹے تن سے جلد سر
جب ذبح ہوں تو پہلوئے اکبرؑ میں لاش ہو
مشتاقِ قربِ حق ہے یہ مظلوم تشنہ کام
حاضر ہے اس فقیر کا کیا کوچ کیا مقام
موت آ گئی اُٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے
ابرِ ستم میں گھر گیا زہراؑ کا ماہ آہ
دو لاکھ حربے ایک تنِ زار آہ آہ

شبیرؑ سر سے تا بہ قدم چور ہو گئے
اک صف سے تیغیں چلتی تھیں دو ایک خدنگ
چلتے تھے ایک صف سے پیاپے کلوخ و سنگ
یہ وار سب حسینؑ کے سینے پہ چلتے تھے
جھیلوں میں شیر ہانپتے تھے دشت میں ہرن
غل تھا خدا پرستوں کے لاشے ہیں بے کفن
آواز ہائے ہائے کی آتی تھی دشت سے
حیدرؑ کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
ڈیوڑھی سے نکلے پڑتے تھے بچوں کا تھا یہ حال
غل تھا کہ ہائے گرتا ہے قرآں زمین پر

جب روز تھا یہ حشر یہ ماتم یہ شور و شر | آپہونچا اک مسافر غربت زدہ ادھر
نکلا تھا گھر سے شوق نجف میں وہ خوش سیر | چھوٹے ہوئے وطن سے گزرا تھا سال بھر
بے خانماں کو عشق خدا کے ولی کا تھا | مشتاق وہ زیارت قبر علی کا تھا

رخ زرد پاؤں سوجے ہوئے جسم پر غبار | ایمان و اعتقاد قوی، پر بدن نزار
طاعت گزار نیک عقیدت وفا شعار | نے راحلہ نہ زاد نہ ہمدم نہ غمگسار
یہ آرزو کہ گوہر بحر شرف ملے | چھانوں جہاں کی خاک پہ دُر نجف ملے

سر کو قدم کئے وہ سعید و خجستہ پے | دو دن کی راہ کرتا تھا ایک ایک دن میں طے
بیمار کی یہ تھی جو قطع مسافت کوئی شے | آساں تھی اس کو دوری شام و عراق و رے
ان جنگلوں میں بادیہ پیما تھا دین کا | گز بن گیا تھا راہ خدا کی زمین کا

دیتی تھی اس کو طاقت رفتار جب جواب | جھک جھک کے دونوں پاؤں سے کرتا تھا یہ خطاب
لازم ہے تم کو سعی کہ یہ ہے رہ ثواب | احسان ہے یہ سر پہ تمہارا، چلو شتاب
کیا کیا شرف تمہاری بدولت ملے نہیں | گنج گہر ہیں زیر قدم آبلے نہیں

کرتا تھا ہر قدم پہ دعا وہ بہ اشک و آہ | پہونچا دے مجھ کو منزل مقصد پہ یا الٰہ
سمجھاتے تھے اسے جو مسافر میان راہ | اک دن مقام کر کہ ترا حال ہے تباہ
یاری نہ دیں قدم تو ٹھہرنا ضرور ہے | کہتا تھا رو کے وہ کہ نجف کتنی دور ہے

پہونچا جو کربلا میں تو دیکھا یہ اس نے حال | تنہا کھڑا ہے ایک مسافر بصد ملال
فوجیں ستم کی گرد ہیں آمادۂ قتال | چلتے ہیں تیر، پانی کا کرتا ہے جب سوال
اور بس کہ اہل درد تھا بے تاب ہو گیا | پانی کے مانگنے پہ جگر آب ہو گیا

تھم کر جو اس نے غور سے لاشوں پہ کی نظر | دیکھا ہے کوئی شمس کوئی غیرت قمر
بچہ پڑا ہے ایک ستارا سا خاک پر | کرتہ بھی ہنسلیاں بھی گلو بھی ہے خوں میں تر
سرخی لہو کی حلق کے سب ذقن میں ہے | اچھوں میں سب ہے، دودھ انگوٹھا دہن میں ہے

برپا ہے ایک سمت جو خیمہ فلک وقار | آتی ہے پیٹنے کی صدا اس سے بار بار
چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ یوں کوئی سوگوار | صدقے میں تیرے لے مرے بابا کے یادگار
کانپا کلیجہ تھم کے سنا جب دہائی کو | سمجھا کہ رو رہی ہے بہن اپنے بھائی کو

بولا وہ مل کے ہاتھ کہ یہ ماجرا ہے کیا
بے کس پہ یہ ستم یہ تعدی ہے یہ جفا
نیزوں سے صدر تیغوں سے تن چور چور ہے
کہنے لگا لرز کے وہ ذی قدر و نیک نام
دریا خدا نے خلق کئے بہر فیض عام
اُن سے بشر ڈرے جنہیں خوف خدا نہیں
دو چار گام بڑھ کے یہ سوچا وہ نامور
واللہ برگزیدۂ حق ہے وہ خوش سیر
تیغوں میں اُس کے پاس چلو جو خدا کرے
باتیں یہ کر کے دل سے بڑھا وہ اسیر غم
ہاتف نے دی ندا کہ سمجھ کر اُٹھا قدم
آنکھیں ملک بچھاتے ہیں اس ارض پاک پر
آیا جو کانپتا ہوا وہ شاہ دیں کے پاس
بولا جواب دے کے یہ بولے بدرد و یاس
عرض اُس نے کی غلام شہ ذوالفقار ہوں
ٹلے کی ہے سال بھر میں پہاڑوں کی سیر زار
اب تک ہے مجھ سے دور در شیر کبریا
غارت یہیں ہوئی ہے بضاعت غلام کی
میں دو مہینے فوج ستم میں رہا اسیر
ہتھیار لے کے آ نہیں سکتا ہے راہ گیر
سر پہ ہی کلاہ یہی اک لباس ہے
دو تھا جو کے شوق میں چھوڑا ہے میں نے گھر
پہلے تو ہوں نجف کی زیارت سے بہرہ ور
جاؤں گا دو نیتیں ہیں اگر سر نوشتہ میں

لائے کہاں نصیب مجھے واہ مصیبتا
یارب ہوئی ہے اس ترے بندے سے کیا خطا
آئی ندائے غیب کہ یہ بے قصور ہے
اللہ کس قدر ہے پُر آشوب یہ مقام
مرتا ہے بے اجل یہ ستم کش یہ مستہام
جلدی نکل چلو یہ ٹھہرنے کی جا نہیں
مظلوم کی دعا میں ہے سب طرح کا اثر
کر لیجئے التماس دعا ہاتھ باندھ کر
آساں ہوں مشکلیں جو یہ بے کس دعا کرے
لاشوں کو دیکھ دیکھ کے روتا تھا دمبدم
رُتبے میں یہ زمیں بھی نہیں کچھ نجف سے کم
یہ سب ورق ہیں مصحف ناطق کے خاک پر
کی عرض السلام علیک اے فلک اساس
آنا ہوا کدھر سے ترا اے خدا شناس
بے کس ہوں بے نوا ہوں غریب الدیار ہوں
تجھے کہیں تباہ ہیں خادم کہیں تباہ
مال و متاع لے کے چلا تھا یہ پُر گناہ
لوٹا ہے راہ میں مجھے فوجوں نے شام کی
مولا علیؑ کے نام کے دشمن ہیں یہ شریر
تب قید سے چھٹا ہوں کہ جب ہو گیا فقیر
پر ہوں غنی کہ دولت دیں میرے پاس ہے
حسرت یہ ہے نصیب کرے یاوری اگر
منظور پھر وہاں سے مدینے کا ہے سفر
رستے میں موت آئی تو پہونچا بہشت میں

فرمایا آپ نے کہ مدینے میں کیا ہے کام
اُس سرزمیں پہ ہے مرا آقا مرا امام
حیدر کے جان و دل ہیں شہِ مشرقین ہیں
کیا دن سعید ہوگا میں اُس روز کے نثار
چوموں گا دونوں ہاتھ بصد عجز و افتخار
دُنیا ہو اور فاطمہ کا نورِ عین ہو
دشمن بہت امام کے ہیں اور دوست کم
اب پنجتن میں ہے تو انہیں کا ہے ایک دم
زندہ ہیں گر حسینؑ تو زندہ ہیں چار دم
اک پیارا شاہزادہ ہے ہم شکلِ مصطفےٰ
ماں کا مُراد دل والا پیغمبر وہ مہ لقا
اُس رشکِ گل سے دورِ خزاں کی بہار ہے
یہ سُن کے آپ آئے مسافر کے متصل
ہاں بھائی سچ ہے صدمۂ فرقت ہے جاں گسل
طاقت کلام کی نہیں پاتا یہ ضعف ہے
ہاں مدتوں سے ہے یہی نیرنگ روزگار
ہمدرد تم بھی ہو مرے اے یارِ غمگسار
شکرِ خدا کہ اُنس فرزاہ ثواب ہیں
کس سے کہیں کہ ہم پہ جو صدمہ گزر گیا
دُنیا سے دوپہر میں مرا گھر کا گھر گیا
بنتی نہیں جب آتی ہے قسمت بگاڑ پر
میرا ہے اب یہ حال کہ زخموں سے چور ہوں
اک خاکسار بندۂ ربِّ غفور ہوں
کہنے میں بات آتی ہے یہ کچھ گلا نہیں

غرض اُس نے کی دعا کہ ہے دنیا میں اُن کا علم
برسوں سے جس کے عشق میں روتا ہوں صبح و شام
صدقے میں اُس جگہ کے وہیں تو حسینؑ ہیں
جس روز اُن کے گرد پھروں گا میں تا بہ آ
آنکھیں قدم پہ جھک کے ملوں گا بہ انکسار
دیکھوں انہیں صحیح و سلامت تو چین ہو
اُمت وفا کرے نہ کہیں مجھ کو ہے یہ غم
عزلت گزیں ہے قبر نبی پردہ ذی حشم
یارب اُس ایک دم کو عطا کر ہزار دم
شہرہ ہے جس کی شکل و شمائل کا جابجا
سائے میں شہ کے اُس کو سلامت رکھے خدا
یارب! چمن حسینؑ کا پھولا پھلا رہے
پھیلا کے دونوں ہاتھ کہا آگلے تو مل
اس دم بہل گیا ترے آنے سے میرا دل
چہرہ ترا نظر نہیں آتا یہ ضعف ہے
ہر گل پہ ایک دن ہے خزاں ایک دن بہار
تیری طرح لٹے ہیں یہیں چھوڑ کر دیار
اب دیر کوچ میں نہیں پا در رکاب ہیں
خالی ہوا عزیزوں سے گھر دشت بھر گیا
بیٹا جوان قتل ہوا بھائی مر گیا
ٹکڑے ہوا جگر پڑے یہ مصیبت پہاڑ پر
جنگل میں ہوں آئی ہے بستی سے دور ہوں
عالم ہے اُس کی ذات کہ میں بے قصور ہوں
دن تیسرا ہے آج کہ پانی ملا نہیں

مولا سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ دل کباب
کیجے زبانِ خشک کو تر بہرِ بوتراب
اب انتظار موت کا ہے کیا جیوں گا میں
درکار جو تجھے ہو وہ لے بہرِ کردگار
ناقہ بھی ہے، ترا تو ہے آقا وہ نامدار
حاضر ہے جان و مال کہ ہے میہمان تو
اسباب بھی ہے مال بھی ہے سیم و زر بھی ہے
مغفر بھی ہے زرہ بھی ہے تیغ و سپر بھی ہے
بےکس ہوں گو کہ آج، یہ عالی مقام ہوں
آقا ترا جو ہے وہی آقا مرا بھی ہے
جو ہے ولیِ حق وہی مولا مرا بھی ہے
ہاں مالِ غیر کف میں تصرف نہ چاہئے
دیکھی جو یہ عنایتِ سلطانِ بحر و بر
دل سے کہا خدا کا ولی ہے یہ خوش سیر
دیکھی نہ باپ میں یہ محبت نہ بھائی میں
عرض اس نے کی حضور سے بس ہے یہ التجا
پہونچا دے مجھ کو قبرِ علیؑ پر خدا
جس کو نہیں زوال وہ دولت نصیب ہو
تسلیم اس نے کی تو یہ بولے شہِ انام
آتے ہیں آپ دردِ مصیبت میں سب کے کام
تنہا ہوں دشمنوں میں خبر آ کے لیجئے
سن کر بیانِ شاہ رہی ضبط کی نہ تاب
دل سے کہا کہ اب ہے لبِ بام آفتاب
احساں کا یہ عوض ہے کہ احسان کیجئے

لے آؤں دوڑ کر مرے شہرے میں کچھ جو آب
بولے ہلا کے سر کو شہِ آسماں جناب
سب پیاسے مر گئے ہیں نہ پانی پیوں گا میں
بیدل اگر ہے تو، تو یہ حاضر ہے راہوار
سائل کو جس نے روٹی کے دونوں کی دی قطار
بھائی ہمارے گھر کو بھی گھر اپنا جان تو
موجود راحلہ بھی ہے زادِ سفر بھی ہے
گر تیرے کام آئے تو حاضر یہ سر بھی ہے
شرما نہ تو کہ میں بھی علیؑ کا غلام ہوں
تیرا طبیب جو وہ مسیحا مرا بھی ہے
بھائی! علیؑ کے حصے میں حصہ مرا بھی ہے
آپس میں دوستوں کو تکلف نہ چاہئے
رونے لگا وہ مردِ مسافر جھکا کے سر
اس حال میں غریب نوازی ہے اس قدر
اب تک ہیں اس طرح کے بھی بندے خدائی میں
کیجے اٹھا کے ہاتھ مرے حق میں یہ دعا
مولا نے آسماں کی طرف دیکھ کر کہا
یارب اسے علیؑ کی زیارت نصیب ہو
قبرِ علیؑ پہ جا کے یہ کہنا مرا پیام
میں بےکس و غریب بھی ہوں آپ کا غلام
ہنگامِ ذبح گود میں سر آ کے لیجئے
آنسو بہا کے سر کو جھکایا بصد حجاب
بےکس کے کام آؤ کہ اس میں بھی ہے ثواب
اب سر علیؑ کے نام پہ قربان کیجئے ::

حضرت سے عرض کی کہ نہ جائے گا اب غلام
اب دیکھیے رضا کہ بڑھوں کھینچ کر حسام
دیندار ہوں نہ ترک رفاقت کروں گا میں
زوار جن کا ہوں ہیں انھیں کی مجھے قسم
جلوے دکھا رہا ہے مجھے گلشن ارم
پردے اٹھے ہوئے ہیں نظر دور جاتی ہے
گھبرا کے بولے شاہ، کہ ہاں قسم نہ کھا
بچنا مرا محال ہے گر جان دی تو کیا
دامن کو آنسوؤں سے بھگوتی ہے رات دن
رخصت کے وقت وہ جو بلکتی تھی دم بدم
مرتی ہے انتظار میں وہ صاحب الم
ہجراں کشیدہ رنج و بلا و محن میں ہے
بیٹی کا ذکر سن کے یہ بولا وہ خوش خصال
آگاہ اس سے کوئی نہیں غیر ذوالجلال
ہر شے کا علم آپ کو اس بےکسی میں ہے
بتلایئے برائے خدا مجھ کو اپنا نام
بےکس، عزیز مردہ، اسیر سپاہ شام
درد و غم و الم مرے حصے میں آگئے ہیں
قدموں پہ لوٹ کر یہ پکارا وہ دردناک
بتلایئے کہ غم سے مرا دل ہے چاک چاک
یہ تو نہ کہہ سکے کہ شہ مشرقین ہوں
سر اپنا پیٹ کر وہ پکارا بشور و شین
آئی ندا فلک سے کہ زہرا کا نور عین
گھر فاطمہ کا لٹ گیا اس لڑائی میں

بس جی چکے بہت یہی مرنے کا ہے مقام
وہ کام چاہیے کہ رہے تا بہ حشر نام
اب مر کے شیر حق کی زیارت کروں گا میں
سر بھی کٹے گا اب تو نہ چھوڑوں گا یہ قدم
حوریں پکارتی ہیں کہ آ منتظر ہیں ہم
گردوں سے مرحبا کی صدا مجھ کو آتی ہے
رستا ہے یاں سے رات بسے گا نجف کو جا
اے بھائی! تو ہے صاحب دختر نے رضا
بیٹی تری ترے لیے روتی ہے رات دن
وعدہ کیا تھا تو نے کہ آئیں گے جلد ہم
آلودہ اس الم میں ہوں میں بھی اسیر غم
بیمار ایک میری بھی بیٹی وطن میں ہے
فرمایئے جناب سے کس نے کہا یہ حال
شاید ہے علم غیب میں بھی آپ کو کمال
یہ توصفت امام میں ہے یا نبی میں ہے
فرمایا بے نوا، وطن آوارہ تشنہ کام
عاجز بلا رسیدہ ستم دیدہ مستہام
یہ سب خطاب میں نے یہاں آ کے پائے ہیں
اظہار اسم اقدس اعلیٰ میں کیا ہے باک
چپ ہو گئے تڑپنے پہ اس کے امام پاک
مولا نے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں
ہے ہے یہ کیا زباں سے کہا کون سا حسین
بیٹا علی کا سبط شہنشاہ مشرقین
بس! اک یہی حسین ہے ساری خدائی میں

کھینچی ہے تو نے جس کے لئے زحمتِ سفر
اے بے خبر یہی ہے وہ سلطانِ بحر و بر
ویراں ہے یثرب و نجف اے مردِ خوش سیر
شب سے یہاں نبیؐ و علیؑ ہیں برہنہ سر
زینبؑ یہ ہے جو ڈیوڑھی پہ جان اپنی کھوتی ہے
زہراؑ تو ساتویں سے اسی بن میں روتی ہے

اُس بے وطن نے جب کہ مفصل سنا یہ حال
غش کھا کے پائے شہ پہ گرا وہ نکو خصال
اُٹھا تڑپ کے جب تو پکارا بصد ملال
یہ کیا قیامت آ گئی اے فاطمہؑ کے لال
کیا تھی خبر کہ آپ اس آفت میں بن میں ہیں
میں تو یہ جانتا تھا کہ حضرت وطن میں ہیں

مدت سے تھی مجھے تو زیارت کی آرزو
خوبی مرے نصیب کی یا شاہِ نیک خو
اب دیکھئے رضا کہ جگر غم سے ہے لہو
مر جاؤں لڑ کے فوج سے حضرت کے روبرو
للہ چشمِ پاک کو اب نم نہ کیجئے!
اب اس غلام زادے کا کچھ غم نہ کیجئے

شہزادیاں امام کی ہوتی ہیں بے پدر
کچھ غم نہیں یتیم وہ لونڈی ہوئی اگر
میں کیا مکان کیا مرا یا شاہِ بحر و بر
جب بے سبب جہاں میں لٹے فاطمہؑ کا گھر
گیتی ہو آج درہم و برہم تو خوب ہے
الٹے تمام دفترِ عالم تو خوب ہے

روکا بہت مگر کہیں رکتا تھا وہ دلیر
تلوار لے کے فوج پہ جھپٹا مثالِ شیر
سیرِ جناں کے شوق میں تھا زندگی سے سیر
ایسا لڑا کہ رن میں ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
دم بھر رہا تھا عشقِ شہِ مشرقین کے
نعرہ تھا دم بدم کہ تصدق حسینؑ کے

لگتا تھا زخم جب تو وہ کہتا تھا یا علیؑ
بدر الدجیٰ حسینؑ ہیں، شمس الضحیٰ علیؑ
مرشد علیؑ، امام علیؑ، رہنما علیؑ
کشتی علیؑ جہاز علیؑ ناخدا علیؑ
عازم ہوں سیرِ گلشنِ دارالسلام کا
دریائے غم سے پار ہے بیڑا غلام کا

اس بے وطن پہ ٹوٹ پڑی جب سپاہِ شام
رستے پہ ٹکڑے ہو کے گرا وہ فلک مقام
زخمی تھے خود پہ اس کے سرہانے گئے امام
گودی میں لے کے زانو پہ رکھا سرِ غلام
رو کر پکارتے تھے یہ اُس خوش نصیب کو
اے بھائی جان چھوڑ چلے اس غریب کو

اے میری بے کسی کے مددگار الوداع
اے تشنہ لب حسینؑ کے غم خوار الوداع
اے بے وطن کے یارِ وفادار الوداع
اے شیرِ ذوالجلال کے زوار الوداع
جو خوش نصیب ہیں یوں ہی جنت کو جاتے ہیں
گھبرائیو نہ ہم بھی ترے بعد آتے ہیں

فرما کے یہ حسینؑ تو رونے لگے زار زار
پوچھا سبب خوشی کا تو بولا وہ دل فگار

جلوہ خدا کے نور کا ہے میرے سامنے
بالائے سر کھڑے ہیں رسولِ فلک مقام
دستِ علیؑ میں چشمۂ کوثر کے دو ہیں جام
ناجی ہے دوست دار مرے نورِ عین کا

حقّا کہ تھا ظفر کا وسیلہ سفر ترا
اب جنت النعیم میں ہوگا گزر ترا
حوریں ہیں باغِ خلد میں خدمت کے واسطے
رونے لگا یہ شاہ سے کہہ کر وہ تشنہ لب
کی عرض اُس نے اے خلفِ سیّد العرب
رخصت جو تن سے روح کی ہے بے قرار ہوں

مجھ کو ہے غم حضور کا حضرت کو غم مرا
منھ ڈھانپ دیجئے شہِ عالی ہمم مرا
کیا وقت بے کسی ہے ہمارے حضور پر
یہ کہتے تھے کہ آہ وہ زوّار مر گیا
شیدائے نامِ حیدرِ کرّار مر گیا
لاشے سے اُٹھ کے جانے لگے خیمہ گاہ میں

بس کیا کہوں انیسؔ کہ سیّد پہ کیا ہوا
برباد خاندانِ رسولِ خدا ہوا
پُر خوں قبائے سیّدِ لولاک لُٹ گئی

ہنستا تھا دونوں آنکھوں کو کھولے وہ ذی وقار
اے نورِ چشمِ احمدِ مرسل ترے نثار
مشتاق جن کا تھا اُنھیں دیکھا غلام نے
فرزند کہہ کے لیتے ہیں شفقت سے میرا نام
فرماتے ہیں کہ پی اسے گر تو ہے تشنہ کام
حصہ ترا یہ ہے تو وہ حصہ حسینؑ کا

نامِ نکو قلم نے لکھا عرش پر ترا
ہمسایۂ رسولِ خدا میں ہے گھر ترا
آیا ہوں خود میں تیری زیارت کے واسطے
فرمایا شاہ نے کہ یہ رونے کا کیا سبب
تنہائی حضور کا صدمہ ہے دل پہ اب
مہلت جو دے اجل تو پھر اُٹھ کر نثار ہوں

اب کوچ جلد ہے سوئے ملکِ عدم مرا
پڑھئے کوئی دعا کہ نکلتا ہے دم مرا
کس سے کہوں جو لاش کو دار سے حضور پر
بے کس کا بے وطن کا مددگار مر گیا
شبیرؑ روتے رہ گئے غم خوار مر گیا
پھر گھر گئے حسینؑ عدو کی سپاہ میں

تڑپے حسینؑ شورِ قیامت بپا ہوا
سجدے میں تن سے فرقِ مبارک جدا ہوا
عریاں حسینؑ رہ گئے پوشاک لُٹ گئی

۳۰ مرثیہ

بند ۱۶۱

رطب اللساں ہوں مدح شہ خاص و عام میں
ہے سر بسر حدیث حسن اس کلام میں
لب ہیں خموش پر ہے زباں اپنے کام میں
گویا کہ ذوالفقار علی ہے نیام میں
دعویٰ نہیں غرور زباں آوری نہیں
جوہر تو لاکھ ہیں پہ کوئی جوہری نہیں

ہر جا ہے ملک نظم میں نظم و نسق مرا
کہتے ہیں انتظام جسے ہے وہ حق مرا
ہے سہل ممتنع یہ کلام ادق مرا
برسوں پڑھیں تو یاد نہ ہووے سبق مرا
پانی نہیں کبھی یہ حلاوت نبات میں
مضمون تو ٹپک رہے ہیں بات بات میں

فوج سخن میں شقہ کھلا ہے علم مرا
بڑھتا ہے سب سے مدح میں بڑھ کر قدم مرا
ڈنکا بجے جہاں میں نہ کیوں دم بدم مرا
ہے معرکے میں رستم دستاں قلم مرا
نقشا جو کھینچتا ہے صف کارزار کا
خامہ دکھا رہا ہے چلن ذوالفقار کا

ہے گوہر محیط فصاحت سخن مرا
گویا ہے موتیوں کا خزانہ دہن مرا
ہے مدح خوانی گل زہرا چلن مرا
محفوظ ہے جہاں میں خزاں سے چمن مرا
بلبل نے ایسے نغمۂ رنگیں سنے نہیں
دامن میں ہیں وہ گل جو کسی نے چنے نہیں

مقبول ہے کلام فصاحت نشاں مرا
ہے بادشاہ کون و مکاں قدرداں مرا
شہرہ زمیں سے کیوں نہ ہو تا آسماں مرا
بلبل وہ ہوں کہ عرش پہ ہے آشیاں مرا
مداحی حسینؑ سے حسن قبول ہے
یہ مرتبہ غلامی آل رسولؐ ہے

ہاں اے کمیت خامۂ مشکیں طراز بس
یہ شوخیاں یہ چابکی و ترکتاز بس
اے شہ سوار طبع فصاحت نواز بس
اے یکہ تاز فسحت عجز و نیاز بس
جاتا ہے کیوں فلک پہ طرارے کیے ہوئے
آداب کا مقام ہے باگیں لیے ہوئے

نور خدا کی مدح بشر کی ہے کیا مجال
پہونچا کبھی نہ خیل ملک کا جہاں خیال
اوصاف آل میں فصحا کی زباں ہے لال
ناقص کو ہاں اگر وہی چاہے تو دے کمال
برسوں لکھیں تو وصف ائمہ بیاں نہ ہو
ہر موئے تن زباں ہو تو شمہ بیاں نہ ہو

کیونکر بیاں ہو شوکتِ شانِ پیمبری
عاجز ہیں یہاں فرزدق و حسان و حمیری
طاقت یہ کس میں ہے جو لکھے زورِ حیدری
دوڑے کمیتِ خامہ تو کھائے سکندری
قرآں میں جن کا وصف مکرر خدا کرے
کس کی زباں ہے پھر بشر اُن کی ثنا کرے

قصرِ ثنائے آلِ محمد بہت ہے دور
کرتا ہے دم میں ذہن رسا سو جگہ قصور
بس اے زباں یہ حرفِ زبانی ہے کیا فتور
ہے بے نیاز ذہن دھواں ہے یہ شمعِ طور
بے مثل و بے عدیل ہیں اور بے نظیر ہیں
کافی ہے یہ کہ نورِ خدائے جلیل ہے

کیا وصف کر سکے کوئی ایسا بیاں کہاں
طاہر ہو سلسبیل سے ایسی زباں کہاں
ذرہ کہاں وہ مہرِ تجلی نشاں کہاں
نسبت ہے کیا زمیں کہاں آسماں کہاں
حقا کہ پنجتن کے شرف بے قیاس ہیں
پانچوں حواس آپ یہاں بے حواس ہیں

بینا ہوئی جو چشم تو نورِ خدا کہا
عقدہ کھلا تو عقل نے مشکل کشا کہا
مطلب ہوا حصول تو حاجت روا کہا
پایا دُرِ مراد تو بحرِ سخا کہا
ہم خوش ہوئے کہ مدح کے دریا بہا دیئے
کیا بڑھ گیا جو بحر میں قطرے ملا دیئے

یوسف کے حسن سے انھیں گر دیجئے مثال
وہ ماہتاب اور یہ خورشیدِ بے زوال
سرسبز ہر طرح ہے رسولِ خدا کی آل
ہے شہرۂ ملاحتِ محبوبِ ذوالجلال
یوسف سا مہ لقا کوئی زیرِ فلک نہ تھا
پر کیا مزہ جو حسن میں اُن کے نمک نہ تھا

باقی رہی بس آپ کی تشبیہ مہر و ماہ
رخ ایک کا ہے زرد تو ہے ایک سیاہ
لغزش یہاں خطا ہے تسلی یہاں گناہ
ہشیار اے قدم کہ دمِ تیغ پر ہے راہ
کیا کیا کہا نہ جائے گا کیا کیا نہ کہہ گئے
سالک ہزار ہا اسی منزل میں رہ گئے

غافل نہ ہو درود سے یاں اے زبانِ پاک
دھلوا دے فیضِ چشمۂ کوثر دہانِ پاک
قرباں ہے جانِ احمدِ مرسل پہ جانِ پاک
جھکتا ہے عرش دیکھ کے وہ آستانِ پاک
کاٹیں زباں کو لوح پہ گر بے محل چلے
سجدے کی جا ہے کیوں نہ قلم سر کے بل چلے

شبیر سا جہاں میں نہیں دُرِ شاہوار
نانا محمدِ عربی فخرِ روزگار
بابا سرِ جہاں کے لئے تاجِ افتخار
مادر جنابِ فاطمہ زہرا سی ذی وقار
نکلا یہ نور نورِ رسالت مآب سے
جس طرح کوئی عطر نکالے گلاب سے

آئینۂ جلالتِ محبوبِ ذوالجلال
خلقِ حسنؑ تو عظمتِ زہرائے خوش خصال
دنیا ہو یا بہشت ہو فیض ان کا عام ہے

ممکن نہیں ہے مثل ترا اے سپہرِ جود
کیا امر صدق ہے بھلا حاجتِ شہود
دشوار ہے مثال دُرِ بے مثال کی

کہف الوریٰ امامِ امم معدنِ التقیٰ
فیاضِ آبِ کوثر و ساقیِ اولیا
اُلفت میں بلبلوں کے جگر داغ داغ ہیں

قرباں ترے نام کے لے وارثِ خلیل
حاجت روائے فطرس و مولائے جبرئیل
مولا قسم ہے آپ کو خیر الانام کی

اندیشۂ فنا سے ضغطے میں ہے یہ جاں
سختی سے آشنا نہیں اب تک یہ استخواں
ہو گی اگر زباں کو طاقت کلام کی

عطرِ گلِ حدیقۂ ایماں حسینؑ ہے
زانوئے نبی کا رحل تو قرآں حسینؑ ہے

تھا جس گلے کا نور فزوں ماہتاب سے
شہ کی کون سی تھی خطا کیا گناہ آہ
شمشیر و بوسہ گاہِ رسالت پناہ آہ

صحرائے کربلا میں ہوا کیا بری چلی
عاشور کو جو لٹنے لگا فاطمہؑ کا باغ
جانِ علیؑ کو سوزِ الم سے نہ تھا فراغ
ہوتا تھا جو نثار قدم پر امام کے

تصویرِ شوکتِ اسدِ حق دمِ جدال
کیا گل تھا جس سے باغِ دو عالم ہوا نہال
طوبیٰ اسی نہال کے سائے کا نام ہے

ہے شکلِ ممتنع قسمِ واجب الوجود
ایسے بشر کی مدح کرے کیا بجز درود
ساحل تلک نہ پہونچے گی کشتی خیال کی

مصباحِ دیں سراجِ مبیں ہادیِ ہدیٰ
نورِ خدا امینِ خدا حجتِ خدا
آٹھوں بہشت تیری محبت کے باغ ہیں

صدقے ترے جلال کے اے سیدِ جلیل
ہے ملتجی حضور سے یہ بندۂ ذلیل
لیجے گا قبر میں خبر آ کر غلام کی

نکلے دماغ پاؤں کے ناخن سے الاماں
آقا بچائیے گا یہ مرا جسمِ ناتواں
چلاؤں گا میں خود کہ دہائی امام کی

تازہ ہے جس سے روح وہ ریحاں حسینؑ ہے
پانی ملا نہ جس کو وہ مہماں حسینؑ ہے

وہ خشک حلق تر ہوا خنجر کے آب سے
دو لاکھ اہلِ ظلم اور اک بے سپاہ آہ
زانوئے شمر و سینۂ شبیرؑ آہ آہ

فاقہ تھا تیر آ کے گلے پر چھری چلی
تاریک ہو گئے کئی گھر گل ہوئے چراغ
دل سخت سخت تھا تو کلیجہ تھا داغ داغ
رہ جاتے تھے حسینؑ کلیجے کو تھام کے

یعقوب سے چھٹا تھا جو پیری میں ایک لال
یاں دوپہر میں ہو گیا سب باغ پائمال
شکوہ نہ بخت کا نہ فلک کا گلا کیا

سولہ پہر حسینؑ کو گزرے جو پیاس میں
شکرِ خدا تھا لب پہ اس اندوہ و یاس میں
سب گھر لٹا دیا فقط اتنی سی بات پر

ایوب نے سنا بھی نہ ہوگا کبھی یہ صبر
تڑپے نہ مثلِ برق، اثر دے مثالِ ابر
دیکھا جو منہ سے دودھ اگلتے صغیر کو

امت نے کی ہنسی کے نوالے کی کچھ نہ قدر
آشوب آیا چشم نے دیکھا کبھی نہ غدر
بارانِ تیر کیں تھا ہوا تھی پھری ہوئی

وہ فوج وہ سیاہی صحرائے لق و دق
ترخوں میں تھا مرقعِ زہرا کا ہر ورق
تھا سب پہ اوج دوشِ نبیؐ کے سوار کو

معلوم کچھ نہ ہوتی تھی سولہ پہر کی پیاس
شیروں کو وقتِ مرگ بھی ہوتا نہیں ہراس
ابروئے خم کو دیکھ کے تیغیں بھی کٹ گئیں

تھا غیظ سے جو چہرۂ اقدس کا رنگ لال
اللہ رے جوشِ جرأت بر درنہ جلال
بجلی جو کوند جاتی ہے چہرے کے نور سے

وہ لو وہ پیاس اور وہ گرمی کی دوپہر
دستِ مژہ سے سینچتی تھیں پتلیاں بھی تر
قطرے عرق کے دیکھ کے روئے جناب پر

مشہور ہے فراق میں جو کچھ ہوا تھا حال
تیغوں سے کٹ گیا علی اکبر سا نونہال
لاشہ پسر کا دیکھ کے شکرِ خدا کیا

طاقت نہ تھی کلام کی اس حق شناس میں
اللہ رے صبر فرق نہ تھا کچھ حواس میں
مولا نثار تیرے قدم کے ثبات پر

اک جان لاکھ درد تھے اک دل ہزار جبر
غربت میں اپنے ہاتھوں سے کھودی پسر کی قبر
اپنے جگر سے کھینچ لیا آپ تیر کو

بارانِ تیرِ ظلم کہاں اور کہاں وہ صدر
بدلی میں فوجِ شام کی تھا فاطمہؑ کا بدر
تھی چار سمت دشت میں بدلی گھری ہوئی

گرمی وہ روزِ جنگ کی وہ پیاس کا قلق
کوئی نہ تھا حسینؑ کے سر پر سوائے حق!
تولے ہوئے تھے مثلِ علی ذوالفقار کو

شوکت وہی تھی اور وہی تیور وہی حواس
کیا رعب سے بھری ہوئی تھی چشمِ حق شناس
پتلی ادھر ہلی کہ صفیں واں الٹ گئیں

غل تھا کہ سرخ رو ز ازل سے ہے رنگ لال
بل کھائے ہیں دوش پہ زلفِ رسا کے بال
حوریں نثار ہوتی ہیں ہنس ہنس کے دور سے

تیزی تھی دھوپ کی کہ جلی جاتی تھی نظر
تھے تر بہ تر پسینے میں سلطانِ بحر و بر
غل تھا پڑی ہے اوس گلِ آفتاب پر

مژگاں کی صف دراز وہ ادر ابروؤں کے خم
مردم سے تھا اشارۂ چشمِ شہِ اُمم
روشن تھا رُخ سوادِ خطِ مشکبار میں
جنّاب عدن ہے رُخ شاہنشہِ زمن
وہ لعلِ لب کہ بات میں ہیں حاصلِ یمن
کیا ذکر رُخ کا اور خطِ عنبر سرشت کا
ریشِ سیاہ و روئے دل آرام ایک جا
ہیں موسیٰ و مسیح خوش انجام ایک جا
لاریب فیہ مصحفِ ناطق کے جائے ہیں
گوہر نثار اختر دنداں کے نور پر
صدقے ہزار جاں لبِ پاک حضور پر
راقم نے جن لبوں کو جو ابر رقم کیا
جو تازگی میں ہوں گُل تر سے زیادہ تر
اپنی زباں چُسائیں جسے سیدالبشر
دریا پہ تشنہ کام شہِ نیک خو رہے
الماس میں کہاں درِ دنداں کی برق ہے زرق
خود آبِ شرم میں گہرِ بے بہا ہیں غرق
جب مسکرا کے گوہر یکتا دکھاتے ہیں
آسماں ہے چہرۂ شاہِ اُمم کا نور
سراج آسمان و زمیں ہے قدم کا نور
عکسِ رُخِ جناب سے سب فیض یاب ہیں
کعبہ ہے روئے اقدسِ فرزندِ بوتراب
کس آئینے میں ہے یہ صفائی یہ آب و تاب
پہلے ثنائے چاہِ ذقن کو رقم کریں

پلکیں بھی ہاتھ تیغ پہ رکھتی تھیں دم بدم
محبوبِ کردگار کے ہیں نورِ عینِ ہم
تھا فرق بال بھر کا حلب اور نثار میں
ہے سلسبیل چشم تو کوثر ہے یہ دہن
دنداں وہ جن کے سامنے ادنیٰ درِ عدن
پہلو ملا ہوا ہے نجف سے بہشت کا
قدرت خدا کی ہے سحر و شام ایک جا
رُکن و مقامِ کعبۂ اسلام ایک جا
رُخسارِ پاک ہاتھوں پہ قرآں اُٹھائے ہیں
ہنستی ہے صاف جن کی چمک برقِ طور پر
گویا دھرے ہیں لعلِ یمن دستِ حور پر
اُس لعلِ لب پہ سنگ لگائے ستم کیا
واحسرتا وہ پانی کو ترسیں کبھی پھر
وہ لعلِ لب کریں ہدفِ تیرِ بو گھر
پانی کی پھر جہان میں خاک آبرو رہے
تاروں میں اور اُن میں زمین آسمان کا فرق
ضو ہے کہ بات میں یاں کوندتی ہے برق سی
ثمرن درِ نجف کی مسیحا دکھاتے ہیں
کونین میں محیط ہے ابرِ کرم کا نور
دیکھا ہے یہ کسی نے کبھی ایک دم کا نور
ذرّے چمک کے کہتے ہیں ہم آفتاب ہیں
ہیں مثت شوط تخشنی کو یہاں ثواب
طاقِ حرم ہے ابروئے شاہِ فلک جناب
زمزم سے غسل کر کے طوافِ حرم کریں

معراجِ مصطفےٰ کی ہے شب زلفِ عنبریں
سجدے کے بھی نشاں پہ ستارے کا ہے یقیں
ابرو بھی ہیں جھکے ہوئے راز و نیاز میں
رکتا ہے دم گلے کی ثنا کیا کروں میں آہ
سردارِ خلق شمعِ شبستانِ عز و جاہ
خنجر سے وہ گلوئے مبارک جو کٹ گیا
وہ دوش ہیں شفاعتِ اُمّت کا جن پہ بار
گوری کلائیوں کی صفائی پہ ہیں نثار
پہونچا خیال، باب خفی تھی جلی ہوئی
ہاتھوں کو ہاتھ آیا ہے زورِ یداللّٰہی
ہر چند بازوؤں میں وہ طاقت نہیں رہی
فتح و ظفر کو بیچ کے سر مول لیتے ہیں
قرآں ہے سینۂ اخلفِ سیدِ انام
قرآنِ حق ہے اُس کی بزرگی میں کیا کلام
دل اس طرح ہے سینۂ شاہِ شہید میں
انصاف کا مقام ہے اے چرخِ بے مدار
محبوبِ کبریا کا دل، اور برچھیوں کے وار
گرمی میں ماں بچائے جنھیں تن کی بجائے
زہراؑ جنھیں نہ دم بٹھائے بصد تلاش
تیغوں کے پھل سے اُس کا بدن ہوئے پاش پاش
گردن جو قبلہ رو تھی رہے بے نیاز میں
بے وارثوں کے مُردے تو قبریں جہاں میں پائیں
وہ دشت ہولناک جو کرتا تھا سائیں سائیں
سایہ کسی طرح کا بجز آسماں نہ تھا

ہے صبحِ عید پر تو آئینۂ جبیں
صادق ہیں ہیں صبح کے ہونے میں شک نہیں
بے شک دو رکعتیں ہیں سحر کی نماز میں
نورِ بیاضِ حُسن، محمدؐ کی بوسہ گاہ
تھا جس کی روشنی سے خجل نورِ مہر و ماہ
حیرت ہے کیوں ورق نہ زمیں کا الٹ گیا
بازوئے بابِ دیں ہیں یہ بازوئے استوار
فانوسِ آستیں سے تجلی ہے آشکار
سانچے میں نور کے ہیں یہ شمعیں ڈھلی ہوئی
خندق میں جو بہے خوں انھیں ہاتھوں سے دی بہی
خیبر سا اور در کوئی ہووے تو پھر وہی
ناخن ہوں یا نہ ہوں یہ گرہ کھول لیتے ہیں
صندوقِ علم صبر کا گھر حلم کا مقام
لازم ہے سب کو مصحفِ ایماں کا احترام
یٰسین جس طرح ہے کلامِ مجید میں
وہ صدرِ پاک ظلم کے تیروں سے ہو فگار
سینہ خدا کے نور کا دریا ہے جلوہ دار
وہ پسلیاں شکستہ ہوں گھوڑوں کی ٹاپ سے
تا پھول سے بدن کو نہ پہونچے کہیں خراش
تا روز تیں پڑی رہے جنگل میں اُس کی لاش
ظاہر یہ تھا کہ ذبح ہوئے ہیں نماز میں
اور لاشۂ حسینؑ درندوں میں چھوڑ جائیں
آفت تھی بہرِ حفظ جو شیرِ خدا نہ آئیں
سید کی لاش کا بھی کوئی پاسباں تھا

ٹوٹا ہوا ہے بارِ الم سے کمر کا بند
پیشِ نظر ہے لاشۂ فرزندِ ارجمند
کیا غم نہیں ہے کون سا رنج و الم نہیں
جب رن میں فوجِ شام کے کالے علم بڑھے
فرما کے یہ ادھر سے امامِ اُمم بڑھے
قوت تمہیں دکھاتا ہوں اس جسمِ زار کی
ہے جوشِ بحرِ قہرِ الٰہی مرا غضب
ہاں نیزہ بازو جنگ میں تاخیر کیوں ہے اب
نوکوں میں برچھیوں کی مجھے روکتے نہیں
میں شیرِ بیشۂ اسدِ کردگار ہوں
جن کے فرس رسولؐ تھے وہ شہسوار ہوں
اک بندۂ حقیر ہوں ربِ غفور کا
ہرچند جزو و کُل پہ مرا اختیار ہے
دُنیا ہے بے وفا تو فلک بے مدار ہے
عرصہ فقط ہے چند نفس کا اخیر ہوں
عباس نام دار کے مرنے کے تھے نہ دن
روئیں گے نامرادیِ قاسم پہ انس و جن
آباد گھر جہاں میں کوئی یوں لٹا نہ تھا
انسٹھ برس میں رنگ نظر آ گئے ہزار
جس فصل میں کہ جیتے تھے محبوبِ کردگار
کھیتی سب اُن کے مرنے سے بے نور ہو گئی
اک دن وہ تھا کہ سینۂ زہرا تھا خوابگاہ
وہ پیار والدین کا وہ بھائیوں کی چاہ
ماتم کا یوں تو گھر میں سدا شور و شین تھا

خم ہے بصورتِ مہِ نو قامتِ بلند
صدمہ جگر پہ تن پہ تعبِ روح پر گزند
صدمے یہ ہیں پہ کھیت کے باہر قدم نہیں
تیغوں کو تول تول کے اہلِ ستم بڑھے
اے سرکشانِ شام خبردار ہم بڑھے
لو کوندتی ہے برقِ غضب ذوالفقار کی
تم لاکھ اہلِ ظلم ہو میں ایک تشنہ لب
ہاں اے کماں کشو مجھے روکو گے سب
شیرِ خدا کے شیر کو اب ٹوکتے نہیں
زیرِ نگیں زمانہ ہے وہ نامدار ہوں
بیٹا ابوتراب کا ہوں خاکسار ہوں
منہ سے کبھی نہ نکلے گا کلمہ غرور کا
پیاسا جو ہوں یہ مصلحتِ کردگار ہے
مثلِ حباب زیست کا کیا اعتبار ہے
بیٹا اکبر سا نوجواں نہ رہا میں تو پیر ہوں
انسٹھواں برس تو ایسا نہیں ہے سن
یکساں ہے آگے موت کے بچہ ہو یا مسن
اصغر کو دیکھو دودھ بھی جس کا چھٹا نہ تھا
دیکھی کبھی چمن پہ خزاں اور کبھی بہار
الجھا کبھی نہ دامنِ خاطر سے کوئی خار
رنگ اُڑ گیا گلوں کا ہوا اور ہو گئی
تکیہ تھا سر کا بازوئے پیغمبرِ الٰہ
اک دن یہ ہے کہ کوئی نہیں سرپرست آہ
ایسا کبھی نہ بے کس و تنہا حسینؑ تھا

بڑھ کر پکارا شمر کہ یاور کدھر گئے
عباس کیا ہوئے علی اکبر کدھر گئے
جو یا پسر کا صورت یعقوبؑ کون ہے
تھا روم و شام جن کی زبردستیوں سے زیر
اس دشت کیں میں ڈوبتے تھے جو مثال شیر
سب کے پاش پاش ہیں تن ریزہ ریزہ ہیں
دیکھو تو کس کے سینے میں برچھی کا ہے یہ پھل
دولھا کے خواب کرنے کا کیا تھا یہی محل
محتاج بعد مرگ جو گور و کفن کے ہیں
شہ نے کہا یہ سب مرے گلشن کے پھول ہیں
کرسی سے پست ان کو وہ رتبے حصول ہیں
قدسی درود بھیجتے ہیں ان کی شان پر
سالک جو ہیں وہ راہ رضا بھولتے نہیں
محسن کو اپنے اہل وفا بھولتے نہیں
تن خاک ہو تو اس میں بھی الفت کی بو ہے
کیونکر نہ تو کلام کرے تو ہوا پہ ہے
مسند پہ ناز ہے نہ شرف متکا پہ ہے
مٹی ہو یا کہ خز ہو تن پاک کے تلے
برچھی کا سینۂ علی اکبر میں گر ہے پھل
ہر بار یہ دعا تھی کہ پھولے پھلے شجر
کیا کیا گل مراد مرے ہاتھ آئے ہیں
قاسم اگر نہیں تو نہیں مجھ کو کیا ہراس
رونے کی وجہ کیا جو ہوئی بھانجوں کی یاس
کچھ دن جو میرے پاس رہے مستعار تھے

بے دل ہیں آپ کیوں وہ دلاور کدھر گئے
اے فاطمہؑ کے لال وہ گوہر کدھر گئے
غلبہ ہے کس کی فوج کا مغلوب کون ہے
اب آپ کی مدد کو نہیں آتے وہ دلیر
شاید انھیں کے لاشوں کے ہیں خاک پر یہ ڈھیر
تلواریں کیا یزید کے لشکر کی تیز ہیں
اٹھارھویں برس میں کسے کھا گئی اجل
دریا پہ کس کی لاش پڑی ہے وہ منھ کے بل
کس نخل کے ثمر ہیں یہ گل کس چمن کے ہیں
کیونکر نہ سرخرو ہوں کہ آل رسول ہیں
تن پر جو سر نہیں تو یہ نذریں قبول ہیں
تن ان کے ہیں زمین پر سر آسمان پر
جو دوست ہیں ولی کے ولا بھولتے نہیں
ہم لوگ مر کے یاد خدا بھولتے نہیں
نیزے پہ گر چڑھاؤ تو منھ قبلہ رو ہے
جو ہو سو ہو حسینؑ تو راضی خدا پہ ہے
ہر حال میں فقیر کو تکیہ خدا پہ ہے
اللہ آبرو کو رکھے خاک کے تلے
ظالم یہی تو باغ شہادت کا ہے ثمر
بابا نہال ہے کہ برومند ہے پسر
باغ جہاں میں آ کے یہ پھل کس نے پائے ہیں
بس سن چکا کہ مر گئے عباسؑ حق شناس
میں کون جن کے عبد تھے پہونچے انھی کے پاس
یہ لال سب امانت پروردگار تھے

لاکھوں سے یہ ہزبر جو تنہا لڑے لڑے
ہوتے ہیں غازیوں کے ارادے بڑے بڑے
بالائے دوش ڈھال تھی قبضے پہ ہاتھ تھا
شہروں میں جنگِ بدر کا شہرہ ہے آج تک
بالائے عرش نادِ علی پڑھتے تھے ملک
زورِ خدا تھا دستِ وصیِ رسولؐ میں
کیوں غزوۂ حُنین میں بھاگے تھے تم کہ ہم
تم کوہ میں چھپے تھے بروزِ دہم کہ ہم
بجلی سی تیغ کوندتی تھی کس جوان کی
تھا لیلۃ الحریر میں یکجا تمام شہر
چمکی جو ذوالفقار تو آیا خدا کا قہر
کیوں؟ وہ فراریوں کی دُہائی بھی یاد ہے
بیرالعلم کی آگ کا روشن ہے سب حال
اُس چاہ پر تھے نہ یہ رستم کی تھی مجال
لشکر جنوں کا، خوف سے بیتاب ہو گیا
تاباں جنوں پہ تیغِ امامِ غنی رہی
اندھیر ہو گیا وہیں یاں روشنی رہی
زہرے ہوئے جو آب تو ایماں کی چاہ کی
ایماں جنوں نے جب بدلِ جاں کیا قبول
گزرے تھے تین روز بنی تھے بہت ملول
باہر کنوئیں کے آئے عجب عز و جاہ سے
تھی دشت دشت فتحِ سلیمانِ دیں کی دھوم
خالی ہوئی جنوں کے جو شر سے وہ مرز و بوم
شعلے رہے نہ سانپ، نہ وہ اژدہے رہے

تیغوں کے پھل جو پھول سے تن پر پڑے پڑے
چاہیں تو روم و شام کو لے لیں کھڑے کھڑے
خیبر میں کون شیرِ الٰہی کے ساتھ تھا
مثلِ ہلال تیغ کی تھی جا بجا چمک
خندق میں کس نے کی اسد اللہ کی کمک
دو کر دیا تھا عمرو کے قامت کو طول میں
سرکش اِدھر کے پس گئے تھے زیرِ سُم کہ ہم
دہشت سے اُس طرف کے دلاور تھے گُم کہ ہم
آتی تھی کس طرف سے صدا الاماں کی
بڑھتی تھیں یوں صفیں کہ سمندر میں جیسے لہر
کیا جنگِ نہروان میں بہائی تھی خوں کی نہر
صفین میں صفوں کی صفائی بھی یاد ہے
وہ شخص جل کے رہ گئے تھے صورتِ نہال
جاتے تھے اُس میں کود کے شیرِ فلک جلال
دہشت سے آگ کا بھی جگر آب ہو گیا
زیرِ زمیں بھی شیر کی چھاتی تنی رہی
ڈر سے جنوں کی جان پہ کیا کیا بنی رہی
آنے لگی کنوئیں سے صدا الاالٰہ کی
طالب تھے آپ جن کے وہ باتیں ہوئیں حصول
سُن کر صدا علیؑ کی خوشی ہو گئے رسولؐ
غل تھا کہ نکلے یوسفِ صدیق چاہ سے
لشکر میں مصطفٰےؐ کے خوشی تھی علی العموم
بالائے چاہ جانوروں نے کیا ہجوم
دو تین روز چاہ پہ کیا کیا چھپے رہے

تیغیں بنی اُمیّہ کی ہیں خاک آبدار
بس اُن کا آگے ہے تو زباں ہیں شعلہ بار
دم بھر پناہ گھاٹ سے اُس کے نہ پاؤ گے

ہیں نورِ چشم فاتحِ ذاتُ الرّقاع ہوں
کرّار ہوں، سخی ہوں، ولی ہوں، شجاع ہوں
دوری میں بھی ہم اپنے خدا کے حضور ہیں

سرِ خفی حق انھیں بندوں پہ ہے جلی
فاطر سے فاطمہ ہے اور اعلیٰ سے ہے علی
ایک ایک ان میں تاجِ سرِ مشرقین ہے

زیور جو عرش کا ہے ہمارے ہی نام ہیں
حوریں جو لونڈیاں ہیں تو غلماں غلام ہیں
زینت ہیں آسمان کی رونق زمین کی

ناگاہ ابنِ سعد پکارا کہ صفدرو!
خوں میں نبی کی آل کو سرتا قدم بھرو!
نکلو! تنوں پہ زیورِ جنگی سنوار کے

تن سے جدا کرو پسرِ فاطمہ کا سر
ڈھالوں میں بھر کے لائیو لعل و زر و گہر
قیدی ہوں اہلِ بیت شہِ مشرقین کے

ہے آرزو حکومتِ رے کی مجھے کمال
ہے تب حلال ذبح ہو جب فاطمہ کا لال
اس طرح گھر تباہ رسولِ خدا کا ہو

پہنچے گی شہرِ شام میں جب آلِ طاہرہ
ستمگر نے کیں یہ مکر کی باتیں جو ظاہرہ
گیتی ہجومِ فوج سے جنبش میں آگئی

جل جائیں گی گرے گی اگر برقِ ذوالفقار
دھارا ہے قلزمِ غضبِ حق کا اُس کی دھار
طوفانِ خوں اُٹھے گا کہ سب ڈوب جاؤ گے

پایا مرا رفیع ہے عرش ارتفاع ہوں
حیدر ہیں آفتاب تو میں بھی شعاع ہوں
سمجھو نہ پنجتن کو جدا ایک نور ہیں

محبوب ہے خدا کا کوئی اور کوئی ولی
محسن سے ہے حسن یہ شرافت ہے منجلی
احسان ہے جہان میں نام حسین ہے

ساقیِ حوض قاسمِ دارالسّلام ہیں
احمد کے جانشیں ہیں اُمم کے امام ہیں
دُنیا کی آبرو ہیں تو عزت ہیں دین کی

ہاں نورِ چشم شیرِ خدا سے وغا کرو!
کم رہ گیا ہے دن بہت اب لے لادو!
پڑھیو نماز عصر کی سیّد کو مار کے

پھر تم کو لوٹنا ہے رسولِ خدا کا گھر
ایسا نہ ہو کہ رات کو سرکا دیں مال و زر
دولت کمی گھروں کی ہے گھر میں حسین کے

حصّہ وہ فوج کا ہے ملے جو متاع و مال
دیکھوں کہ ہیں کھلے ہوئے زینب کے سر کے بال
سیدانیوں کے منھ پہ نہ پردا ردا کا ہو

ہو جائے گا سپاہ کا دونا مشاہرہ
دریائے مثلِ موج بڑھی فوجِ قاہرہ
کالی گھٹا سپاہ کی جنگل میں چھا گئی

چلّوں سے کج نہاد ملانے لگے خدنگ
خنجر رکھے کمر میں دو دھارے چھپا کے سنگ
سرہنگ شام گرز گراں تولنے لگے

کالے علم نشان سیہ کار کی سپاہ
تھا نار انفیر کہ بے کس کو دو پناہ
سن کر دل کا شور کلیجے دہلتے تھے
وہ غول مصریوں کے وہ دل فوج روم کے
تنہا حسینؑ بیچ میں تھے اس ہجوم کے

اٹھا سخی کا ہاتھ ید اللہ کی شان سے
باہر ہوئی نیام سے شمشیر شعلہ بار
یا سنبھلی کو جھاڑ کے نکلا سیاہ مار
نکلی عروس فتح محافہ جدا ہوا
کاٹھی تھی ذوالفقار کی یا تھا اجل کا گھر
گھونگھٹ اٹھا کے برق سی چمکی ادھر ادھر
دکھلائی سب کو منھ کی صفائی لڑائی میں

قبضہ وہ جس کی ضرب ہے اللہ کی پناہ
باڑھ ایسی جس کے گھاٹ پہ کشتی تن تباہ
جوہر یہ ہیں کہ تیغ شہ لافتا کی ہے
ہر معرکے میں یاد رہ مشکل کشا رہی
جو اس کی ابتدا تھی وہی انتہا رہی
یکتا تھی ذوالفقار یہ قطعی دلیل ہے
نکلی وہ جانگداز عجب برق ذرق سے
چشمک یہ دم بدم تھی ہر اک اہل زرق سے
دریائے قہر حضرت پروردگار ہوں

منھ ترکشوں نے کھول دیے صورت نہنگ
برچھی ہلا کے فوج نے جولاں کیے فرنگ
بڑھ بڑھ کے برقوں کو عدو کھولنے لگے

گویا زمیں کے سینے سے اٹھتا تھا دود آہ
تشنہ کی یہ صدا تھی کہ سید ہے بے گناہ
تھرا کے جھانجھ بھی کف افسوس ملتے تھے
آندھی سیاہ اٹھی کہ گھٹا آئی جھوم کے
تلوار لے کے نیام سے قبضے کو چوم کے

نکلا ہمائے اوج شرف آشیان سے
یا ابر سے نکل کے ہوئی برق بے قرار
یا آستین سے ید بیضا تھا آشکار
یا نامۂ ظفر سے لفافہ جدا ہوا
حجلہ تھا یا نقاب رخ لیلی ظفر
گویا دلھن حجاب سے نکلی جھکا کے سر
جانیں ہزار وجہ سے لیں رونمائی میں

نا ہیں وہ دم بدم جو دکھائیں عدم کی راہ
وہ تیز منھ کہ کوہ کو کھائے مثال کاہ
تمغہ یہ اس کا ہے کہ عنایت خدا کی ہے
سید سے کربلا میں نہ دم بھر جدا رہی
عاشق رہی پدر پہ پسر پر فدا رہی
جو تیغ دونوں بانکیں کے وہ اصیل ہے
صاف آئی الحفیظ کی آواز برق سے
آتی ہوں میں سروں پہ ذرا فرق فرق سے
طوفاں اٹھے گا یاں سے میں وہ ذوالفقار ہوں

سیفِ خدا ہوں نام ہے دستِ اجل مرا
گلزارِ فتح میں ہے ازل سے عمل مرا
دونوں مزے ہیں مجھ میں کہ رحمت ہوں قہر ہوں
بُت میں نے ایک ضرب میں توڑے ہیں لاکھ کے
مولا کے ہاتھ میں ہوں کہ قبضے میں خیر کے
جاتی ہوں جس پہ مثلِ اجل چھوڑتی نہیں
دُنیا میں مجھ سی تیغ، علی سا جواں نہیں
بھاگو گے دشت کیں سے کدھر میں کماں نہیں
فریاد و الغیاث کو کب مانتی ہوں میں
اُلٹے تھے آستیں جو شہنشاہ سرفراز
اعدا کی فوج پر تھی زباں تیغ کی دراز
کیونکر جواب دے کوئی دم بند سب کے ہیں
کوندی جو برق، طاقتِ گفتار گھٹ گئی
ثابت ہوا ہر اک پہ کہ دُنیا اُلٹ گئی
پھر حشر تھا جو رحم نہ آئے حضور کو
تلوار کیا چلی غضب آیا کریم کا
سب زور تھا زبانۂ نارِ جحیم کا
شمشیر بادشاہِ سلیماں بساط تھی
چلتی تھی ذوالفقار جو سن سن ادھر ادھر
کٹ کٹ کے گر رہے تھے سر و تن ادھر ادھر
ڈر ڈر کے جو سوار گرے وہ مرے گرے
رد میں تنوں کے جسم کے ٹکڑے اُڑا دیئے
گردن بچی کسی کی تو شانے اُڑا دیئے
اوچھا بھی وار گر کسی دشمن کو لگ گیا

نشتر ہوں مرگ کا رگِ جاں ہے محل مرا
جس کو نہ اعتبار ہو چکھے وہ پھل مرا
امرت ہوں دوستوں کے لئے دشمن کو زہر ہوں
ٹھہرے ہیں شہر شہر مرے امر خیر کے
دشمن کے سر سے اُٹھتی ہوں دو ہاتھ پیر کے
جوشن ہو یا کہ خود ہو مُنہ موڑتی نہیں
کیوں ہوں خموش کیا مرے مُنہ میں زباں نہیں
دشمن کوئی حسینؑ کا، مجھ سے نہاں نہیں
سیّد کے قاتلو، تمہیں پہچانتی ہوں میں
جنباں تھی کربلا کی زمیں صورتِ جہاز
کہتے تھے کانپ کانپ کے آپس میں فتنہ باز
غُل تھا کہ ذوالفقار کے فقرے غضب کے ہیں
جو صف پئے مصاف بڑھی تھی وہ ہٹ گئی
آ پہونچی تھی، پہ ڈر کے قیامت پلٹ گئی
مُنہ سے لگا چکے تھے سرافیل صور کو
تھی جنگ یا کہ روز تھا اُمید و بیم کا
جل جل کے مُنہ سیاہ ہوا ہر لئیم کا
کیا تھمتے ناریوں کے قدم وہ صراط تھی
وحشت سے چھپتے پھرتے تھے دشمن ادھر ادھر
ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ جوشن ادھر ادھر
صف پر گری جو صف تو پروں پر پرے گرے
ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کے تیغے اُڑا دیئے
پہونچا جو سر پہ ہاتھ تو پہونچے اُڑا دیئے
تن چار ہاتھ تڑپ کے الگ، سر الگ گیا

دل کانپتے تھے دیکھ کے اُس کج ادا کا مُنھ
اژدر کے مُنھ سے کم نہ تھا اُس جاں گزا کا مُنھ

پہونچی یہ واں اجل کا بھی جب جا گزر نہ ہو
جب ہاتھ اُٹھا تو چرخ پہ تیغ دو سر چڑھی
یہ گردنوں پہ سر کے لئے سجّے سر چڑھی
دریائے خوں فرات کے ساحل پہ بہہ گئے
بیٹھی وہ تیغ جب تو ستمگر نہ اُٹھ سکا
ڈوبا کیا جہاز، پہ لنگر نہ اُٹھ سکا

یوں فرق پر چڑھی رہی اہلِ خلاف کے
سر سے جُدا تھا خود تو سر تھے جبیں سے دور
جاں جسم سے تو جسم تھے جانِ حزیں سے دور
اس تیغ جاں ستاں سے فقط سر قلم نہ تھے
ہر سو پڑے تھے خاک پہ اعضا جُدا جُدا
ایذا جُدا تھی رُوح پہ قہر خدا جُدا
پیدا ہوئے تھے نار میں جانے کے واسطے

حملہ جو پیدلوں پہ کیا شہ سوار نے
چھوڑا نہ صید ضیغم آہو شکار نے
کہتی تھی گرچہ پیٹ کا بھرنا محال ہے
جب وہ بلند ہوتی تھی مانندِ ماہِ نو
اُس کی نہ ایک ضرب نہ اعدا کے وار سو
سرکش سب ایک دم میں نگوں سار ہو گئے

بے جاں لئے نہ تیغ شہ لافتا پھری
دل پر جُدا عدو کے گلے پر جُدا پھری
اس ناز سے چلی ہوئی راس و چپ گئی

نا بیں فنا کی راہ تو قبضہ قضا کا مُنھ
آفت کی چال، قہر کی گرمی بلا کا مُنھ

لوہے کو کاٹے یوں کہ زباں کو خبر نہ ہو
اُتری ادھر کہ خون کی ندی اُدھر چڑھی
بس صاف کر دیا اُسے جو صف نظر چڑھی
وہ پار اُتر گئی یہ اسی گھاٹ رہ گئے
لاکھوں سے بار تیغ دو پیکر نہ اُٹھ سکا
دہشت سے کافروں کا کبھی سر نہ اُٹھ سکا

مرکز سے جس طرح سے قدم سر پہ کاف کے
قبضوں سے تیغیں دور تھیں ہاتھ آستیں سے دور
کارہ مکیں مکاں سے مکاں تھے مکیں سے دور
اللہ رے تفرقہ کہ عناصر بہم نہ تھے
سر گردنوں سے جسم سے تھے دست و پا جُدا
پانی جُدا تھا خاک جُدا تھی ہوا جُدا
اک آگ رہ گئی تھی جلانے کے واسطے

ڈر ڈر کے سب قدم پہ گرے سر اُتار نے
زندوں کو بِن کے ذبح کیا ذوالفقار نے
اِن پیلوں خوب سا کر ہو یہ حلال ہے
جاتی تھی دور دور بیاباں میں اس کی ضو
کشتِ حیاتِ اہلِ ستم ہو گئی درو
کٹ کر سروں کے کھیت میں انبار ہو گئے

وہ جس طرف پھری اُسی جانب قضا پھری
دم لے کے جس طرف پھری مثلِ بلا پھری
کیا رعد کی باڑ ہے بجلی تڑپ گئی

دست گُنا وہ دیکھ کے سب تنگ دل چھپے
ڈھالوں کی اوٹ میں وہ سیہ رنگ دل چھپے
یوں کبھو فوج کیں میں حسینؑ دلیر کو
دشمن کا پاؤں رن میں ٹھہرتا نہیں کبھی
چڑھتا ہے زہر یوں کہ اُترتا نہیں کبھی
صدمہ غضب کا ہوتا ہے دو زخم میں جان پر
کیا لشکرِ یزید پہ رنج و محن پڑا
لاشے پہ لاشہ اس پہ سر اور تن پہ تن پڑا
اور پڑے جو کشتوں کے انبار پاتی تھی
گھٹنے تڑپ رہے تھے برابر زمین پر
آئی جو شن سے تیغ دو ٹکڑے زمین پر
سلطانِ دیں کے پاؤں پہ سر کٹ کے گر پڑا
کٹ کٹ گئے جو خود تو مر گئے حسود
ظالم جو بے نمود ہوں وہ کیا کریں نمود
جھگڑا ابھی یہاں جدا ہوا وہ آن بھی گئی
حربے بھی قتل گاہ سے منہ موڑنے لگے
ڈر ڈر کے مورچوں کو جری چھوڑنے لگے
چلاتی تھیں کمانیں کہ اب رُخ کدھر کریں
دو ٹانک کی کماں کو کبا وا بنا دیا
رن کی زمیں کو خون سے دریا بنا دیا
دیتے تھے تیر کٹ کے صدا الاماں کی
ڈھالوں پہ آئی نیزوں کو جب دیکھ بھال کے
تھرائے تیر ڈر سے شہِ خوش خصال کے
وہ منھ کے بل پڑے تھے جو بھالے اُٹھائے تھے

کیونکر بڑھے قدم جو دمِ جنگ دل چھپے
چمکی جو تیغ مثلِ شرر رنگ دل چھپے
دیکھا ہو گر کبھی صفِ آہو میں شیر کو
دم اُس کا وہ غضب ہے کہ بھرتا نہیں کبھی
یہ جس کو کاٹتی ہے وہ مرتا نہیں کبھی
تلخی اجل کی رہتی ہے برسوں زبان پر
طالع جو نحس تھے تو انھیں پر گہن پڑا
کہتی تھی موت بھی کہ قیامت کا رن پڑا
گنتی کو بار بار اجل بھول جاتی تھی
زندے تھے خوفِ قتل سے مضطر زمین پر
گردن نے دھڑ سے پھینک دیا سر زمین پر
تن مارے ڈر کے چند قدم ہٹ کے گر پڑا
لاکھوں ہوں گر کروڑوں ہوں کیا اُن کی ہست و بود
سر تن سے مفت کھوئے یہ نقصان ہوا کہ سود
عزت بھی آبرو بھی گئی، جان بھی گئی
ہٹ ہٹ کے پیچھے ہاتھ تبر جوڑنے لگے
تیغیں ٹپک کے خاک پہ دم توڑنے لگے
ڈھالیں تھیں مضطرب کہ کسے ہم سپر کریں
تیروں کو کاٹ کاٹ کے تودا بنا دیا
ہر جزوِ تن کو لاتجزا بنا دیا
پتوں کی طرح اُڑتی تھیں شاخیں کمان کی
پھل بھی لگا نہ تھا کہ گرے پھول ڈھال کے
تیغیں اماں طلب ہوئیں دنداں نکال کے
دستِ اماں کو برچھیوں والے اُٹھائے تھے

تھی شعلہ ور جو آتشِ شمشیرِ آبگوں
زہرے تھے آب آب جگر ہو گئے تھے خوں
نوبت یہ پہونچی تھی کہ علم کا نشاں نہ تھا
ہر چند ساری فوج پہ ڈھالوں کی آڑ تھی
غلبہ تھا دیں کا کفر کی بستی اُجاڑ تھی
ڈر ڈر کے مُنھ سے زہر سبھوں نے اُگل دیئے
سُن سُن چلی جو تیغ تو جی سنسنا گئے
دعویٰ تھا مردمی کا پہ آنکھیں چُرا گئے
مٹی نے بھی عزیز نہ اُن کا لہو کیا
افعی تھا مُنھ کھلا رہا جب تک زباں چلی
غل تھا کدھر گئی کدھر آئی کہاں چلی
ہاں ہاں کا شور تھا کسی لب پر نہیں نہ تھی
برچھی سے پھل کمان کیانی سے زہ گری
سر جسم سے جُدا ہوا تن سے زرہ گری
ابرو کے اک اشارے میں مطلب ادا کیا
دریائے قہرِ حق انھیں کہنا سند ہوا
جس نے خدنگ قوس میں جوڑا وہ دو ہوا
خونِ عدو سے کھیت کبھی یوں سنچا نہ تھا
ڈھالیں تو تھیں نڈھال عجب حالِ ڈھال تھی
کاٹا تھا باغِ کفر تو کیسی نہال تھی
پکڑا گلا تو سانس نہ دشمن سے لی گئی
آفت تھی، قہر تھی غضبِ ذوالجلال تھی
خنجر تھی، تیغ تھی، کٹاری تھی، ڈھال تھی
جنبیا تو سامنے سے کوئی کم نکل گیا

جل جل گئے تھے اہلِ دغا کے دروں بروں
تھیں برچھیاں یزید کے لشکر کی سرنگوں
حیدر کی ذوالفقار کا ڈنکا کہاں نہ تھا
بھاری تھی ضرب یہ کہ لڑائی پہاڑ تھی
میدانِ معرکے میں عجب مار دھاڑ تھی
گھوڑے کے سُم نے موذیوں کے سر کچل دیئے
دریا کے جو کمیدار لہو میں نہا گئے
بچ بچ کے آبِ تیغ کے چھینٹوں میں آ گئے
دم بھر میں ذوالفقار نے بے آبرو کیا
نوکیں جبھی تکیں وہ پکارا سناں چلی
اُس نے کہا یہاں، وہ پکارا وہاں چلی
جلوہ تھا ہر مقام پر اور پھر کہیں نہ تھی
نیزوں کی ڈانڈ کٹ کے گرہ پر گرہ گری
بندِ کمر کھلا تو ہوا غل کہ یہ گری
مشکل کُشا کی تیغ نے عقدوں کو وا کیا
مولا گھٹے بڑھے تو عجب جزر و مد ہوا
مُردے بنے جو تیر تو ترکش لحد ہوا
سیفی الٹ پڑی ابھی چلّہ کھنچا نہ تھا
برپا تھا حشر رن میں قیامت کی چال تھی
پیاسے جو تھے حسینؑ تو غصے سے لال تھی
دریا پہ جس کو پایا لہو اُس کا پی گئی
بجلی تھی، صاعقہ تھی، قضا تھی، زوال تھی
اعدا کے ذبح کرنے کو بس حلال تھی
مُنھ اُس کا جس نے دیکھ لیا دم نکل گیا

یکتا تھی، بے نظیر تھی اور بے مثال تھی
بجلی زمیں پہ تھی تو فلک پر ہلال تھی
آگے رہی سپر سے بھی کچھ رزم گاہ میں
تیغِ خدا تھی ضرب سے اس کی کہاں پناہ
کیونکر نہ خلق اس کو کہے آسماں پناہ
نصرت بھی اک لقب دمِ تیغِ دو سر کا تھا
روحیں گئیں سقر میں بدن رن میں رہ گئے
جانیں کہاں کی زخم فقط تن میں رہ گئے
دوزخ میں سر اٹھانے کی کب ان کو بار ہے
غل تھا کہ اس کی ضرب سنبھالی نہ جائے گی
جب آئے گی سروں پہ تو خالی نہ جائے گی
جوہر نہیں ہے تیغِ شہِ خوش خصال پر
بجلی سی جس پرے پہ وہ چل پھر کے ہو گئی
ہر صف میں ہر جنگ و جدل پھر کے رہ گئی
بے دم ہوا کوئی کوئی سرکش کچل گیا
معشوق سبز رنگ تھی وہ تیغِ حق نما
دیکھی علی کے وقت سے فوجوں کی برہمی
برسوں رہی بغل میں شہِ مشرقین کی
تلواریں پیچ و تاب سے بل کھا کے رہ گئیں
سہمے جو دل کمانیں بھی چلا کے رہ گئیں
ڈھالوں کے رنگ خوف سے کافور ہو گئے
سر اڑ گئے تنوں سے جدھر سرسری چلی
خالی ہوئے پرے تو غضب میں بھری چلی
خنجر انھیں کے ان کا لہو چاٹنے لگے

کیا آزمودہ کار تھی، کیا ذی کمال تھی
اعدا پہ تیغ، قبلۂ عالم پہ ڈھال تھی
حمزہ کی ڈھال بھی تھی اسی کی پناہ میں
پستی ہو یا کہ اوج نہ یاں اور نہ واں پناہ
جس تیغ کی پناہ میں خود ہو جہاں پناہ
برسوں سے اس کی پشت پہ تکیہ ظفر کا تھا
جو شیر بن کے آئے تھے وہ بن میں رہ گئے
ہاں طوقِ لعن لعن کے گردن میں رہ گئے
اب گردنوں پہ تیغِ تبرا سوار ہے
بے جاں لئے یہ تیغ ہلالی نہ جائے گی
یہ وہ بلا ہے کہ ٹالی نہ جائے گی
سیفی لکھی ہوئی ہے دعائے ہلال پر
خادم کی طرح ساتھ اجل پھر کے رہ گئی
بھر کر تھما جو اسپ تو کل پھر کے رہ گئی
آنکھوں کے سامنے سے چھلاوا نکل گیا
لب پر لہو سے پان کی لالی سی تھی جمی
آتش مزاج، معرکہ آرا، الکسی، دمی
چھیلے ہوئے لڑائیاں بدر و حنین کی
پھل یوں اٹھے کہ برچھیاں تھرا کے رہ گئیں
چشمِ زرہ کی پتلیاں پتھرا کے رہ گئیں
چار آئینوں کے شیشۂ دل چور ہو گئے
خشکی سے خوں میں ڈوب کے سوکھے تری چلی
غل تھا کہ رو دکھا کے لگاوٹ بری چلی
دیوانے آپ اپنے گلے، کاٹنے لگے

چلنے میں گر کبھی کمر اُس کی لچک گئی
ڈھالوں کے ابرِ تیرہ میں بجلی چمک گئی
اُڑنے لگیں جو خون کی چھینٹیں سڑک گئی
گہہ آئی نہر پر کبھی سوئے فلک گئی
برسے نہ اس ترنگ سے بادل اساڑھ کے
قربان ذوالفقار تری گھاٹ باڑھ کے

چھوٹیں کمانیں قبضوں سے ور چلّیوں سے تیر
کیسی لڑائی سہمے ہوئے تھے جوان پیر
عاری تھے تیغ زن قدر انداز گوشہ گیر
اپنے لہو میں لوٹتے پھرتے تھے پھر شریر
لشکر سیہ رخوں کا جو پامال ہو گیا
مارے خوشی کے تیغ کا مُنہ لال ہو گیا

بڑھتی تھی زور و شور سے بزمِ ہبانِ رود
گر گر کے بہہ رہے تھے مثالِ حباب خود
نیزے کٹے ہوئے تھے تو ٹوٹے ہوئے عمود
خالی تھا رن بھری تھی سروں سے اجل کی گود
تھمتی نہ تھی جو تیغ شہِ مشرقین کی
جنگل میں شور تھا کہ دُہائی حسینؑ کی

مطلع

اے بحرِ طبع بس یہ روانی کہاں تلک
ہاں اے زباں یہ چرب زبانی کہاں تلک
اے ذوالفقار شعلہ فشانی کہاں تلک
قصہ تمام کر یہ کہانی کہاں تلک
خنجر ہے اور گلوئے شہِ مشرقین ہے
خاموش ہو یہ وقتِ نمازِ حسینؑ ہے

بھولیں گے مومنوں کو نہ یہ یادگار بند
فرصت ملے تو کہہ کے سُنا دوں ہزار بند
برسوں نہ ہو زبانِ فصاحت شعار بند
سُن لو کہ گریہ خیز ہیں یہ پانچ چار بند
دی ہے جو مصطفےٰ کی قسم فوجِ شام نے
تلوار روک لی ہے تمہارے امام نے

پہونچا ہے عنقریب لبِ بام آفتاب
شوقِ نمازِ عصر میں ہیں مضطرب جناب
دریا پہ ہیں مگر نہیں ملتا وضو کو آب
سید کو تیر ملتے ہیں خانماں خراب
منظور ہے نہ جنگ نہ ہاتھوں میں زور ہے
بجلی جو تھم گئی ہے تو کیا مینہ کا زور ہے

لگتا ہے جب خدنگ تو چھٹتی ہے خوں کی دھار
کاٹھی میں فرطِ غم سے تڑپتی ہے ذوالفقار
کہتے تھے رو کے شاہ کہ اب کیوں ہے بے قرار
بس بس کہ قتل ہو چکے دشمن کئی ہزار
کب تک وغا حسینؑ کا دل دردمند ہے
اے ذوالفقار! صبر خدا کو پسند ہے

آقا شہید ہوتا ہے گھوڑے کو ہے یہ غم
حربوں سے شاہِ دیں کو بچاتا ہے دم بدم
فرماتے ہیں حسینؑ کہ اے ذوالجناح تھم
پھر میں اُتر پڑوں گا ہٹایا اگر قدم
وعدہ ہے خوں میں بھرنے کا ربِ قدیر سے
للہ اب بچا نہ مجھے تیغ و تیر سے

سینے پہ اب چڑھے گا مرے شمرِ روسیاہ
دو دن سے میرے ساتھ ہے بے دانہ و گیاہ
عادل کا سامنا ہے شہِ مشرقین کو

کہتا ہے رو کے شاہ سے اسپِ وفا شعار
رخصت کے وقت مجھ پہ جو حضرت ہوئے سوار
پھر ایک بار ڈیوڑھی پہ لانا حسین کو

دو دن سے خود حضور رہے آب بے طعام
بچپن سے میرے حال پہ شفقت رہی مدام
برسوں چڑھے یہ دل سے اتارا کبھی نہیں

یہ ذکر تھا ابھی کہ بڑھی فوجِ اشقیا
زہرا نے خاک اڑا کے جو عریاں سر کیا
نیزے لگے جو تن پہ حسینِ دلیر کے

مارا ابوالحتوف لعیں نے گلے پہ تیر
جھکنے لگا جو غش میں علی کا مہِ منیر
تیغوں سے پیچ سبز عمامے کے کٹ گئے

ہاں اے حسینو یہ مصیبت کا وقت ہے
رونے میں فاطمہ کی رفاقت کا وقت ہے
نکلی رکاب پائے شہِ مشرقین سے

تو گر پڑے زمیں پہ شبیر ہے غضب
پھر برچھیاں لگاتے ہیں بے پیر ہے غضب
گر پڑتے ہیں زمیں پہ کبھی گہہ سنبھلتے ہیں

دُرِّ عدن عقیقِ یمن بن گئے ہیں سب
ہر زخم پر لعینوں سے پانی کی ہے طلب
لب تک دہن سے بات بھی دقت سے آتی ہے

تجھ سے نہ دیکھا جائے تو جا سوئے خیمہ گاہ
شرمندہ تجھ سے ہوں بہت اے میرے خیر خواہ
مارا ہو گر کبھی تو بحل کر حسین کو

جب تک ہے دم قدم کو نہ چھوڑے گا جاں نثار
بنتِ علی نے مجھ سے کہا تھا بحالِ زار
اے ذوالجناح! چھوڑ نہ آنا حسین کو

میں کیا ہوں اے حسین سکینہ ہے تشنہ کام
میں کس زباں سے شکر کروں اے شہِ امام
تقصیر پر بھی آپ نے مارا کبھی نہیں

دو لاکھ نے امام کو حلقے میں لے لیا
تھرا گیا مزارِ شہنشاہِ انبیاء
بستی نجف کی ہل گئی نعروں سے شمر کے

خوں ہو کے حلقِ شہ سے بہا فاطمہ کا شیر
بھاگا لگا کے فرق پہ شمشیر اک شریر
گردن سے ذوالجناح کی تھک کر لپٹ گئے

سر پیٹنے کا وقت ہے رقت کا وقت ہے
گرتا ہے عرشِ حق یہ قیامت کا وقت ہے
گھوڑے پہ اب تھما نہیں جاتا حسین سے

ڈوبی لہو میں زلفِ گرہ گیر ہے غضب
زخمی گلے پہ اور لگا تیر ہے غضب
تھک تھک کے منہ سے خون کے تختے اگلتے ہیں

فیروزی ہیں پیاس کی شدت سے لعلِ لب
دیتا نہیں جواب مگر کوئی بے ادب
طاری ہے ضعف یہ کہ زباں لڑکھڑاتی ہے

ڈوبے ہوئے لہو میں اٹھائے ہیں دونوں ہات
خالق سے یہ دعا ہے کہ اے ربِ پاک ذات
شیعوں کو میرے آتشِ دوزخ سے دے نجات
عزت حیات میں ہو تو راحت پس از وفات
زیرِ زمیں بھی موردِ لطف و کرم رہیں
یہ سب کے سب صراط پہ ثابت قدم رہیں

لب پر تھی یہ دعا کہ لگا تیر حلق پر
ریشِ خضاب دار ہوئی سب لہو میں تر
سجدے میں حق کے جھک گئے ہاتھوں کو ٹیک کر
واں آستیں الٹ کے بڑھا شمرِ بدگہر
زانو رکھا جو چھاتی پہ زہرا کے جائے کی
دہنی طرف سے آئی صدا ہائے ہائے کی

تھرا کے دیکھنے جو لگا وہ ادھر اُدھر
دیکھا کھڑے ہیں احمدِ مرسل برہنہ سر
حیدر بہت قریب ہیں تھامے ہوئے جگر
زہرا کی ہے صدا کہ نہ سید کو ذبح کر
ڈر قہرِ حق سے دست درازی کو چھوڑ دے
صدقہ نبی کا میرے نمازی کو چھوڑ دے

سید کی کون سی ہے خطا کون سا گناہ
ہے ہے مرا حسین تو ہے سب کا خیر خواہ
بے سر اگر ہوا یہ غریبوں کا بادشاہ
ہو جائیں گی سفر میں نبی زادیاں تباہ
یہ ظلم و جور احمد و حیدر کے سامنے
بیٹے کو ذبح کرتا ہے مادر کے سامنے

ہٹنے لگا جو ڈر کے وہ مرتد جفا شعار
چلایا بڑھ کے یوں پسرِ سعدِ نابکار
ڈرتا ہے کیوں یہ سحر ہے اے مردِ نامدار
جلدی پھرا دے شہ کے گلے پر چھری کی دھار
اب حشر ہو گا اس جسدِ پاش پاش پر
سر کھولے زینب آتی ہے بھائی کی لاش پر

سید پہ ہو رہا ہے ادھر ظلم برملا
زخمی گلے پہ دوڑ کے رکھ دے گی وہ گلا
بنتِ علی کو روک سکے گا کوئی بھلا
ڈر ہے اُلٹ نہ جائے کہیں دشتِ کربلا
خلعت لے اسپ لے گہرِ شاہوار لے
تن سے سرِ حسین کو جلدی ہی اُتار لے

یہ سُن کے اس شقی سے بڑھا پھر وہ کینہ جو
خنجر رکھا گلے پہ محمد کے روبرو
بولے یہ آنکھیں کھول کے شبیرِ نیک خو
اماں تڑپ رہی ہیں زمیں پر کشادہ مو
ثابت ہوا مجھے کہ اجل اب قریب ہے
کہہ دے ابھی ہے دُور کہ زینب قریب ہے

خنجر ہٹا کے حلق سے ظالم نے یہ کہا
سیدانی ایک خیمے سے نکلی ہے بے ردا
شہ بولے یاں سے سامنا ہے خیمہ گاہ کا
لے چل مجھے نشیب میں اے بانیِ جفا
بھائی کے مرتے وقت بہن کا گزر نہ ہو
یوں ذبح کر مجھے کہ کسی کو خبر نہ ہو

یہ کہہ کے خود نشیب کی جانب چلے امام
سجدے میں واں پہونچ کے جھکے پھر شہِ انام
خنجر سے ذبح جانِ دلِ فاطمہؑ ہوا
اُس وقت پہونچی زینبؑ ناشاد نوحہ گر
بکھری ہوئی تھیں چہرے پہ زلفیں ادھر ادھر
تھی خاک سجدہ گاہِ جبینِ حسینؑ کی
قرآن پڑھ رہا تھا سرِ ابنِ بوتراب
روشن تھا بعدِ قتل بھی رُخ مثلِ آفتاب
آنکھوں سے یہ عیاں تھا کہ دُنیا سے جاتے ہیں
چلائی سر کو پیٹ کے زینبؑ جگر فگار
سیدؑ تری کھلی ہوئی آنکھوں کے میں نثار
شاید ابھی چلی ہے چھری حلقِ پاک پر
کیا چپکے چپکے جان دی اے شاہِ دیں پناہ
آئی صدا کہ بات کی فرصت ملی نہ آہ
خنجر گلے پہ سینے پہ قاتل سوار تھا
قاتل بڑھا جو لے کے سرِ سرورِ زمن
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو دوڑی وہ بے وطن
جیجی! ترے شہید برادر کے ساتھ ہوں
چلائی وہ کہ لاشۂ غریاں ہے کس طرف
اے طائرو وہ فخرِ سلیماں ہے کس طرف
زہرا کی عمر بھر کی کمائی کو کیا ہوا
ہے کس مقام پر مرے سید کی قتل گاہ
اے ارض نینوا مجھے ملتی نہیں ہے راہ
اے شامِ غم وہ گیسوؤں والا کدھر گیا

مُڑ مُڑ کے دیکھتے تھے مگر جانبِ خیام
فریاد الغیاث! قیامت کا ہے مقام
جس جا تھی قتل گاہ، وہیں خاتمہ ہوا
جب شمر ہاتھ میں لئے جاتا تھا شہ کا سر
رُخسار دونوں زرد تھے اور ہونٹ خوں سے تر
آنکھیں کھلی تھیں فاطمہؑ کے نورِ عین کی
اور ریش میں گُھلا ہوا تھا جا بجا خضاب
ظاہر یہ تھا لبوں سے کہ پایا نہیں ہے آب
ثابت یہ خشک ہونٹوں سے تھا شکر کرتے ہیں
ہے ہے شہید ہو گیا نانا کا یادگار
بھیا! بہن کے آنے کا تھا تم کو انتظار
اس وجہ سے لہو یہ ٹپکتا ہے خاک پر
سر تن سے کٹ گیا نہ پکارے بہن کو وا
زینب ہمارے حال کی ہیں فاطمہؑ گواہ
اس جبر میں بہن مرا کیا اختیار تھا
کس یاس سے کہا کہ خدا حافظ اے بہن
آئی صدا اے دخترِ محبوبِ ذوالمنن
تو جا کے ڈھونڈھ لاش کو میں سر کے ساتھ ہوں
ہے ہے تنِ امامِ غریباں ہے کس طرف
اے دشتِ کربلا ترا مہماں ہے کس طرف
بتلا دے اے زمیں مرے بھائی کو کیا ہوا
اے خاک کس نشیب میں ہے فاطمہؑ کا ماہ
اے آسماں یہ کیا ہوا" دن ہو گیا سیاہ
اے آفتاب تیرا اُجالا کدھر گیا

یہ کہتی تھی وہ لاشۂ بے سر کدھر گیا
چلّائی ہائے بھائی یہ کیسا ستم ہوا
کچھ غم نہیں جو ذبح میں ناکام ہو گیا
بس اے انیسؔ اب تو ہے شورِ فغان و آہ
آباد لکھنؤ رہے تا حشر یا الٰہ!
یارب! ہرا بھرا چمنِ آرزو رہے

بس دوڑ کر لپٹ گئی وہ غم کی مبتلا
آئی صدا یہ لاش سے جو مرضیٔ خدا
اُمت کی مغفرت کا سرانجام ہو گیا
"آمین" زبان و دل سے کہیں عاشقانِ شاہ
رکھ میرے دوستوں کو جہاں میں بہ عزّ و جاہ
جب تک چمن میں گل رہے اور گل میں بو رہے

رُباعی

ہر برگ سے قُدرتِ احد پیدا ہے
ہر پھول سے صفتِ صمد پیدا ہے
سینہ ہے بشر کا وہ محیطِ ذخّار
ہر ایک نفس سے جزر و مد پیدا ہے

رُباعی

امداد کو شیرِ حق لحد میں پہونچے
اب غم نہیں کچھ کہ اپنی حد میں پہونچے
تربت جو ہوئی بند کھلا خلد کا دَر
خنداں خنداں جوارِ جد میں پہونچے

ختم شد